

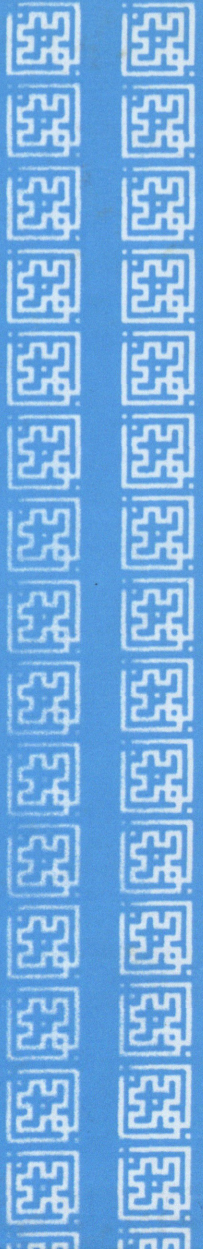


تفسیر الكتاب

# اعمال - رومیوں

ولیم میکڈونلڈ

جلد سوم





# تفسیر الکتاب

کلام الہی کی عام فہم اور آیت بہ آیت تشریح

جلد سوم

(اعمال — رویوں)

از

ولیم میکڈونلڈ

مترجم

جیکب سمویل ایم۔ اے۔ بی۔ ایڈ

ناشرین

مسیحی اشاعت خانہ

۳۶۔ فیروز پور روڈ، لاہور

بار \_\_\_\_\_ سوم  
تعداد \_\_\_\_\_ ایک ہزار  
قیمت \_\_\_\_\_ ۷۰ روپے

۳۰۰۰ء

اردو ایڈیشن کے مجلہ حقوق بحق مسیحی اشاعت خانہ، لاہور محفوظ ہیں۔

Copyright © 1990 by William MacDonald  
Urdu edition published by permission of author

مینجر مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پور روڈ، لاہور نے مکتبہ جدید پریس، لاہور سے  
چھپوا کر شائع کیا۔



## پیش لفظ

مسیحی علمائے کرام نے بائبل مُقدس کی مُتعدد تفسیریں رقم فرمائی ہیں تاکہ بائبل کے طالب علم اور بالخصوص ایسے طلباء جو بائبل کی اصل زبانوں یعنی عبرانی اور یونانی سے نا آشنا ہیں اُسے بخوبی سمجھ سکیں۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لیکن جو بات اس تفسیر کو دیگر تفاسیر سے ممتاز بناتی ہے یہ ہے کہ اسے آسان اور سادہ اور غیر فنی زبان میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مُصنّف نے مُشکل بیانات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے برعکس اُس نے نہ صرف اُن پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے بلکہ دیگر علمائے اختلافی تشریح کو بھی شامل کیا ہے۔

مُصنّف نے ہر کتاب کی تشریح سے پیشتر اُس کا پس منظر بھی بیان کیا ہے اور پھر کل کتاب کو موضوعات کے لحاظ سے تقسیم کر کے سطر بہ سطر اس کی تفسیر کی ہے جس سے ایک قاری کو متن سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

بے شک بائبل کے ہر ایک مُفسر کا اپنا مخصوص زاویہ نگاہ اور انداز بیان ہوتا ہے۔ لہذا عبرانی کی کوئی بات نہیں کہ بعض اوقات جب بائبل کا طالب علم کسی آیت کی تشریح کو اپنے زاویہ نگاہ سے مُختلف پاتا ہے تو شش و پنج میں پڑ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر قاری کو خود فیصلہ کرنا چاہئے کہ اُس کے اپنے مخصوص حالات میں پاک متن کا کیا مطلب ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تفسیر کی اشاعت سے اُردو خواں مسیحیوں کو بڑی مدد ملے گی اور وہ کتاب مُقدس کو اور بھی بہتر طور پر سمجھنے کے قابل بن جائیں گے۔



## مُصَنَّف کا دیباچہ

”تفسیر الکتاب“ پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک عام مسیحی خُدا کے کلام کا سنجیدہ طالب علم بن جائے۔ لیکن کوئی تفسیر بھی بائبل مُقدس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ تفسیر عام فہم انداز میں پاک متن کی سادہ تشریح پیش کر دے اور پھر مزید گہرے مُطالعہ کے لئے قاری کو پاک صحائف کی طرف واپس بھیج دے۔ یہ تفسیر سادہ اور غیر تکنیکی زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کہ یہ ایک عالمانہ کاوش ہے جس میں علم الہیات کے دقیق نکات پر بحث کی گئی ہے۔ بہت سے ایماندار پُرانے اور نئے عہد نامہ کی اصل زبانوں سے واقفیت نہیں رکھتے۔ لیکن اس وجہ سے انہیں خُدا کے کلام کے عملی فوائد سے محروم رہنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ صحائف کے باقاعدہ اور ترتیب وار مُطالعہ سے ہر مسیحی ایک ایسا شخص بن سکتا ہے جس کو شہوندہ ہونا نہ پڑے اور جو حق کے کلام کو درستی سے کام میں لاتا ہو“ (۲۔ تیسٹیمونیس ۱۵:۲)۔

تبصرہ مختصر اور مُجمل ہے مگر ضروری اور اہم نکات کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ کسی بھی حصے کو سمجھنے کے لئے قاری کو طویل عبارتوں سے گزرنا نہیں پڑتا۔ آج کے تیز رفتار زمانے کا تقاضا ہے کہ سچائی کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جائے۔ تو بھی مشکل حصوں سے پہلو تہی نہیں کی گئی مُتبادل تشریحات بھی درج کی گئی ہیں اور یہ فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ کون سی تشریح سیاق و سباق کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتی ہے۔

بائبل مُقدس کا صرف علم حاصل کر لینا ہی کافی نہیں۔ ضرور ہے کہ پاک کلام کا زندگی پر عملی اطلاق کیا جائے۔ چنانچہ اس تفسیر میں یہ مشورے بھی دئے گئے ہیں کہ خُدا کے لوگوں کی زندگیوں میں پاک صحائف کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں۔

اگر اس تفسیر کے مُطالعہ ہی کو مقصد بنا لیا گیا تو یہ کتاب مُعاون ثابت ہونے کی بجائے ایک پھندا یا جال ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کتاب کے باعث پاک صحائف کے شخصی مُطالعہ کی تحریک مل جائے اور خُداوند کے ایٹم و احکام کی تعمیل کے لئے آمادگی پیدا ہو جائے تو اس کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

میری دُعا ہے کہ رُوحُ الْقُدُسِ جس نے بائبل مُقَدَّس کا اہام عطا کیا تباری کے  
 دل و دماغ کو روشن کرے، تاکہ وہ کلامِ پاک کے وسیلے سے خُدا کا عرفان  
 حاصل کرے۔ آمین۔

---

# اعمال کی کتاب

## تعارف

”موضوع ہے مسیح، وسیلہ ہے کلیسیا اور قدرت ہے رُوح القدس“

ڈبلیو۔ گراہم سکرانگی

### ۱۔ عہدِ جدید کی کتب میں یکساں مقام

رسولوں کے اعمال کیسیائی تاریخ کا واحد حصہ ہے جو الہام سے قلمبند کیا گیا۔ یہ کلیسیا کی اولین تاریخ ہے، اور کلیسیا کی وہ ابتدائی تاریخ ہے جو ایمان کے ابتدائی زمانے کا بیان کرتی ہے۔ باقی تاریخی بیانات صرف لُوقا کی تحریر سے استفادہ کرتے ہیں اور ان میں کچھ روایات (جو زیادہ ترقیاتی اور خیالی ہیں) کا اضافہ کر لیتے ہیں اور بس! اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو ہمیں ابتدائی کلیسیا کی تاریخ کا قطعاً کوئی علم نہ ہوتا اور ہمیں انجیل میں اپنے خداوند کے حالات سے سیدھے اور ایک دم خطوط میں داخل ہونا پڑتا۔ خیال کیجئے کہتنا بڑا خلا رہ جاتا۔ ہم یہ جاننے سے قاصر رہتے کہ جن کلیسیاؤں سے خطاب کیا گیا ہے وہ کون ہیں اور کیسے وجود میں آئی تھیں۔ اعمال کی کتاب نہ صرف ان سوالات کا بلکہ دیگر سوالوں کا بھی جواب دہتی ہے۔ یہ کتاب مسیح کی زندگی اور اُس مسیحانہ زندگی کے درمیان ایک پُل ہے جس کی تعلیم خطوط میں دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ یہودیت سے مسیحیت کی طرف اور شریعت سے فضل کی طرف کے عبوری عرصے کا بیان بھی ہے۔ یہی اعمال کی کتاب کا تفسیر کرتے ہوئے ایک بڑی مشکل کا سبب بھی ہے یعنی یہ وشلیم سے اُٹھنے والی ایک چھوٹی سی یہودی تحریک کے اُنق بتدریج کس طرح وسیع ہوئے اور کس طرح اُس نے ایک عالمگیر ایمان کی صورت اختیار کر لی جس کی راہیں شاہی دار الحکومت کے اندر تک جا پہنچیں۔

### ۲۔ مصنف

تقریباً سبھی مفسرین متفق ہیں کہ لُوقا کی انجیل اور رسولوں کے اعمال ایک ہی شخص کی تصنیف

ہیں۔

اس بات کے حق میں کہ اعمال کی کتاب لُوقا کی تصنیف ہے خارجی شہادتیں بڑت وسیع اور مضبوط ہیں اور ابتدائی دور سے موجود چلی آ رہی ہیں۔ لُوقا کا دیباچہ (۶۱۶۰-۶۱۸۰) جو مرقیون نے



کے نظریات کی تردید کرتا ہے اور مرتوری فہرستِ مسلمہ (۱۷۰ء تا ۱۶۲۰ء) اور ابتدائی آیائے کلیسیا یعنی سکندریہ کا کلیمنس، طرطلیان اور افریقین سب متفق ہیں کہ اعمال کی کتاب لوقا نے لکھی ہے۔ اسی طرح یوسیبیس اور جیروم جیسے مصنفین بھی جو اعمال کو تاریخ کلیسیا میں شامل کرتے ہیں، اس نکتے پر متفق ہیں کہ اس کا مصنف لوقا ہی ہے۔

اعمال کی کتاب کے مصنف کے بارے میں واقعی شہادتیں تین ہیں۔ کتاب کے شروع ہی میں مصنف ایک پہلے کی تصنیف کا حوالہ دیتا ہے جو تھیوفیلوس سے منسوب تھی۔ لوقا: ۱-۱۴ سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد تیسری انجیل ہے۔ اندازہ تحریر، درمندانہ نقطہ نظر، استدلال (مسائل، اعتراضات کے جواب) مناظرہ) پر زور اور کئی چھوٹی چھوٹی تفصیلات وہ کڑیاں ہیں جو دونوں کو باہم ملاتی ہیں۔ اگر لوقا کو باقی تین انجیل کے ساتھ رکھنے کی خواہش غالب نہ ہوتی تو، یہ انجیل اور اعمال کی کتاب اسی طرح ساتھ ساتھ ہوتیں جیسے پہلا اور دوسرا کرنتھیوں۔

دوم۔ اعمال کے متن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف پولس رسول کے سفروں کا ساتھی تھا۔ خاص طور پر ان حصوں میں جہاں ”ہم“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (۱۶: ۱۰-۱۷؛ ۲۰: ۵-۲۱؛ ۲۸: ۱۸-۲۷؛ ۲۸: ۱۶) اور جہاں مصنف ان واقعات میں موجود ہے جو فلپینڈ کے گئے ہیں شکوک کو ابھارنے والے لوگ ان کو خیالی یا داستانی قرار دیتے ہیں، مگر اس بات میں کوئی وزن نہیں۔ اگر ”ہم“ کا اضافہ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ تحریر زیادہ مستند دکھائی دے تو پھر یہ اتنا کم کیوں ہوا اور اس کا استعمال اتنا لطیف کیوں ہے؟ نیز ”ہم“ میں جو ”میں“ شامل ہے اس کو کوئی نام کیوں نہیں دیا گیا؟ سوم۔ جب پولس کے وہ ساتھی جن کا ذکر صیغہ غائب میں کیا گیا اور وہ بھی جن کے بارے میں علم ہے کہ وہ ”ہم“ والے حصوں میں اس کے ساتھ نہیں تھے خارج کر دیا جاتا ہے تو صرف لوقا ہی باقی رہ جاتا ہے جو اس کتاب کا مصنف ہو سکتا ہے۔

### ۳۔ تاریخ تصنیف

نئے عہد نامہ کی بعض کتابوں کے وجود میں آنے کی تاریخ کو جاننا اتنا ضروری نہیں ہے لیکن اعمال کی کتاب کا سن تصنیف بہت اہم ہے اس لئے کہ یہ کلیسیا کی تاریخ ہے بلکہ اسے کلیسیا کی تاریخ کی پہلی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔

اس کی تصنیف کے تین سائنس پیش کئے جاتے ہیں۔ دو تو ٹوفا کو مصنف مانتے ہیں جبکہ تیسرا انکار کرتا ہے۔

۱- اگر مان لیا جائے کہ یہ کتاب دوسری صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی تو ٹوفا اس کا مصنف نہیں ہو سکتا۔ وہ ۸۰ء یا زیادہ سے زیادہ ۸۵ء تک زندہ تھا۔ بعض آزاد خیال مصنفین محسوس کرتے ہیں کہ اعمال کے مصنف نے یوسیتس کی کتاب Antiquities (سن تصنیف تقریباً ۹۳ء) سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن تھیوداس (اعمال ۵: ۳۶) کے متعلق ٹوفا اور یوسیتس کے بیانات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔

۲- عام مقبول نظریہ یہ ہے کہ ٹوفا نے روموں کے اعمال ۸۰ء اور ۸۰ء کے درمیان لکھی۔ اس طرح ممکن ہے کہ اس نے مرقس کی انجیل (سن تصنیف تقریباً ۶۰ء کا عشرہ) سے استفادہ کیا ہو۔

۳- سب سے زیادہ مضبوط دلیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ جن واقعات پر اس کتاب کی تاریخ ختم ہوتی ہے ٹوفا نے ان کے تھوڑے ہی عرصے بعد اس کتاب کو مکمل کیا تھا یعنی پولس کی روم میں پہلی قید کے دوران۔

ممکن ہے کہ ٹوفا نے ایک تیسری جلد لکھنے کا منصوبہ بنایا ہو (مگر خدا کی مرضی نہ ہوئی)۔ اس لئے اس نے وہ تباہ کن واقعات بیان نہیں کئے جو مسیحیوں کو ۶۳ء اور ۶۴ء کے درمیانی عرصے میں پیش آئے تھے۔ لیکن چونکہ مندرجہ ذیل واقعات کا کوئی ذکر نہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف ان سے پہلے کی ہے۔ واقعات یہ ہیں — روم کو جلانے (۶۴ء) کے بعد مسیحیوں پر نیرو کے وحشیانہ مظالم، یہودیوں کی روم کے ساتھ جنگ (۶۶-۶۷ء)، پطرس اور پولس کی شہادت (۶۷ء کے دسے کا اخیر) اور یہودیوں اور عبرانی مسیحیوں کے لئے سب سے دل شکن واقعہ یعنی یروشلم کی بربادی۔ چنانچہ زیادہ امکان یہ ہے کہ ٹوفا نے اعمال کی کتاب اس زمانے میں لکھی جب پولس روم میں قید (۶۲ء یا ۶۳ء) تھا۔

### ۴- پس منظر اور موضوعات

رومولوں کے اعمال کی کتاب میں زندگی اور عمل و حرکت کی فراوانی نظر آتی ہے۔ روم القدس کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ کلیسیا کو قائم کر رہا ہے۔ اسے تقویت اور توانائی عطا کر رہا

ہے۔ اُس کے تبلیغی کام کو وسیع سے وسیع تر کر رہا ہے۔ یہ ایک شاندار رُو عیداد ہے کہ قادر رُوح ایسے ذرائع اور وسائل کو استعمال کرتا ہے جو بالکل غیر ممکن معلوم ہوتے ہیں۔ ناقابلِ تسخیر رکاوٹوں پر غالب آتا ہے۔ نہایت غیر روایتی طریقے استعمال کر رہا ہے اور نہایت شاندار نتائج حاصل کر رہا ہے۔

جہاں اناجیل کے بیان کا اختتام ہوتا ہے اعمال کی کتاب کے بیان و میں سے شروع ہوتے ہیں۔ بڑی تیزی اور ڈرامائی انداز سے ابتدائی کلیسیا کے ابتدائی سالوں کے طوفانی واقعات و حالات کو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ یہ اُس تبدیلی اور عبوری صورتِ حال کی رُو داد ہے جس میں نئے عہد نامہ کی کلیسیا نے یہودیت کا کفن اُتار پھینکا اور ایک نئی رفاقت و شراکت کی امتیازی خصوصیات کو اجاگر کیا جس میں یہودی اور غیر اقوامِ مسیح میں ایک ہو جاتے ہیں۔ کسی نے کیا سجا کہا ہے کہ اعمال کی کتاب ”افحاق کی دودھ چُھڑائی“ کی داستان ہے۔

اس کتاب کو پڑھتے ہوئے ایک رُو حانی فرحت و نشاط کا احساس حاصل ہوتا ہے کہ خدا سرگرمِ عمل ہے۔ ساتھ ہی اُس تناؤ اور کشاکش کا احساس ہوتا ہے جو شیطان اور گناہ کی مخالفت اور رُو کا و ط سے ہوتا ہے۔

پہلے بارہ ابواب میں مُقدس پطرس رسولِ کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔ وہ بڑی جرات اور دلیری کے ساتھ اسرائیلی قوم کے سامنے منادی کرتا ہے۔ تیرھویں باب سے مُقدس پطرس رسولِ صفا اول میں آجاتا ہے۔ وہ غیر قوموں کے لئے پُر جوش، انشکاف اور رُو ح سے معمور رسول ہے۔

اعمال کے واقعات تقریباً تیس سال پر محیط ہیں۔ جے۔ بی۔ فلیس کہتا ہے کہ انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثل نہیں ملتی کہ اتنے مختصر سے عرصے میں معمولی سے انسان کے اتنے چھوٹے گروہ نے دُنیا پر اتنا اثر چھوڑا ہو کہ اُن کے دشمن بھی غیض و غضب سے بھری آنکھوں کے ساتھ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ انہوں نے ”جہاں کو باغی کر دیا ہے“ (اعمال ۶: ۱۷)۔ لغوی معنی ”جہاں کو اُلٹ دیا ہے“۔

## خاکہ

۱- **یروشلیم کی کلیسیا** (الو اب ۱-۷)

۱- جی اٹھے خداوند کا روح القدس کے بارے میں وعدہ (۱: ۱-۵)

ب- آسمان پر جاتے ہوئے خداوند کا شاگردوں کو فرمان (۶: ۱-۱۱)

ج- شاگرد یروشلیم میں دعا کے ساتھ انتظار کرتے ہیں (۱۲: ۱-۲۶)

د- پینتگست کا دن اور کلیسیا کا آغاز (۱: ۲-۴۷)

۷- ایک لنگڑے آدمی کی شفا اور پطرس کا اسرائیلی قوم پر الزام (۱: ۳-۲۶)

۹- کلیسیا کی ایذا رسانی اور ترقی (۱: ۴-۷: ۷)

۲- **یہودیہ اور سامریہ میں کلیسیا** (۱: ۸-۹: ۳۱)

۱- سامریہ میں فلپس کی خدمت (۸: ۱-۲۵)

ب- فلپس اور حبشی خوجہ (۸: ۲۶-۴۰)

ج- ساؤل ترسی کا مسیح پر ایمان لانا (۹: ۱-۳۱)

۳- **دُنیا کی اترہا تک کلیسیا** (۹: ۳۲-۲۸: ۳۱)

۱- پطرس غیر قوموں میں انجیلی کی منادی کرتا ہے (۹: ۳۲-۱۱: ۱۸)

ب- انطاکیہ میں کلیسیا کا قیام (۱۱: ۱۹-۳۰)

ج- ہیرودیسی کی طرف سے ظلم و ستم اور اُس کی وفات (۱۲: ۱-۲۳)

د- پولس کا پہلا بشارتی دورہ - گلٹیہ (۱۲: ۲۴-۱۴: ۲۸)

۷- یروشلیم کی کونسل (۱۵: ۱-۳۵)

۹- پولس کا دوسرا بشارتی دورہ - ایشیائے کوچک اور یونان (۱۵: ۳۶-۱۸: ۲۲)

۱۰- پولس کا تیسرا بشارتی دورہ - ایشیائے کوچک اور یونان (۱۸: ۲۳-۲۱: ۲۶)

ح- پولس کی گرفتاری اور پیشیاں (۲۱: ۲۷-۲۲: ۳۲)

ط- پولس کا سفر روم اور جہاز کی غرقابی (۲۴: ۱-۲۸: ۱۶)

ی- پولس کی نظر بندی اور روم کے یہودیوں کے سامنے گواہی (۲۸: ۱۷-۳۱)

# تفسیر

## ۱۔ یروشلیم کی کلیسیا (ابواب ۱-۷)

۱۔ جی اٹھے خداوند کا رُوح القدس کے بارے میں وعدہ (۱:۱-۵)

۱:۱۔ اعمال کی کتاب کا آغاز ایک یاد دہانی سے ہوتا ہے۔ پیارے طبیب نُوقا نے پہلے بھی ”تھیفسس“ کے لئے ایک رسالہ لکھا تھا (دیکھئے نُوقا: ۱:۱-۴)۔ اُس تحریر کو ہم ”نُوقا کی انجیل“ کے نام سے جانتے ہیں۔ اُس انجیل کی آخری آیات میں نُوقا نے تھیفسس کو بتایا تھا کہ خداوند یسوع نے آسمان پر جانے سے فوراً پہلے شاگردوں سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں رُوح القدس کا بپتسمہ دیا جائے گا (نُوقا: ۲۴:۲۸-۵۳)۔

اب نُوقا بیان کو جاری رکھتا ہے۔ چنانچہ اُسی مُسرت بخش وعدے کی یاد دلاتا ہے، اور یہ ہے بھی نہایت مُوزوں بات کیونکہ رُوح القدس کے اسی وعدے میں اُن رُوحانی فتوحات اور کامیابیوں کا بیج چھپا ہوا ہے جن کو اعمال کی کتاب بے نقاب کرتی ہے۔ نُوقا انجیل کو ”پہلا رسالہ“ کہتا ہے۔ اُس میں اُس نے اُن باتوں کو درج کیا تھا ”جو یسوع شروع میں کرتا اور سکھاتا رہا“۔ اعمال میں وہ اُن باتوں کا بیان کرتا ہے جو یسوع نے صُعود کے بعد رُوح القدس کے وسیلے سے کرنی اور سکھانی جاری رکھیں۔

غور کریں کہ خداوند کی خدمت دو باتوں یعنی ”کرنے“ اور ”سکھانے“ پر مشتمل تھی۔ یہ نہیں کہ عقیدہ ہو اور فرض نہ ہو، یا اصول دین ہو اور کردار نہ ہو۔ یسوع اپنی تعلیمات کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ جس بات کی تعلیم دیتا تھا، اُس پر خود بھی عمل کرتا تھا۔

۲:۱۔ تھیفسس کو یاد ہو گا کہ نُوقا کی پہلی کتاب کا اختتام منجی کے صُعود کے بیان پر ہوا تھا۔ یہاں اُس کو ”اوپر اٹھایا گیا“ کہا گیا ہے۔ اُس کو یہ بھی یاد ہو گا کہ خداوند نے جُدا ہونے سے پہلے ”رُصولوں“ کو کیا حُجّت بھری ہدایات دی تھیں۔

۳:۱۔ مسیح کے جی اٹھنے اور صُعود فرمانے کے درمیان ”چالیس دن“ کا وقفہ ہے۔ اس عرصے کے دوران وہ شاگردوں کو دکھائی دیتا اور ”ثبوتوں“ سے ظاہر کرتا رہا کہ میں جسمانی طور پر زندہ ہوا ہوں (ملاحظہ



کریں یوحنا ۲۰: ۱۹، ۲۶ اور ۲۱: ۱۲)۔

اسی دوران وہ اُن سے ”خدا کی بادشاہی“ کے معاملات کی باتیں بھی کرتا رہا۔ اُس کو دنیا کی بادشاہی کی کوئی فکر نہ تھی بلکہ اُس بادشاہی یا مملکت کی فکر تھی جس میں خدا کو بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔

”بادشاہی“ کو کلیسیا سے خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ خداوند یسوع نے اپنے آپ کو اسرائیلی قوم کے سامنے بادشاہ کے طور پر پیش کیا۔ مگر اُسے رد کر دیا گیا (متی ۲۳: ۳۷)۔ اس لئے دنیا میں لغوی معنوں میں اُس کی سلطنت ملتوی کر دی گئی۔ اب وہ اُس وقت قائم ہوگی جب بنی اسرائیل توبہ کریں گے اور اُس کو مسیح موعود قبول کریں گے۔

اس وقت بادشاہ غیر حاضر ہے۔ دنیا میں اُس کی ایک ناویدینی بادشاہی تو یقیناً موجود ہے (کلیسیوں: ۱۳)۔ یہ بادشاہی اُن سارے افراد پر مشتمل ہے جو اُس کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں (متی ۲۵: ۱-۱۲)۔ ایک لحاظ سے اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اپنے آپ کو مسیحی کہتا ہے۔ یہ اس کا خارجی پہلو ہے (متی ۱۳: ۱-۵۲)۔ مگر داخلی حقیقت میں صرف وہی شامل ہیں جو نئے بُرے سے پیدا ہوئے ہیں (یوحنا ۳: ۳، ۵)۔ ”بادشاہی“ کی موجودہ حالت اور شکل و شبہات کی وضاحت متی باب ۱۳ کی تمثیل میں کی گئی ہے۔

کلیسیا ایک بالکل نئی چیز ہے۔ یہ پرانے عہد نامہ کی پیشین گوئیوں کا موضوع نہیں تھی (افسیوں ۳: ۵)۔ یہ اُن تمام ایمان داروں سے تشکیل پاتی ہے جنہوں نے پینٹسٹ اور خداوند کے ہوائی استقبال (۱)۔

تھسلسنیکوں (۴: ۱۷) کے درمیانی عرصے میں اُسے قبول کیا ہوگا۔ کلیسیا مسیح کی دلہن ہے اور ہزار سالہ بادشاہی میں وہ اُس کے ساتھ بادشاہی کرے گی، اور ہمیشہ تک اُس کے جلال میں شریک رہے گی۔

خداوند مسیح ہزار سال تک یہروشلیم سے حکمرانی کرے گا۔ اگرچہ اُس کا یہ دیدنی راج صرف ایک ہزار سال کے لئے ہوگا (مکاشفہ ۲۰: ۴)۔ لیکن یہ ”بادشاہی“ اس لحاظ سے ہمیشہ کی بادشاہی ہے کہ خدا کے سارے مخالفین اور دشمن بالآخر ہمیشہ کے لئے نیست ہو جائیں گے۔ اور وہ آسمان میں ہمیشہ کے لئے بادشاہی کرے گا۔ اب اُسے کسی مخالفت یا رکاوٹ کا سامنا نہیں ہوگا (۲۔ پطرس ۱: ۱۱)۔

۴: ۱۔ اب نونقا یسوع اور شاگردوں کی ایک ملاقات کا ذکر کرتا ہے۔ شاگرد یہروشلیم میں ایک کمرے میں جمع تھے کہ یہ ملاقات ہوئی۔ جی اٹھے مسیح نے اُن کو ”حکم دیا“ تھا کہ ”یروشلم“ میں ٹھہرے رہنا۔ شاید وہ تعجب کرتے ہوں کہ آخر یہروشلیم ہی میں کیوں؟ اُن کے لئے تو یہ شہر ظلم و تشدد، ایذا رسانی اور نفرت کا شہر تھا۔

ہاں، ”باپ کے اُس وعدہ“ کی تکمیل ”یروشلم“ ہی میں ہوتی تھی۔ رُوح القدس کا نزل اُسی

شہر میں ہونا ضرور تھا جس میں مسیحی دُورِ جہان کو مصلوب کیا گیا تھا۔ وہاں رُوحِ اقدس کی موجودگی سے گواہی ہو گی کہ ابنِ خُدا کو روڈ کیا گیا تھا۔ سچائی کا رُوحِ دُنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں مُلزم ٹھہرا گا۔ اور یہ بات سب سے پہلے ”یروشلیم“ میں ہوگی۔ اور شاگرد اُسی شہر میں رُوحِ اقدس پائیں گے جس میں انہوں نے خود خُداوند کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اپنی جانیں بچانے کو بھاگ گئے تھے۔ اُن کو اُسی جگہ طاقتور اور بے خوف بنایا جائے گا جہاں انہوں نے اپنی کمزوری اور بُزدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ شاگردوں نے مسیحی کے مُنہ سے خُدا ”پاپ کے وعدے“ کا ذکر سنا تھا۔ اپنی ساری خدمت کے دوران اور بالا خانے میں گفتگو کے وقت خصوصی طور پر وہ اُن کو اُس ممد دگار کے بارے میں بتاتا رہا تھا جو اُنے کو تھا (دیکھئے لوقا ۲۴: ۲۹؛ یوحنا ۱۴: ۱۶، ۲۶؛ ۱۵: ۲۶؛ ۱۶: ۱۲، ۱۳)۔

۵:۱ - اب شاگردوں کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کے دوران یسوع اِس وعدے کو دہراتا ہے۔ اگر سارے نہیں تو اُن میں سے کچھ ”یوحنا“ بپتسمہ دینے والے سے ”پانی کا بپتسمہ“ پا چکے تھے۔ مگر یوحنا کا بپتسمہ ظاہری اور جسمانی تھا لیکن زیادہ دن نہیں گزریں گے کہ اُن کو رُوحِ اقدس سے بپتسمہ دیا جائے گا۔ اور یہ بپتسمہ باطنی اور رُوحانی ہوگا۔ پہلے بپتسمے نے اُن کو ظاہری طور پر اسرائیلی قوم کے اُس حصے میں شامل کر دیا تھا جس نے توبہ کی تھی۔ دُوسرا بپتسمہ اُن کو مسیح کے بدن یعنی کلیسیا میں ملا دے گا اور اُن کو خدمت کے لئے قوت اور اختیار دے گا۔

یسوع نے وعدہ کیا تھا کہ تم تھوڑے دنوں کے بعد رُوحِ اقدس سے بپتسمہ پاؤ گے ”مگر آگ سے بپتسمہ“ (متی ۳: ۱۱؛ لوقا ۱۲: ۱۱؛ یوحنا ۱۴: ۱۲) کا ذکر نہیں۔ آگ کا بپتسمہ عدالت (غضب) کا بپتسمہ ہے جو بے ایمانوں کے لئے ہے اور مستقبل میں ہوگا۔

## ب - آسمان پر جاتے ہوئے خُداوند کا شاگردوں کو فرمان

(۱۱ - ۶: ۱)

۶:۱ - یہاں مرقوم واقعہ غالباً بیتِ علیہ کے بالمقابل کوہِ زیتون پر واقع ہوا تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے خُداوند یسوع واپس آسمان پر چلا گیا تھا (لوقا ۲۴: ۵۰ - ۵۱)۔

شاگرد رُوحِ اقدس کے نُزول کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ اُن کو یاد تھا کہ مسیح کو عود کے جلالی دورِ حکومت کے سلسلے میں یوایل نبی نے رُوحِ اقدس کے نازل ہونے کا ذکر کیا تھا (یوایل ۲: ۲۸)۔ اِس لئے وہ نتیجہ اخذ کرتے تھے کہ خُداوند بہت جلد اپنی ”بادشاہی“ قائم کرنے کو ہے کیونکہ اُس نے پہلے

کہا تھا کہ ”تھوڑے دنوں کے بعد...“ اُن کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک یہی توقع کر رہے تھے کہ وہ لفظی معنوں میں فوراً ”دُنیاوی بادشاہی“ قائم کرے گا۔

۷:۱۔ وہ لغوی معنوں میں بادشاہی کی آس لگائے بیٹھے تھے، لیکن خداوند نے اس معاملے میں اُن کی تصحیح نہیں کی۔ ایسی اُمید اُس وقت بھی درست تھی اور آج بھی درست ہے۔ اُس نے اُن کو بتا دیا تھا کہ تم ”جان“ نہیں سکتے کہ میری بادشاہی کب آئے گی۔ تاریخ کا نعتین باپ نے اپنے ”اختیار کلمی“ کے مطابق لکھا ہوا ہے، لیکن اُس نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ خبر صرف باپ کو ہے۔

”وقتوں اور مبعادوں“ کی اصطلاح بائبل مقدس میں کئی واقعات کے تعلق سے استعمال ہوئی ہے۔ خدا نے ان واقعات کے بارے میں بتا رکھا ہے کہ یہ اسرائیلی قوم کے تعلق سے وقوع پذیر ہوں گے۔ چونکہ شاگرد یہودی پس منظر سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے وہ سمجھ سکتے تھے کہ یہاں اس اصطلاح کا تعلق آتری ایام سے ہے، جب دُنیا میں مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی قائم ہوگی۔

۸:۱۔ خداوند نے اُن کے تجسس کو دبا دیا اور اُن کی توجہ فوری اہمیت کی باتوں کی طرف مبذول کرائی، مثلاً اُن کی خدمت کی نوعیت اور اُس کا حلقہ۔ نوعیت یہ ہے کہ وہ ”گواہ“ ہوں گے اور حلقہ ہے ”یروشلم اور تمام یہودیہ اور سامریہ... بلکہ زمین کی انتہا تک“

لیکن ضرور ہے کہ پہلے وہ ”وقت“ — ”روح القدس“ کی ”وقت“ پائیں۔ مسیحی گواہی کے لئے یہ ”وقت“ لامحالہ ناگزیر ہے۔ ہو سکتا ہے کسی انسان میں اعلیٰ ترین صلاحیت ہو، عمدہ تربیت یافتہ ہو، اور وسیع تجربہ رکھتا ہو لیکن ”روح القدس“ کی ”وقت“ کے بغیر بے اثر ہے گا۔ دوسری طرف ہو سکتا ہے کوئی آدمی اُن پرٹھ ہو، اس میں کوئی کشش نہ ہو، تربیت یافتہ بھی نہ ہو، مگر اُسے ”روح القدس“ کی ”وقت“ حاصل ہو تو دُنیا دیکھنے کو لوٹ پڑے گی کہ وہ خدا کے لئے کیسا جوش و جذبہ رکھتا ہے۔ خوفزدہ شاگردوں کو گواہی دینے کے لئے ایسی ”وقت“ اور انجیل کی منادی کرنے کے لئے پاکیزہ جرات کی ضرورت تھی۔

اُن کی گواہی کا آغاز ”یروشلم“ سے ہونا تھا۔ خدا کے فضل نے یہ بامعنی انتظام کر رکھا تھا۔ جس شہر نے ہمارے خداوند کو مصلوب کیا تھا، ضرور تھا کہ پہلے اُسی کو توبہ کرنے اور ایمان لانے کی دعوت دی جائے۔

اس کے بعد ”یہودیہ“ کی باری تھی۔ فلسطین کے اس جنوبی علاقے میں یہودیوں کی زبردست آبادی تھی اور ”یروشلم“ اس کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اور پھر ”سامریہ“ کی باری تھی۔ فلسطین کے اس وسطی حصے میں دو نسلے یہودی بستے تھے۔

شہر میں ہونا ضرور تھا جس میں منجی و دو جہاں کو مصلوب کیا گیا تھا۔ وہاں رُوح القدس کی موجودگی سے گواہی ہو گی کہ ابن خدا کو روڈ کیا گیا تھا۔ سچائی کا رُوح دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں ملزم ٹھہرا گا۔ اور یہ بات سب سے پہلے ”یروشلم“ میں ہوگی۔ اور شاگرد اسی شہر میں رُوح القدس پائیں گے جس میں انہوں نے خود خداوند کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور اپنی جانیں بچانے کو بھاگ گئے تھے۔ اُن کو اسی جگہ طاقتور اور بے خوف بنایا جائے گا جہاں انہوں نے اپنی کمزوری اور بُزدلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ شاگردوں نے منجی کے منہ سے خدا ”باپ کے وعدے“ کا ذکر سنا تھا۔ اپنی ساری خدمت کے دوران اور بلا خانے میں گفتگو کے وقت خصوصاً طور پر وہ اُن کو اُس مددگار کے بارے میں بتاتا رہا تھا جو اُنے کو تھا (دیکھئے لوقا ۲۴: ۲۹؛ یوحنا ۱۴: ۱۶؛ ۱۵: ۲۶؛ ۱۶: ۱۳)۔

۵:۱۔ اب شاگردوں کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کے دوران یسوع اس وعدے کو دہراتا ہے۔ اگر سارے نہیں تو اُن میں سے کچھ ”یوحنا“ بیتسمہ دینے والے سے ”پانی کا بیتسمہ“ پانچکے تھے۔ مگر یوحنا کا بیتسمہ ظاہری اور جسمانی تھا لیکن زیادہ دن نہیں گزریں گے کہ اُن کو رُوح القدس سے بیتسمہ دیا جائے گا۔ اور یہ بیتسمہ باطنی اور روحانی ہوگا۔ پہلے بیتسمہ نے اُن کو ظاہری طور پر اسرائیلی قوم کے اُس حصے میں شامل کر دیا تھا جس نے توبہ کی تھی۔ دوسرا بیتسمہ اُن کو مسیح کے بدن یعنی کلیسیا میں ملا دے گا اور اُن کو خدمت کے لئے توثیق اور اختیار دے گا۔

یسوع نے وعدہ کیا تھا کہ تم ”تھوڑے دنوں کے بعد رُوح القدس سے بیتسمہ پاؤ گے“ مگر آگ سے بیتسمہ (متی ۳: ۱۱؛ لوقا ۳: ۱۶؛ ۱۷: ۱۶) کا ذکر نہیں۔ آگ کا بیتسمہ عدالت (غضب) کا بیتسمہ ہے جو بے ایمانوں کے لئے ہے اور مستقبل میں ہوگا۔

## ب۔ آسمان پر جاتے ہوئے خداوند کا شاگردوں کو فرمان

(۱۱ - ۶: ۱)

۶:۱۔ یہاں مرقوم واقعہ غالباً بیت علیاہ کے بالمقابل کوہ زیتون پر واقع ہوا تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے خداوند یسوع واپس آسمان پر چلا گیا تھا (لوقا ۲۴: ۵۰-۵۱)۔

شاگرد رُوح القدس کے نزل کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ اُن کو یاد تھا کہ مسیح نوحہود کے جلالی دور حکومت کے سلسلے میں یوایل نبی نے رُوح القدس کے نازل ہونے کا ذکر کیا تھا (یوایل ۲: ۲۸)۔ اس لئے وہ نتیجہ اخذ کرتے تھے کہ خداوند بہت جلد اپنی ”بادشاہی“ قائم کرنے کو ہے کیونکہ اُس نے پہلے

کہا تھا کہ ”تھوڑے دنوں کے بعد...“ اُن کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک یہی توقع کر رہے تھے کہ وہ لفظی معنوں میں فوراً ”دنیاوی بادشاہی“ قائم کرے گا۔

۷:۱۔ وہ لغوی معنوں میں بادشاہی کی اُس لگائے بیٹھے تھے، لیکن خداوند نے اس معاملے میں اُن کی تصحیح نہیں کی۔ ایسی اُمید اُس وقت بھی درست تھی اور آج بھی درست ہے۔ اُس نے اُن کو بتا دیا تھا کہ تم ”جان“ نہیں سکتے کہ میری بادشاہی کب آئے گی۔ تاریخ کا تعین باپ نے اپنے ”اختیارِ کلی“ کے مطابق کیا ہوا ہے، لیکن اُس نے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ یہ خبر صرف باپ کو ہے۔

”وَتَوْتُونَ اور مبعادوں“ کی اصطلاح بائبل مقدّس میں کئی واقعات کے تعلق سے استعمال ہوئی ہے۔ خدا نے ان واقعات کے بارے میں بتا رکھا ہے کہ یہ اسرائیلی قوم کے تعلق سے وقوع پذیر ہوں گے۔ چونکہ شاگرد یہ یہودی پس منظر سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے وہ سمجھ سکتے تھے کہ یہاں اس اصطلاح کا تعلق آخری ایام سے ہے، جب دنیا میں مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی قائم ہوگی۔

۸:۱۔ خداوند نے اُن کے تجسّس کو دبا دیا اور اُن کی توجّہ فوری اہمیت کی باتوں کی طرف مبذول کرائی، مثلاً اُن کی خدمت کی نوعیت اور اُس کا حلقہ۔ نوعیت یہ ہے کہ وہ ”گواہ“ ہوں گے اور حلقہ ہے ”یروشلیم اور تمام یہودیہ اور سامریہ... بلکہ زمین کی انتہا تک“۔

لیکن ضرور ہے کہ پہلے وہ قوت — ”روح القدس“ کی قوت“ پائیں۔ مسیحی گواہی کے لئے یہ قوت“ لامحالہ ناگزیر ہے۔ ہو سکتا ہے کسی انسان میں اعلیٰ ترین صلاحیت ہو، عمدہ تربیت یافتہ ہو، اور وسیع تجربہ رکھتا ہو لیکن ”روح کی قوت“ کے بغیر یہ اثر ہے گا۔ دوسری طرف ہو سکتا ہے کوئی آدمی اُن پرٹھ ہو، اس میں کوئی کوشش نہ ہو، تربیت یافتہ بھی نہ ہو، مگر اُسے ”روح القدس“ کی ”قوت“ حاصل ہو تو دنیا دیکھنے کو لوٹ پڑے گی کہ وہ خدا کے لئے کیسا جوش و جذبہ رکھتا ہے۔ خوفزدہ شاگردوں کو گواہی دینے کے لئے اسی ”قوت“ اور انجیل کی منادی کرنے کے لئے پاکیزہ جرأت کی ضرورت تھی۔

اُن کی گواہی کا آغاز ”یروشلیم“ سے ہونا تھا۔ خدا کے فضل نے یہ بامعنی انتظام کر رکھا تھا۔ جس شہر نے ہمارے خداوند کو مصلوب کیا تھا، ضرور تھا کہ پہلے اُسی کو توبہ کرنے اور ایمان لانے کی دعوت دی جائے۔

اس کے بعد ”یہودیہ“ کی باری تھی۔ فلسطین کے اِس جنوبی علاقے میں یہودیوں کی زبردست آبادی تھی اور ”یروشلیم“ اِس کا سب سے بڑا شہر تھا۔

اور پھر ”سامریہ“ کی باری تھی۔ فلسطین کے اِس وسطی حصے میں دو نسلے یہودی بستے تھے۔



خالص الاصل یہودی ان سے نفرت کرتے اور کسی قسم کا میل جول نہیں رکھتے تھے۔

سامریہ کے بعد ”زمین کی انتہا“ یعنی اُس وقت کی معلومہ دنیا کی باری تھی۔ یعنی غیر یہودی ممالک۔ جہاں تک مذہبی مراعات کا تعلق ہے یہ قومیں اور علاقے اس سے محروم تھے۔ گواہی کا یہ حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے اور اعمال کی کتاب میں مرقوم تاریخ میں ہمیں اس کا خاکہ نظر آتا ہے۔

۱۔ ”یروشلم“ میں گواہی (ابواب ۱-۷)

۲۔ ”یہودیہ اور سامریہ“ میں گواہی (ابواب ۸: ۱-۹: ۳۱)

۳۔ ”زمین کی انتہا“ تک گواہی (ابواب ۹: ۳۲-۳۱: ۲۸)

۹: ۱۔ جو نئی منجی اپنے شاگردوں کو گواہی کی خدمت پر مقرر کر چکا وہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ پاک

کلام میں آنتا ہی لکھا ہے کہ وہ اُن کے دیکھتے دیکھتے اُدھر اٹھا لیا گیا اور بدلی نے اُسے اُن کی نظروں سے چھپا لیا۔ آتا بڑا اور شاندار منظر! لیکن اس کا بیان آتنا مختصر اور سادہ !! بائبل مقدس کے مصنفین واقعات کو قلمبند کرنے میں جس ضبط سے کام لیتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ الہام سے ہوا۔ ورنہ انسان ایسے واقعات کو ایسی سادگی سے بیان کرنے کا عادی نہیں۔

۱۰: ۱۔ لوقا پھر کسی خیرانی یا تعجب کا اظہار کئے بغیر بیان کرتا ہے کہ ”دو مرد سفید پوشاک پہننے اُن کے پاس

آکھڑے ہوئے۔“ یہ فرشتے تھے جن کو اہلیت دی گئی تھی کہ زمین پر ”انسانی صورت میں“ ظاہر ہوں۔ شاید یہ وہی فرشتے تھے جو مسیح کے جی اٹھنے کے بعد قبر پر ظاہر ہوئے تھے (لوقا ۲۴: ۲)۔

۱۱: ۱۔ فرشتوں نے شاگردوں کو ”اے گلیلی مرد“ کہہ کر مخاطب کیا۔ جہاں تک ہمیں علم ہے سولے یہوداہ

اسکریوتی کے تمام شاگرد گلیل کی جھیل کے مغربی علاقے سے تعلق رکھتے تھے۔

اور جب وہ آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے تو فرشتوں نے اُن کو گری سوچ سے جکایا۔ تم آسمان کی

طرف اتنے ”غور سے کیوں“ دیکھ رہے ہو؟ کیا وہ غم میں ڈوبے ہوئے تھے؟ یا پرسننش کے جذبات سے

مغلوب تھے؟ یا حیرانی اور تعجب سے سکتے میں آگے تھے؟ بلاشبہ تینوں قسم کے جذبات یکجا تھے، لیکن

شاید رنج و غم غالب تھا۔ اس لئے اُن کو تسلی دی گئی کہ مسیح جو آسمان پر گیا ہے، دوبارہ آئے گا۔

یہاں خداوند کی آمد ثانی اور زمین پر بادشاہی کرنے کا وعدہ بالکل واضح ہے۔ یہاں فضائی

استقبال کی طرف اشارہ نہیں، بلکہ بادشاہی قائم کرنے کی بات کی گئی ہے۔

۱۔ وہ کوہ زیتون سے آسمان پر گیا (آیت ۱۲)

۱۔ وہ کوہ زیتون پر واپس آئے گا (زکریا ۱۴: ۴)

۲۔ اُس نے شخصی طور پر صعود فرمایا

۲۔ وہ شخصی طور پر واپس آئے گا (ملاکی ۳: ۱)

- ۳- وہ دیدنی طور پر آسمان پر گیا  
۴- بادل نے اُسے چھپایا (آیت ۹)  
۵- اُس نے جلال کے ساتھ صعود فرمایا  
۳- وہ دیدنی طور پر واپس آئے گا (متی ۲۴: ۳۰)  
۴- وہ آسمان کے بادلوں پر آئے گا (متی ۲۴: ۳۰)  
۵- وہ بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آئے گا (متی ۲۴: ۳۰)

## ج۔ شاگرد یروشلیم میں دُعا کے ساتھ انتظار کرتے ہیں

(۱۲: ۱-۲۶)

۱۲: ۱- لوقا ۲۴: ۵۲ کے مطابق شاگرد ”بڑی خوشی سے یروشلیم کو لوٹ گئے۔“ خدا کی محبت کی روشنی نے ان آدمیوں کے دلوں کو روشن کر دیا۔ اور مصیبتوں کے سُمندر میں بکھرے ہونے کے باوجود اُن کے چہرے چمکنے لگے۔

وہ ”پہاڑ“ جو ”زیتون“ کا کہلاتا تھا شہر سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ ایک میل کا تین چوتھائی فاصلہ تھا۔ پہلے قدردن کی داوی میں اُترتے اور پھر اُوپر چڑھ کر شہر میں آجاتے تھے۔ پُرانے عہد نامہ کے زمانے میں ایک یہودی ”سبت“ کے دن زادہ سے زیادہ اتنا ہی سفر کر سکتا تھا۔

۱۳: ۱- شہر میں داخل ہو کر وہ اُس ”بالاخانہ“ میں چلے گئے جہاں اُن کا قیام تھا۔ یہاں خدا کا رُوح پُجوتھی اور آخری مرتبہ شاگردوں کے نام درج کرتا ہے (متی ۱۰: ۲-۴؛ مرقس ۳: ۱۶-۱۹؛ لوقا ۴: ۱۴-۱۶)۔ لیکن ایک نام — یہوداہ اسکرینوتی — نمایاں طور پر فہرست سے خارج ہے۔ وہ دھوکے باز اپنے مناسب انجام کو پہنچ چکا تھا۔

۱۴: ۱- یہ شاگرد ”ایک دل“ ہو کر جمع ہوتے تھے۔ یہ اصطلاح اعمال کی کتاب میں گیارہ دفعہ استعمال ہوئی ہے۔ یہ وہ کنجی ہے جو برکت کے بھید کو کھولتی ہے۔ جہاں بھی بھائی ایک دل ہوتے ہیں، خدا برکت یعنی ہمیشہ کی زندگی کا حکم دیتا ہے (زبور ۱۳۳)۔

ایک اور کنجی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ ”دُعائیں مشغول رہے۔“ اُن دنوں کی طرح آج بھی جب لوگ دُعا مانگتے ہیں تو خدا کام کرتا ہے۔ لیکن خدا کا تازہ کرنے والا، طاقت اور قوت دینے والا رُوحِ فرب اُسی وقت نازل ہوتا ہے جب ہم ایمان اور دلِ سنوری اور التجاؤں کے ساتھ خدا کے حضور میں ٹھہرتے ہیں۔

اس حقیقت پر جتنا بھی زور دیا جائے کم ہے کہ ایک دلی اور دُعا ہی ینتسُست کی تیاری

تھی۔

شاگردوں کے ساتھ ”چند عورتیں“ بھی جمع تھیں۔ ان کے نام نہیں دئے گئے۔ شاید یہ وہی عورتیں تھیں جو یسوع کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں۔ ان کے علاوہ ”یسوع کی ماں مریم اور اُس کے بھائی“ بھی وہاں موجود تھے۔ یہاں کئی دلچسپ باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ یہ آخری موقع ہے کہ نئے عہد نامہ میں مُقدسہ ”مریم“ کا بنام ذکر آیا ہے۔ یقیناً یہ مریم پرستی کے خلاف خاموش احتجاج ہے۔ شاگرد اُس سے نہیں بلکہ اُس کے ساتھ دُعا مانگ رہے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ روح القدس کا انعام پانے کا انتظار کر رہی تھی۔

۲۔ ”مریم“ کو ”یسوع کی ماں“ کہا گیا ہے ”خدا کی ماں“ نہیں کہا گیا۔ ہمارے خداوند کا بشریت کا نام یسوع ہے۔ چونکہ بطور بشر وہ ”مریم“ سے پیدا ہوا، اس لئے مناسب اور سجا ہے کہ اُسے ”یسوع کی ماں“ کہا جائے۔ مگر بائبل مقدس میں اُسے کبھی بھی ”خدا کی ماں“ نہیں کہا گیا۔ بے شک یسوع حقیقی خدا ہے لیکن عقیدے کے لحاظ سے یہ کہنا غلط اور مضحکہ خیز بات ہے کہ خدا انسانی ماں رکھتا ہے۔ بحیثیت خدا یسوع ازل سے موجود ہے۔

۳۔ مریم کا ذکر کرنے کے بعد ”یسوع کے بھائیوں“ کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اغلباً مریم کے حقیقی بیٹے اور یسوع کے سوتیلے بھائی تھے۔ زیر نظر آیت کے علاوہ بھی چند حوالہ جات ہیں جو اس نظریے کی توثیق کرتے ہیں کہ مریم دائمی کنواری ہے اور کہ یسوع کی پیدائش کے بعد اُس سے اور کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ (مثلاً دیکھئے متی ۱۲: ۴۶؛ مرقس ۶: ۳؛ لوقا ۳: ۵۶؛ ۱۔ کرنتھیوں ۹: ۵؛ گلیتوں ۱: ۱۹ اور زبور ۶۹: ۸)۔

۱۵:۱۔ ایک دن جب ”تختیناً ایک سو بیس“ شاگرد جمع تھے پطرس کو تحریک ہوئی کہ انہیں ورنے عہد نامہ کی دُعا بائیں یاد دلائے جن کا تعلق اُس شخص سے ہے جو مسیح موجود کو پکڑوانے والا ٹھہرا۔

۱۶:۱۔ ۱۷:۱۔ آغاز ہی میں پطرس واضح کرتا ہے کہ ”داؤد“ نے ”یہوداہ کے حق میں“ جو پیشین گوئی کی تھی اُس کا پورا ہونا ضرور ہے۔ لیکن پاک کلام کا اقتباس کرنے سے پہلے وہ یاد دلاتا ہے کہ اگرچہ یہوداہ بارہ شاگردوں کے ساتھ شمار کیا گیا اور اُس نے رسولی خدمت میں سے حصہ پایا تو بھی وہ خداوند مسیح کو ”پکڑنے والوں کا رہنما“ بن گیا۔ غور کریں کہ اُس نامراد کام کا بیان کرتے ہوئے پطرس کیسے اعتدال سے کام لیتا ہے۔ یہوداہ دانستہ عمل سے غدار بن گیا، اور یوں اُس نے وہ پیشین گوئیاں پوری کیں جو کہتی ہیں کہ ایک شخص خداوند کو دشمنوں کے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔

۱۹: ۱۸-۱۹۔ یہ دو آیات پطرس کے پیغام کا حصہ نہیں بلکہ لوقا کی طرف سے جملہ معتزضہ ہیں۔ یہ آیات یہوداہ کی موت تک کے تواریخی واقعات کے بیان کی تکمیل ہیں اور اُس کے جانیشین کے تقرر کا راستہ تیار کرتی ہیں۔

متی ۲۷: ۳-۱۰ میں بھی بتایا گیا ہے کہ یہوداہ کیسی موت مرا۔ اُس بیان اور موجودہ بیان میں کوئی تضاد نہیں۔ متی بیان کرتا ہے کہ چاندی کے تیس سئے بزرگوں اور سردار کاہنوں کو واپس دینے کے بعد یہوداہ چلا گیا اور اُس نے اپنے آپ کو پھانسی دی۔ سردار کاہنوں نے اُن سگوں سے قبرستان کے لئے جگہ خریدی۔ یہاں اعمال میں لوقا کہتا ہے کہ یہوداہ نے اُن پیسوں سے "ایک کھیت حاصل کیا اور (وہ) سُر کے بل گرا اور اُس کا پیٹ پھٹ گیا اور اُس کی سب انتڑیاں نکل پڑیں۔"

دونوں بیانوں کو یکجا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کھیت خریدنے کا سودا سردار کاہنوں نے کیا۔ اور یہوداہ نے اس مفہوم میں "کھیت" خرید کر رقم اُس کی تھی اور وہ صرف اُس کے بجٹ تھے۔ اُس نے قبرستان میں ایک کھیت پر اپنے آپ کو پھانسی دی۔ غالباً رسا لوٹ گیا، اُس کا بدن نیچے اُڑا اور پیٹ پھٹ گیا۔

جب یہ واقعہ "یرولیم" میں مشہور ہوا تو اُس کھیت کا نام ارامی زبان میں "مقل دما" یعنی "خون کا کھیت" پڑ گیا۔

۲۰: ۱۔ لوقا کے بعد پطرس کا پیغام جاری رہتا ہے۔ پہلے وہ بیان کرتا ہے کہ زبور ۶۹: ۲۵ میں داؤد کیسوع کو دھوکے سے پکڑوانے والے کا ذکر کرتا ہے کہ "اُس کا گھرا بڑ جائے اور اُس میں کوئی بسنے والا نہ رہے۔"

بعد ازاں وہ اُس پیشین گوئی کا ذکر کرتا ہے جس کو اس وقت پورا ہونا تھا کہ اُس کا عمدہ دوسرے لے (زبور ۱۰۹: ۸)۔ پطرس سمجھتا تھا کہ یہوداہ کی برگشتگی کے بعد اُس کے "عمدہ" کو سنبھالنے کے لئے کسی دوسرے شخص کو مقرر کرنا ضروری ہے۔ کتنی اچھی بات ہے کہ پطرس نے خدا کے کلام کی تعمیل کرنے کا سوچا۔

۲۱: ۲۱-۲۲۔ جو بھی چننا جاتا اُس کے لئے دو شرائط پر پورا اترنا ضروری تھا۔

۱۔ وہ صبح کی تیس سالہ زمینی خدمت یعنی "لوقا" سے "پتیس" لینے سے صعد تک شاگردوں کے ساتھ رہا ہو۔

۲۔ اور خیداوند کے "جی اٹھنے" کا معتبر گواہ "شناخت ہو۔"

۲۳: ۱-۲۴۔ دو آدمیوں کے نام پیش ہوئے جو ان شرائط کو پورا کرتے تھے۔ "ایک یوسف ..."

جس کا لقب یوستنس ہے۔ دوسرا متیاء۔ "لیکن کس کو چنا جائے؟ رسولوں نے معاملہ خداوند کے ہاتھ میں دے دیا اور درخواست کی کہ وہی ظاہر کرے کہ کس کو چنا جائے۔ جب انہوں نے قرعہ ڈالا تو ظاہر ہوا کہ "متیاء" یہوداہ کا صحیح جانشین ہے۔ یہوداہ تو اپنی جگہ "یعنی ابدی ہلاکت کو پہنچ چکا تھا۔

یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں :

۱- کیا متیاء کا نام پیش کرنا مناسب تھا؟ کیا شاگردوں کو انتظار نہیں کرنا چاہئے تھا حتیٰ کہ خدا پوکس رسول کو برپا کرتا کہ وہ اس عہدے پر فائز ہوتا؟

۲- کیا خدا کا ارادہ معلوم کرنے کے لئے قرعہ ڈالنا مناسب تھا؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے، کہیں بھی درج نہیں کہ شاگردوں کا یہ فعل غلط تھا۔ انہوں نے کافی دیر دعائیں گزاری۔ وہ پاک کلام کی تعمیل کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہوداہ کا جانشین منتخب کرنے پر سب متفق تھے۔ علاوہ ازیں پوکس کی خدمت ان بارہ کی خدمت سے بالکل الگ اور فرق نوعیت کی تھی اور کہیں کوئی اشارہ تک موجود نہیں کہ اُسے یہوداہ کی جگہ لینے کو برپا کیا گیا تھا۔ ان بارہ کو یسوع نے اپنی زمینی زندگی کے دوران مقرر کیا تھا کہ بنی اسرائیل کو خوشخبری سنائیں جبکہ پوکس کو اُس نے اپنے جلال میں داخل ہونے کے بعد مقرر کیا اور غیر قوموں کے پاس بھیجا تھا۔ جہاں تک "قرعہ" ڈالنے کا تعلق ہے، الہی مرضی معلوم کرنے کا یہ پرانے عہد نامہ میں مسلمہ طریقہ تھا۔ "قرعہ گودیں ڈالا جاتا ہے پر اُس کا سارا انتظام خداوند (یہوداہ) کی طرف سے ہے"

(امثال ۱۶ : ۳۳)۔

ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند نے منظور کیا کہ قرعہ کے ذریعے متیاء کا انتخاب ہو کیونکہ اس کے بعد شاگردوں کو ان بارہ "کما گیا ہے" (اعمال ۶ : ۲)۔

## اعمال کی کتاب میں دُعا

اعمال کی کتاب کامیاب دُعا کی تشریح ہے۔ ہم پہلے باب میں دیکھ چکے ہیں کہ شاگردوں نے دو مختلف موقعوں پر دُعا مانگی۔ مسیح کے صعود کے بعد وہ بالاخانے میں دُعا مانگتے تھے۔ اس دُعا کا جواب پینٹکُست کی صورت میں ملا۔ انہوں نے یہوداہ کا جانشین چننے کے لئے ہدایت اور رہنمائی کے لئے دُعا مانگی۔ اس کا جواب متیاء کے نام قرعہ نکلنے کی صورت میں ملا۔ اس پوری کتاب میں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔



جو لوگ پنکٹ کے دن ایمان لائے تھے وہ ”دُعا میں مشغول رہے“ (۲۲:۲)۔ اس کے بعد کی آیات

(۲۳-۲۷) اُس مثالی صورت حال کا بیان کرتی ہیں جو دُعا میں رفاقت سے حاصل ہوتی اور قائم رہتی ہے۔

پطرس اور یوحنا کی رہائی کے بعد ایمان دار ”دلیبری“ (۲۹:۴) کے لئے دُعا مانگتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ مکان ہل گیا اور وہ رُوح القدس سے بھر گئے اور خُدا کا کلام دلیری سے سناتے رہے (۳۱:۴)۔ ان بارہ نے مشورہ دیا کہ معاشی اور مالی معاملات کی دیکھ بھال کے لئے سات افراد چُن لئے جائیں تاکہ وہ خود اپنا وقت کلام کی خدمت اور دُعا مانگنے کے لئے وقف کر سکیں (۳:۳)۔ اس کے بعد رسولوں نے دُعا کے ساتھ اُن سات افراد پر ہاتھ رکھے (۶:۶)۔ اگلی آیات میں درج ہے کہ انجیل کو کسی شاندار نئی کامیابیاں حاصل ہوئیں (۶:۷-۸)۔

سٹیفنس نے شہید ہوتے ہوئے دُعا مانگی (۷:۶۰)۔ تو باب ۹ میں اس دُعا کا جواب درج ہے کہ اُس کی شہادت کا ایک تماشائی یعنی ساؤل ترمسی ایمان لایا۔

پطرس اور یوحنا نے ایمان لانے والے سامریوں کے لئے دُعا مانگی۔ اور نتیجے میں اُن کو رُوح القدس حاصل ہوا (۸:۱۵-۱۷)۔

اپنی تبدیلی کے بعد ساؤل ترمسی نے یہوداہ کے گھر میں دُعا مانگی۔ خُدا نے اُس کی دُعا کا جواب دیا اور حننیاہ کو اُس کے پاس بھیجا (۹:۱۱-۱۷)۔

یاقا میں پطرس نے دُعا مانگی تو تینتالیس مُردوں میں سے جی اٹھی (۹:۴۰)۔ اس کے نتیجے میں بہت سے لوگ خُداوند پر ایمان لائے (۹:۴۲)۔

غیر قوم صوبہ دار کرنیلیس نے دُعا مانگی (۱۰:۲)۔ اُس کی دُعا میں ”یادگاری“ کے لئے خُدا کے حضور پہنچیں (۱۰:۴)۔ ایک فرشتہ نے رویا میں اُس پر ظاہر ہو کر اُسے ہدایت کی کہ آدمی بھیج کر شمتعون پطرس نام شخص کو بلا لے (۱۰:۵)۔ اگلے روز پطرس نے دُعا مانگی (۱۰:۹)۔ جواب میں اُسے آسمانی رویا ملی جس نے اُسے تیار کیا کہ کرنیلیس اور دوسرے غیر قوم لوگوں پر بادشاہی کے دروازے کھول دے (۱۰:۱۰-۱۸)۔

جب پطرس کو قید خانے میں ڈال دیا گیا تو مسیحی دل سوزی سے اُس کے لئے دُعا مانگنے لگے (۱۲:۵)۔ جواب میں خُدا نے پطرس کو معجزانہ رہائی بخشی۔ اور دُعا مانگنے والے بھی حیران رہ گئے

(۱۲:۶-۱۷)۔

انطاکیہ میں نیپوں اور معلموں نے روزے رکھ کر دُعا مانگیں (۱۳:۳)۔ اس کے نتیجے میں

پولس اور برنباس کا پہلا تبلیغی دورہ شروع ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دعا کے ذریعے سے سب سے زبردست تبلیغی کام تھا کیونکہ خوشخبری زمین کی انتہا تک جا پہنچی۔ اور پولس اور برنباس جو مشرزی تھے ان کے وسیلے سے ہم تک بھی پہنچی۔

والپسی دورے پر دسترہ، الیم اور انطاکیہ میں پولس اور برنباس نے ایمان لانے والوں کے لئے دعا مانگی (۲۳:۱۴)۔ ان میں سے ایک شخص تیمتھیس تھا۔ کیا انہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ دوسرے تبلیغی دورے کے وقت تیمتھیس بھی پولس اور سیلاس کے ہمراہ تھا؟

فلپی کے قید خانے میں پولس اور سیلاس آدھی رات کو دعا مانگ رہے تھے۔ خواب میں زلزلہ آیا اور جیل کا داروغہ اور اس کا خاندان خداوند پر ایمان لایا (۱۶: ۲۵-۳۴)۔

میلیتس میں پولس نے افسس کے بزرگوں کے ساتھ مل کر دعا مانگی (۲۰: ۳۶) تو انہوں نے بھرپور جذبات کے ساتھ پولس کے لئے اپنی حجت اور الفتن کا مظاہرہ کیا۔ اور اس بات پر رنجیدہ اور غمگین ہوئے کہ اس زندگی میں اسے دوبارہ نہیں دیکھیں گے۔

صور کے مسیحیوں نے ساحل سمندر پر پولس کے ساتھ دعا مانگی (۲۱: ۵)۔ یقیناً یہ دعائیں روم اور جلاد کے تختے تک اس کے ساتھ گئیں۔

جہاز کی غرقابی سے پہلے پولس نے سب کے سامنے علانیہ دعا مانگی اور کھانے کے لئے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس سے ناامید ملاحوں اور مسافروں میں خوشی اور حوصلے کی لہر دوڑ گئی (۲۴: ۳۵-۳۶)۔ جہاز کے جزیرے پر پولس نے وہاں کے حاکم کے باپ کے لئے دعا مانگی تو اسے شفا ملی (۲۸: ۸)۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا دعا کی فضا میں سانس لیتی تھی۔ اور جب مسیحی دعا مانگتے تھے تو خدا عجیب و غریب کام کرتا تھا۔

## د۔ پینٹکُست کا دن اور کلیسیا کا آغاز (۲: ۱-۲۷)

۱: ۲- ”عید پینٹکُست“ رُوح القدس کے اُنڈیلے جانے کی تصویر پیش کرتی ہے۔ یہ عید پہلے پھلوں کی عید کے پچاس دن بعد منائی جاتی تھی، اور پہلے پھلوں کی عید مسیح کے جی اٹھنے کی یاد دلاتی ہے۔ اس خاص عید پینٹکُست کے دن شاگرد یکدل ہو کر ”ایک جگہ جمع تھے“۔ اُن کی گفتگو کا خاص اور موزوں موضوع پرانے عہد نامہ کے وہ حوالے ہوں گے جن میں عید پینٹکُست کا ذکر آتا ہے (مثلاً احبار ۲۳: ۱۵-۱۶)۔ ممکن ہے وہ زیور ۱۳۳ گارے ہوں کہ دیکھو! کیسی اچھی اور خوشی کی بات ہے کہ بھائی باہم مل کر رہیں۔

۲:۲۔ رُوحِ الْقُدُسِّ کے نُزُولِ کے وقت کچھ سُنائی دیا، کچھ دیکھا گیا اور ایک مُعْجِزے کا تجزیہ ہوا۔ یہ "اسمان" سے آنے والی آواز" تھی جس کا سناٹا ایسا زور دار تھا کہ "سارا گھر... گونج گیا"۔ ہوا رُوحِ الْقُدُسِّ کی سیال مشیلوں (تیل، آگ، پانی) میں سے ایک ہے جو اُس کے اختیارِ اعلیٰ کی تصویر پر پیش کرتی ہے کہ اُسکے عمل و حرکت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

۳:۲۔ قابلِ دید منظر یہ تھا کہ "آگ کے شعلے کی سی پھٹتی ہوئی زبائیں" تھیں جو شاگردوں میں سے ہر ایک پر اُٹھیں۔ غور کریں کہ یہ نہیں کہا گیا کہ "آگ کی زبائیں" بلکہ "آگ جیسی زبائیں" تھیں۔

اس عجیب عمل کو آگ کے بپتسمہ کے ساتھ خلطِ ملط نہیں کرنا چاہئے۔ اگر یہ رُوحِ الْقُدُسِّ اور آگ کے بپتسمہ کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے (متی ۱۲:۳؛ لوقا ۱۶:۳؛ ۱۷:۱۶) لیکن یہ دونوں الگ الگ اور امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ رُوحِ الْقُدُسِّ کا بپتسمہ برکت کا اور آگ کا بپتسمہ عدالت یا غضب کا بپتسمہ ہے۔ اول الذکر ایمان داروں کو متاثر کرتا ہے جبکہ مؤخر الذکر بے ایمانوں کو متاثر کرے گا۔ اول الذکر کے وسیلے سے ایمان داروں کو قوت ملتی اور وہ اُن کے اندر سکونت کرتا ہے۔ اور اسی کے وسیلے سے کلیسیا کی تشکیل ہوئی۔ مؤخر الذکر کے وسیلے سے بے ایمانوں کو ہلاک کیا جائے گا۔

جب یوحنا بپتسمہ دینے والا ایک مہلی جلی جماعت (تائب اور غیر تائب - دیکھئے متی ۳:۲؛ ۷:۲) سے مخاطب تھا تو اُس نے کہا کہ مسیح رُوحِ الْقُدُسِّ اور آگ سے بپتسمہ دے گا (متی ۳:۱۱)۔ لیکن جب وہ حقیقی تائب لوگوں سے مخاطب تھا تو اُس نے کہا کہ وہ تم کو رُوحِ الْقُدُسِّ سے بپتسمہ دے گا (مرقس ۱:۸)۔ چنانچہ اعمال ۲:۳ میں "آگ کے شعلے کی سی پھٹتی ہوئی زبائیں" کا کیا مطلب ہے؟ "زبائیں" تو بلاشبہ "بولنے" کا اشارہ ہیں اور غالباً غیر زبانوں میں بولنے کی معجزانہ نعمت کی تصویر ہیں جو اس موقع پر شاگردوں کو حاصل ہوئی۔ اور "آگ" رُوحِ الْقُدُسِّ کا اشارہ ہے جو اس نعمت کا سرچشمہ ہے اور شاید اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ بعد میں وہ دلیری جوش اور آتشیں ولولہ کے ساتھ منادی کریں گے۔

جوش اور ولولہ سے بولنے کا خیال بہت موزوں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جوش اور سرگرمی رُوح سے معمور زندگی کی معمول کی حالت ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ گواہی ہوتا ہے۔

۴:۲۔ اور پینٹکُست کے موقع پر مُعْجِزے کا تجزیہ یہ ہے کہ وہ رُوحِ الْقُدُسِّ سے بھر گئے اور غیر زبائیں

بولنے لگے۔

اُس وقت تک خدا کا رُوح شاگردوں کے ساتھ تھا، مگر اب اُس نے اُن کے اندر سکونت اختیار

کر لی (یوحنا ۱۴:۱۷)۔

پینتگسٹ کے دن رُوح القدس نہ صرف شاگردوں کے اندر سکونت کرنے لگا بلکہ وہ اُس سے معمور ہو گئے۔ جس لمحہ ہم نجات پاتے ہیں اسی لمحے سے خدا کا رُوح ہمارے اندر سکونت کرنے لگتا ہے۔ لیکن رُوح القدس کی معموری حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ ہم کلام کا مطالعہ کریں، گیانا دھیان اور دُعا میں وقت گزاریں اور خداوند کی فرمانبرداری میں زندگی بسر کریں۔ اگر یہ ضمانت ہوتی کہ آج رُوح القدس کی معموری خود بخود حاصل ہو جائے گی تو یہ نصیحت نہ کی جاتی کہ رُوح سے معمور ہوتے جاؤ“ (افسیوں ۱۸:۵)۔

پینتگسٹ کے دن رُوح القدس کے نزول سے ایمان دار ایک کلیسیا یعنی مسیح کا بدن بن گئے۔ کیونکہ ہم سب نے، خواہ یہودی ہوں خواہ یونانی۔ خواہ غلام خواہ آزاد۔ ایک ہی رُوح کے وسیلے سے ایک بدن ہونے کے لئے پینتسمر لیا“ (۱۔ کرنتھیوں ۱۲:۱۳)۔ اب سے ایمان لانے والے یہودی اور غیر قوم سب مسیح یسوع میں ایک نیا انسان اور ایک ہی بدن کے اعضا ہوں گے (افسیوں ۱۱:۲-۲۲)۔

سارے شاگرد رُوح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں بولنے لگے جس طرح رُوح نے انہیں بولنے کی طاقت بخشی“۔ اگلی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو وہ غیر زبانیں بولنے کی معجزانہ طاقت بخشی گئی جو انہوں نے کبھی سیکھی نہیں تھیں۔ وہ کوئی فطری شہر نہیں بول رہے تھے، نہ بے خود ہو کر آوازیں نکال رہے تھے بلکہ وہ زبانیں بول رہے تھے جو اُس زمانے میں دنیا کے مختلف حصوں میں واقعی بولی جاتی تھیں۔ ”غیر زبانوں“ کی یہ نعمت ان عجیب نشانوں میں سے ایک تھی جس کو خدا گواہی کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ جب رسول منادی کرتے تھے تو اکثر اسی نشان کے وسیلے سے ان کے پیغام کی سچائی کی گواہی دیتا تھا (عبرانیوں ۲:۳۷)۔ اُس وقت نیا عہد نامہ ابھی تحریر نہیں ہوا تھا۔ چونکہ خدا کا مکمل کلام اب تحریری شکل میں موجود ہے اس لئے ان نشانوں اور نعمتوں کی ضرورت بڑی حد تک ختم ہو گئی ہے (تاہم خدا کا رُوح اگر چاہے تو اب بھی استعمال کر سکتا ہے)۔

پینتگسٹ کے دن ”غیر زبانیں“ بولنے کی طاقت بخشی گئی۔ لیکن اس واقعہ کو یہ بات ثابت کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے کہ رُوح کی نعمت کے ساتھ ”غیر زبان“ کا ملنا لازمی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر مندرجہ ذیل واقعات کے ساتھ غیر زبانوں کا ذکر کیوں نہیں؟

۱۔ ۳۰۰۰ افراد کا ایمان لانا (اعمال ۲:۴۱)۔

۲۔ ۵۰،۰۰۰ افراد کا ایمان لانا (اعمال ۴:۴)۔

۳۔ سامریوں پر رُوح القدس کا نزول (اعمال ۸:۱۷)۔

اعمال کی کتاب میں ”غیر زبانوں“ کا مزید ذکر صرف ان موقعوں پر آتا ہے:

۱۔ کرنتھیوں کے گھر میں غیر قوم افراد کا ایمان لانا (اعمال ۱۰:۴۶)۔

۲- افسس میں یوحنا کے شاگردوں کا دوبارہ بپتسمہ لینا (اعمال ۱۹: ۶)۔

یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رُوح القدس کے بپتسمہ کے موضوع پر علماء میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ نہ تو وہ اس کی تعداد پر متفق ہیں نہ اس کے نتائج یا اثرات پر۔

تعداد کے بارے میں بعض افراد کا خیال یہ ہے کہ

۱- یہ بپتسمہ صرف ایک ہی دفعہ یعنی پینتکست کے دن ہوا۔ اُس وقت مسیح کے بدن (کلیسیا) نے تشکیل پائی اور سارے ایمان دار بپتسمہ کی برکت میں شامل ہیں۔

۲- یہ بپتسمہ تین یا چار مرحلوں میں ہوا۔ پینتکست پر (اعمال باب ۲)، سامریہ میں (باب ۸) گریلیس کے گھر پر (باب ۱۰) اور افسس میں (باب ۱۹)۔

۳- جب بھی کوئی شخص نجات پاتا ہے تو اُسے رُوح القدس کا بپتسمہ ملتا ہے۔

جہاں تک افراد کی زندگیوں میں رُوح القدس کی تاثیر کا تعلق ہے، بعض لوگ اسے ”فضل کا دوسرا کام“ مانتے ہیں جو عموماً ایمان لانے کے بعد کسی وقت وقوع پذیر ہوتا ہے اور کم و بیش کامل طور پر مقدس ٹھہرائے جانے پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا رُوح القدس کا بپتسمہ وہ عمل ہے جس سے ایماندار

۱- کلیسیا میں شامل ہوتے یا کلیسیا کا حصہ بن جاتے ہیں (۱- کرنتھیوں ۱۲: ۱۳)۔

۲- قوت حاصل کرتے ہیں (اعمال ۱: ۸)۔

۲: ۵-۱۳۔ اُس وقت کی معلومہ دنیا کے تمام حصوں سے ”خدا ترس یہودی، یروشلیم میں“ جمع تھے۔

وہ عید پینتکست منانے کے لئے آئے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ کیا ہوا ہے تو وہ اُس مکان وہ گروا گرد جمع ہو گئے جس میں شاگرد تھے۔ خدا کا رُوح کام کرتا ہے تو آج بھی لوگ اسی طرح کشش محسوس کرتے ہیں۔

جب ”بھیڑ“ اُس گھر تک پہنچی تو شاگرد غیر زبانیں بول رہے تھے۔ لوگ یہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے

کہ یہ گلیلی شاگرد طرح طرح کی غیر زبانیں بول رہے ہیں۔ یہ معجزہ سننے والوں پر نہیں بلکہ بولنے والوں پر واقع ہوا تھا۔

سننے والوں میں پیدا لئٹی یہودی اور نو مرید یہودی (وہ لوگ جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا) شامل تھے، جو مشرق، مغرب، شمال اور جنوب کے دور دراز علاقوں سے آئے تھے۔ وہ

سب اپنی اپنی زبان میں اُن سے خدا کے بڑے بڑے کاموں کا بیان سُنتے تھے۔ جس لفظ کا ترجمہ

”زبان“ کیا گیا ہے، اس کا مطلب ”بولی“ ہے۔

یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ پینتکست کے دن غیر زبانوں کی نعمت کا ایک مقصد یہ تھا کہ

مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں کو ایک ساتھ خوشخبری سنائی جائے۔ مثلاً ایک مُصنّف لکھتا ہے کہ ”خدا نے اپنی شریعت تو ایک ہی زبان میں ایک ہی قوم کو دی، مگر اپنی خوشخبری ساری زبانوں میں ساری قوموں کو دی۔“

لیکن زیرِ نظر متن اس بات کی تصدیق نہیں کرتا۔ غیر زبانیں بولنے والے تو خدا کے بڑے بڑے کاموں کا بیان کر رہے تھے (۱۱:۲)۔ یہی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا (۱- کرنتھیوں ۱۳: ۲۱-۲۲) تاکہ وہ حیران اور متعجب ہوں۔ اس کے برعکس پطرس نے اُس زبان میں پیغام دیا جسے اگر سارے نہیں تو سامعین میں سے اکثر سمجھ سکتے تھے۔

اس معجزے کا اثر مختلف لوگوں پر مختلف ہوا۔ بعض نے بڑی دلچسپی دکھائی جبکہ بعض نے شاگردوں پر الزام لگایا کہ ”یہ تو تازہ نئے کے نشہ میں ہیں۔“ بے شک شاگرد ایک ایسی تاثیر کے زیرِ اثر تھے ان کے اختیار سے باہر تھی۔ مگر ”نئے“ کی نہیں رُوح القدس کی تاثیر تھی! جن لوگوں کو نئی پیدائش کا تجربہ نہیں ہوا، وہ رُوحانی باتوں کی طبعی تشریح کرنے کو ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ ایک دفعہ جب آسمان سے خدا کی آواز سنائی دی تو کسی نے کہہ دیا کہ بادل گر جا ہے (یوحنا ۱۲: ۲۸، ۲۹)۔ اس موقع پر بھی بے ایمان لوگ مذاق اڑاتے اور صُح القدس کی پیدا کردہ زہدہ دلی کو ”تازہ نئے“ کا اثر قرار دینے لگے۔ ایک مُفسر کہتا ہے کہ ”دنیا چمکیلی چیزوں کو داغدار کرنا اور سرفراز ہونے والوں کو خاک میں گرانا پسند کرتی ہے۔“

۱۴:۲۔ وہ شاگرد جس نے قسم کھا کر اپنے خداوند کا انکار کیا تھا اب آگے بڑھا اور بھیڑ سے مخاطب ہوا۔ اب وہ بزدل اور ڈالواندول شاگرد نہیں رہا تھا بلکہ جرات مند اور شیردل بن گیا تھا۔ پینتکُست نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ اب ”پطرس“ رُوح سے معمور تھا۔

قیصر یہ نفلت کے مقام پر خداوند نے پطرس کو آسمان کی بادشاہی کی گنجیاں دینے کا وعدہ کیا تھا (متی ۱۹: ۱۶)۔ یہاں اعمال باب ۲ میں ہم اُسے یہ گنجیاں استعمال کرتے اور یہودیوں پر دروازہ کھولتے دیکھتے ہیں۔ باب ۱۰ میں وہ یہی دروازہ غیر قوموں پر کھولے گا۔

۱۵:۲۔ شاگرد پہلے یہ واضح کرتا ہے کہ آج کا یہ واقعہ تازہ نئے کا نتیجہ نہیں کیونکہ ”ابھی تو صُح کے نوہی بجے ہیں اور ایسا تو کبھی سنا بھی نہیں گیا کہ اتنے لوگ اپنی صُح نشہ میں آئے ہوں۔ علاوہ ازیں عید کے روز جو یہودی عبادت خانے کی رُسومات میں شامل ہوتے تھے وہ کم سے کم دس بجے صُح تک، بلکہ دوپہر تک (یہ اس پر منحصر ہوتا تھا کہ قربانی کس وقت چڑھائی گئی) بھی کھانے پینے سے پرہیز کرتے تھے۔

۱۶:۲-۱۹۔ حقیقت یہ تھی کہ جیسا خدا نے یوئیل نبی کی معرفت فرمایا تھا اُس نے اپنا رُوح القدس

نازل کیا تھا (یوئیل ۲:۲۸ و مابعد)۔

دراصل پینتکُست کے واقعات سے نبوت کی پوری تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ آیات ۱۷-۲۰ میں مذکور باتوں میں سے اکثر تاحال واقع نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن پینتکُست پر جو کچھ بھی ہوا، وہ اُن باتوں کی جھلک تھی جو خداوند کے عظیم اور جلیل دن کے آنے سے پہلے آخری دنوں میں واقع ہوں گی۔ اگر پینتکُست نے یوئیل کی پیشین گوئی پوری کر دی تھی تو بعد میں یہ وعدہ کیوں دیا گیا (۱۹:۳) کہ اگر اسرائیل قوم توبہ کرے اور اُس ہستی کو قبول کرے جس کو مصلوب کیا تھا تو وہ واپس آئے گا اور خداوند کے دن کا آغاز کرے گا؟ یوئیل سے اقتباس دُہرے حوالہ کے اصول کا نمونہ ہے، یعنی بائبل مقدس کی نبوت کی پہلے کسی وقت بڑی اور بعد میں پوری تکمیل ہوتی ہے۔

پینتکُست پر خدا کا رُوح نازل کیا گیا، لیکن لفظی طور پر ”ہر بشر“ پر نہیں۔ نبوت کی آخری اور پوری تکمیل ”بڑی صیبت کے دنوں“ کے اخیر میں ہوگی۔ مسیح کی جلالی آمد سے پہلے آسمان پر عجیب کام اور زمین پر ”نشانیوں“ ظاہر ہوں گے (متی ۲۴:۲۹-۳۰)۔ اُس وقت خداوند یسوع مسیح زمین پر ظاہر ہوگا اور دشمنوں کو نیست کر کے اپنی بادشاہی قائم کرے گا۔ اُس کی ہزار سالہ بادشاہی کے آغاز میں یہودی اور غیر قوم ”ہر بشر“ پر رُوح اُنڈیلا جائے گا اور ہزار سالہ دور کے دوران یہ حالت قائم رہے گی۔ عمر، جنس اور معاشرتی رُستے کا لحاظ کے بغیر رُوح القدس کے طرح طرح کے ظہور دئے جائیں گے۔ ”زویا“ اور ”خواب“ ہوں گے جو علم و عرفان حاصل کرنے کی علامت ہیں۔ نبوت ہوگی جو ظاہر کرتی ہے کہ یہ علم و عرفان دوسروں کو پہنچایا جا رہا ہے۔ اس طرح مکاشفہ اور ابلاغ کی نعمتیں ایک شہادت ہوں گی۔ یہ سب کچھ یوئیل کے مطابق ”آخری دنوں“ میں واقع ہوگا۔ یہ شک اس سے مراد کلیسیا کے نہیں بلکہ اسرائیل کے آخری دن ہیں۔

۲۰:۲۔ یہ بات واضح طور پر کہی گئی ہے کہ یہ فوق الفطرت نشان ”خداوند کے دن“ کے آنے سے ”پیشتر“ ظاہر ہوں گے۔ متن کے مطابق ”خداوند کا دن“ سے مراد ہے کہ جب خداوند شخصی طور پر زمین پر واپس آئے گا، اپنے دشمنوں کو نیست کر کے بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ حکمرانی کرے گا۔

۲۱:۲۔ یوئیل سے اقتباس کو پطرس اس وعدہ کے ساتھ ختم کرتا ہے کہ ”جو کوئی خداوند کا نام لے گا بجا پائے گا۔“ یہ ہے وہ خوشخبری جو سارے زمانوں کے لئے ہے کہ خداوند پر ایمان کے اصول پر سارے لوگوں کو نجات کی پیشکش کی جاتی ہے۔ ”خداوند کا نام“ ایک اصطلاح ہے جس کے مفہوم میں ”خداوند کی پوری شخصیت“ شامل ہے۔ چنانچہ ”خداوند کا نام لینے“ سے مراد خود اُس کو پکارنا ہے کہ نجات کا واحد

راستہ وہی ہے۔

۲۲:۲-۲۴۔ مگر خُداوند ہے کون؟ پطرس چونکہ دینے والا اعلان کرتا ہے کہ یہی یسوع جس کو انہوں نے مصلوب کیا تھا، وہی خُداوند بھی ہے اور مسیح بھی۔ پطرس پہلے یسوع کی زندگی کا بیان کرتا ہے پھر اُس کی موت، جی اٹھنے اور آسمان پر جانے کا ذکر کرتا ہے اور آخر میں خُدا کے دہسنے ہاتھ پر جلال پانے کی بات کرتا ہے۔ اگر اُن کو ابھی تک یہ غلط فہمی ہو کہ ”یسوع“ ابھی تک کسی یہودی قبر میں پڑا ہوا ہے تو پطرس بہت جلد اُن کے ذہن صاف کر دے گا۔ اُن کو بتانا ضروری ہے کہ جسے تم نے قتل کر ڈالا تھا، وہ آسمان میں ہے اور ضرور ہے کہ تم اُسے مانو۔

چنانچہ رسول کا استدلال یوں چلتا ہے کہ — بہت سے کاموں اور معجزوں سے ظاہر کیا گیا کہ ”یسوع نامہری“ خُدا کی طرف سے ہے (آیت ۲۲)۔ خُدا نے اپنے ”مقررہ انتظام اور علم سابق کے موافق“ اُسے یہودی لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ انہوں نے اُسے غیر قوموں (یعنی بے شرع لوگوں) کے حوالہ کر دیا تاکہ وہ اُسے ”مصلوب کر کے مار ڈالیں“ (آیت ۲۳)۔ لیکن ”خُدا نے موت کے بند کھول کر اُسے جلایا کیونکہ ممکن نہ تھا کہ وہ اُس کے قبضہ میں رہتا“ موت اُسے اپنی قید میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ اس لئے کہ

۱۔ خُدا کا کردار اُس کو زندہ کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ وہ مر گیا، یعنی بے گناہ گنہگاروں کی خاطر مر گیا۔ ضرور ہے کہ خُدا اُسے زندہ کرے کیونکہ اُس کا زندہ کیا جانا ثبوت ہے کہ مسیح نے اپنے فدایہ کے کام سے خُدا کے سارے تقاضے پورے کر دیئے ہیں۔

۲۔ پُرانے عہد نامہ کی پیشین گوئیاں اُس کے جلائے جانے کا تقاضا کرتی ہیں۔ اگلی آیات میں پطرس خاص اسی نکتے پر زور دیتا ہے۔

۲۵:۲-۲۷۔ زبور ۱۶ میں داؤد نے نبوت سے خُداوند کی زندگی، موت، قیامت اور جلال پانے کے بارے میں لکھا تھا۔ اُس کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہوئے داؤد ”بیان کرتا ہے کہ اُس کو بے کراں اعتماد اور یقین حاصل تھا کیونکہ باپ کے ساتھ اُس کی ایسی رفاقت تھی جس میں کوئی خلل نہیں آتا تھا۔ اُس کا دل، زبَان اور جسم، غرضیکہ پورا وجود اُمید اور خوشی سے سرشار تھا۔ اور اُس کی موت کے بارے میں داؤد نے نبوت سے دیکھ لیا تھا کہ خُدا اُس کی ”جان کو عالم ارواح میں نہ چھوڑے گا اور نہ اپنے مقدس کے سڑنے کی نوبت پہنچنے دے گا“۔ دوسرے کلمات میں خُداوند یسوع کی رُوح بے بدن حالت میں نہ رہے گی اور نہ اُس کا جسم گلے سڑے گا۔ (اس آیت کو یہ بات ثابت



کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے کہ خداوند مسیح موت کے وقت رُوحوں کے کسی قید خانے میں گیا تھا جو زمین کے انتہائی نیچے حصے میں واقع ہے۔ اُس کی رُوح تو آسمان پر گئی تھی۔ لوقا ۲۳: ۴۳۔ اور جسم قبر میں رکھا گیا تھا۔

۲۸: ۲۔ اور اُس کی قیامت کے بارے میں داؤد کو یقین تھا کہ خدا اُسے زندگی کی راہ دکھائے گا۔ زبور ۱۶: ۱۱ میں وہ لکھتا ہے کہ ”تو مجھے زندگی کی راہ دکھائے گا“۔ اعمال ۲: ۲۸ میں پطرس نے اسی کا اقتباس کیا، ”تو نے مجھے زندگی کی راہیں بتائیں“۔ پطرس نے فعل مستقبل کو بدل کر فعل ماضی استعمال کیا۔ ظاہر ہے کہ رُوح القدس نے اُسے ایسا کرنے کی ہدایت کی کیونکہ اُس وقت مسیح جی اٹھا تھا۔  
مُنجی کے موجودہ جلال کی پیشین گوئی کرتے ہوئے داؤد کہتا ہے کہ ”تو مجھے اپنے دیدار کے باعث خوشی سے بھر دے گا“۔ اس بات کو زبور ۱۶: ۱۱ میں وہ یوں بیان کرتا ہے۔ ”تیرے حضور میں کامل شادمانی ہے۔ تیرے دہنے ہاتھ میں دائمی خوشی ہے“۔

۲۹: ۲۔ پطرس دلیل دیتا ہے کہ داؤد ”یہ باتیں اپنے حق میں نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ اُس کا بدن تو گل سڑ گیا۔ اُس زمانے کے لوگ اُس کی قبر کو بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ اُن کو معلوم تھا کہ داؤد کو جلا یا نہیں گیا تھا۔  
۳۰: ۲۔ ۳۱۔ داؤد نے یہ زبور نبوت سے لکھا۔ اُسے یاد تھا کہ ”خدا نے وعدہ کر رکھا ہے کہ میرے جانشینوں میں سے وہ ایک ہستی کو زندہ کرے گا تاکہ ہمیشہ تک میرے تخت پر بیٹھے“۔ داؤد کو معلوم تھا کہ یہ مسیح موعود ہوگا۔ اور اگرچہ وہ مر جائے گا لیکن اُس کی رُوح بے بدن حالت میں نہیں رہے گی اور نہ اُس کا بدن گلے سڑے گا۔

۳۲: ۲۔ ۳۳۔ اب پطرس ایک ایسے اعلان کو دہراتا ہے جس سے اُس کے سامعین چونک اٹھے کہ جس مسیح کا ذکر داؤد نے نبوت سے کیا ہے وہ ناصرت کا مسیح ہے۔ ”خدا نے اُسے مُردوں میں سے جلا یا اور شاگرد سب اس کے گواہ ہیں کیونکہ وہ عینی شاہد ہیں۔ زندہ کئے جانے کے بعد اُسے خدا کے دہنے ہاتھ سے سر بلند کیا گیا اور اب جیسا باپ نے وعدہ کیا تھا، رُوح القدس نازل ہوا ہے۔ یہ اُن ساری باتوں کی وضاحت تھی جو یروشلیم میں کچھ دیر پہلے واقع ہوئی تھیں۔

۳۴: ۲۔ ۳۵۔ ”کیا داؤد نے مسیح موعود کی سر بلندی اور سرفرازی کی نبوت نہیں کی تھی؟ وہ زبور ۱: ۱۱۰ میں اپنے بارے میں نہیں کہہ رہا تھا بلکہ وہ بتا رہا تھا کہ یہ وہاں مسیح موعود سے کہتا ہے کہ ”میری دہنی طرف بیٹھ۔ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں تلے کی چوکی نہ کر دوں“ (غور کریں کہ آیات ۳۳۔ ۳۵ انتظار کے وقت کی نبوت ہے۔ مسیح کے جلال پانے اور دوبارہ آکر دشمنوں کو نیست کر کے

بادشاہی قائم کرنے کے درمیان انتظار کا وقفہ ہے۔)

۲: ۳۶۔ ایک دفعہ پھر وہی بات دہرائی جاتی ہے جس سے یہودیوں کے دل ہل جاتے ہیں کہ خدا نے اسی یسوع کو جسے تم نے مصلوب کیا خداوند بھی کیا اور میں بھی۔ یونانی لفظوں کی ترتیب میں جسے تم نے مصلوب کیا، آخریں آتا ہے۔ بیٹکل کتابہ کہ ساری بات میں نشتر آخریں رکھا گیا ہے، یعنی یہی یسوع جسے تم نے مصلوب کیا۔ انہوں نے خدا کے مسوح کو مصلوب کیا تھا۔ اور روح القدس کا نزول گواہی تھی کہ یسوع آسمان میں سر بلند کیا گیا ہے (ملاحظہ کریں یوحنا: ۳۹)۔

۲: ۳۷۔ روح القدس نے ان کو اتنی شدت سے جھنجھوڑا کہ سامعین نے اسی وقت رد عمل کا اظہار کیا۔ پطرس نے نہ تو ابیل کی نہ ان کو دعوت دی تو بھی وہ پکارا مٹھے کہ ”میں کیا کریں؟“ گہرے احساسِ گناہ کے باعث یہ سوال ان کی زبان پر آگیا۔ انہوں نے جان لیا کہ جس یسوع کو ہم نے قتل کیا تھا وہ خدا کا پیارا بیٹا تھا۔ اسی یسوع کے سردوں میں سے جلا لیا گیا اور اب وہ آسمان میں سر بلند ہے۔ ایسی صورت میں یہ تصور وارد قابلِ خدا کے غضب سے کس طرح بچ سکتے تھے؟

۲: ۳۸۔ پطرس نے جواب دیا کہ ”توبہ کرو اور تم میں سے ہر ایک اپنے گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر بپتسمہ لے۔“ اول۔ توبہ کرو، یعنی اپنے قصور اور گناہ کو مانو اور خود اپنے خلاف خدا کے ساتھ کھڑے ہو۔

دوم۔ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے بپتسمہ لو۔ بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں بپتسمہ کے وسیلے سے نجات کی تعلیم پائی جاتی ہے۔ اور بہت سے لوگ اسی مفہوم پر اصرار بھی کرتے ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر یہ تشریح ناممکن ہوئے :

۱۔ نئے عہد نامہ میں درجنوں حوالے ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ نجات خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے کے وسیلے سے ہے (یوحنا: ۱۲: ۳؛ ۱۶: ۳۶؛ ۶: ۴۷؛ اعمال: ۱۶: ۳۱؛ رومیوں: ۱۰: ۹؛ چند مثالیں ہیں)۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی آیت ایسی زبردست گواہی کی تردید کرتی ہے۔

۲۔ صلیب پر ڈاکو کو بپتسمہ کے بغیر نجات کی یقین دہانی کرائی گئی تھی (لوقا: ۲۳: ۴۳)۔  
۳۔ کہیں بیان نہیں کہ مسیحی نے کسی کو بپتسمہ دیا ہو۔ اگر نجات کے لئے بپتسمہ ہی ضروری ہے تو ایسے بیان کا نہ ہونا بہت عجیب بات ہے۔

۴۔ پولس رسول شکر کرتا ہے کہ میں نے صرف چند ایک گرنقیوں کو بپتسمہ دیا ہے۔ اگر بپتسمہ نجات

کا باعث ہوتا تو یہ مُشکر گزار کی عجیب ہی وجہ معلوم ہوگی (۱- گنتیوں ۱: ۱۴-۱۶)۔

یہ غور کرنا بھی اہم ہے کہ صرف یہودیوں ہی کو گناہوں کی مُعافی کے لئے بپتسمہ لینے کو کہا گیا (دیکھئے اعمال ۲۲: ۱۶)۔ ہمارے خیال میں یہ حقیقت اس حوالہ کو سمجھنے کا بھید ہے۔ اسرائیلی قوم نے جلال کے خُداوند کو مصلوب کیا تھا۔ اور یہودیوں ہی نے چلا چلا کر کہا تھا کہ ”اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر!“ (متی ۲۷: ۲۵)۔ اس طرح اسرائیلی قوم مسیح موعود کی موت کے قُصور کو تسلیم کرتی تھی۔

آبِ اِن میں سے کُچھ یہودیوں نے اپنی غلطی کا احساس کیا۔ توبہ کرنے سے اُنہوں نے تسلیم کیا کہ ہم نے خُدا کا گناہ کیا ہے۔ اور خُداوند یسوع کو مُنجی ماننے کے وسیلے سے اِن کو نئے پیدائش اور گناہوں کی اُبدی مُعافی حاصل ہوئی۔ پانی سے علانیہ بپتسمہ لینے سے اُنہوں نے اُس قوم سے قطع تعلق کر لیا جس نے خُداوند کو مصلوب کیا تھا، اور مسیح کو قبول کرنے کا اعلان کیا۔ بپتسمہ ظاہری نشان تھا کہ مسیح کو رد کرنے کا گناہ (اور دوسرے سارے گناہ بھی) دھل گیا ہے۔ بپتسمہ نے اُن کو یہودی بُنیاد سے نکال کر مسیحی بُنیاد پر قائم کر دیا۔ مگر اُنہیں نجات بپتسمہ نے نہیں دی۔ نجات صرف مسیح پر ایمان کے باعث ملتی ہے۔ جو کوئی اس کے خلاف تعلیم دیتا ہے وہ کوئی اور خوشخبری سُناتا ہے اور اس وجہ سے ملعون ہے

(گنتیوں ۱: ۸، ۹)۔

”گناہوں کی مُعافی کے لئے بپتسمہ“ کے بارے میں رائسری یہ تشریح پیش کرتا ہے:

”اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے باعث گناہوں کی مُعافی ملتی ہے کیونکہ نئے عہد نامہ میں ہر جگہ مسیح پر ایمان کے نتیجے میں گناہ مُعاف ہوئے ہیں، نہ کہ بپتسمہ کے نتیجے میں۔ جس یونانی حرف جار (eis) کا ترجمہ ”کے لئے“ کیا گیا ہے اس کا یہاں مطلب ہے ”کی وجہ سے“۔ نہ صرف یہاں بلکہ دیگر مقامات پر بھی یہی مفہوم ہے۔ مثلاً متی ۲۱: ۱۲ جہاں مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ”اُنہوں نے یوناہ کی منادی کی وجہ سے توبہ کر لی“۔ توبہ سے پلٹنے کے اس گروہ کو گناہوں کی مُعافی ملی۔ اور گناہوں کی مُعافی کی وجہ سے اُنہوں نے بپتسمہ پانے کی درخواست کی“۔

بطرس نے اُن کو یقین دلایا کہ اگر تم توبہ کرو اور بپتسمہ لو تو روح القدس انعام میں پاؤ گے۔ اس بات پر اصرار کرنا کہ آج اسی ترتیب کا اطلاق ہوتا ہے، ظاہر کرتا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ کلیسیا کے ابتدائی دنوں میں خُدا انتظامی معاملات میں کس طرح کام کرتا تھا۔ ایچ۔ پی۔ بارکر اپنی تصنیف The Vicar of Christ میں بڑی خوبی سے بیان کرتا ہے کہ اعمال کی کتاب میں

ایمان داروں کی چار جماعتیں ہیں، اور ہر ایک کے لئے رُوح القدس حاصل کرنے کی ترتیب الگ الگ ہے۔  
— یہاں اعمال ۲: ۳۸ میں ہم یہودی مسیحیوں کے بارے میں پڑھتے ہیں۔ اُن کے لئے ترتیب یوں  
تھی:

۱- توبہ ۲- پانی کا بپتسمہ ۳- رُوح القدس کا حاصل ہونا۔

— اعمال ۸: ۱۴-۱۷ میں سامریوں کے ایمان لانے کا بیان درج ہے وہاں واقعات کی ترتیب  
یوں ہے:

۱- ایمان لائے ۲- پانی سے بپتسمہ لیا ۳- رسولوں نے اُن کے لئے دعا کی ۴- رسولوں نے  
اُن پر ہاتھ رکھے ۵- اُن کو رُوح القدس ملا۔

— اعمال ۱۰: ۴۴-۴۸ میں غیر قوم افراد ایمان لائے۔ وہاں ترتیب یوں ہے:

۱- ایمان ۲- رُوح القدس حاصل کرنا ۳- پانی کا بپتسمہ۔

— ایمان داروں کا چوتھا گروہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کے شاگرد تھے اعمال ۱۹: ۱-۷۔ اس موقع  
پر ترتیب یوں ہے:

۱- وہ ایمان لائے ۲- اُن کو بپتسمہ دیا گیا ۳- پولس رسول نے اُن پر ہاتھ رکھے ۴- اُن کو  
رُوح القدس ملا۔

تو کیا اس کا مطلب ہے کہ اعمال کی کتاب میں نجات پانے کے چار طریقے ہیں؟ ہرگز نہیں۔  
نجات خداوند پر ایمان لانے سے ہے اور ہمیشہ ہوگی۔ اعمال کی کتاب میں ایک عبوری دور کا بیان ہے۔  
اُس وقت خدا کو پسند آیا کہ رُوح القدس کے پانے کے واقعات میں رد و بدل کرے۔ اس کی وجہ صرف وہی  
جانتا ہے۔

ان میں سے کون سی ترتیب کا اطلاق ہم پر ہوتا ہے؟ چونکہ اسرائیلیوں نے قومی سطح پر مسیح موعود کو  
رد کر دیا ہے اس لئے اُن کی وہ خاص مراعات جو انہیں حاصل تھیں رگ گئی ہیں۔ آج خدا غیر قوموں میں سے  
اپنے نام کے لئے لوگوں کو بلاتا رہا ہے (اعمال ۱۵: ۱۴)۔ چنانچہ آج کے لئے وہ ترتیب ہے جو اعمال باب ۱۰ میں پائی  
جاتی ہے یعنی ۱- ایمان ۲- رُوح القدس پانا ۳- پانی کا بپتسمہ۔

ہمیں یقین ہے کہ آج کے زمانے میں اس ترتیب کا اطلاق یہودیوں اور غیر یہودیوں سب پر ہونا  
ہے۔ ہو سکتا ہے پہلی نظر میں یہ بے وجہ اور زبردستی کی بات معلوم ہو۔ کوئی پوچھ سکتا ہے کہ اعمال ۲:  
۳۸ کی ترتیب یہودیوں کے لئے موقوف ہوگئی اور اعمال ۱۰: ۴۴-۴۸ کی ترتیب کب سے نافذ ہوئی۔

بے شک کوئی حتمی تاریخ تو نہیں بتائی جاسکتی، لیکن اعمال کی کتاب میں ہمیں یہودیوں کے بارے میں ایک تدریجی عمل نظر آتا ہے۔ خوشخبری پہلے یہودیوں کو پیش کی گئی۔ یہودیوں نے اسے بار بار رد کیا۔ پھر یہ غیر قوموں کو پیش کی گئی۔ اعمال کی کتاب کے آخر تک پہنچتے پہنچتے اسرائیلی قوم کو بڑی حد تک ایک طرف کر دیا گیا ہے۔ اپنی بے اعتقادگی کے باعث وہ خدا کی برگزیدہ قوم ہونے کا دعویٰ کرنے کا حق کھو بیٹھے۔ کلیسیائی زمانے کے دوران انجیل کی خوشخبری غیر قوموں سے منسوب کی جائے گی۔ اس لئے غیر قوموں والی ترتیب جس کا خاکہ اعمال ۱۰: ۴۴-۴۸ میں موجود ہے، اسی کا اطلاق ہوگا۔

۲: ۳۹- اس کے بعد پطرس ان کو یاد دلاتا ہے کہ رُوح القدس کا "وعدہ تم اور تمہاری اولاد (یہودی قوم) اور ان سب دُور کے لوگوں (غیر اقوام) سے بھی ہے جن کو خداوند ہمارا خدا اپنے پاس بلائے گا۔"

جس لوگوں نے کہا تھا کہ "اس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر"، ان ہی کو یقین دلایا گیا ہے کہ اگر تم خداوند پر ایمان لاؤ تو تم پر فضل ہوگا۔

لسا اوقات اس آیت سے یہ تعلیم اخذ کی جاتی ہے کہ ایمان دار والدین کی اولاد یقینی طور سے وعدے کی مراعات حاصل کرتی ہے، یا کہ اولاد بھی نجات یافتہ ہوتی ہے۔ یہ تعلیم غلط ہے۔ اس سلسلے میں سیرجن کتابت ہے کہ:

"کیا خدا کی کلیسیا کو علم نہیں کہ جو جسم سے پیدا ہوا ہے، جسم ہے اور جو رُوح سے پیدا ہوا ہے رُوح ہے؟ 'نپاک چیز میں سے پاک چیز کون نکال سکتا ہے؟' (یوحنا ۳: ۶)؛

یُوب ۱۴: ۴)۔

طبعی پیدائش سے فطری پلیدی ملتی ہے۔ یہ پیدائش اطمینان نہیں دے سکتی۔ ہمیں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ نئے عہد کے تحت خدا کے فرزند نہ خون سے، نہ جسم کی خواہش سے، نہ انسان کے ارادہ سے، بلکہ خدا سے پیدا ہوئے، "یوحنا ۱۳: ۱۱)۔

اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ یہ "وعدہ (صرف) تم اور تمہاری اولاد" ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ ان دُور کے لوگوں سے بھی ہے جن کو خداوند ہمارا خدا... بلائے گا۔ اس میں سارے اسی طرح شامل ہیں جس طرح "جو کوئی..." "یوحنا ۳: ۱۶) والی خوشخبری کی دعوت میں۔

۲: ۴۰- اس باب میں پطرس کا پورا پیغام درج نہیں۔ البتہ باقی حصے کا خلاصہ یہ ہے کہ اُس کی سنسنے والے یہودی اپنے آپ کو اُس "ٹیرھی قوم" سے بچائیں جس نے خداوند یسوع کو رد کیا اور قتل کر ڈالا۔ اُس سے بچنے کے لئے وہ یسوع کو مسیح موعود اور خلیفہ قبول کریں اور مسیحی پختہ ہونے کے وسیلے سے علانیہ اقرار کریں کہ اب اُس خطا کار قوم کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔

۲:۲۱- لوگوں میں ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ چاہنے لگے کہ ہم بپتسمہ لیں جو ظاہری نشان ہو کہ ہم نے خوشی سے قبول کیا ہے کہ پطرس کی باتیں خداوند کا کلام ہیں۔ اُس دن تقریباً "تین ہزار آدمی" ایمان داروں کی جماعت میں مل گئے۔ اگر رُوحوں کی تبدیلی رُوح القدس کے کام کا بہترین ثبوت ہے تو یقیناً پطرس کی خدمت اسی قسم کی تھی۔ بے شک گلیل کے اس ماہی گیر کو خداوند یسوع کی بات یاد آئی ہوگی کہ "میں تم کو آدم گیر بناؤں گا" (متی ۴: ۱۹) اور شاید منجی کی یہ بات بھی کہ "میں تم سے پرچ کرنا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کرے گا، بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا کیونکہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں" (یوحنا ۱۴: ۱۲)۔

یہ بات سبق آموز اور قابلِ توجہ ہے کہ ایمان لانے والوں کی تعداد کیسی احتیاط سے درج کی گئی ہے۔ "تین ہزار آدمیوں کے قریب"۔ خداوند کے سارے خادموں کو مسیح کے پاس آنے کے مبینہ فیصلوں کا شمار ایسی ہی احتیاط سے کرنا چاہئے۔

۲:۲۲- حقیقت کا ثبوت "ایمان کو جاری رکھنے" یا "مشغول رہنے" میں ہے۔ ان نو مریدوں نے سچے ایمان کا ثبوت دیا۔ وہ بڑے استقلال سے "مشغول رہے" :

۱- وہ رُسلوں سے "تعلیم پانے" میں مشغول رہے۔ مُراد ہے وہ تعلیم جو شاگردوں کو الامام سے حاصل ہوتی تھی۔ پہلے وہ زبانی دی جاتی تھی، اب وہ نئے عہد نامہ میں تحریری شکل میں موجود ہے۔

۲- وہ رفاقت رکھنے میں "مشغول رہے"۔ نئی زندگی کا یہ ایک اور ثبوت تھا۔ یہ نو مرید خدا کے لوگوں کے ساتھ رہنا اور ان کی ساری باتوں میں شریک ہونا چاہتے تھے۔

۳- وہ "روٹی توڑنے" میں مشغول رہے۔ نئے عہد نامہ میں "روٹی توڑنے" کی اصطلاح عشاءِ ربانی اور عام کھانا کھانے دونوں کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ متن کے مطابق مطلب لینا چاہئے۔ یہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ مطلب عشاءِ ربانی سے ہے کیونکہ یہ کہنا مضحکہ خیز ہوگا کہ وہ عام کھانا کھانے میں مشغول رہے۔ اعمال ۲: ۴۰ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مسیحی ہفتہ کے پہلے دن "روٹی توڑا" کرنے تھے۔ کلیسیا کے ابتدائی زمانے میں عشاءِ ربانی کے تعلق سے "مجت کی ضیافت" (دیکھئے یہوداہ ۱۲: ۲- پطرس ۲: ۱۳-۱) اور کرنتھیوں ۱۱: ۲۰-۲۲) بھی ہوتی تھی جس سے مسقّدین کی باہمی محبت کا اظہار ہوتا تھا۔ لیکن خامیاں/خرابیاں در آئیں تو یہ رسم ترک کر دی گئی۔

۴- وہ دعا کرنے میں مشغول رہے۔ یہ جو تھی بڑی رسم یا بڑا اصول تھا جو ابتدائی کلیسیا میں جاری تھا۔ جس سے یہ اظہار ہوتا تھا کہ کلیسیا عبادت، ہدایت و راہنمائی، ایمان میں قائم رہنے اور خدمت کے لئے خداوند پر کامل تکیہ کرتی ہے۔

۲۳:۲۔ ہر شخص پر عقیدت بھر "خوف چھا گیا"۔ رُوحِ اَلْقُدُس کی زبردست قوت ایسی نمایاں تھی کہ دل مغلوب ہو گئے۔ اُنہوں نے رُسولوں کو "عجیب کام اور نشان" دکھاتے دیکھا تو وہ حیران اور ششدر رہ گئے۔ "عجیب کام" وہ معجزے تھے جو حیران اور متعجب کرتے تھے۔ اور "نشان" وہ معجزے تھے جن کا مقصد تعلیم دینا تھا۔ ایک ہی معجزہ عجیب کام اور نشان بھی ہو سکتا ہے۔

۲۴:۲۔ ۲۵۔ ایمان دار متواتر "ایک جگہ رہتے اور سب چیزوں میں" ایک دوسرے کو "شریک" کرتے تھے۔ اُن کے دلوں میں خدا کی محبت ایسی قُدرت کے ساتھ چھا گئی کہ وہ اپنی مادی چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتے تھے (۲: ۳۲)۔ ساقیوں میں سے کسی کو بھی حقیقی طور پر ضرورت ہوتی تو وہ "اپنی جائیداد" بیچ کر رقم بانٹ دیتے تھے۔ اس طرح اُن میں مساوات قائم ہو گئی تھی۔

ایف۔ ڈیلو۔ گرانٹ کہتا ہے :

"ایمان لانے والوں میں دل اور مقاصد کا اتحاد تھا۔ یہ اتحاد فطری خود غرضی کو نکل گیا تھا۔ الٰہی محبت کے احساس نے اُن میں ایسی بھر پور محبت پیدا کر دی تھی۔ وہ باہم اس طرح مل گئے تھے کہ اُن کا سب کچھ مشترک ہو گیا تھا۔ اور ایسا کسی خارجی شریعت کے دباؤ کے تحت نہیں ہوتا، ورنہ سب کچھ بگڑ کر رہ جاتا۔ بلکہ یہ اس شعور کے تحت ہوا کہ ہم مسیح کے نزدیک کیا ہیں، اور مسیح نے ہم میں سے ہر ایک کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ وہ مسیح کی اُس برکت سے مالا مال ہو گئے تھے جسے کوئی چیز کم نہیں کر سکتی، بلکہ جتنا اُسے استعمال کرتے تھے اتنا ہی بڑھتی جاتی تھی۔ اور اپنی جائیداد اور اسباب بیچ بیچ کر ہر ایک کی ضرورت کے موافق سب کو بانٹ دیا کرتے تھے۔"

آج بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں ابتدائی ایمان داروں کی اس رسم کی پیروی کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر تو یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں سے اپنے برابر محبت کرنے کی ضرورت نہیں۔ رُوحِ اَلْقُدُس سے معمور زندہ گیوں کا ناگزیر پھل یہ تھا کہ وہ اپنی شخصی چیزوں اور جائیداد میں سب کو شریک کرتے تھے۔ کسی نے کہا ہے کہ "حقیق مسیحی برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کے پاس تو بہت کچھ ہو جبکہ دوسروں کے پاس بہت کم ہے۔"

۲۶:۲۔ یہ آیت مذہبی اور گھریلو زندگی پر پینٹنگ کے اثر کو ظاہر کرتی ہے۔

"مذہبی زندگی" کے سلسلے میں ہم یاد رکھیں کہ یہ ابتدائی مسیحی یہودی پس منظر سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ کلیسیا قائم ہو گئی تھی لیکن ہیبرل سے تعلقات فوری طور پر منقطع نہیں ہوئے۔ یہودیت کا

کفن اُتارنے کا عمل اعمال کی پوری کتاب کے زمانے میں جاری رہا۔ اس لئے ایمان دار پریکل کی عبادت میں بھی حاضر ہوتے رہے۔ وہاں پُرانا عہد نامہ پڑھا جاتا اور اس کی تفسیر پیش کی جاتی تھی۔ پھر وہ گھروں میں اُس مقصد کے لئے جمع ہوتے تھے جس کا بیان آیت ۴۲ میں ہوا ہے۔

اُن کی گھر یوں زندگی کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں کہ وہ گھروں میں روٹی توڑ کر خوشی اور سادہ دلی سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ یہاں صاف معلوم ہوتا ہے کہ عام کھانا کھانے کی بات ہو رہی ہے۔ نجات کی خوشی زندگی کی ہر بات سے پھلکتی تھی۔ دُنیاوی باتوں میں بھی جلال کی جھلک تھی۔

۲:۴۰- تاریکی کے اختیار سے رہائی پانے والوں کے لئے زندگی حمد و ستائش کا نغمہ اور شکر گزاری کا زبور بن گئی تھی کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کی محبت کی بادشاہی میں آگئے تھے۔

آغاز ہی سے ایمان دار سب لوگوں کو عزیز تھے۔ مگر یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ مسیحی ایمان کی نوعیت ہی کچھ ایسی ہے کہ بالآخر لوگ اس کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ صیہبی نے اپنے شاگردوں کو خبردار کیا تھا کہ مقبولیت سے ہوشیار رہیں (لوقا ۶:۲۶) اور یہ بھی کہا تھا کہ تم کو دکھوں، مہیبتوں اور اینا رسائی کا سامنا ہو گا (متی ۱۰:۲۳، ۲۴)۔ چنانچہ یہ ہر دل عزیز عارضی ثابت ہوئی۔ بہت جلد اُن کو شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

”اور جو نجات پاتے تھے اُن کو خداوند ہر روز اُن میں بلا دیتا تھا“ نے ایمان لانے والوں کے باعث مسیحیوں کی جماعت میں ہر روز اضافہ ہو رہا تھا۔ جو لوگ خوشخبری سنتے تھے اُن کی ذمہ داری تھی کہ اپنی مرضی سے یسوع مسیح کو قبول کریں۔ خداوند کے چننے اور ایمان داروں میں شامل کرنے سے انسانی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی۔

اس باب میں رُوح القدس کے اُنڈیلے جانے کا بیان، پطرس کا یادگار خطاب جو اُس نے یوودیوں کے سامنے پیش کیا درج ہے۔ پھر بڑی بھیڑ کے ایمان لانے کا ذکر اور ابتدائی مسیحیوں کی زندگی کا مختصر حال مرقوم ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے تیرھویں ایڈیشن میں تاریخ کلیسیا کے زیر عنوان اس کا مختصر حال بڑی خوبصورتی سے درج کیا گیا ہے:

”ابتدائی مسیحیوں کی زندگی کی نمایاں بات یہ تھی کہ اُن کو واضح مشور تھا کہ ہم خدا کے لوگ ہیں۔ اُس نے ہمیں بلا یا اور مخصوص کیا ہے۔ اُن کے خیال میں مسیحی کلیسیا انسانی نہیں بلکہ الہی ادارہ تھا۔ اس کی بنیاد خدا نے رکھی اور وہی اسے کنٹرول کرتا ہے۔ یہاں تک



کہ دنیا بھی اسی کی خاطر خلق کی گئی ہے... یہ نظریہ ابتدائی مسیحیوں کی انفرادی اور سماجی پوری زندگی کو کنٹرول کرتا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم باقی دنیا سے الگ اور خاص بندھنوں سے باہم بندھے ہوئے ہیں۔ ہم آسمانی وطن کے شہری ہیں۔ اور جن اصولوں اور قوانین کے مطابق ہم زندگی گزارنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ اُوپر سے ہیں۔ یہ دنیا بالکل غرضی ہے اور ہماری حقیقی زندگی مستقبل میں ہے۔ مسیح بہت جلد واپس آنے کو ہے اور اس زندگی کی مہر و فیات، مُشتقیات اور خوشیاں بے حقیقت ہیں... مسیحیوں کی روزمرہ کی زندگی میں رُوح القدس کام کرتا تھا اور تمام مسیحی فضائل اس کا پھل تھے۔ اس اعتقاد کے نتیجے میں اُن کی زندگیوں میں مخصوص سرگرمی اور جوش و جذبہ پایا جاتا تھا۔ اُن کے تجربات روزمرہ کی معمولی زندگی کے تجربات نہیں تھے بلکہ اُن لوگوں کے تجربات تھے جو اپنے آپ سے بھی بلند ہو گئے تھے اور اعلیٰ اور اُوچی فضاؤں میں رہتے تھے۔

اس مقالے کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج کل کی کلیسیا اپنے اصلی جوش اور استحکام سے کتنی پیچھے ہٹ چکی ہے۔

## ہاؤس چرچ

یہ پہلا موقع ہے کہ اعمال کی کتاب میں کلیسیا کی صورت نظر آنے لگتی ہے (اعمال ۲: ۲۷)۔ اس لئے ہم کچھ وقت اس بات پر غور کرنے پر صرف کریں گے کہ ابتدائی مسیحیوں کی سوچ میں کلیسیا کو کیا مقام حاصل تھا۔ اعمال کی کتاب میں اور نئے عہد نامہ کے بغیر حصے میں کلیسیا ایسی تھی جسے ہاؤس چرچ کہا جاتا ہے۔ ابتدائی مسیحی کلیسیائی عمارتوں کی بجائے گھروں میں جمع ہوا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مذہب مخصوص مقدس مقامات سے آزاد ہو کر عالمگیر سکونتی جگہ یعنی گھر میں مرکوز ہو گیا۔ اُن گھر کہتا ہے کہ دو صدیوں تک گھر مسیحیوں کے جمع ہونے کے مراکز کا کام دیتے رہے۔

ہو سکتا ہے کہ ہم یہ سوچنے لگیں کہ معاشی ضرورت سے مجبور ہو کر وہ مسیحی گھروں میں جمع ہوتے تھے اور کہ اس میں روحانی خیال یا سوچ کا عمل دخل نہیں تھا۔ ہم گر جا گھروں کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کے نزدیک یہ مثالی مقام ہیں۔

لیکن بڑی مشیطہ دلیل ہے کہ پہلی صدی کے ایمان دار شاید ہم سے زیادہ دانا اور عقلمند تھے۔

دنیا میں غربت اور محتاجی اتنی زیادہ ہے کہ سوچ کر کلیچہ منہ کو آتا ہے۔ ایسی صورت حال میں ایسی شاندار اور پُر تعیش عمارت پر لاکھوں روپیہ خرچ کرنا مسیحی ایمان اور محبت کے اصول کے منافی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہاؤس چرچ ہر تہذیب اور ہر ملک کے لئے مُوزوں ہے۔ اور اگر ہم ساری دُنیا پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ کلیسیاؤں کے جتنے اجتماعات گھروں میں ہوتے ہیں اور کہیں نہیں ہوتے۔ آج ہم نے بڑے شاندار اور پُرشکوہ کیتھیڈرل، گرے اور چپیل بنا رکھے ہیں۔ ان کے علاوہ اتنی تنظیمیں ہیں جن کا شمار بھی ممکن نہیں۔ ان کے برعکس اعمال کی کتاب میں رُسولوں نے خُداوند کے کام کے لئے کسی قسم کی تنظیم بنانے کی کوشش نہیں کی۔ مہاجمی کلیسیا ہی زمین پر خُدا کی ایک جماعت ہوتی تھی جو ایمان کو پھیلاتی اور شہر کرتی تھی اور شاگرد اسی انتظام کے اندر رہ کر کام کرتے تھے۔

حالیہ سالوں میں مسیحی دُنیا میں جب بھی کسی ایمان دار کو مسیح کے کام میں ترقی کے لئے کوئی خیال اُٹھتا ہے تو وہ کوئی نیا مشن یا ادارہ بنا لیتا ہے۔

اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لائق مُعلموں اور مُبشروں کو بنیادی خدمت سے ہٹا کر ناظم (ایڈمنسٹریٹر)

بنا دیا جاتا ہے۔ کاش یہ تمام حضرات تبلیغی میدان میں خدمات انجام دیں!

تنظیموں کی بھرمار کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بالائی اخراجات میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے اور انجیل کی بشارت کے فنڈ ان اخراجات کی نذر ہو جاتے ہیں۔ بہت سی مسیحی تنظیموں کو ملنے والی رقوم کا بیشتر حصہ اس تنظیم کو چلانے اور اس کی نگہداشت و پرداخت پر لگ جاتا ہے، اور جس بنیادی مقصد کے لئے تنظیم بنائی گئی تھی اس کے لئے بہت تھوڑا حصہ بچتا ہے۔

تنظیموں کی بھرمار کا نتیجہ اکثر سازشوں، دھڑے بندیوں، حسد اور مُقابلہ بازی کی شکل میں نکلتا ہے جس سے مسیح کی گواہی کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

یہ بھی غور کریں کہ ان میں سے کتنی تنظیمیں صرف انسانی دھڑے بندیوں اور مُقابلہ بازی کے باعث وجود میں آئی ہیں۔ حالانکہ لوگوں کے سامنے دعوے کئے جاتے ہیں کہ خُدا کی مرضی سے بنی ہیں۔

اور اکثر یہ بات بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ جب ان تنظیموں کی افادیت ختم ہو جاتی اور ان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے تو اس کے بعد بھی طویل عرصے تک یہ اپنے وجود کو قائم رکھتی ہیں۔ بانیوں کی رویا ختم ہو جاتی ہے۔ بھلا دی جاتی ہے۔ لیکن اس کے پیچھے کھڑے کھڑے ہوتے چلتے رہتے ہیں۔ ایک جوڑیشیلی اور دولہ انگیز تحریک کی شان رخصت ہو جاتی ہے لیکن تنظیم کس کی طرح چمٹی رہتی ہے۔ غیر تمدن سازگی نے نہیں، بلکہ رُوحانی حکمت تھی جس نے ابتدائی مسیحیوں کو خُداوند کا کام کرنے کے لئے تنظیمیں بنانے سے بچائے رکھا۔ جی۔ ایچ۔ لیننگ لکھتا ہے کہ:

”ایک تیز فہم مُصنّف نے کہا ہے کہ ہم نے مشنوں کی بُنیا دیں رکھیں جبکہ شاگردوں نے

کلیسیائیں تشکیل دیں۔ یہ فرق بالکل درست اور معنی خیر ہے۔ رسولوں نے کلیسیاؤں کی بنیادیں رکھیں۔ انہوں نے کسی اور چیز کی بنیاد نہیں رکھی کیونکہ جو مقصد ان کے سامنے تھا اس کے لئے نہ کسی اور چیز کی ضرورت تھی اور نہ کوئی اور چیز نوزوں ہو سکتی تھی جس مقام پر بھی وہ عزت کرتے تھے وہ ایمان لانے والوں کی مقامی جماعت بنا دیتے تھے۔ وہاں بزرگوں — ہمیشہ بزرگوں — ایک بزرگ نہیں — بلکہ بزرگوں کو مقرر کر دیتے تھے (اعمال ۱۲: ۲۳، ۱۵: ۱۶، ۱۷: ۲۳، ۱۷: ۲۰؛ فلپیوں ۱: ۱) تاکہ ان کی راہنمائی کریں، ان پر اختیار رکھیں اور ان کی پاسبانی کریں۔ اور یہ ایسے لوگ ہوتے تھے جن کو خدا توفیق اور لیاقت دیتا تھا۔ اور مقدسین انہیں تسلیم کرتے تھے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۱۷)۔ ۱۔ تھسلونیکوں ۵: ۱۲، ۱۳؛ ۱۔ تیمتھیس ۵: ۱۷-۱۹)۔ ان کے علاوہ جماعتیں خادموں (ڈیکنوں) کو مقرر کرتی تھیں (اعمال ۶: ۱-۶؛ فلپیوں ۱: ۱)۔ یہ اہم و بنیادی معاملات کا بندوبست اور خصوصاً جماعت کے فنڈز کی تقسیم کا انتظام کرتے تھے۔ تنظیمی لحاظ سے رسول صرف اتنا کرتے تھے کہ جو تنگدرد جمع ہو جاتے تھے ان کی ایسی ہی جماعتیں بنا دیتے تھے۔ نئے عہد نامہ میں مقامی جماعتوں کے علاوہ ہمیں اور کوئی تنظیم نظر نہیں آتی بلکہ ایسی ہیج بھی نظر نہیں آتا۔

ابتدائی مسیحی اور ان کے رسولی راہنماؤں کے نزدیک مقامی کلیسیا ہی وہ یونٹ تھی جس کے وسیلے سے خدا کام کرتا تھا اور جس کو دوام بخشے کا وعدہ اُس نے کیا ہے۔

## ۴۔ ایک لنگڑے آدمی کی شفا اور پطرس کا اسرائیلی قوم پر الزام

(۱۳-۲۶)

۱۳: ۱۔ کوئی تین بجے سہ پہر کا وقت تھا "پطرس اور یوحنا"۔ یہروشلیم میں "میکل کو جا رہے تھے" جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کلیسیا کے قیام کے بعد بھی کچھ عرصے تک "یہودی مسیحی" میکل میں عبادتوں میں شریک ہوتے رہے۔ یہ عبوری دور تھا جس میں بہت سی باتوں کا نصفیہ کیا جا رہا تھا۔ یہ لوگ یہودیت سے یکدم چلچلہ نہیں ہوئے تھے۔ لیکن آج مناسب نہیں ہوگا کہ ایمان داران مسیحیوں کی تقلید کریں کیونکہ ہمارے پاس نئے عہد کا پورا مکاشفہ موجود ہے اور ہمیں تاکید کی گئی ہے کہ "اُس کی ذلت کو اپنے اوپر لے ہوئے" خیرہ گاہ سے باہر اُس کے پاس چلیں" عبرانیوں ۱۳: ۱۳، مزید ملاحظہ کریں ۲۔ کرنتھیوں ۶: ۱۷، ۱۸)۔

۲:۳- وہ ہیکل کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ ایک معذور بھکاری کو اٹھا کر لا رہے ہیں۔ انہوں نے اُسے معمول کی جگہ یعنی ”اُس دروازہ پر بٹھا دیا“ جو خوبصورت کہلاتا تھا۔ اُس آدمی کی بے بسی دیکھنے کے وہ ”جہنم کا لنگڑا“ تھا۔ اِس کے بالمقابل ”خوبصورت دروازہ“ کا دلکشی اور جاذبیت اور ہیکل کی شانِ شوکت کا تصور کیجئے۔ اِس سے ہمیں یاد آتا ہے کہ بڑے بڑے اور عظیم الشان کیتھیڈرلوں کے سایہ میں کسی غربت اور جہالت موجود ہے۔ اور خطرہ ہے کہ زبردست کلیسیائی نظام جسمانی اور روحانی معذوروں کی مدد کرنے سے قاصر رہیں۔

۳:۳- لگتا ہے کہ یہ لنگڑا صحت یاب ہونے سے مایوس ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسی بات پر صابر اور قانع تھا کہ بھیک مانگتا ہے۔

۴:۳- ”پطرس“ نے اُس آدمی کو بے بس، ناچار اور بدبخت سمجھنے کی بجائے اُس کو ایک ایسے شخص کے طور پر دیکھا جس میں خدا کی زبردست قدرت کا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ اگر ہم رُوح کی راہنمائی میں چلیں تو بلند بانگ دعوے نہیں کریں گے، ہوائی قلعے نہیں بنائیں گے، بلکہ ہماری نظریں اُن لوگوں پر مرکوز ہوں گی جن کو خدا برکت دینا چاہتا ہے۔

”ہماری طرف دیکھو“۔ پطرس کے اِس حکم کا مقصد اپنی اور یوحنا کی شہرت اور شہیرہ نہ تھا بلکہ وہ اُس فقیر کی پوری پوری توجہ چاہتا تھا۔

۶:۱۵:۳- اُس معذور آدمی کو اُن سے سوائے مالی امداد کے اور کوئی اُمید نہ تھی۔ وہ اسی اُمید پر اُن کی طرف متوجہ ہوا۔ مگر اُس نے وہ بیان سنا جو بیک وقت مایوس کن بھی تھا اور سنسنی خیز بھی۔ جہاں تک بھیک دینے کا سوال تھا پطرس کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا۔ لیکن اُس کے پاس دینے کو کچھ بہتر چیز تھی۔ اُس نے ”یسوع مسیح ناصری“ کے اختیار سے لنگڑے کو حکم دیا کہ اٹھ اور چل پھر۔ ایک فہم اور چمکے باز مبلغ کہتا ہے ”اُس لنگڑے نے بھیک مانگی اور اُس کو لائیں ملیں۔“

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ تھامس اگویئاس پوپ سے ملنے گیا۔ اُس وقت بڑی بڑی رقمیں گنی جا رہی تھیں۔ پوپ نے بڑے فخر سے کہا ”اب ہمیں پطرس کے ساتھ یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی کہ چاندی سونا تو میرے پاس ہے نہیں۔“ اگویئاس نے برسرِ جواب دیا ”اور نہ آپ پطرس کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اٹھ اور چل پھر۔“

۷:۳- پطرس نے اُس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر ”اُس کو اٹھایا“ تو جو ”پاول اور ٹھنڈے“ اب تک بے کار

تھے، اُن میں قدرت دوڑنے لگی اور وہ ”مضبوط ہو گئے۔“ یہاں ہمیں پھر یاد دلایا جا رہا ہے کہ روحانی زندگی میں الٰہی قوت اور انسانی عمل عجیب طور سے ملا ہوا ہے۔ پطرس اُس آدمی کو پاؤں پر کھڑے

ہونے میں مدد دیتا ہے اور خدا شرفا دیتا ہے۔ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ ہمیں کرنا چاہئے۔ پھر جو ہم نہیں کر سکتے وہ خدا کرے گا۔

۸:۳۔ شفا کا معجزہ بتدریج نہیں بلکہ فوری تھا۔ عورتیں کہ خدا کا رُوح عمل و حرکت کے الفاظ کو کس طرح بڑھاتا ہے۔ ”گود کر... کھڑا ہو گیا... پختے پھرنے لگا... چلتا اور گودنا ہنوا“

ایک شیرخوار کا چلنا سیکھنے کا عمل کیسا سست اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس مشاہدے کے پیش نظر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ اس آدمی کا تجربہ کیسا تعجب انگیز ہے جو زندگی میں پہلی دفعہ فوراً چلنے اور گودنے لگا۔

یہ معجزہ جو یسوع کے نام میں کیا گیا، اسرائیلی قوم کے لئے ایک اور گواہی تھا کہ جس ہستی کو انہوں نے مصلوب کر دیا تھا وہ زندہ ہے۔ اور وہ ان کا شفا دینے والا اور حقیقی بننا چاہتا ہے۔

۱۰:۹:۳۔ یہ حقیقت ہے کہ اس بیکاری کو ہر روز ہیکل کے دروازہ پر ڈال دیا جاتا تھا۔ اس لئے سارے لوگ اُس سے واقف تھے۔ اور جب وہ شفا پا گیا تو یہ معجزہ بھی لازماً مشہور ہو گیا۔ ”لوگ“ انکار نہیں کر سکتے تھے کہ ایک بڑا معجزہ ہوا ہے۔ لیکن اس سارے معاملے کا مطلب کیا تھا؟

۱۱:۳۔ وہ شفا یافتہ آدمی ”پطرس اور یوحنا“ کو یوں ”پکڑے ہوئے تھا“ جیسے وہ اُس کے طبیب تھے۔ ”تو سب لوگ... اُس برآمدہ کی طرف بوسلیمان کا کھلتا ہے اُن کے پاس دوڑے آئے“۔ یہ برآمدہ ہیکل کے احاطے کا ایک حصہ تھا۔ اُن کی حیرت اور تعجب نے پطرس کو منادی کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔

۱۲:۳۔ پہلے تو ”پطرس“ نے لوگوں کی توجہ اُس شفا یافتہ آدمی اور اپنی طرف سے ہٹائی۔ اُس نے بتایا کہ معجزے کی قدرت کا تعلق کسی طرح بھی ہمارے ساتھ نہیں ہے۔

۱۳:۱۶۔ پطرس فوری طور پر لوگوں کو معجزے کے اصل سرچشمہ یعنی خداوند یسوع مسیح سے متعارف کرتا ہے۔ وہ وضاحت کرتا ہے کہ یہ وہی یسوع ہے جس کو تم نے رد کر دیا تھا، جس کا تم نے انکار کر دیا تھا، جس کو تم نے ”قتل کیا“ اُس کو خدا نے مُردوں میں سے جلایا اور آسمان میں ”جلال دیا“ اور اب اسی پر ”ایمان“ کے وسیلے سے اسی آدمی کو اس کی ناپاوری اور بے بسی سے شفا ملی ہے۔

اسرائیل کے لوگوں کو الزام دینے میں پطرس کی یہ پاکیزہ جرأت نہایت قابلِ تعریف ہے۔ اُس نے اُن پر یہ الزام لگائے :

۱۔ تم نے یسوع کو ”پکڑ دیا“ (مقدمہ چلانے کے لئے غیر قوموں کے حوالے کیا)۔

۲۔ جب پپلاطس نے ”اُسے چھوڑ دینے کا قصد کیا تو تم نے اُس کے سامنے اُس (یسوع) کا انکار کیا۔“

۳- تم نے اُس فدوس اور راستباز کا انکار کیا اور ایک ”خونی“ (برابا) کو پھوڑنے کی درخواست کی۔

۴- تم نے ”زندگی کے مالک کو قتل کیا۔“

اس کے برعکس غور کریں کہ خدا نے یسوع کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

۱- ”خدا نے اُسے مردوں میں سے جلایا“ (آیت ۱۵)۔

۲- اُس نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا“ (آیت ۱۳)۔

آخر میں وہ مسیح پر ایمان پر زور دیتا ہے کہ ایمان ہی اس مجبزنے کا باعث ہوا (آیت ۱۶)۔

دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی ”نام“ پورے شخص کی نمائندگی کرتا ہے۔ چنانچہ اُس کے نام پر ایمان کا مطلب ہے

مسیح پر ایمان۔

۱۴:۳- اس آیت میں پطرس کے لہجے میں نمایاں تبدیلی ہے۔ اسرائیلی قوم پر خداوند یسوع کی موت

کا الزام لگانے کے بعد اب وہ اُن کو یہودی ”بھائیو“ کہہ کر مخاطب کرتا ہے اور بڑی شفقت سے کہتا ہے

”تم نے یہ کام نادانی سے کیا۔“ وہ اُن کو ابھارتا ہے کہ توبہ کریں اور ایمان لائیں۔

پطرس کی یہ بات خاصی متضاد سی معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں نے خداوند کو نادانی سے مصلوب کیا تھا۔ کیا

وہ پورے نبوتوں اور اُسناد کے ساتھ نہ آیا تھا کہ میں مسیح موعود ہوں؟ کیا اُس نے اُن کے درمیان حیرت افزا

مُجربے نہیں کئے تھے؟ کیا اُس نے خدا کے برابر ہونے کا دعویٰ کر کے اُن کو طیش نہیں دلایا تھا؟ ہاں۔ یہ ساری

باتیں درست ہیں۔ تو بھی وہ اس حقیقت سے ناواقف تھے کہ یسوع مسیح مجسم خدا ہے۔ اُن کو توخ تھی کہ

مسیح موعود ایسی حقیر اور پست حالت میں نہیں آئے گا بلکہ ایک زبردست فوجی ہوگا جو انہیں غیر قوموں کے

قلعہ اور تسلط سے رہائی دلائے گا۔ وہ یسوع کو مکار اور فریبی سمجھتے تھے۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ یسوع واقعی خدا کا بیٹا ہے۔ اُن کا تو یہ خیال تھا کہ اُسے قتل کر کے

ہم خدا کی خدمت کر رہے ہیں۔ اسی لئے مسیحی نے صلیب پر کہا کہ ”یہ نہیں جانتے کہ کیا کرتے ہیں“ (لوقا

۳:۳۴:۲۳) اور بعد میں پطرس نے بھی لکھا کہ ”جسے اس جہان کے سرداروں میں سے کسی نے نہ سمجھا کیونکہ اگر

سمجھتے تو جلال کے خداوند کو مصلوب نہ کرتے“ (۱- کرنتھیوں ۸:۲)۔

یہ سب کچھ اس لئے بتویز ہوا کہ اسرائیلی لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ اُن کے گناہ، خواہ کتنے

بڑے ہوں، خدا کے فضل سے معاف ہو سکتے ہیں۔

۱۸:۳- اُن کو گناہ سے معذور رکھے بغیر پطرس ثابت کرتا ہے کہ خدا نے اپنی حاکمیت سے یہ

سب کچھ اس طرح ہونے دیا کہ اُس کے مقصد اور ارادے پورے ہوئے۔ پرنے عہد نامہ کے نبیوں نے نبوت کی تھی کہ مسیح موعود ”دکھ اٹھائے گا“ اور یہودی قوم ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اُس کو ہر طرح کے دکھ دئے۔ مگر اب وہ خود کو اُن کے خداوند اور مسیحی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اُس کے وسیلے سے وہ اپنے گناہوں کی معافی حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۹:۳۔ ضرور ہے کہ اسرائیلی توبہ کریں اور رجوع لائیں۔ ایسا کریں گے تو اُن کے گناہ مٹائے جائیں گے اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں گے۔

یاد رکھیں کہ اس پیغام کے مخاطبین اسرائیلی ہیں (آیت ۱۲)۔ یہاں زور دیا گیا ہے کہ قومی بحالی اور برکت سے پہلے قومی توبہ ضروری ہے۔ ”خداوند کے حضور سے تازگی کے دن“ یہ اشارہ ہے مسیح کی مستقبل کی بادشاہی اور برکت کی طرف جس کا بیان اگلی آیت میں ہوا ہے۔

۲۰:۳۔ قوم توبہ کرے گی تو خدا مسیح یعنی ”یسوع“ کو بھیجے گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، اس سے مراد مسیح کی دوسری آمد ہے جب وہ زمین پر اپنی ہزار سالہ بادشاہی قائم کرے گا۔

۲۱:۳۔ یہاں لازماً یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر اسرائیل اُس وقت توبہ کر لیتا جب پطرس کہہ رہا تھا تو کیا خداوند یسوع دُنیا میں واپس آجاتا؟ خدا کے لوگوں میں اس موضوع پر اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض زور دے کر کہتے ہیں کہ ہاں، وہ واپس آجاتا، ورنہ وہ وعدہ سچا نہ ہوتا۔ دوسرے علما کلام کے اس حصے کو نبوتی مانتے ہیں کہ یہ اُن باتوں کا بیان ہے جو واقعی وقوع پذیر ہوں گی۔ یہ سوال خالصتاً نظری اور قیاسی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے توبہ نہیں کی اور خداوند یسوع واپس نہیں آیا۔ آیت ۲۱ سے واضح ہوتا ہے کہ ”خدا“ نے پیش بینی سے دیکھ لیا تھا کہ اسرائیلی مسیح کو رد کریں گے اور فضل کا موجودہ دور آئے گا جو مسیح کی آمد ثانی تک چلے گا۔ ”ضرور ہے کہ وہ (مسیح) آسمان میں اُس وقت تک رہے گا جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں“۔ سب چیزوں کی بحالی کا وقت ہزار سالہ بادشاہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس سے مراد عالمگیر نجات کا وقت نہیں ہے۔ ایسی تعلیم بائبل مقدس سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی بلکہ یہ اشارہ اُس وقت کی طرف ہے جب مخلوقات فنا کے فیض سے آزاد ہوگی اور مسیح راستبازی کے ساتھ حکومت کرے گا اور ساری دُنیا کا بادشاہ ہوگا۔ پرنے عہد نامہ کے نبیوں نے ”بحالی کے وقت“ کی خبر دی ہے۔

بعض علما آیت ۲۱ کی بنیاد پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ فضائی استقبال طرزی مصیبت سے پہلے نہیں ہوگا۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ اگر ضرور ہے کہ ہزار سالہ بادشاہی کے شروع ہونے تک

مسیح آسمان میں رہے تو وہ اس سے پہلے نہیں آسکتا نا کہ کلیسیا کو آسمانی وطن میں لے جائے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں پطرس اسرائیلی لوگوں سے مخاطب ہے (آیت ۱۲)۔ وہ اسرائیل کے ساتھ بحیثیت قوم خدا کے سلوک اور برتناؤ کا ذکر کر رہا ہے۔ ”جہاں تک اسرائیلی قوم کا تعلق ہے“ وہ آسمان ہی میں رہے گا اور بڑی مصیبت کے بعد بادشاہی کرنے آئے گا۔ لیکن وہ یہودی جو موجودہ کلیسیائی دور میں فرداً فرداً مسیح پر ایمان لائیں گے، وہ کلیسیا کے فضائی استقبال میں غیر یہودی ایمان داروں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ اور یہ فضائی استقبال کسی لمحہ بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ مزید برآں یہ کہ فضائی استقبال میں خداوند آسمان کو نہیں چھوڑتا بلکہ ہم جہاں میں اُس کے پاس جائیں گے۔

۲۲:۳۔ پُرلے عہد نامہ کی نبوتیں مسیح کے شاندار دورِ حکومت کا پتہ دیتی ہیں۔ مثال کی خاطر پطرس اُن میں سے ایک نبوت کا اقتباس کرتا ہے جو استثنا ۱۸: ۱۵، ۱۸، ۱۹ میں پائی جاتی ہے۔ یہ حوالہ خداوند یسوع کی تصویر پیش کرتے ہوئے اُس کو اسرائیل کے سنہری زمانے میں ایک ”نبی“ کے طور پر دکھاتا ہے۔ یہ نبی خدا کے ارادے اور شریعت کا اعلان کرتا ہے۔

جب موسیٰ نے کہا کہ ”خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا“ تو اس سے مراد لیاقت اور کردار کی مشابہت نہیں بلکہ اس مناسبت سے تھی کہ دونوں کو ”خدا نے برپا کیا ہے“۔ ”وہ اُس کو ویسے ہی برپا کرے گا جیسے مجھے برپا کیا ہے“۔

۲۳:۳۔ اس زہین پر مسیح کی ٹھکرانی کے دوران جو کوئی اُس کی نہ سنے گا اور نہ مانے گا، اُس کو ”نیست و نابود“ کر دیا جائے گا۔ بے شک جو اُس کو آج رد کرتے ہیں اُن پر بھی ابدی غضب ہو گا۔ لیکن اس حوالہ میں بنیادی اور اولین تصور یہ ہے کہ ابھی مسیح کو لوہے کے عصا سے حکومت کرنا ہے۔ اور جو لوگ اُس کی نافرمانی کریں اور اُس سے بغاوت کریں گے اُن کو بلا توقف ہلاک کیا جائے گا۔

۲۴:۳۔ بحالی کے وقت کے بارے میں نمایاں نبوت کی گئی ہے۔ اس بات پر زور دینے کے لئے پطرس مزید کہتا ہے کہ ”سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا اُن سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے“۔ مراد ہے مسیح کی بادشاہی کے زمانے کی خبر دی ہے۔

۲۵:۳۔ اب پطرس اپنے یہودی سامعین کو یاد دلاتا ہے کہ برکت کے اس زمانے کا وعدہ تم سے کیا گیا ہے کیونکہ ”تم نبیوں کی اولاد“ اور ابراہام کی نسل ہو۔ آخر خدا نے --- ابراہام سے ”وعدہ کیا تھا کہ“ تیری اولاد سے ”دنیا کے سب گھرانے برکت پائیں گے“۔ ہزار سالہ برکات کے تمام وعدے ”اولاد“ یعنی مسیح میں مرکوز ہوتے ہیں۔ اس لئے چاہئے کہ وہ خداوند یسوع کو مسیح موعود مان لیں



اور اُسے قبول کر لیں۔

۲۶:۳ - ”خدا نے“ پہلے ہی اپنے خادم کو اٹھا کھڑا کر لیا تھا (۳: ۱۳) اور پہلے اُسے اسرائیلی قوم کے پاس ”بھیجا“ تھا۔ اس بات کا اشارہ ہمارے خداوند کے تجسم اور زمینی زندگی کی طرف ہے، اُس کے جی اٹھنے کی طرف نہیں۔ اگر وہ اُسے قبول کر لیں تو خدا اُن میں سے ہر ایک کو اُس کی بدیوں سے بھیج کر برکت دے گا۔

پطرس نے یہ وعظ اسرائیلی لوگوں کے سامنے کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں نظر ”کلیسیا“ پر نہیں بلکہ بادشاہی پر ہے۔ اور زور فرد پر نہیں بلکہ قوم پر ہے۔ خدا کا روح تحمل اور رحم کے ساتھ اسرائیل پر منڈلا رہا ہے، اور خدا کی قدیم قوم سے درخواست کرتا ہے کہ جلال یافتہ خداوند یسوع کو مسیح موعود قبول کر لو، اور اس طرح زمین پر مسیح کی بادشاہی لانے میں جلدی کا باعث بنو۔

لیکن اسرائیل نہیں سنتا، پر نہیں سنتا۔

## ۱۔ کلیسیا کی ایذا رسانی اور ترقی (۱: ۴ - ۷: ۷)

۱: ۴ - نوزائیدہ کلیسیا کی پہلی ایذا رسانی شروع ہونے والی تھی۔ حسب معمول اس کا آغاز بھی مذہبی لیڈروں

کی طرف سے ہوا۔ ”کاہن اور میکیل کا سردار اور صدوقی اُن (رسولوں) پر چڑھ آئے۔“

سکرانگی (Scroggie) کتاب ہے کہ ”کاہن“ مذہبی عدم رواداری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور ”میکیل کا سردار“ سیاسی دشمنی کا نمائندہ ہے، جبکہ ”صدوقی“ قیامت کے عقیدے کا انکار کرتے ہیں۔ چونکہ شاگردوں کی منادی کا مرکزی نقطہ قیامت یعنی ”مردوں کا جی اٹھنا“ تھا اس لئے صدوقی اُن کی کھلم کھلا مخالفت کرتے تھے۔ پھر جن کو یہاں ایک مطالقت نظر آتی ہے۔

”جیسا کہ سب جانتے ہیں صدوقی آزاد خیال، ترقی پسند مفکرین یا اپنے زمانے میں

جدید سوچ رکھنے والے لوگ تھے۔ اگر آپ تلخ طعن یا ظالمانہ عمل چاہتے ہیں تو میں سفارش

کروں گا کہ آپ اُن وسیع القلب صدوقی شرفا کے پاس جائیں۔ وہ ہر ایک کے ساتھ آزاد خیالی

سے پیش آتے ہیں، سوائے اُن کے جو سچائی پر قائم رہتے ہیں۔ اُن کے لئے صدوقیوں کے

پاس ایسی خالص تلخی ہے جو پت اور ناگہ دہنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ اپنے ساتھی خطا

پسندوں کے ساتھ ایسے فیاض ہیں کہ انجیلی ایمان والوں کے لئے ذرا تحمل اور برداشت

اُن کے پاس نہیں ہے۔“

یہ لیڈر اس حقیقت سے چڑتے اور خار کھاتے تھے کہ رسول لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے

کہ یہ تو صرف ہمارا خصوصیت ہی ہے۔ اس کے ساتھ ان کو یہ بات بھی غصہ دلاتی تھی کہ رسولؐ کی نظیر دے کر مردوں کے جی اٹھنے کی منادی کرتے تھے۔ ”اگر یسوع... مردوں میں سے جی اٹھا ہے، تو صدیقی بھوٹے ٹھہرتے ہیں۔“

آیت ۲ میں ”مردوں کے جی اٹھنے“ کے الفاظ بے حد اہم ہیں کیونکہ ان سے اس عام تصور کی نفی ہوتی ہے کہ دنیا کے آخر میں مردوں کی عام قیامت ہوگی۔ کلام کا یہ حصہ اور کئی دیگر حصے مردوں میں سے جی اٹھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کچھ مردے زندہ کئے جائیں گے جبکہ باقی (یسوع پر ایمان نہ لانے والے) مردے کسی بعد کے وقت تک قبروں ہی میں رہیں گے۔

ریڈروں نے فیصلہ کیا کہ رسولوں کو اگلے دن تک گھر میں نظر بند رکھا جائے۔ اس لئے کہ ”شام ہوگئی تھی“ (باب ۳ میں شفا دینے کا معجزہ تقریباً ۳ بجے بعد از دوپہر ہوا تھا)۔

باضابطہ مخالفت کے باوجود بہت سے لوگ خداوند کی طرف پھرے۔ ”یہاں تک کہ مردوں کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہوگئی“ یعنی اتنے مرد مسیحی رفاقت میں شامل ہو گئے۔ مفسرین میں اس بات پر اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس تعداد میں پینتالیس کے دن ایمان لانے والے تین ہزار افراد بھی شامل ہیں یا نہیں۔ البتہ اس تعداد میں عورتیں اور بچے شامل نہیں۔

۶۱۵:۴ - ”دوسرے دن“ مذہبی کونسل جس کو سنوڈین کہا جاتا تھا تفتیش کرنے کے لئے فراہم ہوئی۔ ارادہ یہ تھا کہ عام لوگوں میں گڑبڑ پھیلانے والوں کا قلع قمع کر دیا جائے۔ ان کو کامیابی ہوئی تو صرف اتنی کہ رسولوں کو مسیح کی گواہی دینے کا ایک اور موقع فراہم کر دیا۔

نہ صرف امت کے سردار اور بزرگ اور فقیہ جمع ہوئے بلکہ ان کے ہمراہ ذیل کے لوگ بھی تھے:

۱- ”سردار کاہن حنا“۔ اسی کے سامنے خداوند کی پیٹلی پیشی ہوئی تھی۔ وہ ریٹائر سردار کاہن تھا۔

مگر اب غالباً اخلاقاً ہی اسے ”سردار کاہن“ کہا جاتا تھا۔

۲- ”کیفا“۔ یہ حنا کا داماد تھا۔ اس نے خداوند کے مقدمہ کی صدارت کی تھی۔

۳- ”یوحنا اور اسکندر“۔ ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں۔

۴- ”اور جتنے سردار کاہن کے گھرانے کے تھے“ یعنی کاہنوں کی بلند مرتبہ اولاد۔

۵- ”مقدمہ کا آغاز رسولوں سے اس سوال کے ساتھ ہوا کہ تم نے یہ کام کس قدرت اور کس نام

سے کیا؟“ ”یہ کام“ سے مراد لنگڑے کو شفا دینے کا معجزہ ہے۔ ”پطرس“ نے آگے بڑھ کر مسیح کی گواہی دی۔ یروشلیم میں یہ پطرس کا مسلسل تیسرا وعظ تھا۔ اس نے علی الاعلان مسیح کا اقرار کیا۔ اس کو انمول موقع مل

گیا تھا کہ مذہب ہی انتظامیہ کے سامنے انجیل کی منادی کرے۔ اور اُس نے بے دھڑک ہو کر جوش کے ساتھ اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔

۴: ۸-۱۲۔ پہلے تو اُس نے اُن کو یاد دلایا کہ تم اِس لئے ناراض ہو کہ ”ایک نالواں آدمی“ اچھا ہو گیا۔ اگرچہ پطرس نے یہ بات نہیں کہی، لیکن اشارہ ضرور موجود ہے کہ وہ لنگڑا آدمی ہر روز ہیکل کے دروازے پر بھیک مانگا کرتا تھا لیکن اِن سرداروں نے اُسے کبھی شفا نہیں دی۔ وہ اِس قابل ہی نہ تھے۔ اِس کے بعد پطرس نے گویا بجلی گرا دی کہ اُن سے بر ملا کہا کہ ”یسوع مسیح ناصرِ... کے نام سے یہ شخص تمہارے سامنے تندرست کھڑا ہے۔“ اور اِس یسوع ناصرِ کو تم نے صلیب دی اور خُدا نے (اُسے) مُردوں میں سے چلایا۔ یہودیوں کے تعمیراتی مصوبہ میں ”یسوع“ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔ اِس لئے اُنہوں نے اُس کو حقیر جانا اور صلیب دی۔ لیکن خُدا نے (اُسے) مُردوں میں سے چلایا اور آسمان پر سر بلند کیا۔ اِس طرح رد کیا بڑا پتھر کونے کے سرے کا پتھر بن گیا۔ یعنی وہ ناگزیر پتھر بن گیا جس کے بغیر تعمیراتی ڈھانچہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اور یسوع ہے ہی ناگزیر۔ اُس کے بغیر ”نجات“ نہیں کیونکہ آسمان کے تلے آدمیوں کو کوئی دوسرا نام نہیں بخشا گیا جس کے وسیلہ سے ہم نجات پاسکیں۔ ہم صرف اِسی نام سے ”نجات“ پاسکتے ہیں۔

آیات ۸-۱۲ کو پڑھتے ہوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ الفاظ اسی شخص نے کہے جس نے لعن طعن اور قسم کے ساتھ تین بار خداوند کا انکار کیا تھا۔

۴: ۱۳۔ خشک اور نماشی مذہب کبھی بھی دلولہ انگیر اور جاندار تبلیغ کو برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ دلوں اور زندگیوں میں اثر پیدا کرتی ہے۔ لیڈر اُن پڑھ اور ناواقف آدمیوں کو معاشرے پر اثر انداز ہوتے دیکھ کر تعجب کرنے لگتے ہیں۔ اِس لئے کہ وہ خود اپنی ساری حکمت اور علم کے باوجود گوشت اور خون (جسمانیت) سے اوپر نہیں اُٹھ سکتے۔

جیمز اے۔ سٹیوارٹ کہتا ہے :

”نئے عہد نامہ میں خادمانِ دین اور کلیسیا کے عام اراکین کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔ یہ امتیاز رومن کیتھولک مذہب کا تاریخی بقیہ ہے۔ چیکو سلواکیہ میں جان حص نے اسی عقیدہ کے لئے لڑتے ہوئے جان دی کہ سارے ایمان دار کاہن ہیں۔ اور آج تک حص کا نشان کھلی بائبل مقدس کے اوپر عشائے ربانی کا پیالہ ہے۔ ابتدائی کلیسیا میں روحانی قوتِ محرکہ ہی سچائی تھی کہ ہم سب شاہی کاہن ہیں اور ہر ایمان دار گواہ ہے۔ اُس وقت نہ جدید سازو سامان موجود تھا، نہ ذرائع نقل و حمل تھے، نہ پاک کلام کا کوئی ترجمہ نہ کتابی صورت

میں اشاعت کی سہولت مہیا تھی، لیکن خُدا کے فضل کی خوشخبری نے ساری سلطنتِ روم بلکہ قیصر کے گھرانے کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ خُدا ہم کو اسی قدیم اور ابتدائی مسیحیت میں بلا رہا ہے۔“

سینٹین "پطرس اور یوحنا کی دلیری" دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔ وہ تو چاہتے تھے کہ ان کو گلیل کے "اُن پڑھ اور نادان واقف" سمجھیرے کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ لیکن اُن کے ضبطِ نفس، قوت سے بھرپور زندگیوں اور جرات اور بے خوفی نے اُن عالموں کو اُس موقع کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا جب یسوع پر مُقَدَّمہ چلایا جا رہا تھا۔ اُنہوں نے رسولوں کی دلیری کو اس حقیقت سے منسوب کیا کہ "یہ یسوع کے ساتھ رہے ہیں۔" لیکن اصلی وضاحت یہ ہے کہ اب وہ رُوحِ القُدس سے معمور تھے۔

۱۲:۱۸- پھر کمرہٴ عدالت میں وہ شفا یافتہ آدمی بھی موجود تھا جو پہلے معذور تھا۔ اُس کی موجودگی بھی ان سرداروں کے لئے گھبراہٹ اور پریشانی کا باعث تھی۔ انکار کرنا ممکن ہی نہ تھا کہ معجزہ ہوا ہے۔

جے۔ ایچ۔ چوسٹ رقم طراز ہے کہ :

"لوگ دلیل بازی اور تیز فہمی میں آپ سے بازی لے جاسکتے ہیں۔ ذہنی بحث میں آپ باسانی مات کھاسکتے ہیں۔ لیکن مخلصی یافتہ زندگی کی دلیل ایسا وار ہے جسے روکنا ممکن نہیں اور اُس آدمی کو جو اچھا بڑا تھا اُن کے ساتھ کھڑا دیکھ کر کچھ خلاف نہ کہہ سکے۔"

اپنی حکمتِ عملی وضع کرنے کے لئے اُنہوں نے پطرس اور یوحنا کو تھوڑی دیر کے لئے کمرہٴ عدالت سے باہر بھیج دیا۔ اُن کا اُن حل مسئلہ یہ تھا کہ وہ مہربانی اور بھلائی کا کام کرنے پر رسولوں کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ ان مذہبی جونیوں کو نہیں روکتے تو اُن کے اپنے مذہب کو زبردست خطرہ ہے کہ ارکان کی تعداد کم ہو جائے گی۔ چنانچہ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ پطرس اور یوحنا کو حکم دیا جائے کہ "پھر یہ (یسوع کا) نام لے کر کسی سے بات نہ کریں، یعنی نہ تو شخصی گفتگو میں یسوع" کا ذکر کریں نہ لوگوں میں اُس کی عام منادی کریں۔" ۱۹:۲-۲۰۔ "پطرس اور یوحنا" ایسی پابندی کیسے قبول کر سکتے تھے؟ اُن کی پہلی وفاداری اور ذمہ داری خُدا کے ساتھ تھی، انسان کے ساتھ نہیں تھی۔ اگر وہ سچے تھے، تو سرداروں کو یہ بات ماننا تھی۔ رسولوں نے مسیح کی قیامت اور صعود دیکھا تھا۔ وہ ہر روز اُس کے قدموں میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے رہتے تھے۔ وہ اپنے خُداوند اور نجات دہندہ یسوع مسیح کی گواہی دینے کے ذمہ دار تھے۔

۲۲، ۲۱:۲- مذہبی سرداروں کی حالت بے حد کمزور تھی۔ یہ کمزوری اس حقیقت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ رسولوں کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔ "یروشلیم کے سب رہنے والوں پر روشن ہے کہ

اُن سے ایک صریح معجزہ ظاہر ہوا۔ شفا یافتہ آدمی ”چالیس برس سے زیادہ کا تھا“ سب لوگ اُسے جانتے تھے، کیونکہ ایک عرصہ سے اُس کی افسوس ناک حالت کو دیکھتے رہے تھے۔ چنانچہ سنبڈرن ہیر یہ کہہ سکتی تھی کہ رسولوں کو مزید ڈرا دھمکا کر چھوڑ دے۔ اُن کو اسی پر اکتفا کرنی پڑی۔

۴: ۲۳۔ رسولوں کو طبعی طور پر احساس تھا کہ ہم خدا کے فرزند ہیں اور آزاد پیدا ہوئے ہیں۔ وہ افسران سے ”چھوٹ کر“ سیدھے اپنے ساتھی ایمان داروں کے پاس گئے۔ اُن کی وفات اُس گروہ کے ساتھ تھی جس کی سانسیں پھولنی پھولنی تھیں، جو ڈرے سہمے گلہ کی مانند تھا۔ جس کا جرم صرف مسیح تھا۔ چنانچہ برودور میں ایک مسیحی کے کردار کا ایک امتحان یہ ہوتا ہے کہ اُس کی صحبت اور وفات کہاں اور کن لوگوں کے ساتھ ہے۔

۴: ۲۴-۲۶۔ مقدسین نے جو نہی یہ واقعہ ”سنا“ وہ بلند آواز سے دعا کے ساتھ خداوند کو پکارنے لگے۔ انہوں نے ”خدا“ کو ایک ایسے لقب سے پکارا جس کا مطلب ہے ”اے مالک مطلق“۔ یہ لفظ نئے عہد نامہ میں بہت ہی کم استعمال ہوا ہے۔ پہلے تو انہوں نے اُس کی حمد و ستائش کی کہ وہ ساری چیزوں کا خالق ہے (اس لئے اُن انسانوں سے اعلیٰ و برتر ہے جو اُس وقت اُس کی مخالفت کر رہے تھے)۔ پھر انہوں نے زبور ۲ میں ”داؤد“ کے الفاظ کو اپنایا جو اُس نے رُوح القدس کی تحریک سے مخالف حکومتی طاقتوں کے سلسلے میں فرمائے تھے کہ ”وہ خداوند اور اُس کے مسیح کی مخالفت کرتی ہیں۔ دراصل یہ زبور اُس زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے جب مسیح اپنی بادشاہی قائم کرنے کے لئے آئے گا۔ اور کہ زمین کے بادشاہ ... اور سردار“ اس مقصد کو ناکام کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن ابتدائی دور کے مسیحیوں کو بھی احساس تھا کہ ہمارے زمانے میں بھی صورت حال ویسی ہی ہے۔ چنانچہ وہ ان الفاظ کا اطلاق اپنے حالات پر بھی کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ وہ بڑی صبر سے پاک نوشتوں کو اپنی دعاؤں کے تانے بانے میں شامل کر لیتے تھے۔ یہ اُن کی حقیقی روحانیت کا ثبوت ہے۔

۴: ۲۷، ۲۸۔ یہاں زبور کے الفاظ کا اطلاق دکھایا گیا ہے۔ وہیں یروشلیم میں رومیوں اور یہودیوں نے بل کہ خدا کے ”پاک خادم یسوع“ کے خلاف سازش کی تھی۔ ”بیرودیس“ یہودیوں کی اور ”پیلاطس“ غیر قوموں کی نمائندگی کرتا ہے۔ لیکن آیت ۲۸ کا اختتام تعجب انگیز ہے۔ توقع تو یہ ہوگی کہ کہا جائیگا کہ انہوں نے باہم مل کر وہ کچھ کیا جو اُن کے شریر دلوں نے تجویز کیا تھا۔ لیکن اس کے برعکس کہا یہ گیا ہے کہ ”تا کہ جو کچھ پہلے سے تیری قدرت اور تیری مصلحت سے ٹھہر گیا تھا وہی عمل میں لائیں“۔

میتھیسن اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے :

”اُن کی کوشش تھی کہ الہی مرضی اور ارادے کی مخالفت کریں، لیکن یہ کوشش اُسی مرضی کے ساتھ اتحاد ثابت ہوئی۔ وہ مسیح کے خلاف ایک جنگی مشورت میں اکٹھے ہوئے، لیکن لاشعوری طور پر اُنہوں نے مسیح کے جلال کے فروغ کے لئے معاہدہ پر دستخط کر دیے۔“

ہمارا خدا اپنے خلاف اُٹھنے والے طوفان کی تندی کو کم نہیں کرتا بلکہ وہ اُس پر سوار ہوتا اور اُس کے وسیلے سے کام کرتا ہے۔

۳۰:۲۹-۳۰۔ خدا کی سب پر حاوی قدرت پر اعتماد کا اظہار کرنے کے بعد مسیحیوں نے تین واضح درخواستیں

کیں۔

۱- ”اُن کی دھمکیوں کو دیکھیے“ اُنہوں نے خدا کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ وہ ان شریر لوگوں کے ساتھ کیا کرے بلکہ اُنہوں نے صرف معاملہ اُس پر چھوڑ دیا۔

۲- ”اپنے بندوں کو یہ توفیق دے“ اُن کی اپنی شخصی محافظت کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ سب سے اہم بات کلام کی منادی کرنے کے لئے دلیری اور بے خوفی تھی۔

۳- ”تو ایسا ہاتھ شفا دینے کو بڑھا“ ابتدائی دور میں خدا انجیل کی منادی کی توثیق مُعجزات سے کرتا تھا۔ یہ مُعجزے اور عجیب کام ”یسوع کے نام سے“ ظہور میں آتے تھے۔ یہاں ایمان دار خدا سے التماس کرتے ہیں کہ ہماری خدمت کی توثیق اسی طرح کرتا رہے۔

۳۱:۴- ”جب وہ دُعا کر چکے تو ... مکان ... بُل گیا۔“ یہ وہاں موجود روحانی قوت کا جسمانی اظہار تھا۔ ”اور وہ سب رُوح القدس سے بھر گئے“ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خداوند کے فرمانبردار تھے، نُر میں چلتے تھے، اُس کی اطاعت کرتے تھے۔ وہ خدا کا کلام دلیری سے سُناتے رہے۔“ یہ آیت ۲۹ میں اُن کی دُعا کا واضح جواب تھا۔

اعمال کی کتاب میں سات دفعہ آیا ہے کہ وہ رُوح القدس سے بھر گئے۔ اس کے نتائج یا مقاصد پر غور کریں۔

۱- بولنے کے لئے (۲:۲؛ ۴:۸ اور یہاں)۔

۲- خدمت کرنے کے لئے (۳:۶)۔

۳- پاسبانی کرنے کے لئے (۲۴:۱۱)۔

۴- جھڑکنے کے لئے (۹:۱۳)۔

۵- مرنے کے لئے (۵۵:۴)۔

۳۲:۴-۳۵-”جب دلوں میں مسیح کی محبت شعلہ زُن ہو تو ان میں ایک دوسرے کے لئے محبت بھی سُکلتی ہے۔ اس محبت کا اظہار دینے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ابتدائی دُور کے مسیحی مسیح میں اپنی مشترکہ زندگی کی حقیقت یوں ظاہر کرتے تھے کہ اپنے مال و اسباب کو ساری جماعت کے لئے مشترک سمجھتے تھے۔ ذاتی املاک پر خود غرضی سے قبضہ جمائے رکھنے کی بجائے وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب کی مشترکہ ملکیت ہے۔ جب بھی کوئی ”ضرورت“ ہوتی وہ اپنی ”زمینوں یا گھروں“ کو بیچتے اور ”قیمت“ لاکر رسولوں کے سپرد کر دیتے تاکہ وہ ”ہر ایک کو اُس کی ضرورت کے موافق بانٹ“ دیں۔ اس بات پر تو توجہ دینا ضروری ہے کہ وہ اُسی وقت بانٹتے تھے جب کوئی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ کسی خاص وقت پر بلا وجہ یا یوں ہی سب کو برابر برابر نہیں بانٹ دیتے تھے۔

ایف۔ ڈبلیو گرانٹ وضاحت کرتا ہے کہ:

”یہ ذاتی ملکیت سے عام دستبرداری نہ تھی بلکہ وہ محبت تھی جو دوسرے کی ضرورت کے وقت کچھ بھی پیچھے نہیں رکھتی۔ یہ دلوں کا طبعی احساس تھا جس نے اُس مقام میں حقیقی ملکیت تلاش کر لی تھی جس میں مسیح نے صُعود کیا تھا۔“

ایف۔ ای۔ مارش ایک جدید متوازی خاکہ پیش کرتا ہے، جو اگرچہ طنزیہ ہے، مگر افسوس ہے

کہ یہ دُرست۔ ملاحظہ کیجئے:

”آج کی مسیحیت کا ابتدائی کلیسیا کے ساتھ مُقابلہ کرتے ہوئے کسی نے کہا ہے کہ کیا یہ سنجیدہ خیال نہیں ہے کہ انجیل نویس کو تا ابتدائی مسیحیت کی بجائے اگر موجودہ دُور کی مسیحیت کا بیان کرتا تو اُس کو اعمال ۴:۳۲-۳۵ کے الفاظ و بیان کو کچھ یوں بدلنا پڑتا ... اور ایمان داروں کی جماعت سُنّتِ دل اور سنگین رُوح کی مالک تھی۔ اور ہر کوئی کہتا تھا کہ میرا سارا مال و اسباب میرا اپنا ہی ہے۔ اُن کی ساری چیزیں فیشن کے مطابق تھیں اور وہ بڑی قُدرت سے دُنیا کی دل کشتی اور دلچسپیوں کی گواہی دیتے تھے۔ اور اُن سب میں بڑی خود غرضی تھی۔ اُن میں بُہت سے ایسے تھے جو محبت سے خالی تھے کیونکہ جو لوگ زمینوں اور گھروں کے مالک تھے وہ اور زمینیں اور گھر خریدتے تھے، اور کبھی کبھار تھوڑا بُہت عام لوگوں کی بھلائی کے لئے بھی دے دیتے تھے تاکہ اُن کے ناموں کی اخبارات میں نشیر ہو۔ اور تعریف و توصیف ہر ایک کو اُس کی مرضی کے مطابق بانٹ دی جاتی تھی۔“

جو زندگیوں پورے سور پر خداوند کے لئے وقف ہوتی ہیں، اُن میں ایک پُراسرار قوت ہوتی ہے۔ اس لئے محض اتفاق نہیں ہے کہ آیت ۳۳ میں ہم پڑھتے ہیں کہ ”اور رسول بڑی قُدرت سے خداوندِ یسوع کے

جی اٹھنے کی گواہی دیتے رہے اور اُن سب پر بڑا فضل تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب خدا کو ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو اپنا مال و اسباب اُس کی خاطر دے دینے کو تیار ہوتے ہیں تو وہ اُن کی گواہی میں تمایاں اور قابل بیان دلکشی اور قوت پیدا کر دیتا ہے۔

بہت سے لوگ دلیں دیتے ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنی چیزوں میں شریک کرنے کا یہ عمل ابتدائی کلیسیا میں ایک عارضی مرحلہ تھا۔ اس کا مقصد ہمارے لئے ایک نمونہ پیش کرنا نہیں تھا۔ ایسی دلیل بازی صرف ہماری روحانی غربت اور افلاس کو بے نقاب کرتی ہے۔ اگر ہمارے دل میں پنٹنگسٹ کی قوت ہو تو ہماری زندگی میں پنٹنگسٹ کے پھل بھی ہوں گے۔

رائسری تو تہ دلاتا ہے کہ

”یہ کوئی مسیحی اشتراکیت نہیں ہے۔ ملکیت کی فروخت بالکل رضا کارانہ تھی (آیت ۳۲)۔ ملکیت رکھنے کے حق کو ختم نہیں کیا گیا تھا۔ جماعت روپے پیسے پر اُس وقت تک کسٹول نہیں کرتی تھی جب تک وہ رضا کارانہ رسولوں کو نہیں دیا جاتا تھا۔ تقسیم برابر برابر نہیں بلکہ ضرورت کے مطابق ہوتی تھی۔ یہ اشتراک اصول نہیں ہیں۔ یہ مسیحی محبت کا بہترین اظہار تھا۔“

آیت ۳۳ میں کسی عظیم کلیسیا کے ڈوٹیشن دیکھیں — ”بڑی قدرت“ اور ”بڑا فضل“۔ ایک عالم نے چار مزید نشان بتائے ہیں۔ بڑا خوف (۵: ۵، ۱۱)، بڑا نظم (۸: ۱)، بڑی خوشی (۸: ۸، ۱۵: ۳)، ایمان لانے والوں کی بڑی تعداد (۱۱: ۲۱)۔

۳۶: ۳، ۳۷: ۳۔ یہ آیات باب ۵ کے لئے تمہیدی کڑی ہیں۔ یہاں ”برنباس“ کی فیاضی اور حننیاہ کی ریاکاری میں زبردست تقابل نظر آتا ہے، یوسف جس کا لقب برنباس ... تھا۔ وہ ایک لادہ تھا۔ عام دستور کے مطابق وہ زمین کا مالک نہ ہو سکتا تھا۔ خداوند ہی لادوں کا حصہ اور بخرہ تھا۔ اُس نے یہ زمین کیوں اور کیسے حاصل کر لی تھی، اس بات کا ذکر نہیں لیکن اننا ضرور جانتے ہیں کہ محبت کے اصول نے ”نصیحت کے بیٹے“ میں ایسا زبردست کام کیا کہ اُس نے ”کھیت ... بیجا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی“۔

۵: ۱-۴۔ جب خدا اپنی قدرت سے کام کرتا ہے، تو شیطان بھی آموجود ہوتا ہے تاکہ بطالت اور بگاڑ کو پھیلانے اور مقابلہ کرے۔ لیکن جہاں حقیقی روحانی طاقت موجود ہوتی ہے وہاں دھوکے، فریب اور ریاکاری سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔



گناہے کہ برنباس اور دوسرے ایمان داروں کی فیاضی اور فراخ دلی نے ”حنیہ“ اور سفیرہ... اور سفیرہ پر بہت اثر کیا۔ غالباً وہ بھی مہربانی کے کسی ایسے ہی کام کے صلے میں لوگوں سے تعریف چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی ”جائیداذبحی“ اور قیمت کا ”ایک حصہ لاکر“ رسولوں کو دیا۔ اُن کا گناہ یہ تھا کہ دیا تو ”ایک حصہ“ لیکن تاثر یہ دیا کہ ہم ساری قیمت دے رہے ہیں۔ کسی نے اُن سے جائیداد بیچنے کو نہیں کہا تھا۔ ”جب بیچی گئی“ تو اُن پر کوئی فرض نہیں تھا کہ ساری قیمت رسولوں کو دے دیتے۔ لیکن انہوں نے دکھایا تو یہ، بہانہ کیا تو یہ کہ ہم سب کچھ وقف کر رہے ہیں۔ حالانکہ کچھ حصہ انہوں نے خود رکھ لیا تھا۔

”پطرس نے... حنیہ“ کو ٹوبہ الزام ٹھہرایا کہ تُو نے ”آدمیوں“ سے نہیں بلکہ ”روح القدس“ سے جھوٹ بولا۔ اور ”روح القدس“ سے جھوٹ بولنے میں اُس نے ”خدا سے جھوٹ بولا“، اس لئے کہ ”روح القدس“ ”خدا“ ہے۔

۵: ۵-۶۔ ”یہ باتیں سنتے ہی حنیہ رگڑ پڑا“ اور مر گیا۔ اور ”جوان“ اُسے کفنانے دفنانے کو اٹھالے گئے۔ ابتدائی کلیسیا کو تنبیہ کرنے کے لئے یہ خدا کے ہاتھ کا نہایت سنجیدہ کام تھا۔ اس سے حنیہ کی نجات یا اُس کے ابدی تحفظ کے بارے میں کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس واقعہ سے خدا نے اپنی کلیسیا میں پہلے بگاڑ پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ ایک مفسر لکھتا ہے کہ وہاں یا تو روح القدس رہ سکتا تھا یا حنیہ۔ اُس ابتدائی کلیسیا کی پاکیزگی نہایت دیکھنے انگاروں کی مانند ایسی سفید تھی کہ اس قسم کا جھوٹ اُس کے اندر رہ نہیں سکتا تھا۔

۵: ۷-۱۱۔ ”قریباً تین گھنٹے گزر جانے کے بعد“ حنیہ کی بیوی سفیرہ آئی تو پطرس نے اُس کو بھی ملزم ٹھہرایا کہ اپنے شوہر کے ساتھ ”خداوند کے روح کو آزمانے کے لئے ایسا کیا ہے۔ اُس نے سفیرہ کو بتادیا کہ اُس کے شوہر کا کیا حشر ہوا اور کہ اُس کا حشر بھی یہی ہوگا۔ ”اُسی دم“ وہ بھی ڈھیر ہو گئی اور جوان اُس کو بھی دفن کرنے کو لے گئے۔

رسولوں کو خصوصی معجزانہ طاقت عطا کی گئی تھی، اور پطرس نے اس جوڑے کو جو سزا سنائی وہ اس بات کا ثبوت ہے۔ شاید یہ خدا کے اُس وعدہ کی تکمیل ہے کہ ”جن کے گناہ تم قائم رکھو اُن کے قائم رکھے گئے ہیں“ (یوحنا ۲۳: ۲۳)۔ مزید برآں اس میں ہمیں پوچھنا کہ وہ توفیق بھی نظر آتی ہے کہ ایک تصور وار مسیحی جو جسم کی ہلاکت کے لئے شیطان کے حوالہ کر دیتا ہے (۱- کرنتھیوں ۵: ۵)۔ یہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ رسولوں کے زمانے کے بعد بھی یہ اختیار جاری رہا۔

ہم تصور کر سکتے ہیں کہ اس واقعہ سے کلیسیا پر ہی نہیں بلکہ سارے مسننہ والوں پر کیسی ہیبت طاری

ہوگئی۔

۱۲-۱۶-۵۔ حنیّہ اور سفیرہ کی موت کے بعد بھی رسول اور دوسرے ایمان دار مسلمان کے برآمدہ میں جمع ہوا کرتے تھے اور ”نشان اور عجیب کام“ دکھاتے تھے۔ اُن کے گرد جمع ہونے والے لوگ حیران ہوتے تھے۔ خدا کی حضوری اور قدرت کا احساس آتا کہہ اور واضح ہوتا تھا کہ لوگ نہ تو اُن کے ساتھ غیر سنجیدگی سے ملتے تھے، نہ غلط ڈر سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ لوگ اُن کی بڑائی کرتے تھے، اور بہت سے لوگ خداوند یسوع پر دل سے ایمان لاتے تھے۔ لوگ اپنے بیماریوں کو ”چار پائیوں اور کھٹولوں“ پر ڈال کر اُن ”سڑکوں“ اور راستوں پر رکھ دیتے تھے جہاں سے رسولوں کو گزرنا ہوتا تھا تاکہ ”پطرس... کا سایہ ہی ان میں سے کسی پر پڑ جائے“ اور وہ سب اچھے کر دئے جاتے تھے۔ ہر کسی کو نظر آتا تھا کہ رسولوں کی زندگیوں میں حقیقت اور قدرت ہے، اور وہ ذریعہ تھے جس سے خدا دوسروں کو برکت دے رہا تھا۔ یروشلیم کے آس پاس کے علاقوں سے بیمار اور بدروح گرفتہ لوگ آتے اور سب کے سب شفا پاتے تھے۔

عبرانیوں ۲: ۴۰ سے واضح ہوتا ہے کہ اِس قسم کے معجزات اور نشان رسولوں کی خدمت پر خدا کی طرف سے مہر تصدیق یا گواہی تھے۔ جب نیا عہد نامہ تحریری شکل میں مکمل ہو گیا تو ایسے ”نشانیوں“ کی ضرورت بڑی حد تک نہ رہی۔ جہاں تک دور جدید کی ”شفا کی مہموں“ کا تعلق ہے تو اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ بچنے بیمار اور معذور رسولوں کے پاس لائے جاتے تھے ”وہ سب اچھے کر دئے جاتے تھے۔“ لیکن ایمان سے شفا دینے والے ”کملانے والوں میں یہ بات کہیں نظر نہیں آتی۔

۱۷-۲۰۔ رُوح القدس سے کی جانے والی حقیقی خدمت جہاں ایک طرف لوگوں کو ایمان لانے پر ابھارتی ہے تو دوسری طرف اِس کی زبردست مخالفت بھی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ ”سردار کاہن“ (غالباً کاٹفا) اور ”ساتھی... صدوقیوں“ کے غصے کی آگ بھڑک اٹھی کہ یسوع کے یہ کٹر شاگرد لوگوں میں اِس قدر اثر و نفوذ حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ مذہبی قیادت صرف ہمارا ہی حق ہے، اور وہ اِس حق کے خلاف کسی خطرے کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور اُن کو اِس بات سے تو سخت چڑھتی تھی کہ بدن کی قیامت کی منادی کی جائے۔ وہ تو قیامت کا سراسر انکار کرتے تھے۔

اب وہ ”رسولوں“ کو رسوائے ظلم و تشدد کے اور کسی طرح روک نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ اُن کو پکڑ کر عام حوالات میں رکھ دیا۔ اُس رات ”خداوند کے ایک فرشتہ نے“ رسولوں کو ”نید خانہ“ سے نکال لیا، اور اُن سے کہا کہ ”جاؤ۔ سیکل میں کھڑے ہو کر اِس زندگی کی سب باتیں لوگوں کو سناؤ۔“ لوقا بغیر کسی حیرت اور تعجب کے ”فرشتہ“ کی اِس مہمجزانہ مداخلت کا بیان کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خود رسول حیران اور بھونچکا

رہ گئے ہوں۔ لیکن بیان میں اس کا کوئی اظہار موجود نہیں۔

”فرشتہ نے“ بجا طور پر مسیحی ایمان کو ”اُس زندگی“ کہا۔ یہ کوئی عقیدہ یا عقائد کا مجموعہ نہیں بلکہ ”زندگی“ ہے۔ یہ خداوند یسوع کی جی اُٹھی ”زندگی“ ہے اور جتنے اُس پر ایمان لاتے ہیں اُن سب کو عطا ہوتی ہے۔

۲۱:۵۔ دن نکلا تو رسول ”ہیکل میں“ تعلیم دے رہے تھے۔ اسی اثناء میں ”سردار کاہن...“ نے صدر عدالت (سنیٹورن) ... اور بزرگوں کا اجلاس طلب کیا۔ وہ انتظار میں تھے کہ قیدیوں کو اُن کے سامنے لائیں۔

۲۲:۵۔ ۲۵۔ حیران پریشان ”پیادوں“ کو آکر عدالت کو بتانا بڑا کہ ”قید خانہ“ میں یوں تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، صرف قیدی غائب ہو گئے ہیں۔ ”دروازے“ بالکل مُقفِل تھے، ”پہرے والے“ اپنی اپنی جگہ پوکسی سے پہرہ دے رہے تھے لیکن قیدیوں کا کچھ پتہ نہیں۔ کیسی دکھی کرنے والی رپورٹ تھی! اب ”ہیکل کے سردار اور سردار کاہنوں“ کو یہ فکر کھانے لگی کہ آخر اُس کا کیا انجام ہوگا؟ ”یہ مقبول عام تحریک کہاں تک چلے گی؟“ لیکن اُن کے استفسارات میں ایک ایلیچی آخچل بوا جس نے خبر دی کہ فرار ہونے والے قیدی ”ہیکل میں“ واپس اپنے ٹھکانے پر موجود ہیں۔ اور ”لوگوں کو تعلیم دے رہے ہیں!“ ہم اُن کی کڑواہٹ اور دلیری کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور ضرور ہے کہ ہمارے اندر بھی ابتدائی کلیسیا کی یہ صلاحیت اور خوبی پیدا ہو کہ اپنے ایمان اور عقیدے کے لئے ہر قیمت ادا کرنے اور ہر مصیبت برداشت کرنے کو تیار ہوں۔

۲۶:۵۔ ”پیادوں“ نے اُن کو صدر عدالت میں واپس لانے میں ”زبردستی“ نہیں کی کیونکہ لوگوں سے ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے بھرے بازار اُن سے زیادتی کی تو لوگ ہم کو سنگسار نہ کریں۔ اب لوگ یسوع کے ان پیروؤں کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

۲۸، ۲۷:۵۔ تب ”سردار کاہن“ نے سب کی نمائندگی کرتے ہوئے رسولوں سے کہا ”ہم نے تو تمہیں سخت تاکید کی تھی کہ یہ نام لے کر تعلیم نہ دینا۔“ اُس نے جان بوجھ کر خداوند یسوع کا نام نہیں لیا۔ ”مگر دیکھو تم نے تمام یروشلیم میں اپنی تعلیم پھیلادی۔“ یوں سردار کاہن نے انجانے میں اور بلا ارادہ رسولوں کی تعریف کر دی کہ اُن کی خدمت اتنی موثر ثابت ہو رہی تھی۔ تم ”اُس شخص کا خون ہماری گردن پر رکھنا چاہتے ہو۔“ مگر یہودی لیڈر تو اُس کا خون پیٹے ہی اپنی گردن پر لے چکے تھے جب چہ چنا کر کہا تھا کہ اُس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر! (متی ۲۷:۲۷)۔

۲۹: ۵-۳۲۔ اس سے پہلے رسولوں نے دُعا مانگی تھی کہ ہمیں کلامِ سنانے کی دیرری عطا ہو۔ اُن کو اوپر سے یہ دیرری اور جرات مل گئی تھی۔ اس لئے اب وہ اپنا فرض ادا کرنے پر زور دیتے ہیں کہ ”آدمیوں کے حکم کی نسبت خُدا کا حکم ماننا زیادہ فرض ہے۔“ اُنہوں نے صاف صاف اعلان کیا کہ ”خُدا نے یسوع کو جلایا جیسے بنی اسرائیل نے صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا تھا۔“ لیکن ”اُسی کو خُدا نے مالک اور مُنجنی ٹھہرا کر اپنے دہسنے ہاتھ سے سر بلند کیا۔“ اور اِس جہنیت میں وہ تیار ہے کہ ”اسرائیل کو توبہ کی توفیق اور گناہوں کی مُعافی بخشنے۔“ اور آخر میں مزید زور دینے کے لئے رسولوں نے کہا کہ ”ہم ان باتوں کے گواہ ہیں اور رُوح القدس بھی جسے خُدا نے انہیں بخشا ہے جو اُس کا حکم مانتے ہیں۔“ مراد یہ ہے کہ جو حکم مان کر بیٹے پر ایمان لاتے ہیں۔

”خُدا نے یسوع کو جلایا“ (آیت ۳۰) اِس میں اُس کی قیامت کے ساتھ ساتھ اُس کے تجسم کی طرف بھی اشارہ ہے۔

۳۳: ۵-۳۷۔ اُن کی آواز میں زبردست قائلیت تھی۔ اتنی زبردست کہ یہودیوں کے سرداروں نے رسولوں کو قتل کرنا چاہا۔ وہ اُن کے قتل کی سازش کرنے لگے۔ اِس مرحلے پر گملی ایل نے مُداغلت کی۔ وہ بنی اسرائیل کے تمام ریتوں میں نماز اور معزز تھا۔ وہ ترسیس کے ساڈل کا مُعَلِّم بھی تھا۔ اُس کے صلاح و مشورے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ بھی مسیحی تھا یا مسیحیوں کا طرف دار تھا، بلکہ اُس کی باتیں اور دلیل دُنیاوی عقل پر مبنی ہیں۔

رسولوں کو تھوڑی دیر کے لئے مکہٴ عدالت سے ”باہر“ نکال کر گملی ایل نے سنبیڈرن کو پہلے تو یاد دایا کہ اگر یہ تحریک ”تدبیر یا کام“ خُدا کی طرف سے نہیں تو خود ہی دُم توڑ دے گی۔ اِس اُصول کی حمایت اور توثیق میں دُد مثالیں پیش کی گئیں (۱) ”تھیوداس“ ایک خود سافتر لیڈر تھا۔ اُس نے ”نجینا پچار سوادھی“ اپنے ساتھ جلائے تھے۔ ”مگر وہ مارا گیا“ اور اُس کے ساتھی ”سب پر اگندہ ہوئے۔“ (۲) ”یوواہ گیلی“ ایک اور مذہبی جوڑی تھا۔ اُس نے بھی یہودیوں کو بغاوت پر ابھارا تھا۔ ”مگر وہ بھی ہلاک ہوا۔“ اور اُس کے ساتھی بھی سب پر اگندہ ہو گئے۔“

۳۸: ۵-۳۹۔ اگر یہ مسیحی مذہب ”خُدا کی طرف سے“ نہیں تو سب سے اچھی بات یہی ہے کہ اِس سے کچھ کام نہ رکھو۔ یہ بہت جلد خود ہی مٹ جائے گا۔ اگر اِس کا مقابلہ کریں گے تو یہ قائم رہنے کی زیادہ مُصم کو شش کرے گا۔ (یہ دلیل بڑی حد تک درست نہیں ہے۔ کئی بے خُدا ادارے اور تنظیمیں صدیوں سے پھل پھول رہے ہیں بلکہ ان کے پیروؤں کے پیروؤں سے زیادہ ہیں۔ لیکن جہاں تک خُدا کے مقاصد کا سوال ہے یہ دلیل درست ہے۔)

گلی آیل نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ دوسری طرف ”اگر“ یہ تحریک ”خدا کی طرف سے ہے“ تو یہودی کیا کوئی بھی ”ان لوگوں کو مغلوب نہ“ کر سکے گا۔ اس کا تختہ نہیں اٹھ سکے گا بلکہ بڑی پریشان کن صورت حال کا سامنا ہوگا کہ تم ”خدا سے لڑنے والے ٹھہرو“ گے۔

۴۰:۵۔ یہ دلیل سرداروں کے دل کو لگی۔ چنانچہ انہوں نے ”رسولوں کو پاس بلا کر“ پہلے تو ان کو پٹوایا پھر حکم دیا کہ ”یسوع کا نام لے کر بات نہ کرنا“۔ پٹوانا ناجائز ہی نہیں بلکہ احمقانہ بات بھی تھی۔ دراصل یہ متعصب دلوں کا خدا کی سچائی کے خلاف نامعقول مظاہرہ تھا۔ پٹوانے کے ساتھ جو حکم دیا گیا وہ بیوقوفانہ اور لاجواب تھا۔ یہ تو ایسے ہی تھا کہ وہ سورج کو نہ چمکنے کا حکم دیتے۔ بھلا رسول یہ حکم کیسے مان سکتے تھے کہ ”یسوع کا نام لے کر بات نہ کرنا“۔

۴۱:۵، ۴۲:۵۔ رسولوں کو پٹوانے کے دو غیر متوقع نتائج نکلے۔ اول، رسول ”خوش ہو کر چلے گئے“ کہ ہم اُس نام کی خاطر بے عزت ہونے کے لائق تو ٹھہرے۔“ وہ اس نام سے اتنی محبت رکھتے تھے۔ دوم، ان میں ایک نیا جوش اور دلور اور استقلال پیدا ہوا۔ چنانچہ وہ ”ہیکل میں“ اور گھروں میں ”ہر روز“ تعلیم دیتے تھے کہ ”یسوع ہی مسیح ہے“۔ یوں ایک دفعہ پھر شیطان اپنی ہی چالوں سے مات کھا گیا۔

## مسیحی اور حکومت

ابتدائی دور کے مسیحی انجیل کا پیغام لے کر آگے بڑھے تو صاف نظر آنے لگا کہ سرکاری اہلکاروں اور خاص طور پر مذہبی لیٹروں کی طرف سے ضرور مخالفت اور مزاحمت ہوگی۔ اُس زمانے میں مذہبی لیڈر بھی حکومتی معاملات میں بڑا عمل دخل رکھتے تھے۔ ایمان دار اس کے لئے تیار تھے۔ جب بھی موقع آتا تھا وہ بڑی وضع داری اور باوقار انداز سے ردِ عمل ظاہر کرتے تھے۔

عمومی لحاظ سے ان کی پالیسی یہ تھی کہ حاکموں کی عزت اور فرمانبرداری کی جائے کیونکہ وہ خدا کی طرف سے مخصوص اور مقرر ہوتے ہیں اور خدا کے خدام ہیں تاکہ عام لوگوں کی بھلائی اور فلاح کو فروغ دیں۔ چنانچہ ایک دفعہ جب انجانے میں پاپس نے سردار کاہن کو جھڑک دیا تھا اور اُس کی جواب طلبی ہو گئی تھی تو اُس نے فوراً معافی مانگی اور خروج ۲۲:۲۸ کا حوالہ پیش کیا کہ ”... اور نہ اپنی قوم کے سردار پر لعنت بھیجنا“

(اعمال ۲۳:۵)۔

لیکن جب انسانی قوانین خدا کے احکام سے ٹکراتے تھے تو اُس وقت مسیحیوں کی پالیسی یہ ہوتی تھی کہ حکومت کی نافرمانی کرو اور خواہ کچھ بھی ہوتا ہے برداشت کرو۔ مثال کے طور پر جب پطرس اور یوحنا

کو خوشخبری سنانے سے منع کیا گیا تو اُن کا جواب تھا کہ تم ہی انصاف کرو۔ آیا خدا کے نزدیک یہ واجب ہے کہ ہم خدا کی بات سے تمہاری بات زیادہ سنیں۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ جو ہم نے دیکھا اور سنا ہے وہ نہ کہیں“ (۱۹:۴)۔ اور جب پطرس اور دوسرے رسولوں کو یسوع کے نام سے تعلیم دینے کی پاداش میں عدالت میں پیش کیا گیا تو پطرس کا جواب تھا کہ آدمیوں کے محکم کی نسبت خدا کا حکم ماننا زیادہ فرض ہے“ (۲۹:۵)۔

ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ انہوں نے کبھی حکومت کا تختہ الٹنے والوں کا ساتھ دیا ہو، خود ایسی کوشش کرنا تو دور کی بات ہے۔ ایذا رسانی، ظلم و ستم اور ہر طرح کی مخالفت کے باوجود وہ ہمیشہ اپنے حاکموں کی بہتری ہی کے خواہاں رہتے تھے (۲۹:۲۶)۔

یہ بات کہنے کی تو حاجت ہی نہیں کہ حکومت سے سہولیات یا مراعات لینے کے لئے وہ بے ایمانی پر اتر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر گورنر نیکلس پطرس سے رشوت ملنے کا انتظار کرتا رہا لیکن اُسے کچھ نہ ملا (۲۴:۲۴)۔ دوسری طرف وہ اپنے شہری حقوق کو استعمال کرنا کسی طرح بھی اپنی مسیحی بلاہٹ سے متصادم نہیں سمجھتے تھے

(۳۷:۱۶؛ ۳۹:۲۲؛ ۲۵:۲۸؛ ۲۳:۱۷؛ ۲۱:۱۰؛ ۲۵:۱۰)۔

لیکن وہ خود اِس دنیا کی سیاست میں ملوث نہیں ہوتے تھے۔ کیوں؟ کوئی وضاحت نہیں کی گئی۔ لیکن اتنی بات ضرور واضح ہے کہ اُن کی نگاہیں صرف ایک مقصد پر لگی رہتی تھیں — کہ مسیح کی خوشخبری کی مندا کریں۔ وہ پوری لگن سے، اور دنیا سے بے تعلق ہو کر اسی مقصد کے حصول میں لگ رہتے تھے۔ اُن کو یقین تھا کہ یہ خوشخبری ہی انسان کے مسائل کا جواب یا حل ہے۔ یہ تقابلیت اتنی مضبوط اور زبردست تھی کہ اُن کو کسی ادنیٰ کام سے مثلاً سیاست سے تسلی ہی نہ ہوتی تھی۔

۱:۶۔ اگر اہلیس باہر سے حملہ آور ہو کر کلیسیا کو نیست نہیں کر سکتا تو وہ کوشش کرتا ہے کہ اندر نا اتفاق اور بھٹوٹ پیدا کر کے اپنا مقصد حاصل کر لے۔ اگلی چند آیات میں اسی بات کا بیان ہے۔

ابتدائی کلیسیا میں دستور تھا کہ کلیسیا میں اُن ہواؤں کو جن کا کوئی اور سہارا نہیں ہوتا تھا ہر روز اُن کی ضرورت کے مطابق خرچ دے دیا جاتا تھا۔ کچھ ایمان دار یونانی بولنے والے یہودی تھے۔ اُنہوں نے شکایت کی کہ ہماری ”ہواؤں“ کی خبر گیری میں ”غفلت ہوتی“ ہے۔ ”جو انہوں“ سے مراد یروشلم اور یہودیہ سے تعلق رکھنے والے ایمان دار ہیں۔

۳:۶، ۷۔ ”اُن بارہ شاگردوں“ کو احساس ہوا کہ کلیسیا کی روز افزوں ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا رو باری معاملات کو نمٹانے کے لئے کچھ انتظامات کرنے پڑیں گے۔ وہ خود ”کلام کی خدمت“ سے دستبردار ہو کر مالی معاملات کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہتے تھے۔ اِس لئے انہوں نے صلاح دی کہ کلیسیا ”سات“ ایسے افراد

کو مقرر کرے جو ”نیک نام... رُوح اور دانائی سے بھرے ہوئے ہوں“ تاکہ وہ کلیسیا کے دُنیاوی معاملات کا انتظام کریں۔

اگرچہ بائبل مقدس میں اُن افراد کا نام ”ڈیکن“ نہیں دیا گیا مگر انہیں اس نام سے یاد کرنا واجب نہیں ہوگا۔ جس لفظ کا ترجمہ ”کھانے پینے کا انتظام کریں“ کیا گیا ہے، وہ اصل زبان میں اُس فعل سے مشتق ہے جس سے ہمیں انگریزی کا لفظ ”ڈیکن“ حاصل ہوا ہے۔

اُن میں تین خوبیوں کا ہونا لازم تھا:

- ۱- ”نیک نام“ اچھی شہرت رکھتے ہوں۔
- ۲- ”رُوح سے بھرے ہوئے“ رُوحانی ہوں۔
- ۳- ”دانائی سے بھرے ہوں“ علمی افراد ہوں۔

اُن کی ضروری خوبیوں کی مزید تفصیل ۱- تیمتھیس ۳: ۸-۱۳ میں درج ہے۔

۴: ۶- رُسولوں نے کہا کہ ”ہم تو دعائیں اور کلام کی خدمت میں مشغول رہیں گے۔ یہاں ترتیب بہت اہمیت کی حامل ہے۔ پہلے ”دعا“ پھر ”کلام کی خدمت“۔ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ انسانوں سے خدا کی بات کرنے سے پہلے خدا سے انسانوں کی بات کریں گے۔

۶: ۵، ۶- جن آدمیوں کو چنا گیا، اُن کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکثریت یونانی بولنے والے یہودیوں کی تھی۔ یہی گروہ تھا جنہوں نے شکایت کی تھی۔ اُن کو اتنی رعایت دینا بڑی فراخ دلی کا ثبوت ہے۔ اس کے بعد اُن کی طرف سے طرف داری کا الزام نہیں لگایا جائے گا۔ جب انسانوں کے دل خدا کی محبت سے معمور ہوتے ہیں تو خود غرضی اور جھوٹے پن پر فتح پالیتے ہیں۔

ڈیکونوں میں صرف دو ہیں جن کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ اول ”ستفنس“ جو کلیسیا کا پہلا شہید ہوا۔ دوسرا فلپس جو مبشر تھا اور بعد میں انجیل کو سامریہ میں لے گیا، جہشتی خوجے کو مسیح کے لئے جیتا اور قیصریہ میں پولس کی خدمت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

دعا مانگنے کے بعد رُسولوں نے کلیسیا کے ساتھ رفاقت کا اظہار کرنے کے لئے اُن ساتوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔

۷: ۶- اگر اس آیت کو گزشتہ آیات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کاروباری

معاملات کی دیکھ بھال کے لئے ڈیکون کے چناؤ سے انجیل کے پھیلاؤ میں بڑی تیزی آئی۔

”اور خدا کا کلام پھیلتا رہا“ اور ”یروشلیم میں“ بہت سے شاگرد ہو گئے۔ اسی طرح یہودیوں کا ہنوں

کی بڑی گروہ“ بھی خداوند یسوع کی پیروی ہوگئی۔

۸:۶۔ اب بیان ایک ڈیکن ”ستفنس“ پر مرکوز ہو جاتا ہے۔ یہ یونانی نام ہے جس کا مطلب ہے ”ہر“ یا ”فتح کی مالا/سہرا“۔ خدا نے استفنس کو معجزے دکھانے اور کلام کی منادی کے لئے بڑی قدرت کے ساتھ استعمال کیا۔ رسولوں کے علاوہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اعمال کی کتاب کے مطابق معجزے کئے۔ وہ ایک وقار ڈیکن تھا۔ کیا اس وقاداری کے نتیجے میں اُسے معجزوں کی اعلیٰ خدمت عطا ہوئی؟ یا ایک اضافی خدمت اُسے تفویض ہوئی جسے وہ دوسری خدمت کے ساتھ ساتھ سرانجام دینا تھا؟ متن سے اس بات کا فیصلہ کرنا ممکن نہیں۔

۹:۶۔ استفنس کی پُرارتھ خدمت کی مخالفت کا آغاز عبادت خانے سے ہوا۔ عبادت خانے وہ جگہیں تھیں جہاں یہودی شریعت کی تعلیم پانے کے لئے ہر سبت کو جمع ہوا کرتے تھے۔ ان عبادت خانوں کے نام وہاں فراہم ہونے والے لوگوں کی مناسبت سے رکھے جاتے تھے۔ ”لیرتینون“ کا مطلب ہے ”آزاد کئے ہوئے“۔ شاید یہ وہ یہودی تھے جن کو رومیوں نے اپنی غلامی سے آزاد کر دیا تھا۔ کرینے شمالی آفریقہ کا ایک شہر تھا۔ غالباً وہاں کے کچھ یہودی اگر یروشلم میں آباد ہو گئے تھے۔ اسکندریہ وہ یہودی تھے جو مصر میں اسکندریہ نامی سمندری بندرگاہ سے آئے تھے۔ ”کلکیہ“ ایشیائے کوچک کا جنوب مشرقی صوبہ تھا۔ اور ”اسیہ“ بھی ایشیائے کوچک کا ایک صوبہ تھا جو تین علاقوں کو ملا کر تشکیل دیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان ساری جماعتوں کے عبادت خانے یروشلم میں یا اس کے گرد و نواح میں تھے۔

۱۰:۲۶-۱۴۔ ان عبادت خانوں کے ہوشیہ یہودی اٹھ کر استفنس سے بحث کرنے لگے۔ لیکن اُس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ جو لفظ اُس نے بولے اور جس قوت کے ساتھ بولے، اس کا مقابلہ کرنا ممکن نہ تھا۔ لیکن یہودی اُسے خاموش کرنے پر تامل کئے۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ طور پر جھوٹے گواہ تیار کئے تاکہ استفنس پر الزام لگائیں کہ ہم نے اس کو موسیٰ اور خدا کے برخلاف کفر کی باتیں کرتے سنا۔ (الفاظ کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں کو خدا کی نسبت موسیٰ کی عزت کی زیادہ غیرت تھی)۔ بہت جلد سینیڈرن کے سامنے اُس کی پیشی ہوئی۔ اُس پر الزام تھا کہ یہ ”پاک مقام“ یعنی ”میکل اور شریعت“ کے خلاف بولتا ہے۔ انہوں نے یہ جھوٹا الزام بھی لگایا کہ یہ کہتا ہے کہ وہی یسوع ناصری اس مقام (میکل) کو برباد کرے گا“ اور اُس سارے نظام کو ”بدل ڈالے گا جو موسیٰ نے بنی اسرائیل کو دیا ہے۔

۱۵:۶۔ سینیڈرن نے یہ الزامات سنے، مگر جب انہوں نے استفنس پر ”غور سے نظر“ کی تو ان کو کسی شیطان یا بدروح کا چہرہ نہیں بلکہ ”فرشتہ کا سا چہرہ“ نظر آیا۔ انہیں اُس زندگی کی پراسرار خوبصورتی



اور دلکشی نظر آئی جو پورے طور پر خداوند کے تابع ہوتی ہے، جس نے سچائی کا اعلان کرنے اور بشارت دینے کا عزم مصمم کر رکھا ہوتا ہے اور جس کو انسان کی باتوں کی نہیں بلکہ خدا کی باتوں کی فکر ہوتی ہے۔ اُن کو مسیح کے ایک چار نشانہ پیرو کے روشن چہرے میں مسیح کے جلال کا عکس دکھائی دیا۔

باب ۷ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سنٹفنس ماہر استاد کی طرح اپنا دفاع کرتا ہے۔ وہ بڑے اطمینان سے بات شروع کرتا ہے۔ یہودی تاریخ پر مختصر نظر ڈالتا ہے۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ دو افراد یعنی یوسف اور موسیٰ پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ اُن کو خدا نے برپا کیا، اسرائیل نے اُن کو رد کیا، مگر خدا نے انہی کو چھڑانے والوں اور نجات دینے والوں کی حیثیت سے سر بلند کیا۔ اگرچہ سنٹفنس اُن کے تجربات کا براہ راست مسیح کے تجربات سے مقابلہ نہیں کرتا لیکن مشابہت بالکل واضح ہے۔ آخر میں سنٹفنس یہودی لیڈروں پر تباہ کن حملہ کر کے اُن پر الزام لگاتا ہے کہ وہ رُوح القدس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کو اُس راستباز یعنی یسوع کے قابل ٹھہراتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ وہ خدا کی شریعت پر عمل کرنے سے قاصر ہے۔

سنٹفنس کو علم ہو گا کہ اُس کی جان خطرے میں ہے۔ جان بچانے کے لئے اُس کو صرف ایک معذرت خواہانہ اور مفاہمت آمیز تقریر کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن اُس نے اپنے پاکیزہ ایمان کو داؤ پر لگانے کی بجائے مرنا گوارا کیا۔ اُس کی ہمت و جرات واقعی قابل تعریف ہے۔

۱:۷-۸۔ سنٹفنس کے پیغام کا افتتاحی حصہ ہمیں عبرانی قوم کی ابتدا تک لے جاتا ہے۔ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ ابراہام کی تاریخ کی اتنی تفصیل کیوں دی گئی۔ البتہ اس کے تین مقاصد ہو سکتے ہیں:

۱۔ یہ دکھانا کہ سنٹفنس اسرائیلی قوم سے واقف اور ماؤس ہے اور اُس سے محبت رکھتا ہے۔

۲۔ یوسف اور موسیٰ کے واقعات تک پہنچنا کیونکہ دونوں مسیح کے رد کئے جانے کے مثیل ہیں۔

۳۔ یہ ثابت کرنا کہ ابراہام نے خدا کی قابل قبول عبادت کی، حالانکہ اُس کی عبادت کسی خاص جگہ تک محدود نہ تھی (سنٹفنس پر ہیکل کے خلاف بولنے کا الزام تھا۔ اُس پاک مقام...)۔

ابراہام کی سوانح حیات کے نمایاں نکات یہ ہیں:

۱۔ ”مسیحا مسمیہ“ میں خدا کی طرف سے اُس کی بلا ہرٹ (آیات ۲، ۳)۔

۲- "حاران" اور پھر کنعان کی طرف اُس کا سفر (آیت ۴)۔

۳- خدا کا وعدہ کہ میں تجھ کو ایک مُلک دوں گا، حالانکہ قوم کے اس چہرے کو مُلک کا ایک ٹکڑا بھی نہ دیا گیا (آیت ۵)۔ یہ بات یوں ثابت ہوتی ہے کہ اپنے مُردے کو دفن کرنے کے لئے اُس کو مکفئہ میں ایک غار خریدنا پڑا (پیدائش باب ۲۳)۔ اس وعدے کو ابھی مستقبل میں پورا ہونا ہے (عبرانیوں ۱۱: ۱۳-۱۴)۔

۴- خُدا نے بہت پہلے بتا دیا کہ اسرائیلِ مصر میں غلام ہوگا، اور بالآخر رہا کیا جائے گا (آیات ۷، ۸)۔ اس پیشین گوئی کے دونوں حصے اُن افراد کے ذریعے پورے ہوئے جن کو قوم نے رد کر دیا تھا۔ ایک یوسف (آیات ۹-۱۹) دوسرا موسیٰ (آیات ۲۰-۳۶)۔ آیت ۶ اور پیدائش ۱۵: ۱۳ میں مذکور "چار سو برس" وہ عرصہ ہے جب یہودی قومِ مصر میں مصیبت اور دکھ میں رہی۔ خروج ۱۲: ۴۰ اور گلتیوں ۳: ۱۷ میں درج چار سو تیس برس، یعقوب اور اُس کے خاندان کے مصر میں آنے اور شریعت کے دئے جانے کے عرصے پر محیط ہیں۔ مصر میں پہلے تیس برسوں کے دوران اسرائیلیوں پر کوئی ظلم و ستم نہیں کیا گیا تھا بلکہ اُن کے ساتھ تو نہایت عمدہ سلوک زور رکھا جاتا تھا۔

۵- "ختنہ کا عہد" (آیت ۸)۔

۶- "اصحاق" کی پیدائش۔ اس کے بعد "یعقوب اور ۱۲ قبیلوں کے بزرگوں" کی پیدائش (آیت ۸ ب)۔ اس طرح تاریخ ہمیں یوسف تک لے آتی ہے جو یعقوب کے بارہ بیٹوں میں سے ایک تھا۔

۷: ۹-۱۹۔ پُرانے عہد نامہ میں مسیح کے ختنے مثیل ہیں اُن میں سے یوسف سب سے زیادہ واضح اور پیارا ہے، گو کہیں بھی صاف لفظوں میں کہا نہیں گیا۔ سنفس نے یوسف کی زندگی کے حالات ایک ایک کر کے گولے تو بے شک یہودیوں کو یاد آتا ہوگا کہ ہم نے یسوع ناصری کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور اُن کے دلوں پر قابلیت کے تیر چلتے ہوں گے۔ یوسف کی زندگی کے بڑے بڑے واقعات جو سنفس نے بیان کئے یہ ہیں :

۱- بھائیوں نے یوسف کو بیچا کہ مصر پہنچ جائے (آیت ۹)۔

۲- روکھا ہوا شخص "مصر میں" عزت اور مقبولیت حاصل کر گیا (آیت ۱۰)۔

۳- "کال" نے یوسف کے بھائیوں کو مصر آنے پر مجبور کیا۔ لیکن وہ اپنے بھائی کو پہچان نہ

سکے (آیات ۱۱، ۱۲) -

۳۔ ”دوسری بار یوسف اپنے بھائیوں پر ظاہر ہو گیا“ پھر جس کو رد کیا گیا تھا وہ اپنے خاندان کو بچانے والا بن گیا (آیات ۱۳، ۱۴)۔ یہاں ایک تضاد نظر آتا ہے۔ آیت ۱۴ میں ”پچھتر جاہلیں“ کہا گیا ہے جبکہ پیدائش ۴۶: ۲۷ اور خروج ۱: ۵ کے یونانی ترجمہ میں تعداد پچھتر ہے، عبرانی متن میں تعداد ستر ہے۔ یہ کوئی نازک مسئلہ نہیں، بلکہ یعقوب کے خاندان کے افراد کے شمار کرنے میں الگ الگ طریقہ استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ مصر میں پیدا ہونے والے منسی اور افراتیم کے پانچ بیٹوں کو (۱- تواریح ۷: ۱۴-۲۷) بھی شامل کیا گیا۔ جبکہ دوسری جگہ ایسا نہیں ہوا۔ مصنفین کا ایسی آزادی سے کام لینا کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ سنفس نے یونانی ترجمہ کی پیروی کی ہے۔

۵۔ بزرگان قوم کی وفات اور ملک کنعان میں ان کی تدفین (آیات ۱۶، ۱۷)۔ اس آیت میں بھی ایک مشکل نظر آتی ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ ”ابراہام نے“ ایک جگہ ”بنی ہورسے“ خریدی تھی۔ پیدائش ۲۳: ۱۶، ۱۷ کے مطابق ابراہام نے جبرون میں مکفیلہ کا غار بنی حث سے خریدا تھا جبکہ بنی ہورسے سکم میں زمین یعقوب نے خریدی تھی (پیدائش ۳۳: ۱۹)۔ یہاں کئی باتیں ممکن ہیں۔ (۱) ہو سکتا ہے کہ ابراہام نے جبرون کے علاوہ سکم میں بھی جگہ خریدی ہو۔ اور بعد میں شاید اسی قطعہ زمین کو یعقوب نے دوبارہ خریدا ہو۔ (۲) سنفس نے ابراہام کی بجائے اس کی نسل یعقوب کا نام استعمال کیا ہو۔ (۳) سنفس نے اختصار کی خاطر ابراہام اور یعقوب کے سو دوں کو یکجا کر دیا ہو۔

۶۔ یوسف کی موت کے بعد ”مصر“ میں یعقوب کے خاندان کا بڑھ کر امت بن جانا (آیات ۱۷، ۱۹)۔ یہ بات ہمیں سنفس کی بحث میں اگلے قدم کے لئے تیار کرتی ہے — یعنی وہ سلوک جو قوم کے ہاتھوں موسیٰ کو برداشت کرنا پڑا۔

۷: ۲-۳۔ سنفس بڑی کاٹ دار دلیری سے ثابت کر رہا ہے کہ یہودی قوم کم سے کم دو گزشتہ موقوفوں پر تصور وار ہوئی کہ انہوں نے اپنے نجات دہندوں کو رد کر دیا، جن کو خدا نے ان کی ربائی کی خاطر برپا کیا تھا۔ اس کا دوسرا ثبوت ”موسیٰ“ ہے۔

سنفس پر موسیٰ کے خلاف کفر کینے کا الزام لگایا گیا تھا (۶: ۱۱)۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ تصور وار فریق تو اسرائیلی قوم ہے جس نے خدا کے چنے ہوئے اس شخص کو رد کر دیا تھا۔

ستفنس موسیٰ کی زندگی پر یوں نظر ثانی کرتا ہے :

۱- پیدائش، ابتدائی زندگی اور مہر میں تعلیم (آیات ۲۰-۲۲) - ”کلام... میں قوت والا“ - یہ الفاظ موسیٰ کی تحریروں کی طرف اشارہ کرتے ہوں گے کیونکہ موسیٰ نے خود کہا تھا کہ میں فصیح نہیں (خروج ۴: ۱۰)۔  
۲- اپنے بھائیوں کی طرف سے پہلی دفعہ رد کیا جانا۔ جب وہ ایک ”صری“ کے خلاف ان کی حمایت کر رہا تھا (آیات ۲۳-۲۸) - آیت ۲۵ پر غور کریں۔ وہ کس طرح یاد دلاتا ہے کہ مسیح کو بھی اپنوں نے رد کیا تھا۔

۳- ”مدیان کے ملک میں“ اُس کی جلا وطنی (آیت ۲۹)۔

۴- ”جلتی ہوئی جھاڑی“ میں خدا کا اُس پر ظاہر ہونا اور اُس کو ”چھڑانے والا“ بنا کر واپس ”مصر“ بھیجا (آیات ۳۰-۳۵) تاکہ قوم کو رہائی دلائے۔  
۵- وہ قوم کو چھڑانے والا ہوا (آیت ۳۶)۔

۶- آنے والے مسیح موعود کے بارے میں اُس کی نبوت (آیت ۳۷) ”مجھ سا“ کا مطلب ہے جس طرح مجھ کو برپا کیا تھا)۔

۷- ”بیابان کی کلیسیا“ کو شریعت دینے والا بنا (آیت ۳۸)۔

۸- قوم نے موسیٰ کو دوسری بار رد کیا اور سونے کا ”بچھڑا“ پوجنے لگی (آیات ۳۹-۴۱)۔  
اسرائیل کی بت پرستی کی مزید تفصیل آیات ۴۲-۴۳ میں دی گئی ہیں۔ یہودی دعوتے تو کرتے تھے کہ ہم خداوند کو ”دبجیے اور قربانیاں“ چڑھاتے ہیں، مگر اصل میں ”مولک کے خیمہ... کو لئے پھرتے تھے“۔ یہ قدیم زمانے کی سب سے زیادہ نفرت انگیز قسم کی بت پرستی تھی۔  
اس کے ساتھ وہ ”رفان دیتا“ کو سجدہ کرتے تھے۔ رفان رستاروں کا دیوتا تھا۔ اس گناہ کے باعث خدا نے ان کو خبردار کیا تھا کہ تم بابل کی اسیری میں جاؤ گے۔

”تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ ہر پشت میں ہمیں وہی باتیں نظر آتی ہیں۔ جب خدا کے پیغام کا سامنا ہوتا ہے وہ سمجھتے نہیں (۲۵)۔ جب صلح اور امن سے رہنے کو کہا جاتا ہے وہ سننے سے انکار کر دیتے ہیں (۲۷)۔ جب خدا کا بھیجا ہوا چھڑانے والا بھیجا جاتا ہے تو وہ رجم خدا پر بے کار بتوں کو ترجیح دیتے ہیں (۴۱)۔ یہ ہے انسانی فطرت — باغی، ناشکری، بے وثوق — خدا لا تبدیل اور یکساں ہے۔ جو خدا موسیٰ سے ہمکلام ہوا، وہی خدا تھا جس نے اُس کے آباؤ اجداد سے کلام کیا تھا (۳۲)۔ جب لوگ پریشان ہوتے

ہیں تو یہ خُدا اُن کی سُناتا ہے (۳۴)۔ وہ چھڑانے کو آتا ہے (۳۴)۔ وہ اپنے لوگوں کو موت سے نکال کر زندگی میں لے آتا ہے (۳۶)۔ جو جان بوجھ کر اُس کو رد کرتے ہیں، اُن کو وہ اُن ہی کی خواہشوں کے حوالہ کر دیتا ہے (۴۲)۔ یہ ہے ہمارا عظیم خُدا — رحیم، قادر، قدوس — وہ ہمیشہ یکساں ہے۔ کچھ بھی ہو جائے وہ لاتبدیل ہے (ملائی ۶:۳)۔ ستفنس کے سامعین کے لئے یہ ایک تنبیہ تھی کہ خُدا کو حقیر نہ جانیں۔ اور یہ یقین دہانی بھی ہے کہ خُدا کا ہر وعدہ پکا اور قائم ہے۔

۴۴:۷ - ۴۶ - ستفنس پر ہیمل کے خلاف بولنے کا بھی الزام لگایا گیا تھا۔ وہ جواب میں ماضی کے اُس زمانے کا بیان کرتا ہے جب بنی اسرائیل کے پاس "بیابان میں شہادت کا قیمہ" تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب قوم "آسمانی فوج" کو بھی پوجتی تھی۔ جب "یشور" اسرائیلیوں کو "ملکیت" یعنی ملک کنعان میں لے آیا اور بُت پرست باشندوں کو وہاں سے نکال دیا گیا تو اُسی "قیمہ" کو ملک کنعان میں لایا گیا اور وہ داؤد کے زمانہ تک رہا۔ باپ دادا نے "درخواست کی" تھی کہ "یعقوب کے خُدا کے واسطے مسکن تیار کیا جائے۔ اور یوں اُن پر خُدا کی طرف سے فضل ہوا۔"

۴۷:۷ - ۵۰ - داؤد کو ہیمل بنانے کی آرزو تھی۔ لیکن خُدا نے اُس کی درخواست منظور نہ کی مگر

سیلان نے اُس کے لئے گھر بنایا۔

اگرچہ ہیمل خُدا کی قوم کے درمیان خُدا کا مسکن تھی لیکن وہ اسی عمارت تک محدود نہ تھا۔ جب ہیمل کی تقدیس ہوئی تو سیلان نے اس بات کو بالکل واضح کر دیا تھا (۱- سلطین ۸:۲۷)۔ یسعیاہ نے بھی قوم کو خبردار کیا تھا کہ خُدا عمارتوں کو اہمیت نہیں دیتا، بلکہ قوم کی اخلاقی اور روحانی حالت کو دیکھتا ہے (یسعیاہ ۶۶:۲۱)۔ وہ خستہ اور شکستہ دلوں پر نظر کرنا اور اُس آدمی پر فضل کرتا ہے جو اُس کا کام سُن کر کانپتا ہے۔

۵۱:۷ - ۵۳ - یہودی لیڈروں نے ستفنس پر شریعت کے خلاف بولنے کا الزام لگایا تھا۔ اب وہ

بڑے مُنہخسٹ لیکن سچے سچے الفاظ میں الزام کو غلط ثابت کرتا ہے۔ دراصل وہ خود گردن کش اور دل اور کان کے نامحسوس تھے۔ وہ اُن کو غیر قوموں کی طرح دل اور کان کے نامحسوس ہونے کے باعث جھڑکتا ہے۔

وہ "روح القدس کی مخالفت" کرنے میں اپنے باپ دادا جیسے تھے۔ اُن کے باپ دادا نے مسیح کے آنے کی پیش خبری دینے والوں (نبیوں) کو قتل کیا۔ اور اب اُنہوں نے اُس راستیاز کو پکڑا کر قتل کر دیا تھا۔ بحیثیت قوم وہ شریعت پر عمل کرنے سے قاصر رہے تھے، حالانکہ اُن کو یہ شریعت فرشتوں کی معرفت ملی تھی۔

اس کے بعد اور کچھ کہنے کی حاجت نہ تھی! دراصل کہنے کو کچھ رہ بھی نہیں گیا تھا! انہوں نے سنتفس کو اپنا دفاع کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر اب وہ مدعی ثابت ہوا اور یہودی لیڈر ملزم ٹھہرے۔ اس کا پیغام ایک لحاظ سے یہودی قوم کے لئے خدا کی طرف سے آخری پیغام تھا۔ اس کے بعد انجیل وہاں سے نکل کر غیر قوموں میں پھیلنے لگی۔

۷۴:۷-۶۔ سنتفس نے گواہی دی کہ ”میں آسمان کو کھلا ۰۰۰ دیکھتا ہوں“۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں نے اس کی مزید کوئی بات سننے سے انکار کر دیا اور گلے پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے۔ اس پر پہلے پڑے اور گھسیٹ کر شہر کی فیصل سے باہر لے گئے اور ”اس کو سنگسار کرنے لگے“۔

یوں لگتا ہے کہ گویا روح القدس نے ایک نوجوان کا نام انفاتیہ درج کروا دیا۔ یہ جوان کھڑا سنتفس کو سنگسار کرنے والوں کے کپڑوں کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس کا نام ”ساؤل“ ہے۔ لگتا ہے روح ہم سے کہہ رہا ہے کہ ”یہ نام یاد رکھنا۔ تم اس کے بارے میں پھر سونو گے“۔

سنتفس کی موت ہمارے خداوند کی موت سے بہت مشابہت رکھتی ہے:

- ۱۔ اس نے دُعا مانگی ”اے خداوند یسوع! میری رُوح کو قبول کر“ (آیت ۵۹)۔ یسوع نے دُعا مانگی تھی کہ ”اے باپ! میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں“ (لوقا ۲۳: ۴۶)۔
- ۲۔ اس نے دُعا مانگی ”اے خداوند! یہ گناہ ان کے ذمہ نہ لگا“ (آیت ۶۰)۔ یسوع نے دُعا مانگی تھی کہ ”اے باپ! ان کو معاف کر کیونکہ بیجانتے نہیں کہ کیا کرتے ہیں“ (لوقا ۲۳: ۳۴)۔

کیا اس سے پتہ نہیں چلتا کہ خداوند کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے سے سنتفس خداوند کے رُوح کے وسیلے سے ”اسی جلالی صورت میں درجہ بدرجہ بدل گیا تھا (۲۔ کرنتھیوں ۳: ۱۸)؟

یہ دُعا مانگنے کے بعد سنتفس ”سو گیا“۔ جب نئے عہد میں موت کے حوالے سے لفظ ”سونا“ استعمال کیا جلتا ہے تو اشارہ رُوح کی طرف نہیں بلکہ بدن کی طرف ہوتا ہے۔ موت کے وقت ایمان دار کی رُوح مسیح کے پاس چلی جاتی ہے (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۸)۔ تصور یہ ہے کہ ”بدن“ سوراہا ہے۔

عام حالات میں یہودیوں کو موت کی سزا پر عمل درآمد کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ حق رومی حاکموں کے لئے مخصوص تھا (یوہنا ۱۸: ۳۱ ب)۔ لیکن جب ہیکل کو خطرہ درپیش ہوتا تو رومی اس حکم میں رعایت کر جاتے تھے۔ سنتفس پر ہیکل کے خلاف بولنے کا الزام تھا، اگرچہ یہ الزام بے بنیاد تھا، مگر یہودیوں نے پھر بھی اسے موت کی سزا دے دی۔ یسوع پر بھی ہیکل کو برباد کرنے کا الزام لگایا گیا تھا (مفسر ۱۴: ۵۸) لیکن اس وقت گواہوں کے بیانات میں تضاد تھا۔

## ۲۔ یہودیہ اور سامریہ میں کلیسیا (۱:۸ - ۳۱:۹)

### ۱۔ سامریہ میں فلپس کی خدمت (۱:۸ - ۲۵)

۱:۸۔ خدا کا رُوح ایک دفعہ پھر "ساؤل" کا نام متعارف کراتا ہے۔ اُس کے اندر رُوح کی ایک زبردست کشمکش انگڑائیاں لے رہی تھی۔ بظاہر اُس کی دہشت گردی کی حکمرانی جاری تھی لیکن مسیحیوں کے دشمن کے طور پر اُس کے دن گئے جا چکے تھے۔ "ساؤل" ستنفَس کے قتل پر راضی تھا۔ مسیحیوں کو ستانے میں ساؤل سب سے آگے تھا۔ مگر ستنفَس کے قتل پر راضی ہو کر وہ اپنی بعد کی تبدیلی کی راہ تیار کر رہا تھا۔ "اُسی دن" ان الفاظ کے ساتھ ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ ستنفَس کی موت کے ساتھ ہی "کلیسیا پر... ظلم" کے دروازے کھل گئے۔ ایمان دار "یہودیہ اور سامریہ کی اطراف میں پراگندہ ہو گئے۔" خداوند نے اپنے پیروؤں کو ہدایت کی تھی کہ اپنی گواہی کا آغاز یروشلیم سے کریں۔ اس کے بعد یہودیہ، سامریہ اور دنیا کی انتہا تک پہنچیں۔ اب تک اُن کی گواہی صرف "یروشلیم" تک محدود رہی تھی۔ شاید وہ باہر کے علاقوں میں جانے سے ڈرتے تھے۔ اب اُن کو ظلم اور ایذا رسانی کے ذریعے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔

"رسولوں کے سوا" سب پراگندہ ہو گئے۔ رسول شہر ہی میں رہے۔

انسانی زاویہٴ نگاہ سے ایمان داروں کے لئے یہ تاریک ترین دن تھا۔ اُن کی رفاقت میں سے ایک رکن کی زندگی ختم کر دی گئی تھی۔ یہودی اُن کی گھات میں تھے لیکن خدا کی نگاہ میں یہ دن قطعاً تاریک نہیں تھا۔ گیبوں کا ایک دانہ زمین میں بویا گیا تھا، اور آخر اس سے بہت پھل پیدا ہونے کو تھا۔ مخالفت کی آندھیاں خوشخبری کا بیج دُور دُور مقامات تک بکھیر رہی تھیں۔ توفصل کی وسعت کا اندازہ کون لگا سکتا تھا؟

۲:۸۔ "دینار لوگ" جنہوں نے ستنفَس کو دفن کیا، اُن کی شناخت نہیں کرائی گئی۔ غالباً یہ وہ مسیحی تھے جو ابھی یروشلیم سے نکالے نہیں گئے تھے۔ یا شاید خدا ترس یہودی تھے جن کو شہید میں کوئی ایسی بات نظر آئی جس سے اُن کی نظر میں اُس کی عزت و توقیر ہوئی اور اُنہوں نے اُسے لائق طور سے دفن کرنا مناسب سمجھا۔

۳:۸۔ دیکھئے "ساؤل" کا نام پھر آیا! وہ اپنی پوری توانائی اور وسائل "کلیسیا کو... تباہ" کرنے اور بدقسمت مظلوموں کو گھروں سے گھسیٹ گھسیٹ کر "قید کرانے" میں صرف کر رہا تھا۔ کاش

وہ ستنفس کو، اُس کے وقار اور ناقابلِ تسخیر ایمان کو، اُس کے فرشتہ جیسے چہرہ کو مجھول سکتا! اسی کی یاد کو مٹانے کے لئے وہ ستنفس کے ہم ایمانوں پر حملے پر حملہ کرتا ہے۔

۸-۴:۸- مسیحیوں کے تتر بتر ہونے سے اُن کی گواہی خاموش نہیں ہوگئی! وہ جہاں جہاں گئے، نجات کی خوشخبری ساتھ لے گئے۔ باب ۶ والا ”ڈکین“ فلپس شمال کی طرف ”شہر سامریہ“ کو چلا گیا۔ وہ نہ صرف مسیح کی منادی کرتا تھا بلکہ معجزے بھی دکھاتا تھا۔ ”ناپاک رُوحیں“ نکال کر جھگا دی جاتی تھیں، ”مفلوج اور لنگڑے اچھے کئے گئے“ لوگ خوشخبری پر کان لگاتے تھے اور ”بڑی خوشی ہوئی“۔ کیا ایسے میں کوئی اور توقع کی جاسکتی تھی؟

ابتدائی کلیسیا مسیح کے واضح احکام کی تعمیل کرتی تھی۔

جس طرح مسیح نکلا اسی طرح یہ کلیسیا بھی باہر نکلی (یوحنا ۲۰:۲۱؛ اعمال ۱:۸-۳)۔

کلیسیا نے اپنا مال و اسباب بیچ کر قیمت غریبوں کو دے دی (لوقا ۱۲:۳۳؛ ۱۸:۲۲؛ اعمال ۲:۴۵:۲-۳۴)۔

کلیسیا نے اپنے ماں باپ اور گھروں کو خیر باد کہا اور کلام کی منادی کرنے پر جگہ پھینچی

(متی ۱۰:۳۷؛ اعمال ۱:۸-۴)۔

کلیسیا نے مرید بنائے اور اُن کو کام کرنا اور حکم ماننا سکھایا

(متی ۲۸: ۱۸؛ ۱۹:۱- تھسلنیکوں ۱:۶)۔

کلیسیا نے اپنی صلیب اٹھائی اور مسیح کے پیچھے ہوئی

(اعمال باب ۲؛ ۱- تھسلنیکوں باب ۲)۔

کلیسیا نے ظلم و ستم سے اور مصیبت میں خوشی منائی (متی ۵: ۱۱؛ ۱۲:۱۶؛ اعمال باب ۱۶؛

۱- تھسلنیکوں ۱:۶-۸)۔

کلیسیا نے مردوں کو اپنے مردے دفن کرنے دئے اور جا کر انجیل کی منادی کی (لوقا ۹: ۵۹، ۶۰)۔

کلیسیا نے اپنی پاؤں کی گرد اُن لوگوں کے سامنے جھاڑ دی جنہوں نے سُننے سے انکار کیا

(لوقا ۹: ۵؛ اعمال ۱۳: ۵۱)۔

کلیسیا نے بیماروں کو شفا دی، ناپاک رُوحوں کو نکالا، مردوں کو زندہ کیا اور قائم رہنے والا پھل

لائی (مرقس ۱۶: ۱۸؛ اعمال ۱۶: ۳)۔

۸-۹-۱۱- فلپس کی منادی سُننے والوں میں سب سے نامور اور مشہور شخص ”شمعون نام“ ایک جادوگر تھا۔



اس سے پہلے اُس نے "سامریہ" میں اپنے لئے زبردست نام پیدا کر رکھا تھا۔ لوگوں پر اُس کا رعب تھا۔ وہ اُس کی "جادوگری" کے شعبدوں پر انگشت بندگان رہتے تھے۔ وہ خود کو ایک "بڑا شخص" قرار دیتا تھا۔ بہت سے لوگ قائل بھی تھے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں۔

۱۲:۱۳-۱۳۔ لیکن جب بہت سے لوگ "فلپس" کی منادی کے باعث خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے اور "پہنسمہ لینے لگے" تو "شمعون... بھی" کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں اور وہ بھی "پہنسمہ لے کر فلپس کے ساتھ رہ گیا۔"

بعد کے واقعات سے یوں لگتا ہے کہ شمعون نے سمرے سے پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ نجات پانے کا دعویٰ تو کرتا تھا مگر اُس کے پتلے کچھ نہیں تھا۔ جو لوگ تعلیم دیتے ہیں کہ پہنسمہ سے نجات ہے، یہاں اُن کو ایک الجھن اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے۔ شمعون نے پہنسمہ لیا تھا مگر ابھی تک اپنے گناہوں میں تھا۔ غور کریں کہ "فلپس" خدا کی بادشاہی اور یسوع مسیح کے نام کی خوشخبری دیتا تھا۔ "خدا کی بادشاہی" وہ حلقہ ہے جہاں خدا کی حکمرانی کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں بادشاہ غیر حاضر ہے۔ زمینیں بادشاہی کی بجائے اُن سب کی زندگیوں میں جو اُس کے وفادار ہیں ایک نایدینی روحانی بادشاہی موجود ہے۔ مستقبل میں بادشاہ لفظی معنوں میں بادشاہی قائم کرنے کے لئے زمین پر واپس آئے گا۔ یروشلم اُس کا دارالحکومت ہوگا۔ بادشاہی کی کسی بھی شکل میں حقیقی معنوں میں داخل ہونے کے لئے ضرور ہے کہ انسان نے سمرے سے پیدا ہو۔ "یسوع مسیح کے نام" میں ایمان کا مطلب ہے نئی پیدائش کا تجربہ حاصل کرنا۔ بے شک فلپس کی منادی کا لب لباب یہی تھا۔

۱۴:۱۴-۱۵۔ "سامریوں نے بڑے شوق سے" خدا کا کلام قبول کر لیا۔ جب یہ خبر "یروشلم میں" رسولوں کو پہنچی تو انہوں نے "پطرس اور یوحنا کو اُن کے پاس بھیجا۔ اُن کے پہنچنے سے پہلے وہ خداوند یسوع کے نام پر پہنسمہ لے چکے تھے۔ لیکن اُن کو "روح القدس" نہیں ملا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ خدا کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہوئے رسولوں نے "دعا کی" کہ یہ ایمان دار بھی "روح القدس" پائیں۔ پھر انہوں نے اُن پر ہاتھ رکھے۔ جو نئی ایسا کیا گیا "انہوں نے روح القدس پایا۔"

اب فوراً سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ یہاں کے واقعہ اور پنٹکوسٹ کے دن کے واقعہ کی ترتیب میں

لے شمعون نے "یقین کیا" اور آیت ۲۴ میں وہ پطرس سے درخواست کرتا ہے کہ میرے لئے خداوند سے دعا کرو۔ اس لئے کسی لوگوں کا خیال ہے کہ اُس نے نجات تو پائی تھی، مگر وہ بہت دنیاوی اور جسمانی شخص تھا۔

کیوں ترقی ہے۔ پینٹسٹ پر یہودیوں نے

۱- توبہ کی ۲- ہینٹسمہ پایا ۳- رُوح القدس پایا -

اس موقع پر سامری

۱- ایمان لائے ۲- ہینٹسمہ پایا ۳- رسولوں نے اُن کے لئے دعا کی اور اُن پر ہاتھ رکھے۔ ۴- رُوح القدس پایا -

ایک بات ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سب کو نجات ایک ہی طریقے سے ملی — یعنی خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے سے — صرف وہی نجات کا واحد منبع ہے۔ البتہ عبوری دور میں یہودیّت اور مسیحیت کے درمیان پُل بناتے ہوئے، خُدا نے ایمان داروں کی مختلف جماعتوں کے بارے میں اپنے شاہی اختیار کے مطابق جو مناسب جانا سوکیا۔ یہودی ایمان داروں سے کہا گیا کہ وہ یہودی قوم سے بے تعلق ہونے کے لئے ہینٹسمہ لیں۔ اس کے بعد اُن کو رُوح القدس دیا گیا۔ یہاں ضروری سمجھا گیا کہ سامریوں کے لئے رسول دُعا کریں اور اُن پر ہاتھ رکھیں — لیکن کیوں؟

شاید بہترین جواب یہ ہے کہ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ خواہ یہودیوں پر مشتمل ہونخواہ سامریوں پر کلیسیا ایک ہی ہے۔ بڑا خطرہ تھا کہ یروشلم کی کلیسیا اس زُعم میں مبتلا رہے کہ یہودی اعلیٰ و برتر ہیں اور وہ اپنے سامری بھائیوں سے کوئی میل جول رکھنا پسند نہ کریں۔ چھوٹ کی اس بدعت کو روکنے کے لئے، یادو کلیسیاؤں (ایک یہودی، دوسری سامری) کے تصور کو سُر اٹھانے سے روکنے کے لئے خُدا نے رسولوں کو بھیجا کہ سامریوں پر ہاتھ رکھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خُداوند یسوع پر ایمان رکھنے کے اعتبار سے اُن میں کامل رفاقت اور یکجا نگت ہے۔ وہ سب ایک ہی بدن کے عضو تھے۔ سب یسوع مسیح میں ایک تھے۔

آیت ۱۶ کہتی ہے کہ ”انہوں نے صرف خُداوند یسوع کے نام پر (یا نام میں داخل ہونے کا) ہینٹسمہ لیا تھا“ (اس کے ساتھ ۱۰: ۲۸ اور ۱۹: ۵ بھی دیکھئے)۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ ”باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے ہینٹسمہ“ (متی ۲۸: ۱۹) سے کوئی فرق چیز تھی۔ ایک عالم لکھتا ہے کہ ”توقا وہ اصول قلمبند نہیں کر رہا جو استعمال کیا گیا تھا بلکہ صرف ایک تاریخی واقعہ بیان کر رہا ہے۔“ دونوں تراکیب وفاداری و اطاعت اور شناخت (یا مسیح کے ساتھ مشابہت) کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور سارے سچے ایمان دار بڑی خوشی سے اقرار کرتے ہیں ہم تثلیث (خُدا کے ثنائیت) اور خُداوند یسوع کے ساتھ ایک (ہوئے) ہیں، اور اُس کے وفادار ہیں۔

۸: ۱۸-۲۱۔ ”شمعون“ جادوگر اس بات سے بے حد متاثر ہوگا کہ رسولوں کے ہاتھ رکھنے سے رُوح القدس دیا جاتا ہے۔ اُس کو اس بات کے گہرے روحانی مضمرات کی کوئی سمجھ نہ تھی بلکہ وہ اسے کوئی فوق الفطرت

تو ت ہی سمجھتا تھا جس سے اُسے اپنے کاروبار میں بہت مدد مل سکتی تھی۔ چنانچہ اُس نے یہ اختیار خریدنے کے لئے رُسولوں کو روپوں کی پیشکش کی۔

پطرس کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”شمعون“ حقیقی طور پر تبدیل نہیں ہوا تھا۔ غور کریں۔

۱۔ تیرے روپے تیرے ساتھ غارت ہوں۔ کوئی ایمان دار کبھی غارت نہیں ہوگا (یوحنا ۳: ۱۶)۔

۲۔ تیرا اس امر میں نہ حصہ ہے نہ بخرہ۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس رفاقت و شراکت سے باہر یا محروم تھا۔

۳۔ تیرا دل خدا کے نزدیک خالص نہیں۔ یہ ایک غیر نجات یافتہ انسان کا موزوں بیان ہے۔

۴۔ تو پت کی سی کروا ہٹ اور نالاستی کے بند میں گرفتار ہے۔ کیا یہ الفاظ کسی ایسے شخص پر صادق آ

سکتے ہیں جو واقعی نے سرے سے بیدار ہو چکا ہے؟

۲۲: ۸۔ پطرس نے ”شمعون“ کو تلقین کی ”اپنی اس بدی سے توبہ کر اور خداوند سے دعا کر کہ تیرے

اس بُرے خیال کی معافی ہو جائے۔ شمعون نے جواب میں پطرس سے کہا کہ تو شفاعت کے لئے میرے اور خدا کے بیچ میں درمیانی ہو۔ شمعون نے سچی توبہ نہیں کی تھی۔ اس کا ثبوت یہ الفاظ ہیں کہ ”تم میرے لئے خداوند سے دعا کرو کہ جو باتیں تم نے کہیں ان میں سے کوئی مجھے پیش نہ آئے۔“ اُسے اپنے گناہ پر تاسف نہیں تھا۔ اُسے صرف جگہ تھی کہ گناہ کے جو نتائج ہیں ان سے بچا رہوں۔

۲۵: ۸۔ پطرس اور یوحنا گواہی دے کر اور خداوند کا کلام سنا کر یروشلیم کو واپس ہوئے۔ لیکن

اب چونکہ ان کو پاؤں جمانے کی جگہ مل گئی تھی اس لئے وہ سامریوں کے بہت سے گاؤں میں خوشخبری دیتے گئے۔“

## ب۔ فلپس اور حبشی توبہ (۲۶: ۸-۲۰)

۲۶: ۸۔ ساریہ میں اس زبردست رُو ”نی بیداری کے دوران یہ بھی ہوا کہ خداوند کے فرشتے نے فلپس

کو خدمت کے ایک نئے میدان میں قدم رکھنے کو کہا۔“ اُسے ہدایت ہوئی کہ اُس مقام کو جہاں بہتوں کو برکت مل رہی تھی، چھوڑ کر جائے اور ایک واحد شخص کو کلام سنائے۔ فرشتہ فلپس کو ہدایت تو دے سکتا تھا لیکن اُس کی جگہ انجیل کی منادی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ اعزاز فرشتوں کو نہیں، صرف انسان کو دیا گیا ہے۔

”فلپس“ کی فرمانبرداری میں چوں و چرا نہیں تھا۔ چنانچہ وہ سامریہ سے جو ب کو ”یروشلیم“ کو گیا اور وہاں سے اُس ”راہ“ پر آیا جو ”غزہ“ کو جاتی ہے۔ یہ بات واضح نہیں کہ جگہ میں ہے کے الفاظ شاہراہ

کے لئے استعمال ہوئے ہیں یا ”غزہ“ شہر کے لئے۔ مگر تاثر ایک سا ہے کہ ”فلپس“ ایک گنجان آباد اور روحانی طور پر پھلدار جگہ کو چھوڑ کر ویران علاقے میں گیا۔

۲۷:۸-۳۱۔ اس شہراہ پر جاتے جاتے فلپس ایک کارواں سے جا ملا۔ کاروان کے سب سے عمدہ رتھ پر حبشیوں کی ملکہ کنڈاکے کا وزیر اور اُس کے سارے خزانہ کا مختار ”سوار تھا۔ یہ بااختیار شخص ”خوب“ تھا۔ لگتا ہے کہ یہ شخص پہلے یہودیت کو قبول کر چکا تھا، اس لئے کہ وہ ”یروشلم میں عبادت کے لئے آیا تھا۔“ اور اب واپس اپنے وطن کو جا رہا تھا۔ رتھ آگے بڑھ رہا تھا اور وہ ”یسعیاہ نبی کا صحیفہ“ پڑھ رہا تھا۔ عین وقت پر ”روح نے فلپس“ کو ہدایت کی کہ ”اُس رتھ کے ساتھ ہو۔“ یہ بات کیسی نازکی بخش ہے کہ یہاں نسلی تعصب بالکل موجود نہیں۔

۳۲:۸، ۳۳۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اُس وقت وہ خوب ”یسعیاہ ۵۳ باب“ پڑھ رہا تھا جس میں مسیح موعود کا بے مثل بیان درج ہے! واقعی کیسا عجیب اتفاق ہے! فلپس عین اُس وقت کیوں پہنچا جب خوب خاص یہ حصہ پڑھ رہا تھا؟

یسعیاہ کا یہ حصہ اُس ہستی کی تصویر پیش کرتا ہے جو اپنے دشمنوں کے سامنے بے زبان تھا۔ اُس کو بڑی تیزی سے ”انصاف“ سے دُور لے گئے۔ اُس پر دیانت داری سے مقدمہ بھی نہ چلایا۔ اُس ہستی کو اپنی ”نسل“ کی کوئی امید نہ تھی کیونکہ اُس کو عین جوانی میں جبکہ اُس کی شادی بھی نہ ہوئی تھی قتل کر دیا گیا۔

۳۴:۸، ۳۵۔ ”وہ خوب“ حیران ہو رہا تھا کہ ”نبی یہ کس کے حق میں کہتا ہے؟ اپنے یا کسی دوسرے کے؟“ بے شک اس سوال نے ”فلپس“ کو وہ موقع فراہم کر دیا جو وہ چاہتا تھا کیونکہ وہ خوب کو بتانا چاہتا تھا کہ اس صحیفے کی یہ ساری باتیں یسوع نامری کی زندگی اور موت میں پوری ہوتی ہیں۔ بے شک جب یہ حبشی خوب یروشلم میں تھا تو اُس نے ”یسوع“ نام ایک شخص کے بارے میں بہت کچھ سنا تھا۔ اور بے شک یہ

۱۔ فلسطین کا ایک قدیم شہر تھا جو مصر کو جانے والی شاہراہ پر، یروشلم کے جنوب مغرب میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع تھا۔ لے کنڈاکے غالباً نام نہیں بلکہ فرعون کی طرح لقب تھا۔

۲۔ بڑی بڑی خاتون عہدیداروں کے مرد نوکروں کو اکثر آخرت (مردانہ صفات سے محروم) کر دیا جاتا تھا۔ یہودیت میں خوب اول درجہ کے شہری نہیں ہوتے تھے (استثنا ۲۳:۱)۔ اُن کا درجہ صرف ”پھاگ کے نو مرید“ کا ہوتا تھا۔ لیکن یہاں ایک خوب مسیحی کلیسیا کا پورا پورا امیر بن جاتا ہے۔

باتیں یسوع کے بارے میں شک و شبہ پیدا کرنے والی تھیں۔ اب ”خوب“ کو پتہ چلتا ہے کہ یسوع ناصری ہی پرودا کا دکھ اٹھانے والا خادم ہے جس کے بارے میں یسعیاہ نے لکھا ہے۔

۳۶:۸۔ معلوم ہوتا ہے کہ فلپس نے اس جستی کو مسیحی پینتسمہ کے اعزاز و استحقات کے بارے میں سمجھایا تھا کہ پینتسمہ میں انسان خود کو موت، تدفین اور قیامت میں مسیح کے مشابہ ٹھہراتا ہے۔ اور اب جبکہ وہ ”چلتے چلتے کسی پانی کی جگہ پر پہنچے“ تو خوب نے پینتسمہ لینے کی خواہش کا برملا اظہار کیا۔

۳۷:۸۔ پینتسمہ لینے کے لئے یہ اقرار بے شک ضروری ہے کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے۔

۳۸:۸۔ ”تھ روکا جاتا ہے اور فلپس“ اس ”خوب“ کو پینتسمہ دیتا ہے۔ یہ غوطہ کا پینتسمہ تھا جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ ”پانی میں اتر پڑے“ اور ”پانی میں سے نکل کر اُپر آئے“۔

جس سادگی سے یہ رسم ادا کی گئی وہ گہرا تاثر پیدا کرتی ہے۔ جنگل بیابان میں سے گزرتی ہوئی ایک شاہراہ پر ایک ایمان دار ایک نو مرید کو پینتسمہ دیتا ہے۔ کلیسا وہاں موجود نہیں، کوئی اور رسول وہاں موجود نہیں۔ بلاشبہ کارواں میں ہر کاب ملازمین اپنے مالک کے پینتسمہ لینے کے گواہ تھے۔ اور وہ سمجھ گئے کہ اب ہمارا مالک یسوع ناصری کا پیرو بن گیا ہے۔

۳۹:۸۔ جو نہی پینتسمہ کی رسم ختم ہوئی خداوند کا روح فلپس کو اٹھائے گیا۔ اس سے مراد صرف یہی نہیں کہ روح نے کسی اور جگہ جانے میں اس کی ہدایت کی بلکہ فوری اور معجزانہ طور پر دوسری جگہ پہنچانے کا بیان ہے۔ مقصد یہ تھا کہ وہ ”خوب“ اپنے مسیح پر ایمان لانے کے انسانی وسیلے ہی پر متوثر نہ ہو جائے بلکہ اس کی توجہ خداوند پر مرکوز ہو جائے۔

خوب خوشی کرتا ہوا اپنی راہ چلا گیا۔ خداوند کی فرمانبرداری کرنے سے وہ خوشی حاصل ہوتی ہے، جس کا مقابلہ اور کوئی خوشی نہیں کر سکتی۔

۴۰:۸۔ اسی دوران ”فلپس“ اشدود میں اپنی تبلیغی خدمت کو دوبارہ شروع کر دیتا ہے۔ بیٹھہر غزہ کے شمال اور یروشلم کے مغرب میں ساحل کے قریب واقع تھا۔ وہاں سے منادی کرتا ہوا وہ قیصریہ کے

لے روٹ کینیٹھولک عطا کی اکثریت، کیلون اور بہت سے دیگر علمی بھی جو خود اٹھیلنے سے یا چھڑکنے سے پینتسمہ دیتے ہیں، متفق ہیں کہ ابتدائی دور میں پینتسمہ ”غوطہ“ سے ہوتا تھا لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بتا دیا جائے کہ جن الفاظ کا ترجمہ ”میں“ اور ”میں سے“ کیا گیا ہے، ان کا مطلب ”کو“ اور ”سے“ بھی ہے۔

ساحل تک جا پہنچتا ہے۔

اور خوجہ کا کیا ہوا؟ فلپس کو اُس کی بعد کی زندگی کی نگہبانی کرنے کا موقع نہ ملا۔ یہ مُبشر صرف اتنا ہی کر سکا کہ اُس کو خدا اور پُرانے عہد نامہ کے صحائف کے سُپر دکر دے۔ لیکن بالیقین رُوح القدس کی قوت کے ساتھ یہ نیا سا رُگرو جیٹ (ایتھو پیا) میں واپس آیا اور سب کو خداوند لیون مسیح کے نجات بخش فضل کی گواہی دیتا رہا۔

## ایمان داروں کے پینتسمہ کا توضیحی بیان

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے جیٹ خوجہ کے پینتسمہ پر غور کیا ہے۔ پینتسمہ کا یہ واقعہ اُن بہت سے شواہد کا حصہ ہے جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا پینتسمہ کی تعلیم دیتی اور اس پر عمل کرتی تھی (۲: ۳۸؛ ۲۲: ۱۶)۔ یہ پینتسمہ یوحنا کے پینتسمہ جیسا نہیں تھا۔ یوحنا کا پینتسمہ توبہ کو ظاہر کرتا تھا (۱۳: ۲۴؛ ۱۹: ۴) جبکہ یہ پینتسمہ مسیح کے مشابہ ہونے کا علامہ قرار تھا۔

یہ پینتسمہ ہمیشہ ایمان لانے کے بعد دیا جاتا تھا (۲: ۴۱؛ ۸: ۱۲؛ ۱۸: ۸) اور مُردوں اور عورتوں دونوں کے لئے تھا (۸: ۱۲)۔ یہ غیر فوم اور یہودی ہر دو کے لئے تھا (۱۰: ۴۸)۔ بتایا گیا ہے کہ پورا پورا گھرانہ بھی پینتسمہ لیتا تھا (۱۰: ۴۷؛ ۲۸: ۱۶؛ ۱۵: ۱۶؛ ۳۳: ۱۶) لیکن ان واقعات میں سے کم سے کم دو میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گھرانے کے سارے افراد ایمان لائے تھے۔ کبھی اور کبھی بیان نہیں ہوا کہ شیر خواروں کو پینتسمہ دیا گیا۔ ایمان داروں کو ایمان لانے کے بہت جلد بعد پینتسمہ دیا جاتا تھا (۸: ۳۶؛ ۹: ۱۸؛ ۱۶: ۳۳)۔ لگتا ہے کہ پینتسمہ اُن کے مسیح پر ایمان لانے کے اقرار کی بنیاد پر دیا جاتا تھا۔ اقرار کی حقیقت کو ظاہر یا ثابت کرنے کے لئے کسی آزمائشی وقفے کی شرط نہ تھی۔ البتہ ایذا رسانی کا خطرہ ہوتا تھا اس لئے ایمان لانے والے اقرار کرنے میں ضرور احتیاط برتتے تھے اور پوری ذمہ داری اور آگہی کے ساتھ اقرار کرتے تھے۔

ہمیں شمعون کے مُعاہدے (۸: ۱۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ پینتسمہ میں نجات دینے کی خصوصیت نہیں ہے۔ ایمان کا اقرار کرنے اور پینتسمہ لینے کے بعد بھی وہ ”پت کی سی کرواہٹ اور ناراستی کے بند میں گرفتار“ تھا (۸: ۲۳) اور اُس کا ”دل خدا کے نزدیک خالص نہیں تھا“ (۸: ۲۱)۔

۱۰ افریقہ میں جیٹ (ایتھو پیا) واحد ملک ہے جہاں انتہائی ابتدائی دنوں سے لے کر آج تک مسیحی کلیسیا تسلسل کے ساتھ قائم ہے۔ فلپس کی وفاداری وہ گنجی تھی جس نے وہاں کلیسیا کا دروازہ کھولا تھا۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، پینتسم غوطہ سے دیا جاتا تھا (۳۸: ۸، ۳۹)۔ "فلپس اور خوب دونوں پانی میں اتر پڑے... جب وہ پانی میں سے نکل کر... آج بھی کئی لوگ جو انڈیٹیل اور چھڑکنے کے طریقے کی وکالت کرتے ہیں، وہ بھی مانتے ہیں کہ پہلی صدی کے شاگرد غوطہ کے پینتسم پر عمل کرتے تھے۔"

دو دفعہ ایسا ہوا ہے کہ پینتسم کو گناہوں کی معافی سے منسلک کیا گیا ہے۔ پینتکست کے دن لٹرس نے کہا "تو یہ کرو، اور تم میں سے ہر ایک اپنے گناہوں کی معافی کے لئے یسوع مسیح کے نام پر پینتسم لے..." (۳۸: ۲)۔ بعد کے ایک واقعہ میں حنیہ نے ساؤل سے کہا "اٹھ، پینتسم لے اور اُس (خداوند یسوع) کا نام لے کر اپنے گناہوں کو دھو ڈال" (۱۶: ۲۲)۔ دونوں موقعوں پر ہدایت یہودیوں کو کی گئی تھی۔ کبھی کسی غیر قوم کو گناہوں کی معافی کے لئے پینتسم لینے کو نہیں کہا گیا۔ ایماندار کے پینتسم کی خاص بات یہ ہے کہ یہودی اُس قوم سے علانیہ قطع تعلق کرنا تھا جس نے مسیح موعود کو رد اور مصلوب کیا تھا۔ اُس کی معافی کی بنیاد خداوند یسوع پر ایمان تھا۔ اُس کی معافی کی قیمت خداوند یسوع کا خون تھا۔ اور اُس کو معافی پُہنچانے کا طریقہ پانی کا پینتسم تھا کیونکہ اُس کا پینتسم اُسے علانیہ یہودی بنیاد سے اٹھا کر مسیحی بنیاد پر کھڑا کرتا تھا۔

پینتسم دینے کا قاعدہ یا فارمولہ "باپ اور بیٹے اور رُوح القدس کے نام سے" (متی ۲۸: ۱۹) اعمال کی کتاب میں موجود نہیں۔ ساریوں کو "خداوند یسوع کے نام پر" (۱۶: ۸) پینتسم دیا گیا تھا۔ یہی بات یوحنا کے شاگردوں پر صادق آتی ہے (۱۹: ۵)۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ باپ، بیٹے اور رُوح القدس کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے۔ "خداوند یسوع کے نام پر" (یا "نام سے") کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "خداوند یسوع کے اختیار سے"۔

یوحنا کے شاگردوں کو دو دفعہ پینتسم دیا گیا۔ پہلے یوحنا کا پینتسم جو نوبہ کے لئے تھا، پھر ان کے ایمان لانے کے موقع پر ایمان دار کا پینتسم (۱۹: ۳، ۵)۔

یہاں ہمیں "دوبارہ پینتسم" کی ایک مثال ملتی ہے کہ جنہوں نے ایمان لانے سے پہلے پینتسم لیا تھا، اُن کو دوبارہ پینتسم دیا گیا۔

## ج۔ ساؤل ترمسی کا مسیح پر ایمان لانا (۱: ۹-۳۱)

۲۴: ۱۰، ۹۔ اعمال کی کتاب کے باب ۹ سے ایک نمایاں موڑ آتا ہے۔ اب ہمک نمایاں مقام پطرس کو حاصل تھا کہ وہ اسرائیلی قوم میں منادی کرتا تھا۔ اب سے پوکس رسول بندرتج نمایاں شخصیت بن جائے گا اور انجیل روز افزوں غیر قوموں تک پھیلے گی۔

اس موقع پر ساؤل "ترسی غالباً تیرستی کے پیٹے میں تھا۔ ربی اُس کو یہودی مذہب کا ایک نہایت ہونہار نوجوان سمجھتے تھے۔ جہاں تک جوش و ولولے کا تعلق ہے وہ اپنے سارے ساتھیوں میں ممتاز تھا۔ اُس کو مسیحی ایمان کی ترقی میں اپنے مذہب کے لئے خطرہ نظر آتا تھا۔ مسیحی ایمان کو "طریق" (۱۹: ۹)، ۲۳: ۲۳؛ ۲۴: ۲۴؛ ۲۵: ۱۴؛ ۲۶: ۲۶ بھی دیکھئے) کہا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ بے حد و حساب جوش اور پوری قوت سے اس مضر اور منحوس فرقے کو مٹانے کے درپے ہو گیا۔ اُس نے "سردار کاہن" سے اس اختیار کا پروا نہ لیا کہ شام کے ملک میں "دمشق" شہر میں یسوع کے پیروؤں کو تلاش کر کے "اُن کو بازو کر بیروشلیم میں لائے" تاکہ اُن پر مقدمہ چلا کر سزا دی جائے۔

۹: ۳۰-۹۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہ "دمشق" کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یہاں ایک آسمان سے ایک نور اُس کے گرد گرد آچکا۔ اس نور کی چمک ایسی تیز تھی کہ ساؤل "زمین پر گر پڑا اور بہ آواز سنی کہ اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" جب ساؤل نے پوچھا کہ "اے خداوند! تو کون ہے؟" تو اسے بتایا گیا کہ میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے؟

اس موقع پر ساؤل کے جذبات کا اندازہ لگانے کے لئے یاد رکھنا ضروری ہے کہ اُسے یقین تھا کہ یسوع ناصری مہرچکا ہے اور یہودیہ میں ایک قبر میں دفن ہے۔ اور چونکہ اس فرقے کا لیڈر ہلاک ہو چکا ہے، اس لئے فرقے کو ختم کرنے کے لئے صرف اُس کے پیروؤں کو نیست و نابود کرنا ضروری ہے۔ پھر دنیا اس سزا سے چھوٹ جائے گی۔

اب ساؤل کو اچانک معلوم ہو جاتا ہے کہ یسوع تو مردوں میں سے ہی اُٹھا ہے، اور آسمان میں خدا کے دہستے ہاتھ پر جلال حاصل کر چکا ہے۔ جلالی مہجی کا یہ نظارہ تھا جس نے ساؤل کی زندگی کا رخ بالکل بدل ڈالا۔

اُس دن ساؤل کو یہ بھی معلوم ہوا کہ جب میں "یسوع" کے شاگردوں کو ستاتا تھا تو دراصل خود خداوند کو ستانا تھا۔ زمین پر جو "بدن" ہے، جو دکھ درد اُسے پہنچایا جاتا ہے، وہ آسمان میں بدن کے "سمر" کو محسوس ہوتا ہے۔

ساؤل کو پہلے عقیدہ سمجھایا گیا پھر ذمہ داری سونپی گئی۔ پہلے اُس کو یسوع کی ذات کے بارے میں سکھایا گیا، اس کے بعد اُسے دمشق بھیجا گیا جہاں اُسے آگے بڑھنے کے احکام ملنے تھے۔

۹: ۷-۹۔ "جو آدمی اُس کے ہمراہ تھے" وہ بالکل ہکا بکا اور سن سے کھڑے تھے۔ انہوں نے آسمان سے آواز تو سنی لیکن سمجھ نہیں۔ اُن کے لئے الفاظ ایسے صاف نہیں تھے (۵: ۲۲)۔ اُن کو



خُداوند دکھائی نہ دیا، صرف ساڈل نے اُسے دیکھا تھا۔ اُس وقت ساڈل کو رسالت کے لئے بلایا گیا۔  
اب اس مضرور فریسی کو ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے۔ جہاں وہ ”تین دن تک نہ دیکھ سکا۔“ اس  
عرصے میں ”نہ اُس نے کھایا نہ پیا۔“

۹: ۱۰-۱۳۔ اس خبر سے ”دمشق“ کے مسیحیوں کا جو حال ہوا اُس کا تصور کرنا کوئی مشکل نہیں۔  
اُن کو علم تھا کہ ساڈل ہمیں گرفتار کرنے آرہا ہے۔ وہ دعا کرتے تھے کہ خدا مداخلت کرے۔ شاید انہوں  
نے جرات کر کے یہ دعا بھی کی ہو کہ ساڈل بھی مسیح پر ایمان لائے۔ اب اُن کو خبر ملتی ہے کہ ہمارے ایمان کا  
سب سے بڑا دشمن مسیحی ہو گیا ہے۔ اُن کو نواپسے کانوں پر یقین نہیں آتا تھا۔  
خُداوند نے ”دمشق“ کے ایک ایمان دار ”حننیاہ“ کو ہدایت کی کہ ”ساڈل“ سے ملے۔ حننیاہ نے  
اُس شخص کے بارے میں دل کے سارے اندیشے خُدا کے سامنے رکھ دیئے۔ لیکن جب اُسے یقین دلایا گیا کہ  
اس وقت ساڈل ستانے کی بجائے ”دعا کر رہا ہے“ تو ”حننیاہ“ اُس کو چہر میں جو سیدھا کہلاتا  
ہے ”بیوداہ“ کے گھر گیا۔

۹: ۱۵، ۱۶۔ ”خُداوند“ کے پاس ساڈل کے لئے زبردست اور عجیب منصوبے تھے ”یہ ...  
میرا نام ظاہر کرنے کا میرا چٹا ہوا وسیلہ ہے۔ اور میں اُسے جتا دوں گا کہ اُسے میرے نام کی خاطر کس قدر  
دکھ اٹھانا پڑے گا۔“ ساڈل کو خاص طور پر خیر ”قوموں“ کا رسول ہونا تھا۔ اور اس نقرے کے باعث اُس کو  
”بادشاہوں“ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ لیکن وہ اپنے اُن ہموطنوں کے سامنے بھی منادی کرے گا جو جسم  
میں اُس کے بھائی ہیں۔ اور یہاں اُس کو شدید ظلم و ستم کا تجربہ ہوگا۔

۹: ۱۷، ۱۸۔ ”حننیاہ“ نے بڑے پیار سے اُس نے ایمان دار ”پرتھ رکھ کر“ اُس کے ساتھ پوری  
پوری رفاقت کا ثبوت دیا۔ اُس نے اُسے ”اے بھائی ساڈل“ کہہ کر مخاطب کیا اور اپنی آمد کا مقصد  
بتایا۔ مقصد یہ تھا کہ ”ساڈل“ دوبارہ ”بینائی پائے اور رُوح القدس سے بھر جائے۔“

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ”ساڈل“ کو ”رُوح القدس“ ایک عام شاگرد کے ہاتھ رکھنے کے  
وسیلے سے دیا گیا۔ مفسرین کے مطابق ”حننیاہ“ ایک عام مسیحی (نہ رسول، نہ ڈیکن) تھا۔ یہ حقیقت  
کہ خُداوند ایک ایسے شخص کو استعمال کرنا ہے جو رسول نہیں ہے، اُن لوگوں کے لئے چھڑکی کی حیثیت رکھتی  
ہے جو روحانی ”خصوصی حقوق“ کو صرف ”خادمانِ دین“ تک محدود رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب کوئی شخص واقعی تبدیل ہو جاتا ہے تو چند باتیں ضرور ظہور پندیر ہوتی ہیں۔ کچھ نشانی  
ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ تبدیلی حقیقی ہے۔ یہ بات تریسیس کے ساڈل پر بھی صادق آتی ہے۔ یہ نشانی

کیا ہیں؟ فرانسس ڈبلیو۔ ڈکسن نے چند ایک بیان کی ہیں :

۱- اُس کی ملاقات خداوند سے ہوئی اور اُس نے خداوند کی آواز سُنی (اعمال ۹: ۴-۶)۔ اُس کو الہی مکاشفہ حاصل ہوا۔ صرف یہ مکاشفہ ہی اُسے قابل کر سکتا تھا اور مسیح کا عقیدت مند پیرو بنا سکتا تھا۔

۲- وہ خداوند کی فرمانبرداری کرنے اور اُس کی مرضی کو پورا کرنے کا زبردست آرزو مند ہو گیا (اعمال ۹: ۶)۔

۳- وہ دعا کرنے لگا (اعمال ۹: ۱۱)۔

۴- اُس کو پینتسمہ دیا گیا (اعمال ۹: ۱۸)۔

۵- وہ خدا کے لوگوں سے رفاقت و شراکت رکھنے لگا (اعمال ۹: ۱۹)۔

۶- وہ بڑی قوت سے گواہی دینے لگا (اعمال ۹: ۲۰)۔

۷- وہ فضل میں بڑھتا گیا (اعمال ۹: ۲۲)۔

## ”عام مسیحی“ کی خدمت

اعمال کی کتاب سے ہمیں جو سب سے اہم سبق ملتا ہے یہ ہے کہ مسیحیت عام ایمان داروں کی تحریک ہے۔ اور گواہی کا کام کسی خاص طبقہ مثلاً پریسٹوں یا خادمانِ دین کے سپرد نہیں کیا گیا۔ گواہی دینا تمام ایمان داروں کی ذمہ داری ہے۔

ہارتیق کہتا ہے کہ

”جب ابتدائی دور میں رومی سلطنت کے زمانے میں کلیسیا نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کیں، تو ایسا معلمین، یا مبلغین یا رسولوں کی وجہ سے نہیں ہوا تھا بلکہ غیر رسمی مشنریوں کی وجہ سے ہوا تھا۔“

دین آئینے رقم طراز ہے کہ

”مسیحیت کا آغاز غیر رسمی نبیوں کے مذہب کے طور پر ہوا۔ اور مسیحیت کے مستقبل

لے وہ مسیحی جو خادمانِ دین نہیں یعنی جن کی رسمی خصوصیت نہیں ہوتی۔

کا انحصار بھی عام مسیحیوں پر ہے۔“

برائون گرین کہتا ہے کہ

”مسیحیت کا مستقبل اور باقی دُنیا میں تبلیغ پیشہ ور مسیحی خادموں کے نہیں بلکہ عام

مردوں اور عورتوں کے ہاتھوں میں ہے۔“

لیٹن فورڈ کا قول ہے کہ

”جو کلیسیا گواہی کی ذمہ داری صرف ماہرین کے سپرد کر دیتی ہے، وہ اپنے ’سُر‘

کے ارادے کی خلاف ورزی بھی کرتی ہے اور ابتدائی مسیحیوں کے نمونے کے خلاف بھی

چل رہی ہے۔ تبلیغ کرنا صرف چند نامی کرداروں کا نہیں بلکہ پوری کلیسیا کا

کام تھا۔“

اور آخر میں ہے۔ اے۔ سٹوارٹ لکھتا ہے کہ

”مقامی جماعت کا ہر فرد مسیح کے لئے رُوح میں جیتنے کو نکھلتا تھا۔ وہ ذاتی تعلق

اور رابطے سے رُوح میں جیتتا اور پھر اُن نوزائیدہ بچوں کو مقامی کلیسیا میں لاتا تھا جہاں

اُن کو دین کی تعلیم دی جاتی اور مخلصی دینے والے پر ایمان میں مضبوط کیا جاتا تھا اور

پھر وہ بھی ایسا ہی کرنے کو نیکل کھڑے ہوتے تھے۔“

سیدھی سی حقیقت یہ ہے کہ رُوحی کلیسیا میں نہ کوئی خادم دین تھا نہ پریسٹ جو مقامی کلیسیا

کی صدارت کرتا تھا۔ عام مقامی کلیسیا مُقدسوں، ایڈروں اور ڈیکنوں پر مشتمل ہوتی تھی (فلپیوں: ۱)۔

نئے عہد نامہ کے مطابق سب کے سب مُقدسین خادمان دین ہوتے تھے۔ پشپ (بگمان) وہ بزرگ

تھے جنہیں اپنی مقامی کلیسیا میں ذمہ داری سے نگرانی کرنا یا رُوحانی راہنمائی فراہم کرنا تھی۔ اور ڈیکن

وہ خادم تھے جو مقامی کلیسیا کے مالی معاملات سے متعلق ذرائع ادا کرتے تھے۔

پشپ یا بزرگ کلیسیا کے اندر کوئی چھدا گانہ طبقہ نہیں ہوتے تھے۔ بزرگوں یا ایڈروں

کی ایک جمعیت ہوتی تھی جو مل کر مقامی کلیسیا کی گلہ بانی کرتی تھی۔

لیکن کوئی شخص سوال اٹھا سکتا ہے کہ رُوحوں، نبیوں، مہیلغوں، گلہ بانوں اور استادوں کے

بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا وہ ابتدائی کلیسیاؤں کا چھدا گانہ طبقہ نہ ہوتے تھے؟ اس

کا جواب افسیوں ۴: ۱۲ میں ملتا ہے۔ یہ نعمتیں اس لئے ملتی تھیں تاکہ مُقدسین (عام ایمان دار)

خدمت کا کام جاری رکھ سکیں اور اس طرح مسیح کے بدن کو ترقی دیں۔ اُن کا مقصد مقامی کلیسیا پر

مستقل عہدیدار بن بیٹھنا نہیں تھا بلکہ اس طرح کام کرنا تھا کہ وہ دن آجائے جب مقامی کلیسیا اپنے پاؤں پر کھڑی ہو کر ساری ذمہ داری پوری کر سکے۔ پھر وہ آگے بڑھ کر نئی جماعتیں قائم کرتے اور ان کو مضبوط کرتے تھے۔

کلیسیا کے مورخین کے مطابق باقاعدہ رسمی خادم الدین کا نظام دوسری صدی عیسوی میں ابھرا۔ اعمال کی کتاب کے زمانے میں اس نظام کا کوئی وجود نہ تھا۔ اس نظام سے عالمگیر منادی اور کلیسیا کی وسعت کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے کیونکہ اس نظام میں بہت زیادہ کا انحصار چند ہی لوگوں پر ہوتا ہے۔

نئے عہد نامہ میں ایمان دار صرف خادم ہی نہیں بلکہ کاہن بھی تھے۔ مُقدّس کاہن ہونے کے باعث ان کو خدا کی عبادت کے لئے ہر وقت اور ہمیشہ خدا کی حضوری میں رسائی حاصل ہے (۱۔ پطرس ۲: ۵)۔ شاہی کاہن ہونے کے باعث ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سب کو اُس ہستی کے بارے میں بتائیں جس نے ان کو تاریکی سے اپنی عجیب روشنی میں بُلایا ہے (۱۔ پطرس ۲: ۹)۔ سارے ایمان داروں کی کہانت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک ہر بازار منادی کرنے یا تعلیم دینے کا اہل ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ضرور ہے کہ کلیسیا کے اندر کاہنوں کے خصوصی طبقے کا کوئی وجود نہیں جن کو خدمت کے کام اور عبادت کے انتظام پر کنٹرول حاصل ہو۔

۱۹: ۹-۲۵ - ”دشّق“ میں ثناگر دوں نے ”ساؤل“ کے لئے اپنے دیدہ و دل فرس راہ کر دئے۔ ان کے گھروں کے دروازے ساؤل کے لئے کھل گئے۔ وہ بھی فوراً ”عبادت خانوں“ میں جا کر دلیری سے گواہی دینے لگا کہ یسوع ”خدا کا بیٹا ہے“۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس کے یہودی سامعین میں گھبراہٹ اور حیرانی پھیل گئی۔ ان کو تو بتایا گیا تھا کہ ساؤل یسوع کے نام سے عدوت رکھتا ہے۔ اور اب وہ تعلیم دے رہا تھا کہ یسوع خدا ہے! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اس پہلے موقع پر وہ کتنی دیر ”دشّق“ میں رہا، ہمیں اس کا علم نہیں۔ البتہ گلتیوں ۱: ۱۷ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دمشق کو چھوڑ کر عرب چلا گیا۔ یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ وہ عرب میں کتنا عرصہ رہا۔ لیکن یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دمشق واپس آیا۔ اعمال باب ۹ کے بیان میں عرب کا یہ سفر کہاں آنا چاہئے؟ غالباً آیت ۲۱ اور ۲۲ کے درمیان۔

خدا نے اپنے جن خادموں کو بہت زیادہ استعمال کیا، ان میں سے اکثر کو عرب یا بیابان کا تجربہ ہوا۔ اس کے بعد ہی خدا نے ان کو منادی کے لئے بھیجا۔

عرب میں قیام کے دوران ”ساؤل“ کو اپنی زندگی میں پیش آنے والے واقعات، اور خاص کر

خُدا کے فضل کی خوشخبری پر غور کرنے کا موقع ملا۔ اور یہ خوشخبری اُن کو خاص طور پر سپرد ہوئی تھی۔ جب وہ ”دمشق“ میں واپس آیا (آیت ۲۲) تو عبادت خانوں میں جا کر نہایت کرنا تھا کہ یہی یسوع اسرائیل کا مسیح موعود ہے۔ یہودی اُس کی تعلیم سے حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اُس کے خلاف طیش میں آگئے اور اُس کو جان سے مار ڈالنے کا ”مشورہ“ (سازش) کرنے لگے کیونکہ پہلے تو وہ اُن کا لبرٹیر تھا، لیکن اب ”برگشتہ“ ہو گیا تھا۔ اب وہ ”دین سے پھر جانے والا“ اور ”زمانہ ساز“ بن گیا تھا۔ لیکن ”ساؤل“ پر سچ کر دمشق سے نکل گیا۔ اُس کے ساتھیوں نے اُسے ایک ”ٹورے“ میں بٹھا کر شہر کی دیوار (فیصل) پر سے لٹکا کر اُتار دیا۔ یہ فرار اگرچہ رسوا کُن ہے لیکن ساؤل تو اب خود شکستہ آدمی تھا۔ وہ سچ کی خاطر ہر وہ رسوائی برداشت کرنے کو تیار تھا جس سے دوسرے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۲۶:۹-۳۰۔ انسانی زاویہ نگاہ سے ”یروشلم“ شہر ”ساؤل“ کے لئے سب سے خطرناک جگہ تھی۔

لیکن جب یقین ہو کہ میں خدا کی مرضی کے مطابق سب کچھ کر رہا ہوں، تو انسان اپنی ذات کے تحفظ سے بڑی خلت تک بے نیاز ہو جاتا ہے۔

اس بات پر اختلاف رائے پایا جاتا تھا کہ مسیحی ہونے کے بعد ساؤل کا ”یروشلم“ کا یہ پہلا دورہ تھا جو کہ تبدیلی کے تین سال بعد ہوا تھا (گلتیوں ۱:۱۸)۔ جب وہ پہلی دفعہ ”یروشلم“ آیا تو پطرس اور یعقوب سے تو ہلا لیکن کسی اور رسول سے نہیں ہلا۔ آیت ۲۷ میں درج ہے کہ ”برنباس... اُسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس“ لے گیا۔ اس کا مطلب پطرس اور یعقوب کے پاس بھی ہو سکتا ہے اور سارے رسولوں کے پاس بھی۔ اگر دوسرا مطلب لیا جائے تو یہ ساؤل کا ”یروشلم“ کا دوسرا دورہ ہوگا جس کا کسی دوسری جگہ ذکر نہیں۔

پہلے تو ”یروشلم“ میں سارے شاگردوں کو ساؤل کے اس دعوے پر شک رہا کہ وہ مسیحی ہو گیا ہے۔ اس لئے ”سب اُس سے ڈرتے تھے“ اور اُسے قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ لیکن ”برنباس“، جس کے نام کا مطلب ہے ”تسلّی کا بیٹا“ وہ اسم بامسمیٰ ثابت ہوتا ہے۔ وہ ”ساؤل“ کی حمایت کرتا ہے۔ اُس کے ایمان لانے کا واقعہ اور ”دمشق“ میں دلیری سے گواہی دینے کے حالات دوسرے شاگردوں کو بتاتا ہے۔ اب ایمان داروں کو احساس ہو گیا کہ ساؤل سچا ہے۔ اور یہ احساس اُس وقت اور بھی چمکتے ہو گیا جب انہوں نے اُسے ”یروشلم“ میں... دلیری کے ساتھ خداوند کے نام کی منادی“ کرتے سنا اور دیکھا۔ چند ہی دنوں میں ”یونانی ماں“ یہودی“ اُس کے سخت مخالف ہو گئے۔ جب ”بھائیوں“ نے دیکھا کہ ساؤل کی زندگی اُن لوگوں کے باعث خطرہ میں ہے تو اُسے فیصلہ میں لے گئے جو ایک سمندر سی بندرگاہ ہے، اور وہاں سے اُسے ”ترانس“ کو روانہ کر دیا۔ یہ ساؤل کا اپنا شہر تھا اور ایشیائے کوچک کے جنوب مشرقی ساحل پر واقع تھا۔

۳۱:۹۔ اِس کے بعد فلسطین کی کلیسیا یعنی تمام کلیسیاؤں کو چین ہو گیا۔ اب اُن کو موقع مل گیا کہ کلیسیاؤں کو مضبوط کریں اور توجہ دیں کہ رفاقتِ فدوی اور روحانی دونوں لحاظ سے ترقی کرے۔

### ۳۔ دنیا کی انتہا تک کلیسیا (۳۲:۹ - ۳۱:۲۸)

۱۔ پطرس غیر قوموں میں انجیل کی منادی کرتا ہے (۱۸:۱۱ - ۳۲:۹)

۳۲:۹ - ۳۳۔ اب دوبارہ "پطرس" کا بیان شروع ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ یہودیہ کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے ایمان داروں سے ملاقاتیں کر رہا ہے۔ آخر وہ یروشلم کے شمال مغرب میں اور یاقا (آج کل یاقو) کو جانے والی شاہراہ پر واقع "لڈہ" میں پہنچتا ہے۔ وہاں اُسے ایک مفلوج بلا جو آٹھ برس سے چارپائی پر پڑا تھا۔ "پطرس" نے اُس کا نام لے کر کہا کہ "یسوع مسیح تجھے شفا دیتا ہے"۔ اینیاس "فورا" اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی چارپائی بڑھا دی۔ عین ممکن ہے کہ اینیاس کو جسمانی شفا کے ساتھ ہی روحانی شفا بھی مل گئی۔

۳۵:۹۔ یہ شفا یافتہ مفلوج "لڈہ" کے شہر میں اور "شارون" کے سارے ساحلی علاقے میں خداوند کی گواہی ثابت ہوا۔ اِس کے نتیجے میں بہت سے لوگ "خداوند کی طرف رجوع لائے"۔

۳۶:۹ - ۳۸۔ "یاقا" اُس دور میں فلسطین کی ایک بڑی سمندری بندرگاہ تھا جو یروشلم سے تقریباً تیس تیس میل دور بحیرہ روم پر واقع تھا۔ وہاں کے مسیحیوں میں ایک نیک دل خاتون "تبیتا" تھی (تبیتا ارامی نام ہے جس کو یونانی میں "ڈورقس" کہا گیا ہے۔ مطلب ہے ہرنی)۔ وہ غریبوں کے لئے کپڑے سینے اور خیرات کرنے کے لئے بہت مشہور تھی۔ وہ بیمار ہو کر مر گئی۔ لگتا ہے کہ اُس کی بیماری اچانک اور نہایت مختصر تھی۔ شاگردوں یعنی ایمان داروں نے "لڈہ" میں فوری پیغام بھیج کر "پطرس" سے درخواست کی کہ بلا تاخیر ہمارے پاس پہنچ۔

۳۹:۹ - ۴۱۔ وہاں پہنچا تو پطرس نے دیکھا کہ "سب بیوائیں" زار و قطار رو رہی ہیں۔ یہ بیوائیں پطرس کو "وہ کرتے اور کپڑے" دکھانے لگیں جو تبیتا نے اُن کے لئے بنائے تھے۔ پطرس نے سب سے کمرے سے نکل جانے کی درخواست کی اور پھر "گھٹنے ٹیک کر دعا کی" اور تبیتا کی "لاش" ... (سے) کہا اے تبیتا اٹھ۔ "فورا" اُس کی زندگی بحال ہو گئی اور اپنے مسیحی ساتھیوں سے اُس کا دوبارہ میل ہو گیا۔

۴۲:۹۔ مردہ کو زندہ کرنے کا یہ معجزہ سارے علاقے میں مشہور ہو گیا جس کے نتیجے میں بہتیرے خداوند پر ایمان لائے۔ لیکن آیت ۳۵ اور ۴۲ کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اینیاس کے شفا

پانے کے معجزے کے نتیجے میں نسبتاً زیادہ لوگ ایمان لائے تھے۔

۹:۲۳ - پطرس "بہت دن یا قاف میں شمعون نام دباغ کے ہاں رہا۔ یہاں شمعون کے پیشہ (چمڑا بنانا) کا ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہودی چمڑا بنانے کو گھٹیا بلکہ بدنام پیشہ سمجھتے تھے کیوں کہ دباغ کو مسلسل مُردہ جانوروں کو چھونا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ شرعی طور پر ناپاک رہتا ہے۔ پطرس کا شمعون کے ساتھ رہنا اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس خاص یہودی رسم کا پابند نہ رہا۔

اکثر اس بات کی نشان دہی کی جاتی ہے کہ یکے بعد دیگرے تین ابواب میں نوح کے بیٹوں کی نسل کے ایک نہ ایک شخص کے ایمان لانے کا بیان ہے۔ بلاشبہ حبشی خوج (باب ۸) حام کی نسل سے تھا۔ تریس کا ساؤل (باب ۹) ہم کی نسل سے تھا اور یہاں باب ۱۰ میں کرنیلیس ہے جو یافت کی اولاد میں سے تھا۔ یہ اس حقیقت کا پتہ ثبوت ہے کہ انجیل ساری نسلوں اور ساری تہذیبوں اور ثقافتوں کے لئے ہے۔ مسیح میں یہ سارے فطری تفرقات مٹ جاتے ہیں۔ باب ۲ میں پطرس نے بادشاہی کی کنجیوں کو یہودیوں کے لئے ایمان کا دروازہ کھولنے کے لئے استعمال کیا تھا۔ اسی طرح باب ۱۰ میں وہ غیر قوموں کے لئے بھی یہ دروازہ کھولتا ہوا نظر آتا ہے۔

۱۰:۱-۲ - اس باب کا آغاز "تیسری" میں ہوتا ہے۔ یہ شہر یاقا سے کوئی تیس میل شمال میں واقع تھا۔ "کرنیلیس" ایک رومی فوجی افسر تھا۔ "صوبہ دار" کے ماتحت تقریباً ستوا سپاہی ہوتے تھے۔ اُس کا دستہ "اطالیانی" پلٹن کے ساتھ مُنسک تھا۔ فوج میں تو اُس کو نمایاں عہدہ حاصل تھا ہی، لیکن اُس کی زیادہ شہرت اپنی "وینداری" کے باعث تھی۔ وہ "وینداری" تھا، "خدا سے ڈرتا تھا" اور حاجتمند "یہودیوں کو بہت خیرات دیتا" تھا۔ رائری کا خیال ہے کہ کرنیلیس "پھانک کا نو مرید تھا یعنی وہ یہودیت کے خدا اور اُس کی بادشاہی پر ایمان رکھتا تھا، لیکن اُس نے پورے طور پر مرید ہونے کے لئے تاحال کوئی قدم نہیں اٹھایا تھا۔"

یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ نجات یافتہ شخص تھا۔ جو کہتے ہیں کہ وہ نجات یافتہ تھا وہ آیت ۲ اور ۳ کا حوالہ دیتے ہیں جہاں "کرنیلیس" کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے پطرس کہتا ہے کہ "ہر قوم میں جو اُس (خدا) سے ڈرتا اور راستبازی کرتا ہے، وہ اُس کو پسند آتا ہے۔ جو حکما کہتے ہیں کہ وہ نجات یافتہ نہیں تھا، وہ ۱۱:۱۴ کی طرف متوجہ کرتے ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ فرشتہ کرنیلیس سے کہتا ہے کہ پطرس "تجھ سے ایسی باتیں کہے گا جن سے تو اور نیر گھرا نجات پائے گا۔"

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ "کرنیلیس" ایک ایسا شخص تھا جو اُس نور کے مطابق زندگی بسر کرتا تھا جو خدا

نے اُسے عطا کیا تھا۔ یہ نور اُس کے نجات پانے کے لئے کافی نہیں تھا۔ اس لئے خدا نے یقینی بند و بست رکھا کہ اُسے انجیل کا اضافی نور دیا جائے۔ پطرس کے آنے سے پہلے اُس کو نجات کی تسلی حاصل نہ تھی۔ لیکن وہ حقیقی خدا کی پرستش اور عبادت کرنے والوں کے ساتھ ایک قریبی رشتہ ضرور محسوس کرتا تھا۔

۱۰: ۳-۸۔ ایک دن تقریباً ۳ بجے بعد دوپہر کو کرنیلیس نے روبا میں صاف صاف دیکھا کہ خدا کا فرشتہ اُس کا نام لے کر اُسے مخاطب کر رہا ہے۔ چونکہ وہ غیر یہودی تھا اس لئے اُس کو فرشتوں کی خدمت کا اتنا شعور نہیں تھا جو ایک یہودی کو ہو سکتا ہے۔ اُس نے فرشتہ کو خداوند سمجھا۔ فرشتہ نے اُس کی دل جمعی کرائی کہ خدا نے تیری "دعاؤں" اور "خیرات" کو یاد کیا ہے۔ پھر فرشتہ نے اُسے کہا کہ "اب یا قافیں آدمی بھیج کر شمعون کو جو پطرس کہلاتا ہے بلوالے۔ وہ شمعون دباغ کے ہاں مہمان ہے جس کا گھر سمندر کے کنارے ہے۔" کرنیلیس بے چوں و چرا حکم ماننا ہے۔ وہ اپنے "دو نوکروں" اور ایک "دیندار سپاہی" کو یا قافا کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔

۱۰: ۹-۱۳۔ "دوسرے دن... پطرس دوپہر کے قریب کوٹھے پر دعا کرنے کو چڑھا۔ یہ یا قافیں شمعون دباغ کے گھر کا واقعہ ہے۔ اُس وقت پطرس کو بھوک لگی اور کچھ کھانا چاہتا تھا۔ لیکن نیچے کھانا ابھی تیار کیا جا رہا تھا۔ اُس کی بھوک نے وہ مناسب حالات پیدا کر دیئے جو تھوڑی دیر میں اُسے پیش آنے کو تھے۔ اُس پر بے خودی چھا گئی۔ اور اُس نے دیکھا کہ... ایک چیز... چاروں کونوں سے لٹکتی ہوئی... اتر رہی ہے جس میں سب قسم کے چوپائے اور کیڑے مکوڑے اور... پرندے ہیں۔" اُس میں پاک اور ناپاک، حلال اور حرام ہر قسم کے جانور موجود تھے۔ آسمان سے ایک آواز نے بھوکے رسول کو ہدایت کی کہ اٹھ! ذبح کر اور کھا۔ یاد رکھیں کہ موسیٰ کی شریعت میں ہر قسم کے "حرام یا ناپاک" جانور کو کھانے کی ممانعت ہے۔ پطرس نے اعتراض کیا "اے خداوند! ہرگز نہیں۔" سکرونگی تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "جو شخص ہرگز نہیں کھاتا ہے اُس کو ساتھ خداوند نہیں کھنا چاہئے کیونکہ جو کوئی سچے دل سے خداوند کھاتا ہے وہ کبھی ہرگز نہیں نہیں کہہ سکتا۔"

۱۰: ۱۵، ۱۶۔ پطرس نے تاکید کی طور پر بیان کیا کہ میں نے زندگی بھر ہمیشہ یہودی شریعت کے مطابق حلال چیزیں کھائی ہیں۔ تو آسمانی آواز نے کہا "جن کو خدا نے پاک ٹھہرایا ہے تو انہیں حرام نہ کہہ۔"

۱۔ ایک دباغ کے لئے سمندر کے کنارے گھر بنانے میں بڑی مصلحت تھی۔ کھانوں کی دھلائی سے شہر کے اندر صحت و صفائی کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ شہر سے باہر اور سمندر کے کنارے تمام گندا اور بدبودار پانی اور جانوروں کی



یہ مکالمہ تین دفعہ دہرایا گیا۔ اس کے بعد وہ چادر واپس آسمان پر اٹھالی گئی۔

یہ حقیقت تو صاف نظر آتی ہے کہ اس رویا کا تعلق صرف کھانے پینے، حلال اور حرام کے ساتھ نہیں تھا۔ اس کا مطلب بہت گہرا اور اہم تھا۔ یہ سچ ہے کہ مسیحیت کے آنے کے ساتھ خوراک اور کھانے پینے کے ریضایطے قائم نہیں رہے لیکن اس رویا کی اصل اہمیت یہ ہے کہ خدا غیر اسرائیلیوں پر بھی ایمان کا دروازہ کھولنے کو تھا۔ یہودی ہونے ہوئے پطرس نے غیر قوموں کو ہمیشہ ناپاک، غیر بے دین اور بے خدا ہی سمجھا تھا۔ لیکن اب خدا ایک نیا کام کرنے کو تھا۔ غیر قوم (آسمانی چادر میں ناپاک جانور اور پرندے غیر قوموں کی نمائندگی کرتے ہیں) بھی اسی طرح رُوح القدس پانے کو تھے جیسے یہودیوں (پاک جانور اور پرندے) نے پایا تھا۔ اب قومی اور مذہبی امتیازات ختم اور منسوخ ہونے کو تھے۔ اب سے خداوند یسوع میں تمام ایماندار مسیحی کلیسیا میں ایک سطح پر ہوں گے۔

۱۷:۱۰-۱۲۔ ادھر پطرس اپنے دل میں اس "رویا" پر غور کر رہا تھا، ادھر کرنیلیس کے نوکر دروازے پر آ پہنچے اور پطرس کا پوچھنے لگے۔ "روح" کی ہدایت سے پطرس چھت پر سے اُترا اور اُن سے ملا۔ اُس کو اُن کے آنے کا مقصد معلوم ہوا تو وہ اُن کو گھر کے "اندر" لایا اور رات بھر ٹھہرانے کا بندوبست کیا۔ نوکروں نے اپنے مالک کو خوب خراجِ تحسین پیش کیا کہ وہ "راست باز اور خدا ترس آدمی اور یہودیوں کی ساری قوم میں نیک نام ہے۔"

۱۰:۲۳ ب-۲۹۔ اگلے دن "پطرس" کرنیلیس کے تینوں نوکروں کے ہمراہ قیصریہ "کو روانہ ہوا اور یا قانیاں سے بعض بھائی اُس کے ساتھ ہوئے۔" غالباً وہ سارا دن سفر کرتے رہے کیونکہ وہ دوسرے روز قیصریہ میں داخل ہوئے۔

"کرنیلیس" اُن کے آنے کی راہ دیکھ رہا تھا۔ چونکہ اُسے یقین تھا کہ پطرس ضرور آئے گا، اس لئے اُس نے اپنے رشتہ داروں اور ولی دستوں کو جمع کر رکھا تھا۔ پطرس پہنچا تو کرنیلیس نے اُس کی عزت و تعظیم کی خاطر اُس کے قدموں میں گر کر سجدہ کیا۔ رسول نے اس سجدہ کو قبول کرنے سے انکار کیا اور احتجاج کیا کہ "میں بھی تو انسان ہوں۔" مناسب اور بجا ہو گا کہ جو لوگ اپنے آپ کو "پطرس" کا جانشین کہتے ہیں، وہ بھی اُس کی انکساری اور جلیبی کی تقلید کریں اور لوگوں کو اپنے سامنے دوزانو ہونے اور گھٹنے ٹیکنے سے منع کر دیں۔

لاشیں باسانی سمندر میں برائی جاسکتی ہیں۔

”پطرس“ نے گھر میں ”بہرت سے لوگوں کو اکٹھا پایا“ تو اُن کو بتایا کہ یہودی ہوتے ہوئے عام حالات میں میں کسی غیر قوم کے گھر میں داخل نہ ہوتا۔ لیکن ”خدا نے مجھ پر ظاہر کیا“ کہ اب سے غیر قوم افراد کو اچھوت نہیں سمجھنا۔ پھر اُس نے پوچھا کہ ”مجھے کس بات کے لئے بلایا ہے؟“

۱۰: ۳۰-۳۳۔ ”کرنیلیس“ نے بڑے شوق سے اپنی اُس رویا کے بارے میں بتایا جو اُس نے ”چار روز“ پہلے دیکھی تھی۔ جس میں ایک فرشتہ نے اُسے یقین دلایا تھا کہ ”تیری دعا سن لی گئی“۔ اور ہدایت کی تھی کہ ”پطرس کو... اپنے پاس بلا“۔ اس غیر اسرائیلی شخص کے دل میں خدا کے کلام کی جھوک قابل تعریف ہے۔ اُس نے کہا ”اب ہم سب خدا کے حضور حاضر ہیں تاکہ جو کچھ خدا نے تجھ سے فرمایا ہے اُسے سنیں“۔ ایسے کھلے دل والی اور کلام مقدس کو قبول کرنے والی روح کو خدا ضرور اپنی ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔ اُسے بڑا اجر دیتا ہے۔

۱۰: ۳۴-۳۵۔ پیغام دینے سے پہلے ”پطرس“ نے صاف صاف اقرار کیا کہ اب تک مجھے یقین تھا کہ خدا کا فضل صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ لیکن اب مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ”خدا“ کسی انسان کو اُس کی قومیت کے اعتبار سے عزت نہیں دیتا بلکہ وہ سچے اور شکستہ دل پر نظر کرتا ہے۔ یہی دل یہودی کا ہو یا غیر یہودی کا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ”بلکہ ہر قوم میں جو اُس سے ڈرتا اور راستبازی کرتا ہے وہ اُس کو پسند آتا ہے“

آیت ۳۵ دو طرح سے سمجھی جاسکتی ہے :

۱۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی سچے دل سے توبہ کرے اور خدا کا منداشی ہو، تو اگرچہ اُس نے خداوند یسوع کے بارے میں کبھی نہ سنا ہو، تو بھی وہ نجات پائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اگرچہ وہ شخص یسوع کی عوضی قربانی کے بارے میں نہیں جانتا، مگر خدا تو جانتا ہے اور اس قربانی کی بنیاد پر اُسے نجات دیتا ہے۔ اور جب بھی وہ سچے ایمان تک پہنچتا ہے، خدا مسیح کی قربانی کے فوائد اُس شخص کے نام محسوب کرتا ہے۔

۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ خواہ انسان خدا سے ڈرتا ہو اور راستبازی کرتا ہو، وہ اس وجہ سے نجات نہیں پاسکتا۔ نجات صرف خداوند یسوع مسیح پر ایمان سے ہے۔ لیکن جب کبھی خدا کو کوئی ایسا انسان مل جاتا ہے جس نے اُس نور کے مطابق زندگی بسر کی ہو جو خداوند کے بارے میں اُسے عطا کیا گیا ہو تو وہ یقیناً بندوبست

کرتا ہے کہ وہ انسان انجیل سننے اور نجات پانے کا موقع پائے۔

ہمارے خیال میں دوسرا نظریہ صحیح ہے۔

۱۰: ۳۶-۳۸۔ اس کے بعد پطرس اپنے سامعین کو یاد دلانا ہے کہ اگرچہ انجیل کا پیغام پہلے یہودیوں کو دیا گیا، لیکن ”یسوع مسیح... سب کا خداوند ہے“۔ یعنی وہ یہودی اور غیر قوم سب کا خداوند ہے۔ اُس کے سامعین نے ”یسوع ناصری“ کے واقعات ضرور سنے ہوں گے۔ یہ خوشخبری ”یوحنا کے ہمتیہ“ کے وقت ”تکلیف“ سے شروع ہوئی اور ”تمام یہودیہ میں مشہور ہوگئی“۔ اسی ”یسوع“ کو ”خدا نے... رُوح القدس سے... مسح کیا“۔ اُس نے دوسروں کی خدمت کے لئے بے لوث اور بے غرض زندگی بسر کی۔ وہ بھلائی کرتا اور اُن سب کو جو ابلیس کے ہاتھ سے ظلم اٹھانے سے تھے شفا دیتا پھرا۔

۱۰: ۳۹-۴۱۔ رسول ”اُن سب کاموں کے گواہ ہیں جو اُس (یسوع) نے... کئے“۔ وہ ”بروشنیم“ اور سارے یہودیہ میں اُس کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اُس (مسیح) کی کامل زندگی کے باوجود ”انہوں (یہودیوں) نے اُس کو صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا۔ اُس کو خدا نے تیسرے دن“ مُردوں میں سے ”جلایا“ اور اُس کو اُن ”گواہوں“ نے دیکھا جو آگے سے خدا کے چُنے ہوئے تھے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے اپنے جی اٹھنے کے بعد خداوند کسی غیر ایمان دار کو دکھائی نہیں دیا۔ اُن گواہوں نے خداوند کے ”ساتھ کھایا پیا“۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ”متنہجی کا جی اٹھانے کی مادی تھا، جسے چھوڑا جاسکتا تھا۔“

۱۰: ۴۲۔ خداوند نے رسولوں کو مقرر کیا کہ منادی کریں کہ خدا کی طرف سے اُسے ”زندوں اور مُردوں کا مُنصف مقرر کیا گیا ہے۔ یہ بات بہت سے اور سوالوں سے مُطابقت رکھتی ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ باپ نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے (یوحنا ۵: ۲۲)۔ مطلب یہ ہے کہ ابن آدم کی حیثیت میں وہ یہودی اور غیر یہودی سب کی یکساں عدالت کرے گا۔

۱۰: ۴۳۔ لیکن پطرس صرف عدالت کی بات پر ہی زور نہیں دیتا بلکہ وہ انجیلی سچائی کا ایک زبردست اور نشانہ بیان دیتا ہے۔ وہ وضاحت کرتا ہے کہ ہم اس عدالت سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔ جیسا کہ پڑانے عہد نامہ کے ”سب نبی گواہی دیتے ہیں“ کہ جو کوئی مسیح موعود کے نام پر ”ایمان لائے گا، اُس کے نام سے گناہوں کی معافی حاصل کرے گا“۔ یہ دعوت صرف بنی اسرائیل کے لئے نہیں، بلکہ ساری دُنیا اس میں شامل ہے۔ کیا آپ گناہوں کی معافی پانا چاہتے ہیں؟ تو اُس پر ایمان لائیں۔

۱۰: ۴۴-۴۸۔ پطرس یہ باتیں کہہ رہا تھا کہ رُوح القدس اُن سب پر نازل ہوا۔ یاد رکھیں یہ سامعین غیر قوم اور نامختون تھے۔ اور وہ ”طرح طرح کی زبانیں بولتے اور خدا کی تعجب کرتے“ تھے۔

غیر زبانی وہاں موجود سبھوں کے لئے نشانِ نقیب کہ کرنیلیس اور اُس کے گھرانے کو بھی ”رُوحُ الْقُدُسِ کی بخشش“ عطا ہوئی ہے۔ یا قاس سے آنے والے یہودی نژاد ایمان دار ”میران ہوئے کہ غیر قوموں پر بھی رُوحُ الْقُدُسِ کی بخشش جاری ہوئی“ حالانکہ وہ یہودی نومیڈ نہیں بنے تھے۔ لیکن ”پطرس“ یہودی تعصبات سے اتنا جکڑا ہوا نہیں تھا۔ اُس کو فوراً احساس ہو گیا کہ خدا یہودی اور غیر قوم میں کوئی امتیاز نہیں کر رہا۔ چنانچہ اُس نے تجویز کیا کہ کرنیلیس کے گھرانے کو ”بہتسمہ“ دیا جائے۔

ذرا ان الفاظ پر غور کریں کہ ”جنہوں نے ہماری طرح رُوحُ الْقُدُسِ پایا۔“ ان غیر قوم افراد کو بھی اسی طرح نجات ملی تھی جس طرح یہودیوں کو۔۔۔۔۔ صرف خالص ایمان سے۔۔۔۔۔ یہاں شریعت کی پابندی، دوسرے آئین و احکام کی پیروی یا رسومات اور شعائر کی ادائیگی کا ذکر تک نہیں۔ علاوہ ازیں غیر قوموں کو رُوحُ الْقُدُسِ ملنے کے تعلق سے واقعات کی ترتیب پر بھی غور کریں۔

۱۔ انہوں نے کلام ”سنا“ یعنی ایمان لائے (آیت ۴۴)۔

۲۔ اُن پر ”رُوحُ الْقُدُسِ... نازل“ ہوا (آیت ۴۳، ۴۷)۔

۳۔ اُن کو ”بہتسمہ“ دیا گیا (آیت ۴۸)۔

یہی ترتیب ہے جو موجودہ زمانے میں یہودی اور غیر قوم، سب کے لئے یکساں مقرر ہے۔ جب خدا اپنے نام کی خاطر قوموں میں سے لوگوں کو بلاتا ہے تو یہی ترتیب قائم رہتی ہے۔ خدا کے رُوح نے قیصریہ میں نہایت پُر فضل کام کیا۔ اب حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ایمانداروں نے پطرس کو مجبور کیا کہ ”چند روز ہمارے پاس رہ“۔

۱۱:۱۔ ۳۔ یہ خبر بہت جلد ”یہودیہ“ پہنچ گئی کہ پطرس نے ”غیر قوموں“ کو بھی خوشخبری سنائی اور انہوں نے بھی نجات پائی ہے۔ اس لئے ”جب پطرس یروشلم میں آیا تو مَخْنُون بھائیوں نے اُس کو ”مَخْنُونوں“ کے ساتھ کھانے پینے پر چیلنج کیا۔ یہاں ”مَخْنُون“ بھائیوں سے مراد یہودی نژاد مسیحیوں سے ہے جو ابھی تک پرانی سوچوں کے قیدی تھے۔ مثلاً وہ یقین رکھتے تھے کہ خداوند سے پوری برکت پانے کے لئے ضرور ہے کہ غیر قوم شخص ختہ کرائے۔ اُن کا ابھی تک یہی خیال تھا کہ پطرس نے غیر قوموں کے ساتھ کھایا پیا تو غلط کام کیا ہے۔

۱۱:۴۔ ۱۴۔ اپنا دفاع کرتے ہوئے ”پطرس“ نے وہ تمام واقعات سنائے جو پیش آئے تھے۔ ان میں اُس کی ”رویا“، ”آسمان“ سے اُترنے والی ”چار“، کرنیلیس پر ”فرشتہ“ کا ظاہر ہونا، کرنیلیس کی طرف سے پیغام لے کر آنے والے، رُوحِ کا حکم کہ اُن کے ساتھ جا، اور غیر قوموں پر

”رُوحُ الْقُدُس“ کا نُزول ساری باتیں شامل تھیں۔ چونکہ ”خُدَا“ نے اتنے حتمی اور واضح طریقوں سے کام کیا اس لئے مزاحمت یا مخالفت کرنا یقیناً خُدَا کی مخالفت ٹھہرتا۔

اپنے اس پیغام میں ”پطرس“ نے کئی دلچسپ باتیں بیان کیں۔ یہ باتیں گزشتہ باب میں درج نہیں ہیں۔

۱۔ اُس نے بتایا کہ ”چار... آسمان سے اتر کر مجھ تک آئی“ (آیت ۵)۔

۲۔ مزید بتایا کہ ”اُس پر... میں نے عورتوں سے نظر کی“ (آیت ۶)۔

۳۔ پطرس یہ تفصیل بھی دیتا ہے کہ یافا سے ”چھٹ بھائی“ اُس کے ساتھ قبر پر گئے تھے (آیت ۱۲)۔

۴۔ آیت ۱۴ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ فرشتہ نے کرنیلیس سے وعدہ کیا تھا کہ پطرس ”مجھ سے ایسی

باتیں کہے گا جیسا، تو اور تیرا سارا گھرانہ نجات پائے گا“۔ یہ آیت زبردست ثبوت ہے کہ

پطرس کے آنے سے پہلے کرنیلیس کو نجات نہیں ملی تھی۔

۱۵:۱۱۔ پطرس کے بیان کے مطابق غیر قوم افراد پر ”رُوحُ الْقُدُس“ اُس وقت ”نازل ہوا“ جب وہ

(پطرس) ”کلام کرنے لگا“ تھا۔ اعمال ۱۰:۴۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی میں نہیں بلکہ جب وہ کچھ دیر

تک کلام سنانا چکا تب نازل ہوا تھا۔ لگتا ہے کہ اُس نے کلام سنانا شروع کیا تھا۔ مگر مزید آگے بڑھنے

سے پہلے رُوحُ الْقُدُس نازل ہوا۔ اُسے غالباً کچھ دیر رُکنا پڑا۔

۱۶:۱۱۔ جب غیر قوموں پر ”رُوحُ الْقُدُس“ نازل ہوا تو پطرس کو فوراً پینتسٹ کا واقعہ یاد آ گیا اور

ساتھ ہی اُس کا ذہن خُداوند کے اُس وعدے کی طرف گیا جو اُس نے اپنے سناگر دوں سے کیا تھا کہ ”میں رُوحُ الْقُدُس

سے بہتسمہ پاؤں گے“۔ اُس کو معلوم ہو گیا کہ یہ وعدہ کچھ تو پینتسٹ کو پورا ہوا، اور اب دوبارہ پورا ہو رہا ہے۔

۱۷:۱۱۔ اس کے بعد پطرس نے مَنُون طیفی کے سامنے یہ سوال اٹھایا کہ ”جب خُدَا نے“ غیر قوموں پر رُوحُ

الْقُدُس اُنڈیلنا پسند کیا، جیسا کہ پہلے ایمان لانے والے یہودیوں پر اُنڈیلنا تھا تو ”میں کون تھا کہ خُدَا کو روک سکتا؟“

۱۸:۱۱۔ اس بات میں یہ عبرانی مسیحی قابل تعریف ہیں کہ جب اُنہوں نے پطرس کا بیان سنا لیا تو اُن کو

محسوس ہو گیا کہ ان ساری باتوں میں ”خُدَا“ کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی سوچ اور نظریہ بالکل بدل لیا

اور سارے معاملے کو قبول کیا۔ اُن کے سارے اعتراض ختم ہو گئے۔ اُن کی جگہ ”خُدَا“ کی تعجید نے لے لی کہ

”خُدَا نے غیر قوموں کو بھی زندگی کے لئے توبہ کی توفیق دی ہے“۔

## ب۔ انطاکیہ میں کلیسیا کا قیام (۱۹:۱۱-۳۰)

۱۹:۱۱۔ اب بیان واپس اُس وقت کی طرف آتا ہے جب ”سٹیفنس“ کی شہادت کے بعد کلیسیا پر

ظلم دستم شروع ہو گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اگلی آیات کے واقعات گریلیس کے ایمان لانے (باب ۱۰) سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے۔

”بس جو لوگ اُس مُصیبت سے پرانگندہ ہو گئے تھے“ وہ انجیل کی خوشخبری کو جگہ جگہ لے گئے۔

۱- ”فینیکیہ“۔ یہ بحیرہ روم کے شمال مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ تنگ ساحل ہے جس

میں صُور اور صیدا (سیدون - جدید لبنان) کی بندرگاہیں بھی شامل ہیں۔

۲- ”کپرس“ (قبرص) شمال مشرقی بحیرہ روم میں ایک بڑا جزیرہ۔

۳- ”کریینے“۔ افریقہ کے شمالی ساحل (جدید لیبیا) پر ایک بندرگاہ۔

البتہ وہ یہودیوں کے سوا اور کسی کو کلام نہ سناتے تھے۔“

۱۱ : ۲۰-۲۱۔ لیکن ایمانداروں میں سے کچھ ”کیرسی اور کرینی تھے جو انطاکیہ“ میں آ گئے۔ وہ ”یونانیوں“ کو بھی

خوشخبری سناتے تھے۔ خدا اُن کی منادی پر برکت دیتا تھا۔ اور ”بہت سے لوگ ایمان لا کر خداوند کی طرف

رجوع ہوئے۔“ ایف۔ ڈیلو۔ گرانٹ کتا ہے کہ ”یہ بات نمایاں اور قابل غور ہے کہ یہاں افسرانہ نظام

کا کوئی ذکر اذکار نہیں بلکہ اس کی نفی نظر آتی ہے۔ یہاں پوری خدمت کے کام میں کسی کا نام نہیں بتایا گیا۔“

انطاکیہ میں سیجیت کا متعارف ہونا کلیسیا کے فروغ اور ترقی میں ایک اہم قدم تھا۔ انطاکیہ شام

کے ملک میں دریا ئے اور تیس (Orontes) کے کنارے واقع تھا۔ شام فلسطین کے شمال میں

ہے۔ انطاکیہ کو رومی سلطنت کا تیسرا بڑا شہر مانا جاتا تھا۔ آج بھی اس کو ”دنیائے قدیم کا پیرس“ کہا

جاتا ہے۔ بعد میں یہاں سے پلُٹس اور اُس کے ساتھی اپنے تبلیغی سفروں پر روانہ ہوئے تاکہ انجیل کو

غیر قوموں کے درمیان پھیلائیں۔

۱۱ : ۲۲-۲۳۔ اس زبردست بیداری کی خبر جب ”بروشلیم کی کلیسیا“ کو پہنچی تو فیصلہ کیا

گیا کہ رحمدل اور محبت بھرے ”برنباس“ کو انطاکیہ“ بھیجا جائے۔ اس شخص نے ایک ہی نظر میں دیکھ

لیا کہ خداوند ان غیر قوموں میں بڑی قوت سے کام کر رہا ہے۔ چنانچہ اُس نے ”ان سب کو نصیحت کی کہ

دلی ارادہ سے خداوند سے پلٹے رہو“ اور یوں اُن کی حوصلہ افزائی کی۔ کیسی اچھی بات ہے کہ ایسی تو زائیدہ

کلیسیا کے پاس ایسے شخص کو بھیجا گیا جو ”نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا“ اُس کے وہاں

۱۔ نئے عہد نامہ میں ”یونانیوں“ سے مراد عموماً یونانی یہودی ہیں۔ لیکن یہاں صرف یونانی یعنی غیر قوم بھی مراد

ہو سکتا ہے۔ سیاق و سباق پر غور کریں۔ آیت ۱۹ ”یہودیوں کے سوا اور کسی کو کلام نہ سناتے تھے“

آیت ۲۰ ”یونانیوں کو بھی“۔

قیام کے دوران ”بہت سے لوگ خداوند کی کلیسیا میں آئے۔“ مزید برآں یروشلم کی کلیسیا کے ساتھ بھی اتحاد قائم اور مضبوط ہو گیا۔

۱۱: ۲۵، ۲۶۔ اب ”برنباس“ کو ”ترسس“ کا ”ساؤل“ یاد آیا۔ برنباس ہی نے ”ساؤل“ کو یروشلم میں رسولوں سے متعارف کرایا تھا۔ اُس وقت ”ساؤل“ کو یہودیوں کی سازشوں سے بچانے کے لئے جلدی جلدی شہر سے روانہ کیا گیا تھا۔ تب سے وہ اپنے آبائی شہر ”ترسس“ ہی میں قیام پذیر تھا۔ برنباس کو بڑی آرزو تھی کہ خدمت کے کام میں ”ساؤل“ کی حوصلہ افزائی کرے اور ”انطاکیہ“ کی کلیسیا اُس کی تعلیم سے فیض یاب ہو جائے۔ اس لئے برنباس ”ترسس کو چلا گیا“ اور ”ساؤل کو“ انطاکیہ میں لایا۔ یہ شاندار ٹیم ”سال بھر“ اُس کلیسیا میں کام کرتی رہی۔ دونوں مل کر ”بہت سے لوگوں کو تعلیم دیتے رہے۔“

جے۔ اے۔ سٹوارٹ یوں تبصرہ کرتا ہے :

”ایف۔ بی۔ میئر نے کہا ہے انطاکیہ مسیحی تاریخ میں ہمیشہ مشہور رہے گا کیونکہ متعدد گناہ اور غیر مخصوص شدہ شاگرد ساؤل کے ظلم و ستم سے ننگ آکر یروشلم سے بھاگے اور جرات کر کے یونانیوں کو خوشخبری سنائی، اور یہودیت کی ابتدائی رسم کو پس پشت ڈالتے ہوئے ایمان داروں کو اکٹھا کر کے کلیسیا تشکیل دی۔“

اگر یہ ایمان دار کسی جدید کلیسیا سے گئے ہوتے، جس میں خدمت کا کام صرف ایک فرد واحد کو سونپ دیا جاتا ہے تو کلیسیا کی تاریخ کا یہ فائنڈیشن دور کبھی تھربر نہ کیا جاتا۔ کیسا المیہ ہے کہ اوسط درجے کی کلیسیا میں روح القدس کی خدماتی نعمتیں چھپی اور خوابیدہ پڑی رہتی ہیں کیونکہ ”عام“ ایمان داروں کو خدمت کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ جب تک ایمان داروں کے ہر گروہ کی نگہبانی کے لئے تنخواہ دار پاسان موجود ہوگا تب تک ایک بات یقینی ہے کہ انجیل کی بشارت پوری دنیا میں نہیں ہوگی۔ سارے رضا کار سڈے سکول بنگلہ انوں، سڈے سکول اور بائبل کلاس کے اُستادوں اور عام مسیحی کارندوں کے لئے خدا کا شکر کریں۔ اگر اُن سب کو اُن کی خدمات کے عوض تنخواہیں دینا پڑتیں، تو بہت تھوڑی کلیسیایں ہوتیں جو مالی لحاظ سے اپنا بوجھ اٹھا سکتیں۔“

۱۱: ۲۷۔ ۳۰۔ اگرچہ ”انطاکیہ“ مرکز بن گیا جہاں سے خوشخبری غیر قوموں تک پہنچی تو بھی اُس نے

”برشلیم“ کی کلیسیا کے ساتھ دلی اور پورے تعلقات ہمیشہ قائم رکھے۔ یہوشلیم یہودیوں میں تبلیغ کے لئے مرکز تھا۔ ذیل کا واقعہ اس امر کی وضاحت کرتا ہے۔

”اُنہی دنوں میں چند نبی برشلیم سے انطاکیہ میں آئے۔“ یہ نبی وہ ایماندار تھے جن کو روح القدس نے یہ نعمت دی تھی کہ خدا کی طرف سے بولیں۔ اُن کو خدا سے مکاشفہ حاصل ہوتا تھا جسے وہ انسانوں کو پہنچا دیتے تھے۔ اُن میں سے ایک نے جس کا نام اگبس تھا، بیسٹین گون کی کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا۔ اور یہ کال قیصر کلوڈیس کے عہد میں پڑا۔ انطاکیہ کے شاگردوں نے بلا توقف فیصلہ کیا کہ ”یہودیہ میں رہنے والے بھائیوں کی خدمت کے لئے کچھ بھیجیں۔“ یقیناً یہ اس بات کی بہت اثر انگیز گواہی تھی کہ یہودی اور غیر یہودی ایمان داروں کی درمیانی دیوار گر رہی ہے اور کہ مسیح کی صلیب نے پرانی مخالفتیں بٹا دی ہیں۔ ان شاگردوں میں خدا کا فضل ظاہر ہوا جنہوں نے یک دل ہو کر، بے ساختہ رضا کارانہ اور اپنے اپنے مقدر کے موافق، دیا۔ ایف۔ ویلیو۔ گرانٹ افسوس کے ساتھ کہتا ہے کہ آج ہر ایک اپنے فاضل مال میں سے ٹھوڑا سا اور اہم ترین افراد تناسب کے لحاظ سے قلیل ترین مقدار دیتے ہیں۔

یہ رقم ”برنباؤ اور ساؤل کے ہاتھ بزرگوں کے پاس“ بھیجی گئی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کلیسیا کے تعلق سے بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہودی تو ”بزرگوں“ کے تصور سے واقف تھے، اس لئے کہ اُن کے عبادت خانوں میں بزرگ ہوتے تھے۔ ہمیں کچھ معلومات نہیں کہ یہ آدمی برشلیم میں ”بزرگ“ یا ایڈلٹر کیسے بنے۔ غیر قوم کلیسیاؤں میں ”بزرگوں“ کو رسول یا اُن کے نمائندے مقرر کرتے تھے (۲۳:۱۷؛ ططس ۱:۵)۔ بزرگوں کی لازمی صفات کا بیان ۱- تیمتھیس ۱:۳-۱۷ اور ططس ۱:۶-۹ میں درج ہے۔

## ج۔ ہیرودیس کی طرف سے ظلم و ستم اور اُس کی وفات

(۲۳-۱:۱۲)

۲۷:۱۲- کلیسیا پر شیطان کے نابرتوں کے لئے جاری رہے۔ اس دفعہ ظلم و ستم ہیرودیس بادشاہ کی طرف سے آیا۔ یہ ہیرودیس اگر پادشاہ تھا جو ہیرودیس اعظم کا پوتا تھا، اس کو رومی شہنشاہ کلوڈیس نے یہودیہ کے حاکم اعلیٰ کے عہدے پر مامور کیا تھا۔ وہ موسیٰ کی شریعت کا پابند تھا۔ اُس نے یہودیوں کو خوش کرنے کے لئے بہت کچھ کیا۔ اس پالیسی کی پیروی کرنے کی غرض سے اُس نے کلیسیا میں سے بعض لوگوں کو بہت پریشان کیا، یہاں تک کہ اُس نے ”یوحنا کے بھائی یعقوب کو توار سے قتل کیا۔“ یہ وہی یعقوب ہے جو پطرس اور یوحنا کے ساتھ اُس پہاڑ پر موجود تھا جہاں



خداوند کی صورت بدل کر نہایت جلالی ہو گئی تھی۔ اسی کی ماں نے درخواست کی تھی کہ جب مسیح اپنی بادشاہی میں آئے تو اُس کے بیٹے اُس کے پہلو میں بیٹھیں۔

اس باب میں اُن طریقوں کا دلچسپ مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے جو خدا اپنے لوگوں سے روا رکھتا ہے۔ ”یعقوب“ کو دشمن نے قتل کر دیا لیکن پطرس معجزانہ طور پر بچ گیا۔ انسانی عقل پوچھتی ہے کہ پطرس کی ایسی طرفداری کیوں کی گئی؟ لیکن ایمان خدا کی محبت اور حکمت میں تسلی پاتا ہے، کیونکہ جانتا ہے کہ

جس بُرائی پر خدا برکت دیتا ہے وہ ہمارے لئے بھلائی ہے،

اور بے برکت بھلائی، برائی ہے،

اور غلط معلوم ہونے والی وہ ساری باتیں درست ہیں،

جو خدا کی مرضی کے مطابق ہوں۔

(فریڈرک ڈیلو۔ فیبر)

۱۲: ۳، ۴۔ یعقوب کے قتل پر ”یہودیوں“ نے ایسے جوش اور خوشی کا اظہار کیا کہ ہیرودیس کو توصلہ ہوا کہ ”پطرس“ کے ساتھ بھی یہی سلوک کرے۔ مگر اس وقت تک ”عیدِ فیطر کے دن“ آ گئے تھے اور مذہبی تہواروں کے دوران موت کی سزا دینا موزوں نہیں تھا۔ علاوہ ازیں یہودی اپنی مذہبی رسومات میں اتنے مصروف ہونے کہ اس حمایت اور طرف داری کے کام کی صحیح قدر نہ کر سکتے۔ چنانچہ ہیرودیس نے حکم دیا کہ اس اثنا میں ”پطرس“ کو قید میں رکھا جائے۔ رسول کو ”نگہبانی“ کے لئے چار چار سپاہیوں کے چار پہروں میں رکھا گیا، یعنی سو کہ سپاہی اُس کی چوکیداری پر مامور تھے۔

۱۲: ۵۔ اُدھر برشلیم کی کلیسیا پطرس کے لئے بدل دجان خدا سے دعا کر رہی تھی۔ اس لئے بھی کہ یعقوب کی موت اُن کے ذہنوں میں بانگِ تازہ تھی۔ جی۔ سی۔ مورگن کہتا ہے کہ لاطینی ہوئی دل سوز دعا کی قوت، ہیرودیس، بلکہ جہنم سے بھی زیادہ طاقتور تھی۔

۱۲: ۶، ۱۱۔ ”ہیرودیس اُسے پیش کرنے کو تھا تو اسی رات پطرس دو زنجیروں سے بندھا ہوا دو

سپاہیوں کے درمیان سوناتا۔ کسی نے اس نیند کو ’فتح کی جھپکی‘ کہا ہے۔ غالباً پطرس کو خداوند کا وعدہ یاد تھا کہ وہ عمر رسیدہ ہوگا (یوحنا ۲۱: ۱۸) اس لئے جانتا تھا کہ ہیرودیس مجھے وقت سے پہلے نہیں مروا سکتا۔ اچانک ”خداوند کا ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔ فرشتے نے پطرس کی پسلی پر ہاتھ مار کر

اُسے جگایا اور کہا کہ جلد اٹھ۔

اُس کی ”زنجیریں“ نوراً کھل کر گر پڑیں۔ فرشتے نے تیز اور چھوٹے جملوں میں پطرس سے کہا کہ باندھ اور اپنی جوتی پہن لے۔ ... اپنا چوغہ پہن کر میرے پیچھے ہوئے۔ پطرس سمجھا کہ رویا دیکھ رہا ہوں۔ مگر فرشتے کے پیچھے ہولیا۔ وہ قید خانے کے پیٹل اور دوسرے حلقہ میں سے نکل آئے اور لوہے کے پھاٹک پر پہنچے۔ وہ آپ ہی اُن کے لئے کھل گیا۔ وہ پچلتے پوٹے شہر کے ایک کوچہ کے سرے پر پہنچے اور ”فرشتے“ نظروں سے غائب ہو گیا۔ اب پطرس کو ”ہوش“ آیا اور اُسے معلوم ہوا کہ یہ خواب نہیں ہے بلکہ ”خداوند نے“ ”مُجرانہ مجھے“ ”ہیرودیس کے ہاتھ سے چھڑایا“ ہے اور یہودیوں کی سازش سے بچا لیا ہے۔

۱۲: ۱۳۔ پطرس کھڑا ان باتوں پر غور کر رہا تھا کہ اُسے احساس ہوا کہ اُس کے ایمان دار ساتھی ”اُس یوحنا کی ماں مریم کے گھر“ میں ”جو مرسس کھلاتا ہے“ اُس کے لئے ”دعا کر رہے“ ہوں گے۔ یہ رات بھر کی دُعائیہ میٹنگ تھی۔ اس لئے کہ پطرس کے قید خانے سے نکلنے کا واقعہ رات کے آخری پہر میں پیش آیا ہوگا۔

۱۲: ۱۳-۱۵۔ ”پطرس نے پھاٹک ...“ کھٹکھٹایا اور کھٹنے کا انتظار کرنے لگا۔ ”رُدی (یونانی۔ گلاب) نام ایک کوندی آواز سننے آئی۔“ لیکن ”پطرس“ کی آواز اُس کر اور پہچان کر اتنی خوش ہوئی کہ دروازہ کھولنا بھول گئی! بلکہ خوشی کی خبر دینے ”دور کر“ اندر گئی۔ جو لوگ ساری رات دُعا مانگتے رہے تھے انہوں نے بھی سمجھا کہ لڑکی کا دماغ چل گیا ہے۔ لیکن وہ یقین سے کہتی رہی کہ یونہی ہے ”یعنی پطرس رسول دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ”اُس کا (نگہبان) فرشتہ ہوگا“۔

اکثر اُن ایمان داروں پر نافرمانی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ دُعا تو مانگ رہے تھے لیکن ایمان کے بغیر۔ اور جب اُن کی دُعاؤں کا جواب بلا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ لیکن دوسروں کی تنقید کرنے کی بجائے ہمیں زبردست تسلی ہونی چاہئے کہ خدا ایسی کمزور ایمان کی دُعاؤں کا بھی جواب دیتا ہے۔ ہم بھی اکثر کم اعتقادی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۱۲: ۱۶-۱۷۔ اس دوران ”پطرس“ دروازہ ”کھٹکھٹاتا رہا“۔ بالآخر جب ”انہوں نے (پھاٹک کی) کھڑکی کھولی“ اور اُس نے اندر قدم رکھا تو اُن کے تمام شکوک رفع ہو گئے اور اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اُس نے اُن کو چُپ کرایا اور اپنی مُجرانہ رہائی کا مختصر حال سُنا لیا۔ اُن سے کہا کہ ”یعقوب اور بھائیوں کو اس بات کی خبر کر دینا“۔ یہ ”یعقوب“ غالباً ”حلفی“ کا بیٹا تھا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہو کر دوسری

جگہ چلا گیا۔ یہ جانتا ممکن نہیں کہ اس موقع پر وہ کہاں گیا۔

۱۲: ۱۸، ۱۹۔ جب صبح ہوئی اور سپاہیوں نے دیکھا کہ پطرس غائب ہے تو ان بد نصیبوں کی جان پر بن آئی۔ ہیرودیس کے لئے بھی یہ زخم آور تجربہ تھا کہ اُس کی ساری چالیں ناکام ہو گئی تھیں۔ پہرے والوں نے جو کچھ بتایا اُس میں سے ایک بات بھی قابل یقین نہ تھی بلکہ اُن کے عُذر ہائے لنگ نے بادشاہ کے عُصّے کے لئے جلتی پرنیل کا کام کیا۔ چنانچہ اُس نے اُن کے قتل کا حکم دیا۔ اور اپنے زخم سہلانے کے لئے یہودیہ کو چھوڑ کر قیصریہ میں جا رہا۔

۱۲: ۲۰۔ کسی نامعلوم وجہ پر ہیرودیس صُور اور صیدا کے لوگوں سے نہایت ناخوش تھا۔ یہ دونوں شہر یجیہ روم کے ساحل پر تجارتی بندرگاہیں تھیں۔ ان شہروں کے باشندوں نے ہیرودیس کے قیصریہ میں قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوشش کی کہ اُس کے ساتھ صلح ہو جائے کیونکہ اُن کو یہودیہ سے گیہوں درآمد کرنے پر انحصار کرنا پڑتا تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے بادشاہ (ہیرودیس) کے حاجب (ذاتی خادم) بلسٹس کو اپنے ساتھ بلا یا اور اُس کی معرفت سفارتی تعلقات بحال کرنے کی درخواست کی۔

۱۲: ۲۱، ۲۳۔ ہیرودیس ایک مُقررہ دن پوری شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز ہوا اور لوگوں سے سلام کرنے لگا۔ لوگ دیوانہ وار نعرے لگانے لگے کہ ”یہ تو خدا کی آواز ہے، نہ انسان کی؛ اُس نے اس الٰہی تعظیم کو قبول کرنے سے قطعاً انکار نہ کیا اور خدا کی تعجید (بھی) نہ کی۔“ اس لئے اسی دم خدا کے زُشتہ نے اُسے مارا یعنی کسی خوفناک بیماری میں مبتلا کر دیا اور وہ کبڑے پڑ کر مر گیا۔ یہ ۳۴ء کا واقعہ ہے۔

اس طرح وہ شخص جس نے یہودیوں کو خوش کرنے کے لئے یعقوب کو قتل کرایا تھا اُس ہستی کے ہاتھوں مارا گیا جو روح اور بدن دونوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔ ہیرودیس نے جو بویا سوکاتا۔

## ۵۔ پولس کا پہلا بشراتی دورہ — گلتیہ (۱۲: ۲۴-۲۸: ۱۳)

۱۲: ۲۴۔ اسی اثنا میں انجیل کی خوشخبری پھیلتی چلی گئی۔ خدا انسان کے غضب کو اپنی رستائش کا باعث بناتا اور غضب کے بقدر سے کمر بستہ ہوتا ہے (زبور ۶۶: ۱۰)۔ خداوند اُسٹوں کے منصوبوں کو ناچیز بنا دیتا ہے۔ خداوند کی مصلحت ابد تک قائم رہے گی (زبور ۳۳: ۱۰-۱۱)۔

۱۲: ۲۵۔ ”برنباس اور ساؤل“ انطاکیہ سے امداد لے کر ”یرشلیم“ آئے تھے۔ وہ اپنی خدمت پوری

کر کے ”انطاکیہ کو لوٹے۔ اور یوحنا کو جو مرقس کہلاتا تھا ساتھ لیتے گئے۔ یہ شخص برناباس کے رشتے کا بھائی تھا۔ اسی مرقس نے بعد میں دوسری انجیل لکھی۔

یہ جانتا لیکن نہیں کہ یعقوب کے قتل، پطرس کی قید یا ہیروڈیس کی موت کے وقت ”برناباس اور ساؤل“ یروشلم میں تھے یا نہیں۔

بہت سے مبشرین کا کہنا ہے کہ باب ۱۱ اعمال کی کتاب میں ایک زبردست موڑ ہے بلکہ بعض ایک تو اس کو اعمال کی کتاب کی جلد دوم کا آغاز قرار دیتے ہیں۔ اب پطرس رسول نے حسباً طور پر نمایاں درجہ حاصل کر لیا تھا۔ اور شام میں انطاکیہ وہ مرکز بن گیا تھا جہاں سے انجیل کی شفاعتیں غیر توہموں تک پھیلنے لگیں۔

۱۰:۱۳۔ جیسا کہ ہم نے باب ۱۱ میں دیکھا تھا ”انطاکیہ“ میں ایک ”کلیسیا“ قائم تھی۔ وہاں ایک شخص کو خادم دین یا پاسٹر مقرر کرنے کی بجائے، اس جماعت میں نعمتوں کی کثرت تھی۔ بیان ہوا ہے کہ وہاں کم سے کم پانچ ”نبی اور معلم“ تھے۔ پہلے بھی بیان ہوا ہے کہ نبی وہ شخص ہونا تھا جس کو روح القدس نے یہ نعمت دی ہوتی تھی کہ وہ خدا سے مکاشفہ حاصل کرنا اور اس کی تعلیم دوسروں کو دیتا تھا۔ ”نبی“ خدا کے نمائندہ ہو کر کلام کرتے تھے۔ اور کئی دفعہ آنے والے واقعات پہلے ہی بتا دیتے تھے ”معلم“ وہ شخص ہوتا تھا جس کو روح القدس نے خدا کے کلام کی وضاحت اور تشریح کرنے کی نعمت دی ہوتی تھی۔ وہ سادہ اور قابل فہم طریقے سے کلام دوسروں کو سمجھا سکتے تھے۔

کلیسیا کے ”نبیوں اور معلموں“ کے نام ذیل میں دئے جاتے ہیں:

۱۔ ”برناباس“۔ ہمارا اس سے پہلے بھی تعارف ہو چکا ہے۔ وہ مسیح کا زبردست خادم اور پطرس کا وفادار ہم خدمت تھا۔ یہاں اُس کا نام پہلے غالباً اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ ایمان لانے یا مسیح کی خدمت کرنے میں سب سے پُرانا تھا۔

۲۔ ”شمعون جو کالا کہلاتا ہے“۔ اس کے نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیپا اٹش کے اعتبار سے یہودی تھا۔ غالباً وہ افریقہ کی یہودی جماعت سے تعلق رکھتا تھا یا اُس نے نام ”کالا“ اس لئے اپنایا تھا کہ غیر توہموں کے ساتھ کام کرنے میں سہولت دیتی تھی۔

اور ہو سکتا ہے کہ اُس کی رنگت بھی کالی ہو۔ اُس کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں۔

۳۔ ”لوکیس کرینی“۔ غالباً یہ کرینے کے اُن آدمیوں میں سے تھا جو پہلے ”انطاکیہ“ میں آکر

خداوند یسوع کی منادی کرتے تھے (۲۰: ۱۱)۔

۴۔ ”مناہیم“۔ اس کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ ”چوتھائی ٹنک کے حاکم ہیرودیس کے ساتھ ملا تھا“۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ایک ایسا شخص جو ہیرودیس ”انپاس جیسے شریر آدمی کے ساتھ پرورش پاتا رہا وہ مسیحیت کے ابتدائی نو مہریدوں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہے۔ ”چوتھائی ٹنک کے حاکم“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کی مملکت کے ایک چوتھائی حصے پر حکومت کرتا تھا۔

۵۔ ”ساؤل“۔ اگرچہ فہرست میں اس کا نام آخر میں ہے، مگر یہی ساؤل مجسم سچائی بن گیا۔ ”آخر اؤل ہو جائیں گے“۔

ان پانچ آدمیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا متحدہ اور یکدل تھی اور ان کے درمیان رنگ و نسل کے امتیازات کا نام و نشان نہ تھا۔ ایک نیا معیار قائم ہو گیا تھا۔ یہ نہیں کہ تم کون ہو، بلکہ یہ کہ تم کس کے ہو؟

۲:۱۳۔ یہ نبی اور معلم کچھ وقت دعا اور روزہ میں گزارنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ غالباً وہ ساری کلیسیا کے ساتھ مل کر ایسا کر رہے تھے۔ سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ ”خداوند کی عبادت کر رہے تھے“ کا مطلب دعا اور شفاعت کرنا ہے۔ روزہ رکھنے میں وہ بدن کی جائز ضرورت سے احتراز کرتے تھے تاکہ زیادہ توجہ کے ساتھ روحانی باتوں میں مصروف رہ سکیں۔

وہ دعا مانگنے کو کیوں اکٹھے ہوئے تھے؟ کیا یہ فرض کرنا نامناسب ہوگا کہ انہوں نے یہ میٹنگ اس لئے بلوائی کہ منادی اور تبلیغ کے کام کے سلسلے میں ان کے دلوں پر بڑا بوجھ تھا؟ مندرجات سے تو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ رات بھر کی دعائیہ میٹنگ تھی، لیکن محسوس یہی ہوتا ہے کہ یہ آج کل کی ”دعائیہ میٹنگ“ سے زیادہ سنجیدہ اور طویل قسم کی میٹنگ تھی۔

جب وہ دعا مانگ رہے تھے تو ”روح القدس“ نے واضح اور حتمی ہدایت کی کہ ”برنباس اور ساؤل کو اس کام کے واسطے مخصوص کر دو جس کے واسطے میں نے ان کو بلایا ہے۔“ ضمناً یہ واقعہ اس حقیقت کا حتمی ثبوت بھی ہے کہ ”روح القدس“ ایک شخصیت ہے۔ اگر وہ صرف ایک ”تاثیر“ ہوتا تو یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اس قسم کی زبان استعمال کرتا۔ ”روح القدس“ نے یہ پیغام کس طرح نبیوں اور معلموں کو پہنچایا؟ اگرچہ کوئی صاف جواب نہیں دیا گیا لیکن عین ممکن ہے کہ نبیوں یعنی شمعون، ٹوکیس یا مناہیم میں سے کسی ایک کی معرفت بولا ہو۔

یہاں ”برنباس“ کا نام پہلے اور ”ساؤل“ کا بعد میں آیا ہے۔ لیکن جب وہ انطاکیہ واپس

آئے تو ترتیب اس کے اُلٹ تھی۔

”رُوحِ الْقُدُس“ کے کردار کی اہمیت کو واضح کرنے کے سلسلے میں یہ آیت زبردست عملی اہمیت رکھتی ہے کہ وہ ابتدائی کلیسیا کی ہدایت اور راہنمائی کرتا تھا اور کہ شاگرد اُس کی راہنمائی کے سلسلے میں کیسے حساس تھے۔

۳:۱۳۔ رُوحِ الْقُدُس کے اس طرح اپنا ارادہ ظاہر کرنے کے بعد بھی اُن لوگوں نے روزہ اور دُعا جازی رکھی۔ پھر اُن تینوں (شمعون، کوکبیس اور متاہیم) نے برنباَس اور ساؤل پر ”ہاتھ رکھے“۔ یہ ”مخصوصیت“ یعنی آرڈینیشن (Ordination) کا باضابطہ اور منظور شدہ عمل نہیں تھا جیسا کہ آج کی مسیحی دُنیا میں کیا جاتا ہے کہ کلیسیا کا کوئی بڑا عہدیدار کسی ماتحت یا نائب کو کلیسیائی عہدہ عطا کرتا ہے۔ یہ تو صرف اُن کی باہمی رفاقت کا اظہار تھا کہ رُوحِ الْقُدُس نے ان دونوں کو بھی اُسی قسم کے کام کے لئے بُلایا تھا جو یہ نبی اور مُعلم کر رہے تھے۔ نئے عہد نامہ میں یہ تصور موجود نہیں کہ مخصوصیت کی خاص رسم ادا کی جائے اور کسی شخص کو کلیسیائی فرائض اور سیکرمانٹ“ ادا کرنے کا ایسا اختیار عطا کیا جائے کہ اُس کے سوا کوئی دُور اُن کو ادا کر ہی نہیں سکتا۔ بارن ہاؤس اس نکتے پر یوں تبصرہ کرتا ہے :

”ہمارے دَورِ جدید کے طریقہ کار میں ایک زبردست غلطی یہ ہے کہ ہم توقع کرتے ہیں کہ قیادت کے لئے لازمی خصائص صرف ایک آدمی میں ہوں۔ اس طرح ممکن ہے کہ کسی کلیسیا میں سینکڑوں ممبران ہوں مگر پاسبان صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اور توقع کی جاتی ہے کہ وہ منادی بھی کرے، تسلی و تشفی بھی دے، وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے متن (رومیوں ۱۲: ۶-۸) میں اٹھ نعمتوں کا ذکر ہے۔ اور دراصل ان میں سے سات کو مخصوص شدہ پاسٹر کے کام سمجھا جاتا ہے جبکہ آٹھویں نعمت جماعت کا کام ہے۔ اور یہ جو جماعت کے لئے نعمت پہنچی ہے وہ کونسی ہے؟ وہ ہے بل ادا کرنا۔ یہاں کوئی گڑبڑ ہے۔

شاید کوئی پوچھے کہ کیا میں یہ رائے دے رہا ہوں کہ عام مسیحیوں کو وعظ کرنا چاہئے؟ بے شک۔ اگر کسی عام رکن کلیسیا کو صحائف پر گرفت حاصل ہے تو اُس کو اس نعمت کو بروئے کار لاکر ہر موقع پر منادی کرنی چاہئے۔ عام اراکین کی تحریک کی ترقی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اور یہ صحیح سمت میں ایک قدم ہے یعنی ہم نئے عہد نامہ کے طریقے پر کام کرنے کی طرف واپس جا رہے ہیں۔“

یاد رکھنا چاہئے کہ اس موقع سے پہلے بھی برنباَس اور ساؤل اٹھ برس سے خُداوند کے کام میں مشغول تھے۔ وہ مسیح کی خدمت کرنے میں نو آموز نہیں تھے۔ اُن کو پہلے ہی ”زخمی ہاتھوں کی مخصوصیت“

کا تجربہ تھا۔ اب انطاکیہ میں ان کے بھجڑت بھائی صرف ان کے ساتھ ایک ہونے کا اظہار کر رہے تھے کہ ان کو بھی یہ خاص فرض سونپا گیا تھا کہ انجیل کو غیر قوموں تک پہنچائیں۔

”انہیں رخصت کیا۔“ ان الفاظ کا اصل مطلب ہے ”ان کو جانے دیا۔“ یا ان کو کام کے لئے آزاد کر دیا۔“

۱۳:۴۔ اس آیت سے پولس کا پہلا تبلیغی دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس دورے کا بیان ۱۳:۲۶

تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا تعلق زیادہ تر ایشیائے کوچک میں تبلیغی کام سے ہے۔ دوسرا تبلیغی دورہ خوشخبری کو یونان لے گیا۔ تیسرے دورے کے دوران پولس ایشیائے کوچک اور یونان کی کلیسیاؤں کے پاس دوبارہ گیا، لیکن اس کا زیادہ تعلق آسیر کے صوبہ اور افسس کے شہر سے تھا۔ پولس کی بشارتی خدمت کا عرصہ پندرہ برسوں پر محیط ہے۔

(پولس کے دوروں کا بیان کرتے ہوئے وہ جن جن مقامات پر گیا، جب کسی کا ذکر پہلی دفعہ آئے گا تو ہم اُسے جلی حروف میں لکھیں گے)۔

شام کے شہر انطاکیہ سے مسیح کے یہ دونوں بے باک اور جواں مرد خادم سلواکیہ کو گئے۔ یہ انطاکیہ سے کوئی سولہ میل دور ایک متمدنی بندرگاہ تھی۔ یہاں سے وہ ”جماز پر کپرس“ کے جزیرہ کو چلے گئے۔

۵۱۱۳۔ کپرس کے مشرقی ساحل پر ”سکیمیس“ کے مقام پر اترنے کے بعد وہ ”یہودیوں کے عبادت خانوں میں خدا کا کاہن سنانے لگے۔“ عبادت خانوں کا رواج تھا کہ کسی بھی یہودی آدمی کو نائب مقدس (پڑا) عہد نامہ سے پڑھنے یا

اس کی تشریح کرنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ اس وقت ”یوحنا مرقس ان کا خادم“ تھا۔ پہلے یہودی عبادت خانوں میں جا کر برنیاس اور ساؤل خدا کا یہ فرمان پورا کر رہے تھے کہ خوشخبری پہلے یہودی اور پھر غیر قوم کے لئے ہے۔

۱۳:۶۔ سکیمیس سے شروع کر کے کلام سنانے سنانے وہ جزیرے کے مغربی کنارے پر ”پافس“ کے مقام پر پہنچے۔ سکیمیس اُس جزیرے کا سب سے بڑا شہر اور پافس دارالحکومت تھا۔

۱۳:۸، ۷۔ یہاں ان کی ملاقات ”ایک یہودی جاوگرو اور جھوٹے نبی“ سے ہوئی جس کا نام ”بریسوع“ (یسوع کا یلیشوع کا بیٹا) تھا۔ کسی نہ کسی طرح اس ”جاوگرو“ نے جزیرے کے (منظافی افسر یا رومی صوبہ دار“

سرگیس پولس سے لپٹے تعلقات استوار کر لئے تھے۔ اس افسر کو ”صاحب تمیز“ یعنی عاقل اور دانا بتایا گیا ہے۔ اس صوبہ دار نے ”برنیاس اور ساؤل“ کو اپنے پاس بلایا کیونکہ وہ خدا کا کلام سنانا چاہتا تھا۔ مگر جاوگرو نے مداخلت

کر کے روکنے کی کوشش کی۔

لے لوفا اُس زمانے کی رومی سلطنت کے عہدوں یا منصوبوں کے نام ٹھیک ٹھیک بتاتا ہے۔

آیت ۸ میں اُس کا نام الیماس یعنی "جادوگر" یا "عقلمند" دیا گیا ہے۔

۱۰:۹:۱۳۔ "ساؤل" کو احساس ہو گیا کہ سرگیس پُلَس حق کا مُنلاشی ہے، اور جادوگر حق کا دشمن۔

اس لئے اُس نے جادوگر کو کھٹے عام اور نہایت سخت الفاظ میں ملامت کی۔ مبادا کسی کو شک ہو کہ "ساؤل" جسم کی قوت سے بول رہا تھا، واضح کر دیا گیا ہے کہ اُس نے رُوح القدس سے بھر کر یہ بات کہی۔ اُس نے جادوگر پر غور سے نظر کی اور اُسے جنادیا کہ "تو... تمام مکاری اور شرارت سے بھرا ہوا ہے۔ ساؤل نے

اُس کے نام "بریور" سے بھی دھوکا نہیں کھایا۔ اُس نے الیماس کے چہرے کا نقاب نوچ پھینکا اور بتا دیا کہ یہ "ایلیس کا فرزند" اور "ہر طرح کی نیکی کا دشمن ہے" اور خُداوند کی سیدھی راہوں کو بگاڑنے سے باز "نہیں" آتا۔

۱۱:۱۳۔ پھر اُس اختیار سے بولتے ہوئے جو اُس کو رسول ہونے کے باعث حاصل تھا ساؤل نے اعلان

کیا کہ الیماس اندھا ہو کر "کچھ مدت تک" سورج کو نہ دیکھے گا۔ چونکہ وہ دوسروں کو (مثلاً صوبہ دار کو) روحانی تاریکی میں رکھنے کی کوشش کرتا تھا اس لئے وہ جسمانی اندھ پن کی سزا پائے گا۔ "اُسی دم گہر اور اندھیرا اُس پر چھا گیا" اور وہ ادھر ادھر ٹامک ٹوٹیاں مارنے لگا اور ڈھونڈتا پھرا کہ کوئی اُس کا ہاتھ پکڑ کر لے چلے۔

الیماس اسرائیلی قوم کی تصویر پیش کرتا ہے۔ نہ صرف وہ خُداوند یسوع کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے نتیجے میں خُدا نے مناسب اور جائز طور پر اسرائیل کو اندھا کر دیا ہے۔ لیکن فقط "کچھ مدت تک"۔ بالآخر قوم کا ایک تائب بقیہ یسوع کی طرف رجوع کر کے اُس کو مسیح موعود ماننے کا در ایمان لائے گا۔

۱۲:۱۳۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ دار "خُدا کی طرف سے اس معجزانہ ضرب سے متاثر ہوا۔ لیکن وہ "خُداوند

کی تعلیم سے زیادہ متاثر ہوا جو اُس کو برنباس اور ساؤل کی معرفت دیا گئی۔ وہ سچے دل سے خُداوند یسوع پر ایمان لے آیا۔ یہ پہلے بشرتی دورے میں فضل کا پہلا پھل تھا۔

غور کریں کہ اس بیان (آیت ۹) میں کون ساؤل کا غیر یہودی نام "پُلَس" استعمال کرنا شروع کرتا ہے۔ اس نام "پُلَس" کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ انجیل غیر اقوام کو روز افزوں زیادہ سے زیادہ پہنچنے لگی ہے۔

۱۳:۱۳۔ یہ حقیقت کہ اب "پُلَس" نے نمایاں جگہ حاصل کر لی ہے، اس کا اظہار ان الفاظ سے کیا

گیا ہے کہ "پُلَس اور اُس کے ساتھی"۔ "پانس" سے وہ جہاز میں سوار ہو کر شمال مغرب میں "پمفلویر کے پورگہ" میں آئے۔ "پمفلویر" ایشیا کے کوچک کے جنوبی ساحل پر ایک رومی صوبہ تھا۔ "پورگہ" اُس کا دار الحکومت تھا اور سات میل اندرون ملک دریائے سیستروس (Cestrus) پر واقع تھا۔



جب وہ پرگہ میں پہنچے تو یوحنا مرس اُن سے الگ ہو کر ”یروشلم کو واپس چلا گیا۔“ شاید اُسے یہ خیال پسند نہیں آیا کہ انجیل کو غیر قوموں تک لے جایا جائے۔ پُلّس نے یوحنا مرس کے اس انحراف کو ایسی شدت سے محسوس کیا کہ اپنے دوسرے دوسرے میں اُس کو ساتھ لے جانے سے انکار کیا۔ اس وجہ سے ”پُلّس“ اور برنباَس میں ایسی تکرار ہوئی کہ جہاں تک مستقبل میں مسیحی خدمت کا تعلق ہے دونوں کی راہیں الگ الگ ہو گئیں (دیکھئے ۱۵: ۳۶-۳۹)۔ آخر وقت آیا کہ مرس نے ”پُلّس“ کا اعتماد دوبارہ حاصل کر لیا (۲- تیتھیوس ۴: ۱۱)۔

”پرگہ“ میں قیام اور کام کے بارے میں مزید تفصیل نہیں دی گئیں۔

۱۳: ۱۴-۱۵۔ اُن کی اگلی منزل ”پسسدیہ کا انطاکیہ“ تھی۔ یہ مقام ”پرگہ“ سے تقریباً سٹو میل شمال میں تھا۔ صلیب کے ان دونوں نقیبوں نے ایک دفعہ پھر ”سبت کے دن عبادت خانہ“ کا رخ کیا۔ نبیوں کی کتاب کے پڑھنے کے بعد ”عبادت خانہ کے سرداروں نے“ دیکھا کہ یہ یہودی ہیں تو اُن کو برنے کی دعوت دی کہ ”اے بھائیو! اگر لوگوں کی نصیحت کے واسطے تمہارے دل میں کوئی بات ہو تو بیان کرو“۔ عبادت خانوں میں انجیل کا بیان کرنے کی یہ آزادی زیادہ عرصہ جاری نہیں رہی تھی۔

۱۳: ۱۶۔ ”پُلّس“ انجیل کی منادی کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ”کھڑے ہو کر“ عبادت خانے میں موجود لوگوں سے کلام کیا۔ اُس کا عام طریقہ کار یہ تھا کہ پہلے یہودی تاریخ کو بنیاد بناتا تھا۔ پھر اپنے سامعین کو اُن واقعات تک لاتا تھا جن کا تعلق مسیح کی زندگی اور خدمت سے ہے۔ پھر خاص زور دے کر مسیح کی قیامت کا بیان کرتا تھا۔ اور اعلان کرتا تھا کہ اُس مسیحی کے وسیلے سے گناہوں کی معافی ہے۔ آخر میں اُس کو رد کرنے کے سببگین نتائج سے آگاہ کرتا تھا۔

۱۳: ۱۷۔ پیغام کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ خُدا نے ”اسرائیل“ کو چُن لیا کہ زمین پر اُس کی اُمت ہو۔ پھر جلد ہی بیان ہوتا ہے کہ ”یہ اُمت ملکِ مصر میں پردیسیوں کی طرح رہتی تھی“۔ مگر خُدا نے اپنا فضل اُس پر بڑھایا اور اپنے ”زبردست ہاتھ“ سے اُسے فرعون کے جبر و استبداد سے چھڑا لیا۔

۱۳: ۱۸۔ خُدا ”چالیس برس تک بیابان میں اُن کی عادتوں کی برداشت کرتا رہا“۔ جس لفظ کا ترجمہ ”برداشت کرتا رہا“ کیا گیا ہے، متن اور سیاق و سباق کے لحاظ سے یہ ترجمہ دُرست ہے مگر یہ لفظ اُس لفظ سے مشتق ہے جو زیادہ مثبت مفہوم رکھتا ہے۔ یعنی کسی کی ضروریات پوری کرنا۔ بنی اسرائیل کے بڑبڑاتے رہنے کے باوجود خُداوند یقیناً اُن کی ضروریات پوری کرتا رہا۔

۱۳: ۱۹-۲۲۔ ”تختین سارطھ چار سو برس“۔ یہاں پُلّس جس عرصے کا ذکر کرتا ہے وہ ماضی میں

بزرگان قوم کے زمانے تک پہنچتا ہے اور اس میں قاضیوں کا دور بھی شامل ہے۔

ملک کنعان میں داخل ہو جانے کے بعد خُدا نے اُن میں قاضی مقرر کئے۔ یہاں تک کہ سوئیل بنی کا زمانہ آگیا۔ اُس وقت بنی اسرائیل نے دوسری قوموں کی طرح بادشاہ کے لئے درخواست کی۔ خُدا نے بنیامین کے قبیلہ میں سے ایک شخص ساؤل قیس کے بیٹے کو چالیس برس کے لئے اُن پر (بادشاہ) مقرر کیا۔ اپنی نافرمانی کی وجہ سے ساؤل کو تخت سے معزول کر دیا گیا اور اُس کی جگہ داؤد کو اُن کا بادشاہ بنایا گیا۔ خُدا نے داؤد کی بے حد تعریف کی ہے کہ داؤد میرے دل کے موافق ہے۔ ذہبی میری تمام مرضی کو پورا کرے گا۔

۲۳:۱۳۔ داؤد کے موضوع سے پوئس بڑی آسانی اور تیزی سے یسوع کے موضوع پر آجاتا ہے اور بتاتا ہے کہ یسوع داؤد کی اُسل سے تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ پوئس کی منادی میں ساری شاہراہیں مسجھ لے جاتی ہیں۔ غالباً ہم اُس ہمت اور جرأت کی پوری داد نہیں دے سکتے جو اسرائیل کے سامنے یہ بات کہنے کے لئے درکار تھی کہ خُدا نے اپنے وعدہ کے موافق... ایک مُجٹی یعنی یسوع کو بھیج دیا۔ اسرائیلی کبھی بھی یسوع کو اس روشنی میں نہیں دیکھتے تھے!

۲۷:۱۳۔ اس مختصر سے تعارف کے بعد پوئس یوحنا پینتھم دینے والے کی خدمت کا بیان کرتا ہے۔ مسیح کے آنے سے پہلے یعنی اُس کی عام اور علانیہ خدمت کے آغاز سے پہلے یوحنا نے اسرائیل کی تمام اُمت کے سامنے توبہ کے پینتھم کی منادی کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے مسیح موعود کے آنے کا اعلان کیا اور لوگوں سے کہا کہ اُس کے آنے کی تیاری کے لئے توبہ کرو اور اُس توبہ کے اظہار کے لئے دریائے یردن میں پینتھم لو۔

۲۵:۱۳۔ یوحنا نے لمحہ بھر کو بھی یہ تاثر نہیں دیا تھا کہ وہ مسیح موعود ہے۔ اپنی خدمت کے اختتام تک یوحنا تاکید سے کہتا رہا کہ میں وہ نہیں جس کے متعلق نبی کہتے آئے ہیں بلکہ اُس کے پاؤں کی توتیوں کا نمسہ میں کھولنے کے لائق نہیں۔ وہ تو صرف اُس کے آنے کی خبر دے رہا تھا۔

۲۶:۱۳۔ اب پوئس نے اپنے سامعین کو اے بھائیو! ابراہام کے زردند کہہ کر مخاطب کیا۔ اس طرح اُن کو یاد دلایا کہ نجات کا کلام پہلے اسرائیلی قوم کے پاس بھیجا گیا۔ یسوع اسرائیل کے گھرنے کی کھوئی ہوئی بھیرٹوں کے پاس آیا تھا اور شکر دوں کو بھی ہدایت کی گئی تھی کہ پہلے ان ہی کو پیغام سنایا جائے۔

۲۸:۲۷:۱۳۔ لیکن یروشلیم کے رہتے والوں اور اُن کے سرداروں نے اُسے نہ پہچانا کہ یہی یسوع وہ مسیح موعود ہے جس کا قوم مدتوں سے انتظار کر رہی تھی۔ اُن کو احساس نہ ہوا کہ یہی

یسوع ہے جس کے بارے میں "نبیوں" نے لکھا تھا۔ وہ "ہر سبت" کو پاک صحائف میں سے مسیح موعود کے بارے میں پیشین گوئیاں سننے تو ضرور تھے لیکن ان کو ناقصت کے ساتھ منسک نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس وہ خود ان نبوتوں کو پورا کرنے کا وسیلہ بنے۔ اس لئے کہ "اگرچہ اُس (یسوع) کے قتل کی کوئی وجہ نہ ملی تو بھی" اُس پر فتویٰ دے کر "انہوں (اسرائیلیوں) نے پیلاطس سے اُس کے قتل کی درخواست کی اور اُس کے ہاتھوں یسوع کو صلیب دلا دی۔

۱۳: ۲۹۔ اس آیت میں یہودیوں نے یسوع کے ساتھ شروع سے جو سلوک روا رکھا اُس کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ان کی طرف سے آخری اقدام کا ذکر کیا گیا ہے کہ اڑتیس کے یوسف اور نیکدیمس نے بڑی محنت سے خداوند یسوع کی لاش کو کھنڈیا دینا یا۔

۱۳: ۳۰، ۳۱۔ یہ حقیقت خوب تصدیق شدہ تھی کہ خدانے اُسے (یسوع کو) مردوں میں سے جلایا۔ جو لوگ "گلیل سے" یسوع کے ہمراہ "یروشلیم میں آئے تھے"، وہ تاحال زندہ تھے اور ان کی گواہی کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔

۱۳: ۳۲، ۳۳۔ اس کے بعد رسول نے بنایا کہ مسیح موعود کے بارے میں پورانے عہد نامہ میں "جو وعدہ ... باپ دادا سے کیا گیا تھا" وہ یسوع میں "پورا ہو چکا ہے۔ پہلے تو یہ وعدہ بیت لحم میں اُس کی پیدائش میں پورا ہوا۔ پورس مسیح کی پیدائش کو زبور ۲: ۷ کی تکمیل سمجھنا ہے جہاں خدا کہتا ہے کہ "تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا"۔ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسیح اُس وقت خدا کا بیٹا ہوا جب وہ بیت لحم میں پیدا ہوا تھا۔ وہ ازل سے خدا کا بیٹا ہے۔ لیکن وہ اپنے تجسم میں دنیا پر خدا کا بیٹا ظاہر ہوا۔ زبور ۲: ۷ کو مسیح کی ازلی اینیت کے انکار کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

۱۳: ۳۴۔ اس آیت میں خداوند یسوع کی قیامت کو منظر عام پر لایا گیا ہے۔ خدانے اُس کو اس طرح مردوں میں سے جلایا۔۔۔ کہ پھر کبھی نہ مرے۔ اس کے ساتھ ہی پورس یسعیاہ ۵۵: ۳ سے اقتباس کرتا ہے کہ "میں داؤد کی پاک اور سچی نعمتیں تمہیں دوں گا"۔ عام قاری کو یہ اقتباس سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ یسعیاہ کی اس آیت اور مسیح کی قیامت میں کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ صحیحی کا جی اٹھنا "داؤد" کے ساتھ عہد کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے؟

خدانے "داؤد" کے ساتھ ایک ابدی تخت اور دائمی بادشاہی کا اور اس تخت پر ہمیشہ تک بیٹھنے کے لئے نسل کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن "داؤد" تو مر گیا اور اُس کا بدن خاک میں مل گیا۔ داؤد کے بعد بادشاہی کچھ عرصے تک چلتی رہی لیکن اب چار سو سال سے بھی زیادہ ہونے کو آئے کہ بنی اسرائیل کا کوئی بادشاہ

نہ تھا۔ ”داؤد“ کی نسل بھی یسوع ناصری کے زمانے تک چلی آ رہی تھی۔ یسوع (اپنے زمینی باپ) یوسف کے وسیلے سے ”داؤد“ کے تخت کا قانونی وارث تھا۔ یوسف اُس کا حقیقی نہیں بلکہ قانونی باپ تھا اور خداوند یسوع اپنی ماں مریم کے وسیلے سے ”داؤد“ کی نسل سے تھا۔

پولس اس حقیقت پر زور دے رہا ہے کہ ”پاک اور سچے نعمتوں“ کا وعدہ ”داؤد“ سے کیا گیا تھا۔ اب وہ وعدہ مسیح میں پورا ہو چکا ہے۔ وہ داؤد کی نسل سے ہے اور اُسے ابھی ”داؤد“ کے تخت پر بیٹھنا ہے۔ چونکہ وہ ”مردوں میں سے جمی اٹھا ہے“ اور ایک لائٹہا زندگی کی قدرت میں جینا ہے اس لئے ”داؤد“ کے ساتھ خدا کے وعدے کی ابدی خصوصیات مسیح میں یقینی ہو جاتی ہیں۔

۱۳: ۳۵۔ مندرجہ بالا بات آیت ۳۵ میں مزید تاکید ہو جاتی ہے۔ یہاں پولس زبور ۱۶: ۱۰ کا اقتباس کرتا ہے کہ ”تو اپنے مقدس کے مرنے کی نوبت پہنچنے نہ دے گا“۔ دوسرے لفظوں میں چونکہ خداوند یسوع مردوں میں سے جمی اٹھا ہے، اب موت کا اُس پر کوئی اختیار نہیں۔ وہ دوبارہ نہیں مرنے کا اور نہ اُس کے بدن کے مرنے کی نوبت آئے گی۔

۱۳: ۳۶۔ ۳۷۔ اگرچہ زبور ۱۶: ۱۰ کے الفاظ ”داؤد“ نے کہے تھے لیکن وہ اپنے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کیونکہ ”داؤد“ تو اپنے وقت میں خدا کی مرضی کا تابع دار رہ کر سو (مر) گیا اور دفن ہوا اور اُس کا بدن خاک میں مل گیا۔ لیکن خداوند یسوع تیسرے دن مردوں میں سے ”جمی اٹھا“۔ اور اُس کے بدن کی مرنے تک نوبت نہ پہنچی۔

۱۳: ۳۸۔ مسیح کا جمی اٹھنا اُس کے (نجات کے) کام پر مہر صداقت تھا۔ اسی کام کی بنیاد پر پولس یہ اعلان کر سکا کہ ”گناہوں کی معافی“ ایک نیا وعدہ حقیقت ہے۔ ان الفاظ پر غور کریں کہ ”اسی (مسیح) کے وسیلے سے تم کو گناہوں کی معافی کی شہادی جاتی ہے“۔

۱۳: ۳۹۔ لیکن بات صرف اتنی ہی نہ تھی۔ پولس اب ساری باتوں سے صاف اور کامل طور سے راست باز ٹھہرائے جانے کا اعلان بھی کر سکتا ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو ”موسیٰ کی شریعت“ کبھی پیش نہ کر سکتی تھی۔

راستباز ٹھہرنا خدا کا کام ہے۔ وہ اُن بے دین گنہگاروں کو راست باز قرار دیتا ہے جو اُس کے بیٹے کو خداوند اور مسیحی قبول کرتے اور مانتے ہیں۔ یہ ایک قانونی عمل ہے جو خدا کے ارادے میں وقوع پذیر ہوتا ہے اور جس سے گنہگار کو تمام الزامات سے بری قرار دیا جاتا ہے۔ خدا بجا طور پر تصور دار گنہگار کو بری کر سکتا ہے کیونکہ صلیب پر خداوند یسوع مسیح کے عوضی کام کے وسیلے سے گناہوں کا پورا کفارہ ادا ہو چکا ہے، یعنی اُن کی پوری سزا اٹھائی جا چکی ہے۔

سرسری نظر میں معلوم ہوتا ہے کہ ”موسیٰ کی شریعت“ چند باتوں میں راستباز ٹھہرا سکتی ہے۔ لیکن مسیح کے وسیلے سے انسان اور بہت سی باتوں میں بھی راستباز ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ تاہم یہاں یہ تعلیم ہرگز نہیں دی گئی۔ ”شریعت“ کبھی کسی کو راستباز نہیں ٹھہرا سکتی۔ صرف ملزم ٹھہراتی ہے۔ پوئس یہاں یہ کہہ رہا ہے کہ مسیح پر ایمان کے وسیلے سے انسان ہر اُس قصور اور الزام سے ”بری ہوتا ہے“ جو اُس پر لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بریت ”موسیٰ کی شریعت“ کے ماتحت کبھی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔

۱۳:۴۰، ۴۱۔ بہت سے لوگ خدائی اس بڑی پیش کش کو ٹھکرا دیتے ہیں کہ ابھی نجات پائیں۔ پیغام کے آخریں رسول ایسے تمام لوگوں کو سنجیدگی سے خبردار کرتا ہے۔ وہ حقیقاً: ۱۵ اور شاید یسعیاہ ۲۹: ۱۴ اور امثال ۲۴-۲۳ کے کچھ ٹکڑوں کا اقتباس کرتا ہے جہاں خدا اپنے کلام کی ”تحقیق کرنے والوں“ کو خبردار کرتا ہے کہ تم پر ایسا زبردست غضب نازل کروں گا کہ اگر تم نہیں پہلے سے بناؤں تو تم ”مسمیٰ اُس کا یقین نہ کرو گے۔“ پوئس کے زلمے میں اس بات کا اطلاق یہوشلیم کی بربادی پر ہو سکتا تھا جو سنہ ۷۰ء میں ہوئی۔ مگر اس میں خدا کا وہ ابدی غضب بھی شامل ہے جو اُس کے بیٹے کو رد کرنے والوں کے لئے ہے۔

۱۳:۴۲، ۴۳۔ جب عبادت خانے میں عبادت ختم ہو گئی تو ”بہت سے یہودی اور خدا پرست نوربید یہودی پوئس اور برنباس کے پیچھے ہوئے۔“ وہ رسولوں کی باتوں میں گہری دل چسپی لینے لگے تھے۔ خداوند کے دونوں خادموں نے اُن منکار شریحوں کی زبردست حوصلہ افزائی کی کہ ”خدا کے فضل پر قائم رہو۔“

۱۳:۴۴۔ ایک ہفتہ بعد پوئس اور برنباس اسی عبادت خانے میں دوبارہ آئے اور جہاں بات ختم کی تھی وہیں سے دوبارہ شروع کی۔ ”تقریباً سارا شہر خدا کا کلام سننے کو اکٹھا ہوا۔“ ان دو دین دار اور جہاں شہر مبلتوں کی خدمت نے بے شمار لوگوں پر گہرا اثر کیا۔

۱۳:۴۵۔ لیکن اس ”عجیب اور انوکھے“ پیغام کی مقبولیت سے ”یہودی... حسد سے بھر گئے۔“ انہوں نے پوئس کے پیغام کی گھم گھلا مخالفت کرنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ اُن کے خلاف نہایت ناشائستہ زبان استعمال کرنے لگے۔

۱۳:۴۶، ۴۷۔ ”پوئس اور برنباس“ خوف زدہ ہونے والے نہ تھے۔ انہوں نے دلیری سے بیان کیا کہ ہم کو یہ فرض سونپا گیا ہے کہ یہ پیغام سب سے پہلے یہودیوں کو سنائیں۔ البتہ اب جبکہ تم نے اس پیغام کو رد کر دیا ہے اور اپنے آپ کو مجرم اور ”ہمیشہ کی زندگی کے ناقابل“ ٹھہرا لیا ہے اس لئے اب ہم (رسول) یہی پیغام لے کر ”غیر قوموں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔“ اگر یہودی مذہب سے

جدا ہونے کے لئے کسی سند کی ضرورت تھی تو اس کے لئے یسعیاہ ۴۹: ۶ کے الفاظ کافی ہیں۔ دراصل اس آیت میں خدا مسیح موعود سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ ”میں نے تجھ کو غیر قوموں کے لئے نور مقرر کیا تاکہ تو زمین کی انتہا تک نجات کا باعث ہو“ لیکن خدا کا روح مسیح موعود کے خادموں کو اجازت دیتا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق اپنے اوپر کریں۔ اس لئے کہ وہ اُس کا وسیلہ ہیں کہ غیر قوموں کے لئے نور اور نجات لائیں۔

۱۳: ۴۸۔ ”غیر قوموں“ کے لئے نجات کے اعلان سے جہاں یہودی غضب ناک ہو گئے وہاں ”غیر قوم والے“ جو وہاں موجود تھے بے حد خوش ہوئے اور خدا کے کلام کی جو انہوں نے سنا تھا ”بڑائی کرنے لگے۔“ اور جتنے ہمیشہ کی زندگی کے لئے مقرر کئے گئے تھے ایمان لے آئے۔ یہ آیت خدا کے اختیارِ کُل کے مطابق اُس کے چنناؤ کا سادہ سا بیان ہے۔ بائبل مقدس حتمی طور پر سکھاتی ہے کہ بعضوں کو خدا نے ابتدائے آفرینش سے بیشتر بچن لیا کہ مسیح میں ہوں۔ اور ساتھ ہی یکساں زور کے ساتھ یہ بھی سکھاتی ہے کہ انسان اخلاقی لحاظ سے آزاد اور خود مختار ہے۔ اگر وہ مسیح کو خداوند اور نبی قبول کرے تو نجات پائے گا۔ خدا کا چنناؤ اور انسان کی ذمہ داری دونوں ہی پاک کلام کی سچائیاں ہیں، اور دونوں پر یکساں زور دینا ضروری ہے۔ ایک کو کم اور دوسری کو بڑھا کر بیان کرنا واجب نہیں۔ اگرچہ دونوں میں تضاد یا تناؤ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ تناؤ صرف انسانی ذہن میں ہوتا ہے، خدا کے ذہن میں ہرگز نہیں ہوتا۔

انسان اپنے چنناؤ یا مرضی سے مجرم ٹھہرتا یا ہلاک ہوتا ہے۔ اس میں خدا کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اگر تمام بنی نوع انسان کو وہی کچھ ملے جس کے وہ حق دار ہیں تو سب ہلاک ہوں گے۔ لیکن خدا اپنے فضل میں بعضوں کو بچا لیتا ہے۔ کیا اُس کو ایسا کرنے کا حق ہے؟ بے شک ہے۔ الٰہی چنناؤ کے اختیارِ کُل کا عقیدہ وہ تعلیم ہے جو خدا کو اُس کا صحیح مقام دیتی ہے کہ وہ کائنات کا حاکم ہے جو جیسا چاہے کر سکتا ہے۔ اور وہ کبھی ایسا کام کرنے کا چنناؤ نہیں کرتا جو ناراست یا بے رحمی کا کام ہو۔ اگر ہم اربابین کی بات یاد رکھیں تو اس موضوع پر ہماری بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ

”خدا اختیارِ کُل رکھتا ہے۔ لیکن اسے اُس انسان کو مجرم ٹھہرانے کے لئے کبھی استعمال نہیں کیا جاتا جو نجات پانے کے لائق ہو بلکہ اُن انسانوں کی نجات کے لئے سرگرم عمل ہے جو ہلاک ہونے کے لائق تھے۔“

۱۳: ۴۹، ۵۰۔ یہودیوں کی مخالفت کے باوجود اُس تمام علاقہ میں خدا کا کلام پھیل گیا۔ اس

سے مخالفین اور بھڑک اٹھے اور مزید رکاوٹیں ڈالنے لگے۔ ”یہودیوں نے (بعض) خدا پرست اور عزت دار عورتوں کو اُبھارا۔ یہ عورتیں یہودی مذہب کی نوٹرید تھیں اور یہودی جماعت میں ”عزت دار“ تھیں۔ یہودیوں نے ان کو بُشروں کے خلاف اُکسایا۔ علاوہ ازیں انہوں نے شہر کے رئیسوں کو بھی اپنے شریر مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اور اس طرح ظلم و ستم کا ایسا طوفان کھڑا کر دیا کہ ”پُلُوس اور برتاس“ کو زبردستی اپنی سرحدوں سے نکال دیا۔ ۱۱:۱۰-۱۳، ۵۲:۵۱-۵۲۔ خداوند کی ہدایت (توفا ۹:۵؛ ۱۱:۱۰) کے مطابق رسول اپنے پاؤں کی خاک اُن کے سامنے جھاڑ کر اِکْنِیم کو گئے۔ لیکن سیمیوں نے اس واقعہ کو پسپائی یا شکست سے تعبیر نہ کیا کیونکہ لکھا ہے کہ شتاگرد خوشی اور رُوح القدس سے معمور ہوتے رہے۔ ”اِکْنِیم کا شہر انطاکیہ سے جنوب مشرق میں ایثیائیوں کو چمک میں واقع تھا۔ آج کل اس کو ”قونیہ“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

۲:۱۱، ۱۲۔ دوسرے مقامات کی طرح جہاں یہودیوں کا عبادت خانہ تھا اِکْنِیم میں بھی پُلُوس اور برتاس کو منادی کرنے کی اجازت دی گئی۔ اُس زمانے میں یہودیوں میں یہ رسم تھی کہ باہر سے آنے والے کو بولنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ خدا کا رُوح کلام کے ساتھ اس قوت کے ساتھ موجود تھا کہ ”یہودیوں اور یونانیوں (نوتریڈوں) دونوں کی ایک بڑی جماعت (خداوند یسوع پر) ایمان لے آئی۔“ اس بات سے اُن ”یہودیوں“ کو جو ایمان نہیں لائے تھے سخت غصہ اور طیش آیا۔ چنانچہ انہوں نے ”غیر قوموں کے دلوں میں جوش پیدا کر کے اُن کو بھائیوں کی طرف سے بدگمان کر دیا۔“ اعمال کی کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان نہ لانے والے یہودی رسولوں کے لئے اکثر و بیشتر مُصِیبت اور ظلم و ستم کا باعث بنتے رہے۔ اگرچہ کئی دفعہ وہ خود رسولوں کو سزا نہیں دیتے تھے مگر دوسروں کو ضرور اُکساتے اور اُبھارتے رہتے تھے۔ وہ اپنے ناپاک ارادوں کو پورا کرنے کے لئے غیر قوموں کو استعمال کرنے میں اُستاد تھے۔

۳:۱۳۔ گوجانتے تھے کہ مُشکل اور مُصِیبت کے بادل اُٹھ رہے ہیں مگر یہ مُبَلتَغین ”خداوند کے بھروسے پر دلیری سے کلام کرتے“ رہے۔ خدا نے اُن کو نشان اور عجیب کام کرنے کی توفیق عطا کی اور یوں نصیحت کر دی کہ یہ کلام اور پیغام اُس کی طرف سے ہے۔ ”نشان اور عجیب کام“ معجزوں کے لئے دو مختلف الفاظ ہیں۔ لفظ ”نشان“ کا مطلب ہے کہ معجزہ کوئی سبق سکھاتا ہے جبکہ ”عجیب کام“ حیرت اور دہشت کا احساس پیدا کرتا ہے۔

۴:۱۲-۷۔ شہر میں ایک تناؤ پیدا ہو گیا۔ فطری طور پر کچھ لوگ ایک طرف اور کچھ دوسری طرف ہو گئے۔ ”بعض یہودیوں کی طرف ہو گئے اور بعض رسولوں کی طرف۔“ بالآخر ایمان نہ لانے والے غیر قوم والے اور یہودی ”مصمم ارادہ کر کے رسولوں“ (یہاں یہ لفظ مُبَشِّرُوں کا مترادف ہے) پر چڑھ آئے۔ سنگساری

سے پہننے کے لئے ”وہ لگا اُنہی کے شہروں لستہ اور وربے... کو بھاگ گئے۔“ لگا اُنہی وسطی ایشیا کو چپک کا ایک علاقہ تھا۔ لیکن اُن کے جو شش، سرگرمی اور اشتیاق میں کوئی کمی نہ آئی۔ وہ اس سارے علاقے میں ”خوشخبری سناتے رہے۔“

جب پُلُوس اور برنباس کو سنگساری کا خطرہ تھا تو وہ ”لگا اُنہی... کو بھاگ گئے۔“ لگتا ہے کہ دوسرے موقعوں پر وہ خطرے کے باوجود اُسی جگہ پر رہے۔ کیا وجہ ہے کہ بعض نازک موقعوں پر وہ بھاگ گئے اور دوسرے موقعوں پر ڈٹے رہے؟ کوئی واضح سبب تو نظر نہیں آتا۔ اعمال کی کتاب میں سب سے بڑا کنزرو دل کرنے والا اصول نوروح القدس کی ہدایت و رہنمائی ہے۔ یہ سرد خداوند کی گہری اور قریبی رفاقت اور رابطے میں زندگی گزارتے تھے۔ وہ اُس میں قائم تھے۔ اُن کو الہی ارادہ اور مرضی کی عجیب طور سے خبر ہو جاتی تھی۔ اُن کے نزدیک یہ بات سب سے اہم تھی۔ اُنہیں دینی رسم و رواج اور مرتب ضابطوں کی فکر نہیں ہوتی تھی۔

۹:۱۴-۱۴:۱۴ - ”لستہ میں“ اِن مبشرین کو ایک ایسا آدمی بلا جو ”جہنم کا لنگڑا“ تھا۔ وہ ”پُلُوس“ کی باتوں کو غیر معمولی دل چسپی سے سُن رہا تھا۔ کسی طرح ”پُلُوس“ کو احساس ہو گیا کہ اُس میں شفا پانے کے لائق ایمان ہے۔ اگرچہ ہم کو نہیں بتایا گیا کہ پُلُوس کو اس بات کا کیسے پتہ چلا، لیکن ہمارا ایمان ہے کہ سچے مبشر کو یہ توفیق عطا ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے درمیان کام کر رہا ہے، اُن کی رُوحوں کی حالت کا امتیاز کر سکے۔ وہ بتا سکتا ہے کہ وہ معمولی طور سے متبیسس ہیں یا گناہ کی تاملت کے باعث اُن کی رُوح کو واقعی دکھ ہے۔

۱۲:۱۰-۱۲:۱۲ - ”جوہی پُلُوس“ نے اُس آدمی کو حکم دیا کہ اپنے پاؤں کے بل سیدھا کھڑا ہو جا... وہ اُچھل کر چلنے پھرنے لگا۔ چونکہ یہ معجزہ سب کے سامنے ہوا تھا، اور چونکہ پُلُوس نے ”بڑی آواز“ سے بولنے کے باعث بہت توجہ حاصل کر لی تھی اس لئے ”لوگوں“ پر بے حد اثر ہوا، بلکہ بڑی تحریک چل پڑی کہ برنباس کو زیوس... اور پُلُوس کو ہرمیس کے طور پر پوجا جائے اور سجدہ کیا جائے۔ (زیوس اور ہرمیس اُن کے دیوتا تھے)۔ لوگوں کو واقعی یقین ہو گیا کہ اِن مبشرین کی شکل میں ہمارے ”دیوتا“ ہمارے پاس آئے ہیں۔ وجہ تو نہیں بتائی گئی لیکن اُنہوں نے ”برنباس“ کو بڑا دیوتا سمجھا۔ چونکہ ”پُلُوس“ کلام کر رہا تھا اس لئے اُسے ”ہرمیس“ قرار دیا جو ”زیوس“ کا الچی مانا جاتا تھا۔

۱۳:۱۳ - یہاں تک کہ ”زیوس“ کے... مَندر کا پُجاری بھی قابل ہو گیا کہ دیوتا اترے ہیں۔ وہ تیزی سے ”مندر“ سے نکلا۔ اور ”بیل اور چھوٹوں کے ہارے“ کے اپنے ”شہر... کے پھاٹک“ پر پہنچ گیا تاکہ اُن کے لئے بڑی قربانی کرے۔ یہ ساری تحریک ہر قسم کے دباؤ اور ظلم سے بھی بڑھ کر مسیحی ایمان کے



لئے ایک عیارانہ خطہ تھی۔ ایک کامیاب مسیحی کے لئے ظلم اور ایذا اتنا خطرہ نہیں ہوتی جتنا لوگوں کا یہ رُجمان کہ مسیح کی بجائے اُس کے خادم کو توجہ کا مرکز بنا لیا جائے۔

۱۴:۱۲-۱۷۔ پہلے تو ”برنباس اور پولس“ سمجھے نہیں تھے کہ بھیڑ کیا کر رہی ہے۔ اس لئے کہ وہ لکازنیہ کی بولی نہیں جانتے تھے۔ لیکن جو نہی اُن کو سمجھ آئی کہ لوگ ہمیں دیوتا مان کر ہماری پوجا کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے اپنے کپڑے پھاڑے۔ یہ افسوس اور احتجاج کا برملا اظہار تھا۔ پھر وہ لوگوں میں جا کُرسے اور انہیں ایسی بیوقوفی سے روکنے لگے اور اُن کو بتانے لگے کہ ہم دیوتا نہیں بلکہ تمہارے ہم طبیعت انسان ہیں یعنی لکازنیہ کے دوسرے انسانوں کی طرح ہم بھی انسان ہیں۔ ہمارا مقصد تو صرف لوگوں کو خوشخبری دینا ہے کہ بے جان بتوں جیسی باطل چیزوں سے رکنارہ کر کے... زندہ خدا کی طرف پھرو۔

۱۴:۱۸۔ اس پیغام کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ لوگ بادلِ ناخاستہ خداوند کے ان خادموں کے لئے ”قربانی“ کرنے سے باز آئے۔

۱۴:۱۹-۲۰۔ پسیدیہ کے ”انطاکیہ اور کینیم“ سے ”بعض یہودی“ ”پولس“ اور برنباس کا پیچھا کرتے ہوئے سترہ میں آپہنچے۔ وہ غیر یہودی آبادی کو ان بُستروں کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہوئے۔ جو بھیڑ اُن کو دیوتا مان کر تعظیم دینا چاہتی تھی اب اسی بھیڑ نے ”پولس کو سنگسار کیا اور اُس کو مُردہ سمجھ کر شہر کے باہر گھسیٹ لے گئی۔“

کلام کے اس حصے پر کیلی کا تبصرہ بالکل بر محل ہے :

”اُس عقیدت اور قدم بوسی سے انکار جو اہل سترہ اُن کی نذر کرنے کو تھے انسان کے لئے نہایت ناگوار ہوتا ہے اور اُن کے بارے میں جن کو وہ ابھی سجدہ کرنے کو تیار تھے نفرت انگیز باتوں کا یقین کرنے پر مائل کرنا ہے۔ انسان خود کو انسانی مدح اور ستائش سے سرفراز کرتے ہیں۔ اور اگر اس سے روکیں تو بہت جلد ایسی نفرت پیدا ہوتی ہے جو اُن کی موت پر منہج ہوتی ہے جو خُدا کے واحد کی تعظیم اور بڑائی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ اہل میلنے (جو پولس کو خونی آدمی سمجھے تھے مگر دیوتا ماننے لگے، اعمال ۲۸:۶) کی طرح اپنا خیال بدلنے کی بجائے انہوں نے یہودیوں کی تہمت پر کان دھرے (حالانکہ عام طور سے وہ یہودیوں کو حقیر اور قابلِ نفرت سمجھتے ہیں) اور اُس شخص کو جھوٹا نبی قرار دے کر سنگسار کیا جس کو ابھی ابھی دیوتا مان کر قربانی پیش کرنا چاہتے تھے۔ اور اُسے مُردہ سمجھ کر گھسیٹا اور شہر سے باہر پھینک دیا۔“

کیا سنگساری کے باعث پُلُوس واقعی "مُرگیا" تھا؟ اگر یہ وہی واقعہ ہے جس کا ذکر ۲- کرنتھیوں ۱۲:۱۲ میں کیا گیا ہے تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی بحالی ایک مُعجزہ تھی۔ مگر جب شاگرد اُس کے گوداگر دکھڑے ہوئے تو وہ اُٹھ کر شہر میں آیا یعنی اُن شاگردوں کے ساتھ اسی سترہ شہر میں آگیا اور دوسرے دن برنیا س کے ساتھ درپے کو چلا گیا۔

۲۱:۱۲- اِن مبشرین کو اپنی ذاتی حفاظت کا کوئی خیال نہیں تھا۔ یہ بات اس حقیقت سے بھی عیاں ہوتی ہے کہ "وہ اُس شہر میں خوشخبری سنا کر... سترہ... کو واپس آئے۔" سترہ وہی جگہ ہے جہاں پُلُوس کو سنگسار کیا گیا تھا۔

یہاں تیمتھیس کا ذکر نہیں آیا، ممکن ہے کہ اسی موقع پر وہ پُلُوس کی منادی کے باعث ایمان لایا ہو۔ جب رسول اگلی دفعہ سترہ آیا تو تیمتھیس مسیح پر ایمان لایا تھا اور "بھائیوں میں نیک نام تھا" (۲:۱۶)۔ البتہ پُلُوس بعد میں اُس کو ایمان کے لحاظ سے میرا سچا فرزند (۱- تیمتھیس ۱:۲) کہتا ہے۔ مگر اس کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ پُلُوس نے اُس کو مسیح کے لئے جینا تھا۔ وہ پُلُوس کی زندگی اور خدمت کے نمونے کی پیروی کرنے کے باعث بھی سچا فرزند ٹھہر سکتا تھا۔

جب سترہ میں اُن کا کام پورا ہو گیا تو یہ مبشر دوبارہ اِکینیم اور پسیدیہ کے اِنطاکیہ میں آئے جہاں پہلے کلیسیا میں قائم کی گئی تھیں۔ اس دفعہ اُن کا مقصد ایمانداروں کی تقویت کرنا تھا۔ وہ صرف خوشخبری کی منادی کرنے اور لوگوں کو مہنجی کے لئے جینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اُن کے لئے یہ تو کام کا مہرف آغاز ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ ایمان داروں کو اپنے نہایت پاک ایمان میں مضبوط کرنے اور تعمیر کرنے پر توجہ دیتے تھے۔ اور خصوصیت سے اُن کو کلیسیا کے جھبید اور خُدا کے پروردگار میں اس کی اہمیت کی تعلیم دیتے تھے۔ اِرد میں بیان کرتا ہے کہ

"ایک صحیح مبشر کا پروردگار یہ ہوتا ہے کہ ایسی کلیسیا میں قائم کرے جو اپنا انتظام خود چلا سکیں، اپنے آپ کو خود سنبھال سکیں اور خود انجیل کو پھیلا سکیں۔ پُلُوس کا مقصد اور عمل ہمیشہ یہی رہا۔"

۲۲:۱۲- ایمان میں نو عمروں کی مزید دیکھ بھال وہ اسی طرح کرتے تھے کہ "شاگردوں کے دلوں کو مضبوط" کیا جائے اور خُدا کے کلام کی تعلیم دے کر مسیحیوں کے "ایمان" کو پختہ کیا جائے۔ پُلُوس اس عمل کی تفصیل کلتیوں ۱:۲۸، ۲۹ میں بیان کرتا ہے "ہم ہر ایک شخص کو نصیحت کرتے اور ہر ایک کو کمال دانائی سے تعلیم دیتے ہیں تاکہ ہم ہر شخص کو مسیح میں کامل کر کے پیش کریں۔ اور اسی لئے میں اُس کی اُس توت کے موافق جانفتائی سے محنت کرتا ہوں جو مجھ میں زور سے اثر کرتی ہے۔"

دوم، وہ اُن کو نصیحت کرتے تھے کہ ”ایمان پر قائم رہو“۔ یہ نصیحت اُس زمانے میں وسیع پیمانے پر ایذا رسانی کے پیشتر نظر نہایت ناموفق تھی۔ اس نصیحت کے ساتھ یہ یاد دہانی بھی شامل ہوتی تھی کہ ”مُردود ہے کہ ہم بہت محبتیں سمجھیں کہ خدا کی بادشاہی میں داخل ہوں“۔ یہاں ”خدا کی بادشاہی“ کی مستقبل کی صورت کی طرف اشارہ ہے، جب ایمان داری کے جلال میں شریک ہوں گے۔ ایک شخص نئی پیدائش کے وسیلے سے ہی ”خدا کی بادشاہی“ میں داخل ہوتا ہے۔ ظلم و ستم اور مُصیبتیں ”سہنا نجات کا باعث ہرگز نہیں ہے۔ البتہ جو موجودہ وقت میں ایمان کے وسیلے سے ”خدا کی بادشاہی میں داخل“ ہوتے ہیں اُن کے لئے وعدہ ہے کہ مستقبل کے جلال کا راستہ ”مُصیبتوں“ سے بھرا ہوا ہے۔ ”ہم اُس کے ساتھ دکھ اٹھائیں تاکہ اُس کے ساتھ جلال بھی پائیں“ (رومیوں ۸ : ۱۷ ب)۔

۱۴ : ۲۳۔ اُس وقت ان مُبشروں نے ہر ایک کلیسیا میں اُن کے لئے بزرگوں کو مقرر کیا۔ اس سلسلے میں کئی مشاہدات پیش کے جا سکتے ہیں۔

۱۔ نئے عہد نامہ کے بزرگ (ایڈز) خدا پرست اور پختہ آدمی ہوتے تھے جو مقامی کلیسیا میں روحانی قیادت کو بروئے کار لانے تھے۔ اُن کو بزرگ اور نگہبان کے نام بھی دئے گئے ہیں۔

۲۔ اعمال کی کتاب میں کلیسیا کے پہلے پہل قیام کے موقع پر بزرگ مقرر نہیں کئے جاتے تھے بلکہ جب رسول دوسری دفعہ کلیسیا میں جاتے تھے تو اُس وقت یہ کام سرانجام دیا جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس درمیانی وقفے میں اُن افراد کو ظاہر اور نمایاں ہونے کا موقع مل جاتا تھا جن کو روح القدس نے بزرگ مقرر کیا ہوتا تھا۔

۳۔ بزرگوں کو رسول اور اُن کے نمائندے مقرر کرتے تھے۔ اُس وقت تک ابھی نیا عہد نامہ لکھا نہیں گیا تھا کہ بزرگوں کی اہلیت کے بارے میں واضح ہدایات مل سکتیں۔ رسول اہلیت کے لئے تمام خصوصیات کو جانتے تھے۔ اور وہ اُن آدمیوں کو پہچاننے کے قابل تھے جو کلام پاک کی شرائط پر پورا اترتے تھے۔

۴۔ آج رسول موجود نہیں کہ بزرگوں کو مقرر کریں۔ البتہ ۱۔ تیمتھیس باب ۳ اور طرس باب ۱ میں بزرگوں کی اہلیت کی شرائط موجود ہیں۔ اس لئے ہر مقامی جماعت کو اس قابل ہونا چاہئے کہ اُن افراد کو پہچانے جو خدا کی شرائط کو پورا کرتے ہوں کہ بھیڑوں کے نائب گلہ بان مقرر ہو سکیں۔

پولس اور برناباس نے ”روزہ سے دُعا کر کے انہیں (ایمان داروں کو) خداوند کے سپرد کیا“۔ یہ بڑی غیر معمولی بات معلوم ہوتی ہے کہ کلیسیا میں اتنے تھوڑے عرصے میں قائم کی جا سکیں۔ اُن کو رسولوں سے تعلیم پانے کا

ہمت تھوڑا وقت ملا۔ اس کے باوجود وہ خداوند کے ساتھ اتنے شاندار طریقے سے چلے گئیں اور خود مختار ہو کر کام کرنے لگیں۔ اس کا جواب خدا کے رُوح القدس کی زبردست قدرت میں ہے۔ یہ قوت اور قدرت پورس اور برنیاس جیسے آدمیوں میں ظاہر ہوتی تھی۔ جہاں کہیں وہ جاتے تھے لوگ خدا کے کام سے متاثر ہوتے تھے۔ لوگوں کو ان کی زندگیوں میں حقیقت اور سچائی نظر آتی تھی۔ جو منادی وہ کرتے تھے اُس کی توثیق ان کی اپنی زندگیوں سے ہوتی تھی۔ اور اس دوسری گواہی کا اثر بے حساب ہوتا تھا۔

آیات ۲۱-۲۳ رسولوں کے طریقہ کار کا پتہ دیتی ہیں۔ خوشخبری کی منادی، نو مریدوں کو تعلیم دینا، کلیسیا میں قائم کرنا اور ان کو مضبوط و مستحکم کرنا۔

۱۲:۲۲-۲۶۔ پسندیدہ کے علاقے میں سے گزرنے کے بعد یہ مشنری سفر کرتے ہوئے پمفولیم میں پہنچے جو جنوب میں ہے۔ اور پیرگم کا دوبارہ دورہ کرتے ہوئے وہ سمندری بندرگاہ اٹلیہ آئے جہاں سے جہاز میں سوار ہو کر شام کے شہر انطاکیہ پہنچے۔ اس طرح انہوں نے اپنا پہلا تبلیغی سفر تمام کیا۔ اسی انطاکیہ میں وہ اُس کام کے لئے جو انہوں نے اب پورا کرنا تھا خدا کے فضل کے پیرودے گئے تھے۔

۱۳:۲۷۔ جب انہوں نے انطاکیہ میں کلیسیا کو جمع کیا اور اپنی تبلیغی کاوشوں کا حال بتایا تو کیسی خوشی کا موقع ہوگا! ان دونوں عظیم آدمیوں نے مسیحی انکساری کے ساتھ بیان کیا کہ "خدا نے ہماری معرفت کیا کچھ کیا اور یہ کہ اُس نے غیر قوموں کے لئے ایمان کا دروازہ کھول دیا" ہے۔ بیان یہ نہیں کہ ہم نے "خدا" کے لئے کیا کیا ہے بلکہ اُس کو پسند آیا کہ ہمارے وسیلے سے یہ کام سرانجام دے۔

۱۳:۲۸۔ انطاکیہ میں "وہ شاگردوں کے پاس مدت تک رہے" اندازہ ہے کہ یہ مدت ایک سے دو سال تک تھی۔

## بشارتی خدمت کی حکمت عملی

یہ بات کیسی حوصلہ افزا اور دلورہ انگیز ہے کہ دنیا کے ایک گنہگار جیسے کونے میں رہنے والے گنہگار سے شاگردوں کے ایک چھوٹے سے گروہ نے جو دنیا بھر میں خوشخبری پھیلانے کی روایا سے سرشار تھا اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ ان میں سے ہر ایک یہی محسوس کرتا تھا کہ یہ براہ راست میرا کام ہے اور ہر ایک نے خود کو اسی مقصد کے لئے پورے طور پر وقف کر دیا۔

تبلیغ کا زیادہ تر کام مقامی ایمان داروں نے سرانجام دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے روزمرہ سے فرائض سے بھی غفلت نہیں برتی۔ وہ اپنے گرد و نواح، پاس پڑوس اور چلنے چلنے والوں سے خوشخبری

بوں بیان کرتے تھے جیسے درستوں میں بات چیت ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں رسول اور دوسرے افراد شہر شہر، علاقہ علاقہ اور ملک ملک گھومتے، انجیل کی منادی کرتے اور کلیسیا میں قائم کرتے تھے۔ وہ دُودُو یا اس سے ذرا بڑے گروہوں میں نکلتے تھے۔ بعض اوقات کوئی نوجوان رکن زیادہ عمر و ان کے ہمراہ جاتا تھا، مثلاً تیمتھیس، پولس کے ساتھ گیا تھا۔

بنیادی طور پر دُودُو طریقہ اپنائے جاتے تھے، شخصی تبلیغ اور گروہی تبلیغ۔ جہاں تک گروہ، یا عوام الناس کے درمیان منادی کرنے کا تعلق ہے تو یہ اکثر فی البدیہہ ہوتی اور بسا اوقات مقامی صورتِ حال یا بحران کے نتیجے میں ایسا کرنے کا موقع نکل آتا تھا۔

”اعمال کی کتاب میں جتنی بھی منادی اور تبلیغ کا حال درج ہے۔ وہ ایسے حالات میں

ہوئی جو مبشر یا مبلغ کے لئے پہلے سے وعظ کی تیاری کرنے میں مانع تھے۔ ان میں سے

ہر موقع غیر متوقع تھا۔“

اسی۔ ایم۔ باؤنڈز کے بقول ان کی بشارت اور تبلیغ ایک گھنٹے کی کارگزاری نہیں تھی بلکہ

ان کی زندگی چھلکتی تھی۔

رسول اور ان کے ہم خدمت رُوح القدس کی ہدایت اور راہنمائی میں کام کرتے تھے۔ البتہ اس

ہدایت اور راہنمائی کی توثیق اکثر مقامی کلیسیا کی طرف سے ہوتی تھی۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ انطاکیہ کے

نبیوں اور معلموں نے برنباس اور پولس پر ہاتھ رکھ کر انہیں پہلے تبلیغی دورے پر روانہ کیا (۱۳: ۲)۔

پھر ہم پڑھتے ہیں کہ تیمتھیس کو کسترہ اور کونینیم کے بھائیوں کا نعتاد حاصل تھا اور اسی اعتماد کی بنیاد

پر وہ پولس کے ساتھ گیا (۱۶: ۲)۔ اور دوسرے تبلیغی دورے سے پہلے انطاکیہ کی کلیسیا نے پولس

اور سیلاس کو خدا کے فضل کے سپرد کیا (۱۵: ۴۰)۔

عام طور سے کہا جاتا ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ پہلے بڑے شہروں میں

کلیسیا میں قائم کی جائیں، اور پھر یہ کلیسیا میں اپنے ارد گرد کے علاقوں میں بشارت دیں اور خوشخبری پھیلانے۔

غالباً یہ بات کو حد سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش ہے۔ بنیادی طور پر ان کی حکمت عملی یہ تھی کہ رُوح

القدس کی ہدایت کی پیروی کی جائے، یہ غرض نہیں تھی کہ وہ بڑے شہر میں بھیجتا ہے یا چھوٹے قصبے میں۔

رُوح القدس فلپس کو سارمہ شہر کی بیداری سے غزہ کی شاہراہ پر ایک فرد واحد کے پاس لے گیا (۸: ۲۶)۔

(۴۰)۔ پھر وہ پولس کو سیریرہ میں لے گیا (۱۶: ۱۱) جس کو سیرسور نے ایک ”الگ تھلک شہر“ (تمام راستوں سے

دور) قرار دیا تھا۔ صاف بات تو یہ ہے کہ اعمال کی کتاب میں ہمیں کوئی لگی بندھی بے لچک جغرافیائی حکمت عملی

دکھائی نہیں دیتی بلکہ مُطلق العنان رُوح القدس ہے جو اپنی مرضی اور ارادہ کے مطابق عمل اور حرکت کرتا ہے۔  
 جہاں کہیں لوگوں نے انجیل کے پیغام کا مثبت جواب دے کر اسے قبول کیا وہاں مقامی کلیسیائیں قائم کی گئیں۔ ان جماعتوں نے کام کو استحکام اور دوام بخشتا۔ یہ جماعتیں اپنا انتظام و انصرام خود چلاتی تھیں، اپنی مالیات کا بندوبست خود کرتی تھیں اور خود ہی اپنے ارد گرد انجیل کی منادی کرتی تھیں۔ رسول ان جماعتوں کا دوبارہ دُورہ صرف بھائیوں کو مضبوط کرنے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے کرتے تھے (۱۴: ۲۲، ۲۱؛ ۱۵: ۴۱؛ ۲۰: ۲۱)۔ اور بزرگوں کا تقرر بھی کرتے تھے (۱۴: ۲۳)۔

بشارتی دُوروں کے دوران رسول اور ان کے ساتھی مالی لحاظ سے اکثر خود کفیل ہوتے تھے (۱۸: ۳؛ ۲۰: ۳۴)۔

۳۲)۔ بعض اوقات کلیسیائیں اور افراد اپنے نذرانوں اور پیروں سے ان کی کفالت کرتے تھے (فلپیوں ۴: ۱۵-۱۸)۔  
 پُرس محنت مُشقت کر کے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ساتھیوں کی بھی کفالت کرتا تھا (۲۰: ۳۴)۔

اگرچہ ان کی مقامی کلیسیائیں ان کو خُدا کے فضل کے سپرد کرتی تھیں اور ان کی کفالت کرتی تھیں لیکن مقامی کلیسیائیں ان کو کنٹرول نہیں کرتی تھیں۔ وہ خُدا کی ہدایات اور کلام کی منادی کرنے میں خُداوند کا آزاد وسیلہ ہوتے تھے۔ اور جو باتیں "خاندہ کی" ہوتی تھیں ان کو بیان کرنے میں کبھی سبھل سے کام نہیں لیتے تھے (۲۰: ۲۰)۔

اپنے تبلیغی دُوروں کے اختتام پر وہ اپنی کلیسیا میں واپس آجاتے اور بتاتے تھے کہ خُدا نے ہماری معرفت کیا کچھ کیا" (۱۴: ۲۶-۲۸؛ ۱۸: ۲۲، ۲۳)۔ یہ اتنا اچھا نمونہ ہے کہ کلیسیا کے ہر دُور میں مشنریوں کو اس کی پیروی کرنی چاہئے۔

## ۵۔ یروشلیم کی کونسل (۱۵: ۱-۳۵)

۱۵: ۱-۱۵) اِنطَاقیہ کی کلیسیا میں ختنہ کے بارے میں بحث اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا بیان گلیتوں ۱: ۲-۱۰ میں بھی درج ہے۔ دونوں بیانوں کو یکجا کرنے سے ہمیں یہ تصویر حاصل ہوتی ہے: "بعض" جھوٹے "بھائی" یروشلیم کی کلیسیا سے چل کر اِنطَاقیہ آئے اور وہاں کی جماعت میں تبلیغ کرنے لگے۔ ان کے پیغام کا خلاصہ یہ تھا کہ غیر یودیوں کو بھی "ختنہ" کرانا لازمی ہے تاکہ "نجات پاسکیں"۔ اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لائیں۔ ان کو چاہئے کہ "موسیٰ" کی شریعت کے ماتحت ہو جائیں۔ بے شک یہ خُدا کے فضل کی خوشخبری پر براہِ راست سامنے سے حملہ تھا۔ فضل کی حقیقی خوشخبری سکھاتی ہے کہ مسیح نے نجات کے لئے ضروری کام صلیب پر پورا کیا۔ گنہگار کو اب صرف یہ کرنا ہے کہ ایمان سے مسیح کو

قبول کر لے جس لمحے انسانی اہلیت یا اعمال کو پہنچ میں لے آئیں گے تو نجاتِ فضل سے نہیں رہے گی۔ فضل کے ماتحت ہر بات کا انحصار خدا پر ہے، انسان پر نہیں۔ اگر شرائط عاید کر دی جائیں تو پھر یہ بخشش نہیں بلکہ قرض بن جائے گی۔ لیکن نجات ایک بخشش ہے۔ یہ اعمال یا اہلیت پر منحصر نہیں۔ کمائی نہیں جاسکتی۔

۱۵: ۳۰۲۔ پولوس اور برناباس نے ان یہودیوں کو نواز افرو کی پورے زور سے مخالفت کی کیونکہ جانتے تھے کہ یہ لوگ غیر قوم ایمان داروں کو یسوع مسیح میں جو آزادی ہے اس پر ڈاکہ ڈالنے آئے ہیں۔

یہاں اعمال باب ۱۵ میں معلوم ہوتا ہے کہ انطاکیہ میں بھائیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ "پولوس اور برناباس اور ... چند اور اشخاص اس مسئلہ کے لئے رسولوں اور بزرگوں کے پاس یروشلیم جائیں"۔ کلکتیوں ۲۰۲ میں پولوس کہتا ہے کہ "میرا جانا مکاشفہ کے مطابق ہوا"۔ بے شک اس میں کچھ تضاد نہیں۔ خدا کے روح نے پولوس کو مکاشفہ دیا کہ اُسے جانا چاہئے اور انطاکیہ کی کلیسیا کو بھی مکاشفہ دیا کہ چند بھائیوں کو بھیجا جائے۔ یروشلیم کو جاتے ہوئے راستے میں وہ فینیکیہ اور سامیریہ کے مختلف مقامات پر قیام کرتے ہوئے گئے۔ ان جگہوں پر انہوں نے "غیر قوموں کے رجوع لانے کا بیان" بھی کیا جس سے ان مقامات پر بھائی "بہت خوش ہوئے"۔

۱۵: ۴۔ "جب" پولوس یروشلیم پہنچا تو رسولوں اور بزرگوں کے پاس گیا اور ان کو اُس خوشخبری کا سارا حال بیان کیا جس کی منادی اُس نے غیر قوموں میں کی تھی۔ ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ وہی خوشخبری ہے جو ہم یہودیوں کو سناتے رہے ہیں۔

۱۵: ۵۔ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ساری کلیسیا کا کھلا اجلاس تھا جس میں بعض "فریسیوں ... نے" جو ایمان دار تھے اٹھ کر یہ جھگڑا شروع کر دیا کہ غیر قوم والوں کا "ختم کرانا اور ان کو موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دینا ضرور ہے" تاکہ وہ صحیح معنوں میں مسیحی ٹھہریں۔

۱۵: ۶۔ اس آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب آخری فیصلہ کیا گیا تو صرف رسول اور بزرگ حاضر تھے۔ البتہ آیت ۱۲ ظاہر کرتی ہے کہ ساری جماعت وہاں موجود تھی۔

۱۵: ۷-۱۰۔ "جب بطرس" کھڑا ہوا تو غالباً مخالف پارٹی نے سوچا کہ یہ ہماری حمایت کرے گا۔ لیکن ان کو اُمیدیں یا اوسوں میں بدل گئیں۔ "بطرس" نے سامعین کو یاد دلایا کہ چند برس پیشتر "خدا نے" ٹھہرا دیا تھا کہ "غیر قومیں میری زبان سے خوشخبری کا کلام سن کر ایمان لائیں"۔ یہ بات گرتیلیس کے گھر میں ہوئی تھی۔ "جب" خدا نے دیکھا کہ ان "غیر قوموں" کے دل ایمان سے میرے پاس آ رہے ہیں تو اُس نے ان کو بھی اسی طرح "روح القدس دیا" جیسے پینتکست کے دن "یہودیوں کو دیا تھا"۔ اُس وقت "خدا نے" یہ

مطالعہ نہیں کیا کہ ان "غیر قوم والوں" کا ختنہ کیا جائے۔ یہ حقیقت کہ وہ "غیر قوم" ہیں کسی فرق کا باعث نہ بنی۔ خدانے ایمان کے وسیلہ سے ان کے دل پاک کئے۔ چونکہ خدانے "غیر قوموں کو ایمان" کے اصول پر قبول کیا، نہ کہ شریعت کی پابندی کرنے کے اصول پر، اس لئے پطرس نے جماعت سے پوچھا کہ اب وہ غیر قوموں کو شریعت کے "جوڑے" تلے رکھنے کا کیوں سوچ رہے ہیں۔ اور جو بھی ایسا کہ جس کو نہ ہمارے باپ دادا اٹھا سکتے تھے نہ ہم۔" شریعت نے کبھی کسی کو نجات نہیں دی۔ اس کا کام تو ملازم ٹھہرانا تھا، راستیاں ٹھہرانا نہیں تھا۔ شریعت سے گناہ کا علم ہوتا ہے، گناہ سے نجات نہیں ملتی۔

۱۱:۱۵۔ پطرس کا آخری فیصلہ قابل غور ہے۔ اس نے گہری فائلٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "جس طرح وہ (غیر قوم والے) خداوند یسوع کے فضل ہی سے (شریعت کی پابندی سے نہیں) نجات پائیں گے، اسی طرح ہم (یہودی) بھی پائیں گے۔" پطرس یہودی تھا۔ اور کیا توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ کہے گا کہ غیر قوم والے بھی یہودیوں کی طرح نجات پائیں گے؟ مگر صاف نظر آتا ہے کہ "فضل" نسلی امتیازات پر غالب آ رہا تھا۔

۱۲:۱۵۔ پطرس نے بات ختم کی تو "برناباس اور پطرس" نے بیان کیا کہ خدانے کس طرح "غیر قوموں" کے درمیان انجیل کی خوشخبری کے ساتھ "کیسے کیسے نشان اور عجیب کام ظاہر کئے۔"

۱۳:۱۳، ۱۴۔ پطرس نے بتایا تھا کہ "پہلے پہل خداوند نے اس کی معرفت کس طرح "غیر قوموں" پر ایمان کا دروازہ کھولا تھا۔ پطرس اور برناباس نے بھی گواہی دی کہ کس طرح خداوند نے ان کی معرفت "غیر قوموں" میں بشارت کرائی۔ اب "یعقوب" حتمی طور پر بیان کرتا ہے کہ موجودہ دور میں خدا کا مقصد یہ ہے کہ "غیر قوموں" میں سے اپنے نام کی ایک امت بنالے۔" دراصل مختصراً یہ بھی وہی بات ہے جو "شمعون" (پطرس) نے ابھی ابھی بیان کی تھی۔

۱۵:۱۵۔ ۱۹۔ اب یعقوب نے عاموس نے ۱۲، ۱۱:۹ کا حوالہ دیا۔ غور کریں کہ وہ یہ نہیں کہتا کہ "غیر قوموں" کی بلا ہٹے، اس نبوت کی تکمیل میں ہوئی بلکہ یہ کہ "نبیوں کی باتیں بھی اس کے مطابق ہیں۔" جماعت کو تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ خدانے "غیر قوموں" کو بھی نجات پانے کا موقع دیا ہے کیونکہ پسرانے عہد نامہ میں اس کی واضح نبوت کی گئی تھی۔ "خدا" نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ "غیر قومیں" غیر یہودی ہوتے ہوئے نجات پائیں گی۔

عاموس سے یہ اقتباس ہزار سالہ بادشاہت کی طرف دیکھنا ہے، جب مسیح "داؤد" کے تخت پر بیٹھے گا، اور جب "سب قومیں" خداوند کو تلاش کریں گی۔ یعقوب نے یہ نہیں کہا کہ یہ



نبوت اُس کے بولتے وقت پوری ہو رہی تھی بلکہ یہ کہا اُس وقت ”غیر قوموں“ کو جو نجات مل رہی تھی وہ عاموس کی باتوں سے موافقت رکھتی تھی۔

یعقوب کی دلیل یہ تھی — خدا پہلے پہل غیر قوموں پر ”توبہ دے گا تاکہ اُن میں سے اپنے نام کی ایک اُمت بنالے“۔ اور یہی اُس وقت ہو رہا تھا (اور اب بھی ہو رہا ہے)۔ ایمان لانے والے ”غیر قوم“ ایمان لانے والے یہودیوں کے ساتھ کیسیا میں شامل کئے جا رہے تھے۔ جو کچھ اُس وقت چھوٹے پیمانے پر ہو رہا تھا (غیر قوموں کی نجات) وہی بعد میں بڑے پیمانے پر ہوگا۔ مسیح واپس آئے گا۔ اسرائیل کو بلحاظ قوم بحال کرے گا اور اُن سب ”غیر قوم والوں“ کو نجات دے گا جو اُس کے نام سے کھلائیں گے۔

یعقوب اپنے زمانے کے واقعات کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ خُدا نے پہلی دفعہ ”غیر قوموں“ پر توبہ کی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ خُدا کی یہ پہلی توبہ عاموس کی نبوت کے عین مطابق ہے — کہ مستقبل میں جب مسیح بادشاہ کی حیثیت سے آئے گا تو ”غیر قوموں“ پر توبہ کی جائے گی۔ دونوں واقعات اگرچہ بالکل ایک سے نہیں، لیکن آپس میں مطابقت رکھتے ہیں۔

واقعات کی ترتیب پر غور کریں :

۱۔ اس موجودہ ’فضل کے زمانہ‘ کے دوران ”اپنے نام کی ایک اُمت“ بنانے کے لئے غیر قوموں کو الگ کرنا (آیت ۱۴)۔

۲۔ مسیح کی دوسری آمد پر اسرائیلی قوم کے ایمان لانے والے حصے کو بحال کرنا (آیت ۱۶)۔

۳۔ اسرائیل کی بحالی کے بعد غیر قوموں کی نجات (آیت ۱۷)۔ ”ان ”غیر قوموں“ کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے ”سب قومیں جو میرے نام کی کھلائیں ہیں“۔

یعقوب کا عاموس ۹، ۱۱، ۱۲ سے یہ اقتباس پرانے عہد نامہ کے مُنذر جات سے کافی مختلف ہے۔ اس فرق کی وضاحت کچھ تو اس حقیقت میں ہے کہ یعقوب نے اقتباس یونانی زبان میں کیا۔ لیکن یہ اقتباس ہفادی ترجمہ سے بھی مختلف ہے۔ ایک وضاحت یہ ہے کہ جس رُوح القدس نے وہ اصل الفاظ الہام سے دئے تھے، آج وہی رُوح القدس اُن کو تبدیل کرنے کی اجازت دیتا ہے تاکہ درپیش مسئلے کو حل کیا جاسکے۔ دوسری وضاحت یہ ہے کہ عبرانی مسودات میں عاموس باب ۹ کے کئی مختلف مُنذر جات ہیں۔ ایک عالم القورڈ یقین سے کہتا ہے کہ یعقوب نے کسی اُس ترجمہ سے اقتباس کیا ہے جو مُسکلم عبرانی متن کے قریب ترین ہے، ورنہ فریبی اس اقتباس کو نبوت کے طور پر کبھی قبول نہ کرتے۔

”ان باتوں کے بعد میں پھر آکر“ (آیت ۱۶)۔ یعقوب پہلے بتا چکا ہے کہ اس موجودہ دور میں خُدا کا

پر وگرام یہ ہے کہ غیر قوموں کے لئے ایمان کا دروازہ کھولا جائے۔ وہ سب تو نجات نہیں پائیں گے، لیکن وہ ان میں سے اپنے نام کی ایک امت بنائے گا۔ اب یعقوب کہتا ہے کہ ان باتوں کے بعد یعنی جب کلیسیا کو قوموں میں سے بلایا جائے گا (الگ کر لیا جائے گا) خدا واپس آئے گا اور داؤد کے گرسے ہوئے خیمہ کو کھڑا کرے گا اور پچھلے ٹوٹے کی مرتت کرے گا۔ داؤد کا خیمہ ایک استعارہ ہے جو اُس کے گھرانے کو بیان کرتا ہے۔ اس کی بحالی مثال ہے مستقبل میں شاہی خاندان کی بحالی کی اور داؤد کے تخت کے دوبارہ قائم ہونے کی جب مسیح بطور بادشاہ اس پر بیٹھے گا۔ اُس وقت اسرائیل پوری دنیا کے لئے برکت کا وسیلہ ہوگا۔ باقی آدمی یعنی سب قومیں جو میرے نام کی کلماتی ہیں خداوند کو تلاش کریں گی۔

عاموس سے اقتباس کا اختتام ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ یہ وہی خداوند فرماتا ہے۔

چونکہ خدا کا موجودہ مقصد یہ ہے کہ غیر قوموں میں سے اپنے نام کی ایک امت بنائے، اس لئے یعقوب خبردار کرتا ہے کہ ہم ان کو (غیر قوموں کو) تکلیف نہ دیں، یعنی ان کو موسمی کی شریعت کے ماتحت ہونے پر مجبور نہ کریں۔ جہاں تک نجات کا تعلق ہے تو اس کے لئے صرف ایمان ہی درکار ہے (اور بس)۔

۲۰:۱۵۔ البتہ یعقوب نے یہ رائے دی کہ انطاکیہ کی کلیسیا کو خط لکھیں اور وہاں کے مقدسوں کو نصیحت کریں کہ بتوں کی مکروہات اور حرام کاری اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور لہو سے پرہیز کریں۔ پہلی نظر میں ایسا معلوم ہو سکتا ہے کہ یعقوب اپنی بات بالکل بدل رہا ہے۔ کیا یہ بھی ضابطہ (شریعت) پرستی کی ایک شکل نہیں؟ کیا وہ ان کو دوبارہ شریعت کے ماتحت نہیں رکھ رہا؟ جواب یہ ہے کہ اس نصیحت کا نجات کے موضوع سے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس مسئلے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ مگر اس نصیحت کا تعلق یہودی اور غیر قوم ایمان داروں کے درمیان رُفاقت کے ساتھ ہے۔ ان ہدایات پر عمل نجات کی شرط نہیں لیکن ابتدائی کلیسیا کو ہر طرح کی پھوٹ اور تفرقہ اور رخنے سے بچانے کے لئے یہ نصیحت یقیناً بڑی اہمیت رکھتی تھی۔

جن چیزوں سے منع کیا گیا، یہ ہیں:

۱۔ بتوں کی مکروہات۔ آیت ۲۹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ کھانے پینے کی وہ چیزیں ہیں جو بتوں کی نذر کی گئی ہوں۔ اگر غیر قوم ایمان دار یہ چیزیں کھاتے رہتے تو ان کے یہودی بھائی سوچ سکتے تھے کہ انہوں نے بت پرستی ترک کی بھی ہے یا نہیں۔ اگرچہ غیر قوم مسیحیوں کو ایسی چیزیں کھانے کی آزادی ہو سکتی تھی لیکن یہ کمزور یہودی بھائیوں کے لئے ٹھوکر ثابت ہو سکتی تھیں۔ اس لئے درست نہ تھیں۔

۲۔ ”حرام کاری“۔ یہ غیر قوموں کا سب سے بڑا گناہ تھا۔ اس لئے یعقوب کے لئے خاص طور پر ضروری تھا کہ اس کو کبھی مذکورہ موضوعات میں شامل کرنا۔ بائبل مقدس میں ”حرام کاری“ سے بچنے کے حکم کو کہیں بھی منسوخ نہیں کیا گیا۔ یہ ہر زمانے میں نافذ ہے۔

۳۔ ”گلا گھونٹے ہوئے جانور“۔ یہ ممانعت ماضی میں اُس وقت تک جاتی ہے جب طوفان کے بعد خدا نے نوح سے عہد باندھا تھا (پیدائش ۹: ۴)۔ اس لئے یہ انسانی نسل کے لئے دائمی حکم ہے، صرف بنی اسرائیل کے لئے نہیں۔

۴۔ ”لہو“۔ یہ ممانعت بھی ماضی میں پیدائش ۹: ۴ تک جاتی ہے۔ اس لئے موسیٰ کی شریعت سے پہلے کی ہے۔ چونکہ نوح کے ساتھ عہد کو کبھی منسوخ نہیں کیا گیا، اس لئے یہ قواعد و ضوابط آج بھی نافذ ہیں۔

۱۵: ۲۱۔ اس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ آیت ۲۰ کی نصیحت کیوں کی گئی۔ کیونکہ ”بر شہر میں“

یہودی موجود تھے اور ان کو شروع سے تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ مندرجہ بالا باتیں غلط ہیں اسی لئے یعقوب ان کے بارے میں خیردار کرتا ہے۔ انہیں سکھایا گیا کہ نہ صرف حرام کاری کا مرتکب ہونا غلط ہے بلکہ بتوں کو نذر کی گئی خوراک کھانا، گلا گھونٹے ہوئے جانوروں کا گوشت کھانا اور خون (لہو) کھانا بھی غلط ہے۔

۱۵: ۲۲۔ چنانچہ حتمی طور پر فیصلہ ہو گیا کہ غیر قوموں کو نجات پانے کے لئے نعتہ کرانے کی ضرورت نہیں۔ اگلا قدم یہ تھا کہ ان باتوں کو لیکھ کر ”انطابہ“ کی کلیسیا کو بھیجا جائے۔ یہروشلیم کے ”رسولوں اور بزرگوں نے ساری کلیسیا سمیت“ ”یہوداہ کو جو برسبا کھلاتا ہے اور سیلاس کو“ اس مقصد کے لئے نامزد کیا۔ یہ دونوں شخص بھائیوں میں مقدم تھے“ کہ یہ پوٹس اور برناباس کے ساتھ ”انطابہ جائیں۔ یہ سیلاس“ وہی شخص ہے جو بعد میں ”پوٹس“ کا سفری ساتھی بنا۔ اسے خطوط میں سلوانس کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

لے بعض صفا کا خیال ہے کہ یہ چار ممانعات اجبار باب ۱۴ اور ۱۸ کا حوالہ دیتی ہیں۔ جیسا کہ بتوں کی مکروہات (۱۴: ۹۰۸)، حرام کاری جس میں زنا (۱۸: ۲۰) ہی نہیں بلکہ ہم جنسیت بھی شامل ہے (۱۸: ۲۲) اور جانور سے صحبت (۱۸: ۲۳)۔ خوبی رشتوں سے بیاہ (۱۸: ۶-۱۲) بلکہ سسرالی رشتہ داروں سے بیاہ (۱۸: ۱۵)، کی پابندیاں بھی شامل ہیں۔ نیز گلا گھونٹے ہوئے یا غلط طور پر ذبح کئے گئے جانوروں کا گوشت کھانا (۱۴: ۱۵) لہو یا خون کھانا (۱۴: ۱۰-۱۲)۔ اگر یہودی غیر قوم ایمان داروں کو ان ضوابط کی خلاف ورزی کرتے دیکھیں گے تو برا سائیں گے (اعمال ۱۵: ۲۱)۔

۱۵: ۲۳-۲۹۔ یہاں خط کا لب لباب دیا گیا ہے۔ غور کریں کہ جو جھوٹے بھائی یروشلیم سے انطاکیہ گئے تھے، اُن کو یروشلیم کی کلیسیا سے کبھی قبولیت نہ ملی (آیت ۲۴)۔  
 آیت ۲۸ سے پتہ چلتا ہے کہ شاگردو لمحہ بلحمہ ”رُوحُ الْقُدُس“ پر انحصار کرتے تھے ”کیونکہ رُوحُ الْقُدُس نے اور ہم نے مناسب جانا۔۔۔“

۱۵: ۳۱-۳۴۔ جب یروشلیم سے یہ خط ”انطاکیہ“ کی کلیسیا میں پڑھا گیا تو اُن کے لئے بڑی خوشی اور تسلی کا باعث ہوا۔ اب وہاں کے ایمان داروں کو معلوم ہو گیا کہ نجات پانے کے لئے یہودی مذہب کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۵: ۳۲، ۳۳۔ ”یہوداہ اور سیلاس“ خدمت کے سلسلے میں کچھ عرصہ وہاں رہے۔ ان میتنگوں میں انہوں نے ”بھائیوں کو بہت سی نصیحت کر کے مضبوط کر دیا“ یعنی اُن کا ایمان پختہ ہوا۔ اُن کا کافی عرصہ خوش گوار رفاقت اور خدمت میں گزارا۔ پھر وہ انطاکیہ سے واپس یروشلیم کے لئے روانہ ہو گئے۔  
 ۱۵: ۳۴۔ کئی پرانے نسخوں میں یہ آیت موجود نہیں ہے۔ آیت ۳۳ اور آیت ۴۰ میں تضاد محسوس ہوتا ہے۔ غالباً اس کی وضاحت کرنے کے لئے کسی کاتب نے یہ اطلاع یہاں درج کر دی ہے۔ اسی وجہ سے اسے قوسین میں رکھا گیا ہے۔ آیت ۳۳ میں سیلاس ہمیں یروشلیم کو واپس جانا ہوا نظر آتا ہے۔ اور پھر آیت ۴۰ میں وہ دوسرے بشارتی سفر میں پوٹس کے ساتھ روانہ ہوتا ہے۔ اس کا واضح حل یہ ہے کہ سیلاس ضرور واپس یروشلیم آیا۔ لیکن پھر پوٹس نے اُس کے ساتھ رابطہ کر کے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔

۱۵: ۳۵۔ اُس وقت ”پوٹس اور برنباس انطاکیہ ہی میں رہے اور... خداوند کا کلام رکھتے اور اُس کی منادی کرتے رہے۔“ خداوند کے اور بھی ”بہت سے“ خادم تھے جو کلیسیا کی خدمت کرتے تھے۔  
 گلیتوں ۲: ۱۱-۱۲ میں مذکور واقعہ غالباً انہی دنوں پیش آیا تھا۔

## و۔ پوٹس کا دوسرا بشارتی دورہ

البشائے کوچک اور یونان (۱۵: ۳۶-۱۸: ۲۲)

۱۵: ۳۶-۴۱۔ اب دوسرا تبلیغی دورہ شروع کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ ”پوٹس“ نے اس موضوع پر ”برنباس“ سے بات کی اور مشورہ دیا کہ اُن شہروں میں دوبارہ جائیں جہاں ”ہم نے“ پہلے

خدا کا کلام سنایا تھا۔ ”برنباس نے اصرار کیا کہ اُس کے رشتے کے بھائی ”مرقس“ کو ساتھ لے چلیں، لیکن ”پولس“ نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ مرقس پمفولہ میں کنارہ کر کے ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ اُسے یقیناً ڈر تھا کہ وہ پھر ایسا ہی کرے گا۔ ”برنباس“ اور ”پولس“ کی یہ ”تکرار“ اتنی شدید ہو گئی کہ خداوند کے یہ دونوں مُعزز خادم ”ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔“ ”برنباس“ مرقس کو لے کر جہاز پر کپرس کو روانہ ہوا۔ کپرس اُس کی جائے پیدائش تھا اور پہلے تبلیغی دورہ میں پہلی جائے تِیام بھی تھا۔ ”پولس“ نے سیلاس کو پسند کیا۔ اور۔۔۔ کلیسیاؤں کو مضبوط کرنا ہوا سورہ اور کلیمہ سے گزرا۔“

آیت ۳۶ اور ۴۱ میں ”پولس“ کی پاسبانی رُوح کے اندر جھانکنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ ایک نامور اندر قابل قدر اُستاد نے ”پولس“ کی محبت بھری فکر مندی اور نگہداشت، کا عکس ان الفاظ میں دکھایا ہے کہ مسیحی زندگی کی شروعات کے لئے سینکڑوں لوگوں کو بلانے کی بجائے خدمت کے کام کے لئے ایک ایمان دار کو تربیت دینے کو ترجیح دوں گا۔

اس موقع پر لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کس کا خیال صحیح تھا، ”پولس“ یا ”برنباس“ کا؟ غالباً غلطی دونوں طرف سے ہوئی۔ ”برنباس“ کو فطری طور پر ”مرقس“ سے محبت تھی اور اسی محبت نے اُس کی رائے اور فیصلے پر اثر کیا۔ آیت ۳۹ میں بیان ہوا ہے اُن میں ”سخت تکرار“ ہوئی۔ ”تکبر سے صرف جھگڑا پیدا ہوتا ہے“ (امثال ۱۳: ۱۰)۔ اس لئے اس معاملے میں دونوں تکبر کے قصور وار تھے۔ جو لوگ سوچتے ہیں کہ ”پولس“ درست پر تھا، وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ”برنباس“ اعمال کی کتاب سے غائب ہو جاتا ہے۔ مزید یہ کہ ”پولس“ اور سیلاس... بھائیوں کی طرف سے خداوند کے فضل کے سپرد ہوئے، جبکہ ”برنباس“ اور یوحنا مرقس کے بارے میں یہ بات نہیں کہی گئی۔ خواہ کچھ بھی ہو، یہ بڑی دلچسپی کی بات ہے کہ بالآخر مرقس نے کامیابی حاصل کر لی اور اُس نے ”پولس“ کا پورا اعتماد دوبارہ جیت لیا (۲۔ تیمتھیس ۴: ۱۱)۔

## مقامی کلیسیا کی خود مختاری

پہلی نظر میں یہ یروشلم کی کونسل ایک قسم کی ”قرتوں کی سپریم کورٹ“ معلوم ہوتی ہے، لیکن حقائق

اور ہیں۔

مسیحیت کے ابتدائی دور میں ہر مقامی جماعت خود مختار ہوتی تھی۔ کلیسیاؤں کا کوئی دفاع نہیں

تھا، نہ کوئی مرکزی اتھارٹی تھی۔ کوئی فرتے نہیں تھے، نہ کوئی فرقوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہر مقامی کلیسیا براہِ راست خداوند کے سامنے جوابدہ تھی۔ اس کی تصویر مکاشفہ ۱۳:۱ میں نظر آتی ہے، جہاں خداوند سونے کے سات چرخوں کے درمیان کھڑا نظر آتا ہے۔ یہ چرخوں آسمیہ کے صوبے کی سات کلیسیاؤں کے نمائندہ ہیں۔ نکتہ یہ ہے کہ مقامی کلیسیاؤں اور ان کے عظیم سر کے درمیان کوئی حاکم ایجنسی نہیں ہوتی تھی۔ وہ خود براہِ راست ایک ایک کلیسیا کا حاکم تھا۔

یہ بات اتنی اہم کیوں ہے؟ اول۔ غلطی کو پھیلنے سے روکتی ہے۔ جب کلیسیا میں مشترکہ کنٹرول کے تحت آپس میں منسلک کر دی جاتی ہیں تو آزاد خیالی، غلط تعلیم اور برگشتگی کی قوتیں صرف مرکزی ہیڈ کوارٹر اور فرقہ دارانہ مدارس پر قبضہ کر کے پورے میدان پر قبضہ کر سکتی ہیں۔ جہاں کلیسیا میں الگ الگ ہوں، وہاں دشمن کو متعدد الگ الگ اکائیوں سے نبرد آزما رہنا پڑتا ہے۔

دوم۔ جب کوئی مخالف حکومت برسرِ اقتدار ہو تو مقامی کلیسیا کی خود مختاری اہم تحفظ کا کام دیتی ہے۔ اگر کلیسیاؤں کا وفاق ہو تو ایک ہمہ گیر حکومت ہیڈ کوارٹر میں چند لیڈروں پر کنٹرول حاصل کر کے ساری کلیسیاؤں کو کنٹرول کر سکتی ہے۔ جب کلیسیا میں کسی مرکزی اتھارٹی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہیں تو ظلم و ستم کے زمانے میں زیادہ آسانی سے زیرِ زمین جاسکتی ہیں۔

تیسرا زمانہ بریت سی حکومتیں جن میں جمہوری اور آمرانہ حکومتیں سب شامل ہیں کوشش کرتی ہیں کہ چھوٹی چھوٹی مگر خود مختار کلیسیاؤں کو متحد کر دیا جائے۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم مقامی اکائیوں کی اتنی بڑی تعداد سے معاملات طے نہیں کرنا چاہتے بلکہ ایک مرکزی کمیٹی سے کرنا چاہتے ہیں جو سب کی نمائندہ ہو۔ آزاد حکومتیں کچھ مراعات اور فوائد کی پیشکش کے ذریعہ اس قسم کا اتحاد قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ دوسری حکومتیں فرمان کے ذریعے زبردستی اتحاد قائم کرتی ہیں۔ ظلم نے یہی حربہ استعمال کیا تھا۔ صورت حال کچھ بھی ہو، جو کلیسیا میں اس دباؤ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہیں، وہ نہ صرف اپنی روحانی خصوصیت کھو بیٹھتی ہیں بلکہ ایذا رسانی کے زمانے میں خفیہ طور پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جاتی ہیں۔

بعض لوگ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اعمال کی کتاب کی کلیسیاؤں کی مرکزی اتھارٹی تو تھی یعنی یروشلم کی کونسل جس کے بارے میں ہم ابھی ابھی بات کر رہے تھے۔ لیکن اگر ہم زیرِ نظر آیات کا احتیاط سے مطالعہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی باضابطہ ادارہ (آئین اور قواعد و ضوابط کے تحت وجود میں آنے والا) نہیں تھا۔ اور نہ اس کو انضباطی اختیارات حاصل تھے۔ یہ تو محض رسولوں اور بزرگوں کی ایک مجلس تھی جو صرف مشاورتی حیثیت سے کام کرتی تھی۔

اس کو نسل نے انطوائے سے لوگوں کو حکماً نہیں بلایا تھا بلکہ انہوں نے خود فیصلہ کیا تھا کہ یروشلم میں بزرگوں سے صلاح مشورہ کریں۔ کلیسیاؤں پر کونسل کے فیصلوں کی پابندی لازمی نہیں تھی بلکہ یہ فیصلے پورے گروہ کی متفقہ رائے کا درجہ رکھتے تھے، اور اسی حیثیت میں پیش کئے جاتے اور قبول کئے جاتے تھے۔

کلیسیا کی تاریخ اس کی خود وضاحت کرتی ہے۔ جہاں کہیں بھی کسی مرکزی اتھارٹی کے ماتحت کلیسیاؤں کا وفاق قائم ہوا وہاں تنزل کی رفتار تیز ہو گئی۔ خدا کی خالص ترین گواہی اُن ہی کلیسیاؤں میں قائم رہی ہے جو بیرونی انسانی حکومت سے آزاد رہی ہیں۔

۱۶:۱-۲ - جیسے پرندے شام کو اپنے گھروں میں واپس آتے ہیں ویسے پولس کو پرانی یادیں آئی ہوں گی جب وہ دوسری مرتبہ ”در بے اور لستہ“ میں پہنچا۔ لستہ میں سنگساری کی یاد نے وہاں واپس آنے کو شہیہ میں ڈال دیا ہوگا۔ مگر رسول جانتا تھا کہ اس علاقے میں خدا کے لوگ ہیں۔ ذاتی تحفظ کا کوئی خیال اس کو روک نہیں سکتا تھا۔

جیسا پہلے کہا گیا تیمتھیس اُن دنوں پولس کی خدمت کے نتیجے میں ایمان لایا ہوگا جب یہ رسول پہلی دفعہ لستہ آیا تھا۔ (معلوم ہوتا ہے لستہ تیمتھیس کا آبائی شہر تھا)۔ تیمتھیس کی ماں یونیکے اور نانی لوئس دونوں ”یہودی“ نژاد مسیحی تھیں۔ (۲- تیمتھیس: ۵)۔ اُس کا باپ یونانی تھا۔ لگتا ہے کہ اس وقت تک اُس کا انتقال ہو چکا تھا۔

پولس کو ”لستہ اور اکنیم کے بھائیوں“ سے یہ جان کر دلی خوشی ہوئی کہ ”تیمتھیس“ مسیحی ایمان میں خوب ترقی کر رہا ہے۔ ”پولس“ نے اُس کو بشارتی دورہ پر اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ابتدائی دور کے رسول جوڑا جوڑا ہو کر کام کرتے تھے، اور عمر میں چھوٹے بھائیوں (تیمتھیس اور مرقس) کو مسیحی خدمت کے عملی پہلوؤں کی تربیت دینے کے لئے ساتھ رکھتے تھے۔ اُن نوجوانوں کو کیسا اعزاز حاصل تھا کہ اُسے حوصلہ آزما تبلیغی خدمت میں تجربہ کار اور پختہ کار افراد کے ساتھ ایک ہی جوتے میں جوتے جاتے تھے۔

۱۶:۳ - روانہ ہونے سے پہلے ”پولس“ نے تیمتھیس کا ختنہ کر دیا۔ اُس نے کچھ عرصہ پہلے ططس کا ختنہ کرنے کی سخت مخالفت کی تھی (کلیتوں ۲: ۱-۵)۔ مگر اب اُس نے ایسا کیوں کیا؟ جواب صرف یہ ہے کہ ططس کے معاملے میں سوال بنیادی مسیحی عقیدے کا تھا جبکہ یہاں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ جھوٹے اُستاد متواتر زور دے رہے تھے کہ ططس جیسے نسلی غیر قوم شخص کو نجات پانے کے لئے ختنہ کرانا ضرور ہے۔ پولس نے دیکھ لیا کہ یہ بات مسیح کے کفارے کے کافی ہونے کا انکار ہے۔ اس لئے وہ اس کی اجازت دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس علاقے کے لوگ جانتے تھے کہ تیمتھیس ماں کی طرف سے

یہودی ہے۔ ”پُلُس“، ”سیلاس“ اور ”تیمتھیس“ تبلیغی دَورے پر جانے کو تھے۔ اور اکثر اُن کا پہلا رابطہ یہودیوں سے ہوگا۔ اگراُن ”یہودیوں“ کو پتہ چلتا کہ تیمتھیس کا ختنہ نہیں ہوا تو شاید وہ سُسنے سے انکار کریں۔ اور اگر اُس کا ختنہ ہو چکا ہو تو اُن کی طرف سے اعتراض کا احتمال نہیں رہے گا۔ چونکہ اِس موقع پر یہ امر تعلیمی اور اخلاقی اہمیت کا حامل نہیں تھا اِس لئے ”پُلُس“ نے تیمتھیس سے یہ یہودی رسم پوری کروائی۔ وہ سب لوگوں کے لئے سب کچھ بنا ہوا تھا تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچالے۔

(۱- کرنتھیوں ۹: ۱۹-۲۳)

پُلُس نے تیمتھیس کا ختنہ اِس لئے کیا تاکہ جب وہ خوشخبری کی منادی کرے تو یہودی سامعین بھی کان لگا کر سنیں۔ یہ وضاحت ان الفاظ میں مضمصر ہے کہ پُلُس نے اُس کو لے کر اُن یہودیوں کے سبب سے جو اُس نواح میں تھے اُس کا ختنہ کر دیا، کیونکہ وہ سب جانتے تھے کہ اِس کا باپ یونانی ہے۔

۱۶: ۴-۵۔ جب یہ تیمون بمشتر کا اُتیرے کے ”شہروں میں سے“ گزرتے تھے تو کلیسیاؤں کو وہ ”احکام“ پہنچاتے جاتے تھے جو یہ وہ شہیم کے رسولوں اور بزرگوں نے جاری کئے تھے۔ مختصراً یہ احکام یہ تھے:

۱- جہاں تنگ نجات کا تعلق ہے، صرف ایمان ضروری ہے۔ ختنہ یا شریعت کی پابندی کو

نجات کی شرائط کے طور پر ساتھ نہیں لانا چاہئے۔

۲- حرام کاری کی ممانعت سارے ایمان داروں کے لئے اور ہر زمانے کے لئے ہے۔ لیکن

غالباً یہ بات غیر قوم سے ایمان لانے والوں کو خاص طور پر یاد دلائی جاتی تھی کیونکہ یہ گناہ اُن کو اکثر تنگ کرتا تھا (اور اب بھی کرتا ہے)۔

۳- بتوں کی قربانیوں اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں، اور لہو کو کھانے کی ممانعت

ہے۔ اِس لئے نہیں کہ یہ نجات کے لئے ضروری ہیں، بلکہ اِس لئے کہ یہودیوں اور

غیر قوم ایمان داروں کے درمیان رفاقت و شراکت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اِن ہدایات

میں سے بعض پر بعد میں نظر ثانی کی گئی (ملاحظہ کریں ۱- کرنتھیوں ابواب ۸-۱۱)۔

تیمتھیس ۴: ۴، ۵)۔

ان آدمیوں کی خدمت کے نتیجے میں ”کلیسیائیں“ مسیحی ایمان میں مضبوط اور شمار میں روز بروز

زیادہ ہوتی گئیں۔

۱۶: ۶-۸۔ یہ آیات زبردست اہمیت کی حامل ہیں کیونکہ ثابت کرتی ہیں کہ رسولوں کی بشارتی



حکمتِ علمی میں "روح القدس" ہدایت اور رہنمائی اور نگرانی کرتا تھا۔ "فروگیر اور کلٹیہ کے علاقوں میں" کلیسیاؤں کا دوبارہ دورہ کرنے کے بعد انہوں نے "آسیہ" کے صوبے میں جانے کی ملاح کی۔ یہ علاقہ مغربی ایشیائے کوچک میں ہے۔ مگر "روح القدس نے انہیں... منع کیا۔" بتایا نہیں گیا کہ کیوں۔ بعض علما کا خیال ہے کہ الہی مشورت میں یہ علاقہ بطرس کے لئے مخصوص کیا گیا تھا (دیکھئے ایپٹس: ۱۱)۔ کچھ بھی ہو وہ شمال مغرب کو چلے گئے اور "موسیہ" کے علاقے میں آئے۔ دراصل یہ آسیہ کے صوبے میں شامل تھا، مگر معلوم ہوتا ہے وہاں انہوں نے منادی نہیں کی۔ اس کے بعد انہوں نے شمال مشرق میں "بتونہ" میں جانے کی کوشش کی۔ یہ جگہ بحیرہ اسود کے ساحل کے ساتھ ساتھ واقع ہے۔ مگر "روح نے انہیں جانے نہ دیا۔" چنانچہ وہ بسیدہ مغرب کو ہوئے اور ساحلی شہر "تروآس" میں آئے۔ یہاں سے یہ مشنری بحیرہ ایجیئن کے پار یونان کی طرف دیکھ سکتے تھے جو یورپ کا دروازہ ہے۔ رٹری لکھتا ہے:

"آسیہ کو بائبل مقدس کی ضرورت تھی۔ لیکن ابھی خدا کا وقت نہیں آیا تھا۔ ضرورت ان کی بلاہٹ کے لئے کافی نہیں تھی۔ وہ ابھی ابھی مشرق سے آئے تھے۔ ان کو جنوب یا شمال کو جانے سے منع کیا گیا تھا۔ مگر ان کو خیال نہ آیا کہ خداوند انہیں مغرب کو لے جا رہا ہے۔ وہ اُس کی واضح ہدایات کا انتظار کر رہے تھے۔ صرف منطق ہی بلاہٹ کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔"

۹:۱۶۔ "پؤس نے رات کو رویا میں دیکھا کہ ایک مکدنی آدمی کھڑا ہوا اُس کی منت کر کے کہتا ہے کہ یارا تکر مکدنیہ میں آ اور ہماری مدد کر۔" مکدنیہ یونان کا شمالی حصہ ہے اور تروآس سے بالکل مغرب کی طرف ہے۔ مکدنیہ (اور سارے یورپ) کو چھٹکارے کے فضل کی بشارت کی ضرورت تھی۔ خداوند آسیہ کی طرف دروازے بند کر رہا تھا تاکہ اُس کے خادم خوشخبری کو یورپ لے جائیں۔ سنا کہ اس حقیقت کی تصویر کھینچتا ہے:

"مکدنی آدمی یورپ کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور مدد کے لئے اُس کی پیکار یورپ کو مسیح کی ضرورت کی نمائندہ ہے۔ رویا سے پؤس نے جان لیا کہ یہ خدا کا حکم ہے۔ اور اگلے دن غروب آفتاب نے جو اپنی سنہری کرنوں سے آبنائے دانیاں کو جگمگایا تھا اُس کو ایک جہاز کے عرشے پر بیٹھا دیکھا جس کا رخ مکدنیہ (مقدونیہ) کی طرف تھا۔"

۱۰:۱۶۔ یہاں ایک نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے۔ اسم ضمیر "وہ" کی بجائے "ہم" استعمال ہونے لگا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ اس وقت اعمال کی کتاب کا مصنف بھی پؤس اور سیلاس کے ساتھ آیا۔ چنانچہ

اس کے بعد کے واقعات کو وہ یقینی شاہد کے طور پر قلم بند کرتا ہے۔

## الہی راہنمائی

اس دنیا میں مؤثر طور سے کام کرنے کے لئے راہنمائی کیلیسا اپنے اُس سر پر انحصار اور اعتماد رکھتی تھی جو

آسمان میں ہے۔ لیکن خداوند یسوع اپنی مرضی کو اپنے خادموں پر کس طرح ظاہر کرتا تھا؟

آسمان پر جانے سے پہلے اُس نے عام حکمت عملی اُن کو دے دی تھی۔ یہ حکمت عملی اُس کے ان الفاظ میں موجود ہے ”تم ... یروشلم اور تمام یہودیہ اور سامریہ میں بلکہ زمین کی انتہا تک میرے گواہ ہو گے“ (اعمال ۱: ۸)۔ آسمان پر جانے کے بعد یسوع اپنی مرضی کو اُن پر کئی طریقوں سے ظاہر کرتا تھا۔

یہوداہ کا جانشین چننے کے سلسلے میں (۱: ۱۵-۲۶) پطرس اور دیگر شاگردوں کو پورے عہد نامہ کے

صحائف ”زبور“ (۶۹: ۲۵) سے راہنمائی ملی۔

کم سے کم پانچ موقعوں پر خداوند نے ”روبا“ کے ذریعے اُن کی راہنمائی کی — حنیہ (۹: ۱۰-۱۶) ،

گرنیلےس (۱۰: ۳) ، پطرس (۱۰: ۱۱، ۱۲، ۱۷) ، پولس (دو دفعہ — ۱۶: ۱۶، ۱۸، ۱۹)۔

دو دفعہ اُس نے ”نیوں“ کی معرفت راہنمائی کی (۱۱: ۲۷-۳۰؛ ۲۱: ۱۰-۱۲)۔

دوسرے موقعوں پر مسیحیوں نے ”حالات“ سے ہدایت حاصل کی۔ مثال کے طور پر ظلم و ستم نے

اُن کو پرگندہ کر دیا (۸: ۱-۱۱؛ ۱۱: ۱۹؛ ۱۳: ۵۰؛ ۵۱؛ ۱۴؛ ۵؛ ۶)۔ حکومت کے مقتدر افراد نے پولس

اور سیلاس کو فلپی سے نکل جانے کا حکم دیا (۱۶: ۳۹، ۴۰)۔ بعد میں افسرانِ اعلیٰ پولس کو یروشلم سے

قیصریہ لے گئے (۲۳: ۳۳)۔ پولس نے قیصر کو اپیل کی اور اس کے نتیجے میں اُس کو روم جانا پڑا (۲۵: ۱۱)۔

اور بعد میں جہاز کی تباہی نے وقت اور واقعات کی ترتیب کا تعین کیا (۲۷: ۲۸؛ ۱: ۲۸)۔

بعض اوقات ”صلاح مشورہ اور دوسرے مسیحیوں کے کسی کام میں پہل کرنے“ سے بھی راہنمائی حاصل

ہوئی۔ یروشلم کی کلیسیا نے برنیاس کو انطاکیہ بھیجا (۱۱: ۲۲)۔ اگلس نے کال کی پیشین گوئی کی۔ اس سے انطاکیہ

کی کلیسیا کو تحریک ہوئی کہ یہودیہ کے مقدسین کے لئے امدادی سامان بھیجیں (۱۱: ۲۷-۳۰)۔ انطاکیہ کے بھائیوں

نے پولس اور برنیاس کو یروشلم بھیجا (۱۵: ۲)۔ یروشلم کی کلیسیا نے برنیاس اور پولس کے ساتھ یہوداہ اور

سیلاس کو بھیجا (۱۵: ۲۷-۲۷)۔ جب پولس اور سیلاس دوسرے تبلیغی دورے پر روانہ ہوئے تو

بھائیوں کو خدا کے فضل کے سچے دیکھا (۱۵: ۴۰)۔ گسترہ سے روانہ ہوتے وقت پولس تیمتھیس کو ہمراہ لے گیا

(۱۶: ۳)۔ تیمتھیس کے بھائیوں نے تشدد کے خطرے کے پیش نظر پولس اور سیلاس کو بیرہ بھیج دیا

(۱۰: ۱۷)۔ اسی طرح بیریہ کے بھائیوں نے اسی قسم کے خطرے کے باعث پوکس کو روانہ کر دیا (۱۷: ۱۳) ،  
 (۱۵) اور پوکس نے تیمتھیس اور اراستس کو مکہ نہر بھیج دیا (۱۹: ۲۲)۔

راہنمائی کے مندرجہ بالا طریقوں کے علاوہ کئی ایسے واقعات بھی ہیں جہاں معلوم ہوتا ہے کہ افراد کو خدا کی مرضی کی براہ راست اطلاع ملی۔ ایک فرشتے نے فلپس کی حبشی خوجہ تک راہنمائی کی (۸: ۲۶)۔ جب انطاکیہ میں نبی اور معلم روزہ رکھ کر دعا کر رہے تھے تو رُوح القدس ان سے ہم کلام ہوا (۱۳: ۲۱)۔ رُوح القدس نے پوکس اور تیمتھیس کو آسیہ میں کلام سنانے سے منع کیا (۱۶: ۶)۔ بعد میں انہوں نے بتوئیہ جانے کی کوشش کی مگر رُوح القدس نے جانے کی اجازت نہ دی (۱۶: ۷)۔

مختصراً یہ کہ ابتدائی دور کے مسیحی مندرجہ ذیل طریقوں سے راہنمائی حاصل کرتے تھے :

۱۔ پاک صحائف سے

۲۔ روایا اور نبوت کے وسیلے سے

۳۔ حالات سے۔

۴۔ دوسرے مسیحیوں کی صلاح و مشورہ اور کسی کام میں پہل کرنے سے۔

۵۔ براہ راست اطلاع ملنے سے (ممکن ہے یہ کوئی باطنی قائلیت ہو)۔

۱۱: ۱۶-۱۲۔ مسیح کے یہ انتھک ایلیپی "ترواس سے جہاز میں روانہ ہو کر پہلی رات جزیرہ سمٹراکے"

کے قریب لنگر انداز ہوئے۔ اس کے بعد "ٹیا پلس" پہنچے جو ترواس سے تقریباً ۱۲۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ پھر چند میل اندرون ملک سفر کر کے "فلپی" میں پہنچے جو مکہ نہر کا شہر اور اُس قسمت کا صدر مقام تھا۔

۱۶: ۱۳-۱۵۔ معلوم ہوتا ہے کہ فلپی میں کوئی یہودی عبادت خانہ نہیں تھا۔ مگر پوکس اور اُس کے ساتھیوں

کو معلوم ہوا کہ کچھ یہودی "سبت کے دن شہر کے دروازہ کے باہر ندی کے کنارے" جمع ہوتے ہیں۔

وہ اُس جگہ پہنچے تو دیکھا کہ کچھ عورتیں "دعا مانگ رہی ہیں۔ ان میں لڈیہ نام ایک خاتون بھی شامل تھی۔

غالباً وہ غیر توہم سے یہودی ایمان میں شامل ہوئی تھی۔ اُس کا آبائی تعلق "ٹھوآتیرہ شہر" سے تھا جو مغربی

ایشیائے کوچک میں لڈیہ کے علاقے میں واقع تھا۔ وہاں سے وہ فلپی آگئی تھی۔ وہ قرمز بیچنے والی تھی۔

غالباً قرمزی رنگ کا کپڑا بیچتی تھی۔ "ٹھوآتیرہ" اپنے رنگوں کے لئے مشہور تھا۔

کلام سننے کے لئے نہ صرف اُس کے کان کھلے تھے بلکہ "دل" بھی کھلا تھا۔ اُس نے خداوند

یسوع کو قبول کیا اور اپنے گھرانے سمیت بہتسمہ لے لیا۔ بلاشبہ بہتسمہ لینے سے پہلے اُس کے گھرانے

کے افراد بھی ایمان لائے تھے۔ لڈیہ کے شادی شدہ ہونے کا ذکر نہیں۔ اُس "گھرانے" میں نوکر وغیرہ

بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

”لیدے“ کو نجات اعمال سے نہیں ملی بلکہ نجات اس لئے ملی کہ نیک اعمال کرے۔ اُس نے اپنے ایمان کی سچائی کا ثبوت دینے کے لئے پولس، سیلاس، توتقا اور تیمتھیس کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھول دیئے۔  
۱۶:۱۶-۱۸۔ کسی اور دن جب پولس اور اُس کے رفیق کار ”دعا کرنے کی جگہ“ کو جا رہے تھے تو انہیں ”ایک کونڈی ملی جس میں غیب دان رُوح تھی“ بدرُوح گرفتہ ہو کر وہ مستقبل کا حال بتاتی اور کئی اور حیرت افزا امکشافات کرتی تھی اور اس طرح ”اپنے مالکوں کے لئے بہت کچھ کماتی تھی“۔

جب اُس کونڈی نے مسیحی مبشرین کو دیکھا تو اُن کے پیچھے آکر چلانے لگی ”یہ آدمی خدا تعالیٰ کے بندے ہیں جو تمہیں نجات کی راہ بتاتے ہیں“۔ اور وہ بہت دنوں تک ایسا ہی کرتی رہی۔ اُس کا کناسیح تھا لیکن ”پولس“ جانتا تھا کہ بدرُوحوں کی گواہی قبول کرنا درست نہیں۔ علاوہ ازیں وہ اُس لڑکی کی زبوں حالی پر بھی افسردہ تھا جسے شیطان نے بھی اپنی ”لوٹی“ بنا رکھا تھا۔ چنانچہ اُس نے ”یسوع مسیح“ کے ”قادر نام“ سے بدرُوح کو حکم دیا کہ ”اس میں سے نکل جا“۔ وہ لڑکی اس ہواناک بندھن سے فوراً آزاد ہو گئی۔ وہ ہوش میں آگئی اور اُس کی عقل بحال ہو گئی۔

## مُعجزات

اعمال کی پوری کتاب کے تانے بانے میں معجزات موجود ہیں۔ چند نمایاں معجزات کی فہرست ذیل میں دی جاتی ہے:

غیر زبانوں کی نعمت ۲:۲؛ ۱۰:۴۶؛ ۱۹:۶

ہیکل کے دروازے پر لنگرے آدمی کی شفا ۳:۷

حنفیہ اور سفیرہ کی خدکے غضب کے تحت فوری موت ۵:۵؛ ۱۰:۷

رسولوں کی قیدخانے سے رہائی ۵:۱۹

پولس کا جلالی مسیح سے آمناسامنا ۹:۳-۶

پطرس کا اینیاس کو شفا دینا ۹:۳۴

تبتیا کا زندہ کیا جانا ۹:۴۰

پطرس کی روایا کہ آسمان سے چادر اترتی ہے ۱۰:۱۱

فرشتے کا ہیرودیس کو مارنا ۱۲:۲۳

ایماس جادوگر کا غضب کے تحت آندھا ہو جانا ۱۳:۱۱

- سُترہ میں پُوس کا مفارُج آدمی کو شفا دینا ۱۰:۱۴
- سُترہ میں سنگساری کے بعد پُوس کا بحال ہونا ۲۰:۱۹:۱۴
- پُوس کی روایا کہ مکدنی آدمی مدد کے لئے بلارہا ہے ۹:۱۶
- فلپی میں پُوس کا لوٹدی میں سے بدروح کو نکالنا ۱۸:۱۶
- فلپی میں سے پُوس اور سیلاس کی قید خانے سے رہائی ۲۶:۱۶
- یوحنا میں پُوس کو زندہ کرنا ۱۱:۱۰:۲۰
- اگس کی نبوت ۱۱:۱۰:۲۱
- میلیتے میں سانپ سے چھٹکارا ۴:۳:۲۸
- پیلیس کے باپ کو بچار اور پیمش سے شفا ۸:۲۸
- باقی لوگوں کی شفا ۹:۲۸

بتایا گیا ہے کہ ان معجزات کے علاوہ بھی رسول نشان اور عجیب کام دکھانے تھے (۲:۳۳)۔ سنفسس لوگوں میں نشان اور عجیب کام دکھاتا تھا (۹:۸)۔ فلپس نشان اور معجزے دکھاتا تھا (۸:۶، ۱۳)۔ برناباس اور پُوس نشان اور عجیب کام دکھاتے تھے (۱۲:۱۵)۔ خدا پُوس کے ہاتھ سے معجزات کرتا تھا (۱۱:۱۹)۔ اعمال کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ”کیا آج بھی معجزات کی توقع کرنی چاہئے؟“ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے دونوں انتہاؤں سے بچنا چاہئے۔ پہلی صورت حال تو یہ ہے کہ چونکہ یسوع مسیح کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے اس لئے آج بھی وہی معجزے ہونے چاہئیں جو ابتدائی کلیسیا میں ہوتے تھے۔

دوسری انتہا یہ ہے کہ معجزات کلیسیا کے صرف ابتدائی زمانے کے لئے تھے لہذا آج ہم ان کی توقع کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

یہ بات سچ ہے کہ ”یسوع مسیح کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے“ (عبرانیوں ۱۳:۸)۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خدا کے طریقوں میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ مثال کے طور پر خدا نے جو آفتیں مصر پر نازل کیں، وہ دوبارہ کبھی کسی پر نازل نہیں۔ اُس کی قدرت تو وہی ہے۔ وہ اب بھی ہر قسم کے معجزے کر سکتا ہے۔ لیکن اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ ہر زمانے میں ایک ہی قسم کے معجزے کرنا اُس پر لازم ہے۔ وہ تو لامتناہی تنوعات کا خدا ہے۔

دوسری طرف ہمیں یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ موجودہ کلیسیائی دور میں معجزات کی ضرورت ہی نہیں۔

۔ تو بہت آسان ہے کہ ہم مجبوزوں کو ایک طرف کر کے خود ایسی زندگیوں پر مطمئن اور قانع ہو کر بیٹھ جائیں جو جسم اور توان کی سطح سے کبھی اوپر نہیں اٹھتیں۔

ہماری زندگیاں فوق الفطرت قوت سے سرشار ہونی چاہئیں۔ ہمیں ہر وقت دیکھنے رہنا اور سمجھنا چاہئے کہ سارے حالات کا رخ ایک ہی مرکزی نقطے کی طرف ہے اور ان کے پیچھے خدا کا ہاتھ ہے۔ ہمیں کسی پراسرار اور معجزانہ طریقے سے خدا کی راہنمائی کا تجربہ ہوتے رہنا چاہئے۔ ہمیں اپنی زندگیوں میں ایسے واقعات کا تجربہ ہونا چاہئے جو امکانات کے قاعدہ کلیہ سے ماوراء ہوتے ہیں۔ ہمیں احساس اور شعور ہونا چاہئے کہ خدا روابط کا اہتمام کر رہا ہے، دروازے کھول رہا ہے، مخالفت کو خیر مؤثر بنا رہا ہے۔ ہماری خدمت میں فوق الفطرت کی چاشنی ہونی چاہئے۔

ہمیں دعاؤں کے براہ راست جواب موصول ہونے چاہئیں۔ جب ہماری زندگیاں دوسرے لوگوں کو چھوٹے تو خدا کے لئے کچھ ہوتا ہوا نظر آنا چاہئے۔ ہمیں بے کاری، تعطل، حادثہ، نقصان اور امید نہ ہونے کا ہاتھ دکھانا دینا چاہئے۔ ہمیں غیر معمولی مشکلات سے نجات کا تجربہ ہونا چاہئے۔ ہمیں ایسے حوصلہ، قوت، توفیق و رحمت، امن، اطمینان اور حکمت کا احساس ہونا چاہئے جو ہماری فطری حدود سے ماوراء ہے۔

اگر ہماری زندگیاں صرف فطری سطح پر بسر ہوتی رہتی ہیں تو پھر ہم میں اور غیر مسیحیوں میں کیا فرق رہے گا؟ خدا کی مرضی یہ ہے کہ ہماری زندگیاں فوق الفطرت ہوں، کہ ہم میں سے یسوع مسیح کی زندگی جاری ہو کر دوسروں تک پہنچے۔ جب ایسا ہوگا تو محالات اور ناممکنات پگھل جائیں گے، بند دروازے کھل جائیں گے اور قوت اُمید نے لگے گی۔ پھر ہم میں روح القدس کی اتنی قوت بھر جائے گی کہ جب لوگ ہمارے قریب آئیں گے تو روح کے شراروں کو محسوس کریں گے۔

۱۹: ۱۶-۲۴۔ اب یہ خاتون بد روح کے چنگل سے آزاد تھی۔ مگر اُس کی آزادی پر شکر گزار ہونے کی بجائے اُس کے مالکوں کو سخت غصہ آیا کہ ”ہماری کمائی کی اُمید جاتی رہی ہے۔ چنانچہ وہ ”پولس اور سیلاس کو پکڑ کر حاکموں کے پاس چوک میں کیچنے لے گئے“ (یہاں ”حاکموں“ سے مراد ”میجسٹریٹوں“ ہے) اور بڑھا چڑھا کر الزام لگانے لگے۔ ”بنیادی طور پر یہ الزام لگایا کہ یہ ”یہودی“ ہیں اور ”کھلبلی ڈالتے ہیں“ یعنی رومی طرز زندگی کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ”فوجداری کے حاکموں نے ان کے کپڑے پھاڑ کر اتار ڈالے اور بینت لگانے کا حکم دیا۔“ ان بشروں (پولس اور سیلاس) کو پہلے تو خوب بینت لگائے، پھر قید خانہ میں ڈالا اور خصوصی ہدایات جاری کیں کہ ”داروغہ... بڑی ہوشیاری سے ان کی نگہبانی کرے۔“ ایسے سخت حکم کے باعث داروغے نے ان کو اندر کے قید خانہ میں ڈال دیا اور ان کے پاؤں کاٹھیں ٹھونکنے لگے۔“

کلام کے اس حصے میں ہمیں شیطان کے دو بڑے حربے نظر آتے ہیں۔ اول، اُس نے جھوٹی دوستی کو آزمایا، یعنی بدروح گرفتہ لڑکی کی گواہی۔ یہ حربہ ناکام ہوا تو کھلم کھلا ظلم و ستم پر اتر آیا۔ اے۔ اے۔ اے۔ پلوگ تبصرہ کرتا ہے کہ :

”ابلیس یہ سوچ کر کیا فاتحانہ بغلیں بجا رہا ہو گا کہ میں نے مسیح کے ان جاں نثار خادموں کے مقصد زندگی کو یوں بیکامیاب کر دیا ہے۔ لیکن اُس کا شادیا نے بجانا قبل از وقت تھا۔ اُس کے ساتھ ہمیشہ یوں ہی ہوتا ہے اور ہمیشہ ہو گا بھی۔ زیرِ نظر معاملے میں سب کچھ ہزیمت اور یابوسی میں بدل گیا اور خداوند کے کام میں افزائش کا باعث بنا۔“

۱۶: ۲۵۔ ”آدھی رات“ نے دیکھا کہ پوٹس اور سیلاس دُعا کر رہے اور خدا کی حمد کے گیت گارہے ہیں۔ اُن کی خوشی اور شادمانی کو دنیاوی حالات سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اُن کے گانے کا سرچشمہ تو اوپر آسمان کی بلندیوں میں تھا۔

۱۶: ۲۶۔ دوسرے قیدی اُن کی دُعا میں اور خدا کی حمد و ستائش کے گیت سن رہے تھے کہ اتنے میں ایک غیر معمولی ”صہو سچال“ نے قیدخانے کو ہلا دیا اور اُس کے ”سب دروازے کھل گئے“۔ سارے قیدیوں کی بیڑیاں کھل پڑیں، پاؤں کاٹھ سے آزاد ہو گئے۔ لیکن عمارت تگرہی۔

۱۶: ۲۸، ۲۹۔ وارد فرم بھی جاگ اٹھا۔ اُس نے قیدخانہ کے دروازے کھلے دیکھے تو سمجھا کہ قیدی بھاگ گئے۔ اُسے اچھی طرح خبر تھی کہ اب میری جان کی بھی خیر نہ ہوگی۔ چنانچہ اُس نے خود کبھی کی عرض سے اپنی ”تلاز“ کھینچ لی۔ لیکن پوٹس نے بلند آواز سے ہپکار کر اُسے روکا اور یقین دلایا کہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ”سب“ قیدی ابھی تک موجود تھے۔

۱۶: ۳۰۔ اب داروغہ کو ایک نئے احساس نے مغلوب کر لیا۔ زندگی اور ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے خوف و خدشہ کی جگہ گناہ کی گہری تاملیت ابھرائی۔ اب اُسے اس خوف نے آدیا یا کہ مجھے اپنے گناہوں میں خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ وہ ہپکار اٹھا ”اے صاحبو! میں کیا کروں کہ نجات پاؤں؟“

ایمان لانے سے پہلے اس سوال کا پیدل ہونا ضروری ہے۔ انسان کو جاننا ضروری ہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہے۔ پہلے یہ جانے گا تو نجات پاسکے گا۔ جب تک انسان دل سے یہ نہیں کہتا کہ میں تو واقعی جہنم کے لائق ہوں“ اُس وقت تک اُسے یہ بتانا قبل از وقت اور بے سود ہے کہ نجات کیسے پاسکتا ہے۔

۱۶: ۳۱۔ نئے عہد نامہ میں اگر کسی کو خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے تو صرف ان

گنہگاروں کو جو مانتے تھے کہ ہم گنہگار ہیں۔ جب داروغہ اپنے گناہوں پر پورے طور سے شکستہ دل ہو چکا تھا تو اُس کو بتایا گیا کہ ”خداوند یسوع پر ایمان لا تو تو اور تیرا گھرانہ نجات پائے گا“۔

یہاں یہ خیال ہرگز نہیں پایا جاتا کہ اگر داروغہ ایمان لائے گا تو اُس کا گھرانہ اپنے آپ نجات پا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ”خداوند یسوع پر ایمان“ لائے گا تو وہ ”نجات پائے گا“ اور اُس کا گھرانہ بھی اسی طرح نجات پائے گا۔ ”ایمان لا... اور تو نجات پائے گا... اور تیرا گھرانہ بھی ایسا ہی کرے۔“ موجودہ دور میں بہت سے لوگوں کو یہ جاننے اور سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے کہ ایمان لانے کا مطلب کیا ہے۔ لیکن جب کسی گنہگار کو احساس ہو جاتا ہے کہ میں کھویا ہوا، بے کس، نا اُمید اور جہنم میں جانے والا ہوں اور اُس سے کہا جاتا ہے کہ مسیح پر ایمان لا کہ وہ خداوند اور منجی ہے تو وہ خوب سمجھ جاتا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے، کیونکہ صرف یہی ایک بات رہ جاتی ہے جو وہ کر سکتا ہے۔

۱۶: ۳۲-۳۴۔ پُلُؤس اور سیلاس نے گھرانے کو تعلیم دینے میں کچھ وقت گزارا تو داروغہ نے علمائیت کیا کہ وہ پچھے دل سے ایمان لایا تھا۔ ”اُس نے... اُن کے زخم دھوئے“ اور بلا تاخیر ”بپتسمہ لیا۔“ مزید براں وہ اُن کو اپنے گھر میں لایا۔ اُنہیں کھانا کھلایا اور ”سارے گھرانے سمیت خدا پر ایمان لاکر بڑی خوشی کی۔“ وہ سارے خوش تھے کہ ہم کو خداوند مل گیا ہے۔

ہم پھر سے ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں کوئی ایسی بات درج نہیں جس سے اشارہ ملتا ہو کہ جس گھرانے نے بپتسمہ لیا اُس میں بہت چھوٹے یا شیرخوار بچے بھی تھے۔ وہ سب اتنے بڑے اور سمجھ دار تھے کہ ”خدا پر ایمان لا سکتے تھے۔“

۱۶: ۳۵۔ گلتا ہے کہ رات کے دوران ہی ”فوجداری کے حاکموں“ کے دل تبدیل ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ جب دن ہوا تو انہوں نے ”حوالداروں“ کو یہ ہدایت دے کر بھیجا کہ اُن دو قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ ۱۶: ۳۶، ۳۷۔ جب داروغہ نے یہ خوشخبری ”پُلُؤس کو“ سنائی تو رسول نے ان حالات میں وہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔ آخر وہ اور سیلاس اگرچہ پیدائش کے لحاظ سے یہودی تھے، لیکن رومی شہری تھے۔ اُن پر بلا جواز مقدمہ چلایا اور ”پٹوایا“ گیا۔ اور اب حاکم چاہتے تھے کہ وہ چپکے سے کھسک جائیں جیسے تھوڑا تھے اور شرم محسوس کر رہے تھے۔ ”ہرگز نہیں“۔ پُلُؤس نے مطالبہ کیا کہ حاکم ”آپ آکر ہمیں باہرے جائیں“ خود آکر رہا کریں۔

۱۶: ۳۸-۴۰۔ حاکم ضرور آئے، اور معذرت خواہ ہوئے! انہوں نے پُلُؤس اور سیلاس سے درخواست کی کہ مزید پہنچل یا ہنگامے کے بغیر شہر سے چلے جائیں۔ بادشاہ کے فرزندوں کے سے وقار کے ساتھ خداوند کے



خادموں کو "قید خانہ سے" نکال کر لایا گیا۔ لیکن وہ شہر سے قورا نہیں چلے گئے۔ پہلے وہ "گدیہ کے ہاں گئے"۔ وہاں "بھائیوں" سے بات چیت کی اور ان کو "تسلی دی"۔ کیسی خوشی کی بات ہے! جن کو خود تسلی کی ضرورت تھی وہ دوسروں کو تسلی دیتے تھے!

جب فلپین میں ان کا کام پورا ہو گیا وہ گویا فتح کے جھنڈے لہراتے ہوئے وہاں سے "روانہ ہوئے"۔  
 ۱۷: ۱- فلپین سے روانہ ہو کر پوٹس اور سیلاس نے تقریباً تینتیس میل جنوب مغرب کو سفر کیا اور "امفیلس" پہنچے۔ ان کا اگلا مقام "اپلو نیہ" میں پڑا جو مزید تیس میل آگے جنوب مغرب میں تھا۔ وہاں سے وہ مغرب کی طرف سینتیس میل کا سفر کر کے "تھسلسنگ" میں آئے۔ یہ شہر تجارتی شاہراہوں کے سنگم پر بڑی باوقوع جگہ پر واقع تھا اور تجارت کا بہت اعلیٰ مرکز تھا۔ رُوح القدس نے اس شہر کو ایک ایسا صدر مقام ہونے کے لئے چُن لیا جہاں سے خوشخبری بہت سی اطراف میں پھیلے گی۔ آج یہ شہر سیلوئیکی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

جب پوٹس اور سیلاس خُداوند کے لئے نئے علاقے فتح کرنے کو فلپین سے روانہ ہوئے تو لوقا وہیں رہ گیا ہوگا۔ یہ اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ واقعات بیان کرنے کے انداز میں تبدیلی آگئی ہے اور "ہم" کی بجائے پھر "وہ" استعمال ہونے لگا ہے۔

۱۷: ۳-۴۔ اپنے دستور کے موافق "ان مبشروں نے یہودی عبادت خانہ ڈھونڈ نکالا اور وہاں خوشخبری کی منادی کی۔ پوٹس نے... تین سبتوں کو کتاب مقدس سے ان کے ساتھ بحث کی کہ نبوت کی گئی تھی کہ مسیح موعود کو دکھانے اور مردوں میں سے جی اٹھنا ضرور تھا۔ اُس نے یہ باتیں کتاب مقدس سے ثابت کیں۔ اور پھر بتایا کہ "یسوع" ناصری ہی مسیح موعود ہے جس کا اتنی مدت سے انتظار ہو رہا تھا۔ کیا اُس نے دکھ نہیں اٹھایا اور مرکر مردوں میں سے نہیں جی اٹھا؟ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہی خُدا کا مسیح ہے؟

۱۷: ۴-۷۔ یہودیوں میں سے "بعض نے مان لیا اور پوٹس اور سیلاس کے شریک ہوئے" کہ ہم بھی مسیح پر ایمان لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے یونانی نو مزید اور اس شہر کی "بہتری شریف عورتیں" بھی ایمان لائیں۔ یہ دیکھ کر ایمان نہ لانے والے یہودی بھڑک اٹھے اور انہوں نے فیصلہ کن اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے "بازاری آدمیوں میں سے کئی بد معاشوں" کو جمع کر کے فساد اور ہنگامہ کھڑا کر دیا اور "یاسون کا گھر" گھیرے میں لے لیا، کیونکہ پوٹس اور سیلاس وہیں مہمان تھے۔ جب پوٹس اور سیلاس کو اس گھر میں نہ پایا تو "یاسون اور کئی اور بھائیوں کو (جو اُس کے ہم ایمان تھے) حاکموں کے پاس...

کھینچ لے گئے۔ ان کا ارادہ اور مقصد تو نہیں تھا لیکن انہوں نے پُلُوس اور سیلاس کی بڑی تعریف کی۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے جہان کو باغی کر دیا“ (لفظی ترجمہ۔ جہان کو الٹ دیا ہے)۔ یہ الزام تو دراصل تعریف تھی۔ پھر الزام لگایا کہ یہ شخص ”قیصر“ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کر رہے ہیں کیونکہ کہتے ہیں کہ ”بادشاہ تو اور ہی ہے، یعنی یسوع“۔ یہودیوں کے لئے ایسی بات کرنا واقعی عجیب تھا کہ وہ ”قیصر“ کی حکومت کی محافظت میں ایسے شوق اور جذبہ کا مظاہرہ کریں۔ بھلا ان کے دلوں میں رومی سلطنت کے لئے محبت تھی کہاں؟

لیکن کیا ان کا الزام درست تھا؟ بے شک انہوں نے پُلُوس کے منہ سے سنا تھا کہ یسوع دوبارہ آئے گا اور ساری دنیا پر بادشاہ ہوگا۔ لیکن اس سے تو قیصر کی حکومت کو کوئی فوری خطرہ نہ تھا کیونکہ مسیح اُس وقت تک واپس نہیں آئے گا جب تک اسرائیل من حیث القوم تو بہ نہ کرے۔

۹۷:۱۷۔ ران خبروں سے ”شہر کے حاکم گھبرا گئے“۔ انہوں نے ”یاسون“ اور اُس کے ساتھیوں سے تو ”ضمانت“ لے لی۔ اور غالباً یہ پدایت بھی کی ہوگی کہ تمہارے مہمان جلد از جلد شہر چھوڑ جائیں۔ پھر حاکموں نے انہیں چھوڑ دیا۔

۱۰:۱۷۔ ۱۲۔ تھتسلینکے کے بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ ان مبلغوں کو شہر سے روانہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ انہوں نے پُلُوس اور سیلاس کو ”راتوں رات... بیریتہ میں بھیج دیا“۔ یہ ناقابل تخریب مبلغین سیدھے ”یہودیوں کے عبادت خانہ میں گئے“۔ وہ نوحہ شجری سنا رہے تھے اور یہودیوں نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا۔ وہ پُرانے عہد نامہ کے صحائف سے تحقیق کرتے، پڑتال کرتے اور ان کی باتوں کا کلام مقدس کی باتوں سے مقابلہ کرتے تھے۔ وہ سیکھنے پر مائل تھے اور ساری تعلیم کو پاک صحائف کی کسوٹی پر پرکھنے پر مُصر رہتے تھے۔ بہت سے یہودی ایمان لے آئے۔ اس کے علاوہ غیر قوم میں سے ”بہت سی عزت دار عورتیں اور مرد ایمان لائے۔“

۱۳:۱۷۔ ”جب“ یہ اطلاعات واپس ”تھتسلینکے“ پہنچیں کہ پُلُوس اور سیلاس ”بیریتہ“ میں اپنی خدمت کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں تو وہاں کے یہودی خاص طور پر ”بیریتہ“ آئے اور رسولوں کے خلاف ”لوگوں کو ابھارا اور ان میں کھلبلی ڈالی“۔ اس پر بھائیوں نے پُلُوس کو فوراً ساحل سمندر کی طرف بھیج دیا اور محافظت کی خاطر چند ایمان دار اُس کے ہمراہ گئے۔

۱۵:۱۷۔ ”بیریتہ“ سے ”اتھینے تک“ کافی لمبا سفر تھا۔ یہ بات ”بیریتہ“ کے مسیحیوں کی دلی محبت اور جانثاری کی منظر ہے کہ وہ ”اتھینے تک“ پُلُوس کے ساتھ گئے۔ جب وقت آیا کہ وہ ”پُلُوس“ کو ”اتھینے“ میں چھوڑ کر واپس آئیں تو اُس نے ان کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ ”سیلاس اور تیمتھیس... جہاں تک ہو سکے جلد میرے پاس“ آئیں۔

۱۷:۱۶ - ”جب پُلّس اٹھینے میں اُن کی راہ دیکھ رہا تھا تو ”شہرکی“ بت پرستی دیکھ کر اُس کا جی جل گیا۔ اگرچہ اٹھینے تہذیب وثقافت، تعلیم اور فنون لطیفہ کا مرکز تھا مگر پُلّس کو ان میں سے کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ اُس نے یہ وقت شہر کے اہم مقامات اور نظارے دیکھنے میں صرف نہیں کیا۔ ارنوٹ کہتا ہے کہ ”بات یہ نہیں کہ پُلّس سنگ مرمر کے مجسموں کی قدر و قیمت سے واقف نہ تھا بلکہ وہ زندہ انسانوں کو زیادہ قیمتی سمجھتا تھا... وہ کمزور نہیں بلکہ ایسا مضبوط انسان ہے جو غیر فانی رُوحوں کو فنون لطیفہ سے فائق اور اہم سمجھتا ہے... پُلّس بت پرستی کو بے ضرر نہیں بلکہ درد انگیز اور نکھیف دہ مانتا ہے۔“

۱۷:۱۸-۱۸ - ”اُس نے وہ عبادت خانہ میں یہودیوں اور خدا پرستوں سے اور چوک میں جو ملتے تھے اُن سے روز بھرت کیا کرتا تھا۔ اس طرح اُس کا سامنا ”چند اپگوری اور سنوٹوکی“ فلاسفوں سے ہو گیا۔ اپگوری ایک فلاسفر بنام اپگورس کے پیرو تھے۔ اُس کی تعلیم تھی کہ زندگی کا بڑا مقصد علم کا حصول نہیں بلکہ خوشی اور مسرت کا حصول ہے۔ سٹوٹکی وحدت الوجود (ہم ادست کا عقیدہ) کے معتقد تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ حکمت اس میں ہے کہ انسان شدید جذبات سے آزاد ہو، خوشی اور غم کا تاثر نہ لے، اور طبعی قانون کو برضا و رغبت قبول کر لے۔ جب ان دونوں مکاتب فکر کے پیروؤں نے پُلّس کی باتیں سُنیں تو اُس کو ”یکواسی“ قرار دیا۔ اُوروں نے کہا یہ غیر معیرووں کی خریدینے والا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ شروع اور قیامت کی خوشخبری دیتا تھا۔“

۱۷:۱۹-۲۱ - ”وہ اُسے اپنے ساتھ اریو پُلّس پر لے گئے۔“ اریو پُلّس پیریم کورٹ کی قسم کا ایک قومی ادارہ تھا۔ اس کے ممبران مسیح نامی پہاڑی پر فرام ہوتے تھے۔ اس خاص مُصلے میں کوئی مقدمہ تو نہیں تھا بلکہ صرف ایک ایسی پیشی تھی جس میں پُلّس کو موقع دیا گیا کہ اپنی تعلیم کو عدالت کے ممبران اور عام لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ اس کی کچھ وضاحت آیت ۲۱ میں دی گئی ہے۔ ”اتھینوی“ سرباز کھڑے ہو کر باتیں کرنا اور دوسروں کی سنا بہت پسند کرتے تھے۔ لگتا ہے اس کام کے لئے اُن کے پاس وقت کی کوئی کمی نہ تھی۔

۱۷:۲۲ - ”پُلّس نے اریو پُلّس کے بیچ میں کھڑے ہو کر وہ باتیں کیں جن کو کوہ مسیح کا خطاب کہا جاتا ہے۔ اس خطاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ یہودیوں سے نہیں بلکہ غیر قوم والوں سے مخاطب تھا۔ وہ پُرانے عہد نامہ سے واقف نہیں تھے۔ اس لئے پُلّس کو بات شروع کرنے کے لئے کسی ایسے موضوع کی تلاش تھی جس میں سب کی دلچسپی مشترک ہو۔ اُس نے اس مشاہداتی راستے سے آغاز کیا کہ اتھینوی بُت مذہبی لوگ ”دیوتاؤں کے بڑے ماننے والے“ ہیں۔ اٹھینے کے ایک مذہبی شہر ہونے کی تصدیق اس حقیقت سے بھی ہوتی تھی کہ مشہور تھا کہ اٹھینے میں لوگ کم اور بُت زیادہ ہیں۔

۲۳:۱۷ - جب پوکس اُن بتوں پر غور کر رہا تھا جو اُس نے شہر میں دیکھے تھے تو اُسے "ایک ایسی قربان گاہ یاد آئی جس پر لکھا تھا کہ نامعلوم خدا کے لئے۔" ان الفاظ میں پوکس کو وہ جگتہ مل گیا جس سے وہ اپنے پیغام کا آغاز کر سکتا تھا۔ پہلی حقیقت یہ ہے کہ "خدا" کا وجود ہے۔ اور دوسری یہ کہ (تھینوی اُس کو نہیں جانتے۔ پوکس کے لئے یہ فطری بات تھی کہ پیغام کا رخ موڑ کر اُن کو حقیقی "خدا" کے بارے میں بتائے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ "پوکس نے اُن کی خدا پرستی کے آوارہ دھارے کو موڑ کر درست سمت میں ڈال دیا۔"

۲۴:۱۷، ۲۵ - مُبشر کہتے ہیں کہ بُت پرستوں کو خدا کے بارے میں تعلیم دینے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بات کا بُتات کی تخلیق سے شروع کی جائے۔ اٹھینوی لوگوں کے ساتھ پوکس نے بعینہ یہی طریقہ استعمال کیا۔ اُس نے "خدا" کا تعارف یوں کرایا کہ خدا وہ ہستی ہے جس نے دُنیا اور اُس کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔ اپنے ارد گرد اُن گنت مندروں اور بتوں کو دیکھتے ہوئے رسول نے اپنے سامعین کو باور کرایا کہ حقیقی خدا ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا اور نہ... آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی چیز یا کسی شخص کا محتاج نہیں۔ بتوں کے مندروں میں پنڈت اور پُجاری وغیرہ اپنے دیوتاؤں کے لئے کھانے پینے کی اور دوسری ضروریات کی چیزیں لاتے ہیں۔ لیکن حقیقی "خدا" انسانوں سے کوئی چیز لینے کا محتاج نہیں کیونکہ وہ خود زندگی اور سانس اور سب کچھ کا منبع ہے۔

۲۶-۲۸ - اس کے بعد پوکس نے انسانی نسل اور اصل کے آغاز پر بحث کی۔ ساری قومیں ایک ہی خدایا یعنی آدم کی اولاد ہیں۔ نہ صرف یہ کہ قوموں کو خدا نے پیدا کیا ہے بلکہ یہ بھی ٹھہرا دیا کہ اُن کی میعادیں اور سکونت کی حدیں کیا ہوں گی، یعنی اُن کی عمریں کتنی کتنی ہوں گی اور وہ کون کون سے ملک میں رہیں سبیں گی۔ اُس نے اُن پر اُن گنت فضل کئے، بے شمار نعمتیں عطا کیں تاکہ وہ خدا کو ڈھونڈیں۔ وہ چاہتا ہے کہ قومیں "ٹٹول کر اُسے (خدا کو) پائیں"، حالانکہ حقیقت میں وہ کسی سے دور نہیں۔ یہ حقیقی "خدا" ہی ہے جس میں "ہم" سب جیتے اور چلتے پھرتے اور موجود ہیں۔ وہ نہ صرف ہمارا خالق ہے بلکہ ہمارا ماحول بھی ہے۔

۲۸:۱۷ - خالق اور مخلوق کے مابین تعلق پر مزید زور دینے کے لئے پوکس نے اُن کے بعض شاعروں کا حوالہ دیا جنہوں نے کہا ہے کہ "ہم تو اُس کی (خدا کی) نسل بھی ہیں۔" یہاں انسانوں کی برادری اور خدا کی پدریت کی تعلیم مراد نہیں۔ ہم خدا کی "نسل" ان معنوں میں ہیں کہ اُس نے ہمیں خلق کیا ہے۔ لیکن ہم اُس کے فرزند اُسی صورت میں بنتے ہیں کہ خداوندیسوع مسیح پر ایمان لائیں۔

۲۹:۱۷ - پوکس کسی دلیل جاری رہتی ہے۔ اگر انسان "خدا کی نسل" ہیں تو ہم کو یہ خیال کرنا مناسب

نہیں کہ ذاتِ الہی اُس سونے یا روپے یا پتھر کی مانند ہے جو آدمی کے ہمز اور ایجاد سے گھڑے گئے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ انسان جتنے عظیم نہیں ہیں۔ ایک مفہوم میں یہ بُتِ انسان کی نسل ہیں جبکہ سچائی یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان خدا کی مخلوق ہیں۔

۳۰:۱۷۔ بُت پرستی کی حماقت کو بے نقاب کرنے کے بعد پولس بیان کرتا ہے کہ صدیوں سے خدا غیر قومِ دالوں کی "جہالت" سے "چشم پوشی" کرتا آیا ہے۔ مگر اب جبکہ انجیل کا مکاشفہ آگیا ہے وہ (خدا) ہر جگہ حکم دیتا ہے کہ توبہ کریں یعنی پڑانے طور طریقوں کو قطعی طور پر چھوڑ دیں اور نئی راہ اختیار کریں۔

۳۱:۱۷۔ یہ نہایت ضروری پیغام ہے "کیونکہ اُس (خدا) نے ایک دن ٹھہرا یا ہے جس میں وہ لاسستی سے دنیا کی عدالت اُس آدمی کی معرفت کرے گا جسے اُس نے مقرر کیا ہے۔" اُس آدمی کا اشارہ "خداوند یسوع مسیح" کی طرف ہے۔ اور جس عدالت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اُس وقت ہوگی جب مسیح دوبارہ اس دنیا میں آئے گا تاکہ اپنے دشمنوں کا خاتمہ کرے اور ہزار سالہ بادشاہی کا آغاز کرے۔ اس عدالت کی پکی یقین دہانی اس حقیقت میں ہے کہ خدا نے خداوند یسوع کو "مردوں میں سے جلا یا"۔ اس طرح پولس اپنے سامعین کو اپنے پسندیدہ موضوع یعنی مسیح کی قیامت پر لے آتا ہے۔

۳۲:۱۷، ۳۳۔ پولس اپنا پیغام مکمل نہ کر سکا۔ "مردوں کی قیامت" کے تصور پر ٹھٹھا مارنے والوں نے خصل ڈال دیا۔ دوسرے لوگوں نے اُس کا مذاق تو نہیں اڑایا مگر ہچکچاتے رہے۔ وہ کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ اس لئے کہنے لگے "یہ بات ہم تجھ سے پھر سمجھی سنیں گے۔"

۳۴:۱۷۔ لیکن یہ کہنا بھی درست نہیں کہ پولس کا پیغام بے سود ثابت ہوا۔ کم سے کم "دیونسی لیس" ایمان لایا۔ اور وہ "اریوپگس (عدالت) کا ایک حاکم" تھا۔ "ڈمرس نام ایک عورت" اور بعض دیگر لوگ بھی ایمان لائے جن کے نام نہیں دئے گئے۔

"اسی حالت میں پولس اُن کے بیچ میں سے نکل گیا"۔ اس کے بعد ہم اٹھینے کا کوئی ذکر نہیں سنتے۔ پولس ایذا رسانی کے مراکز میں تو دوبارہ آیا لیکن اٹھینے کی فلسفیانہ خوش گفتاری اُسے متاثر کرنے میں ناکام رہی۔ لہذا ایسا لگتا ہے کہ وہ وہاں دوبارہ نہ گیا۔

بعض لوگ پولس کے اس وعظ پر تنقید کرتے ہیں کہ اُس نے اہل اٹھینے کی مذہبیت کی تعریف کی ہے حالانکہ وہ سمحت بُت پرست تھے۔ وہ ایک ایسے کتبہ میں خدا کی شناخت دیکھتا ہے جو کسی بُت کے لئے نُسب کیا گیا تھا۔ اس وعظ میں اٹھینوی لوگوں کے طور طریقوں اور رسومات کا اُس نے زیادہ

رہنما کیا ہے اور یہاں انجیل کے پیغام کو اتنی وضاحت اور زور کے ساتھ پیش نہیں کیا جیسا ہم اُس کے دوسرے پیغامات میں دیکھتے ہیں۔ یہ تنقید بالکل غیر مناسب ہے۔ ہم نے پہلے بھی وضاحت کی ہے کہ پوٹس کسی ایسے نکتے کی تلاش میں تھا جس سے اُن لوگوں کی توجہ اپنی گرفت میں لے سکے۔ پھر وہ اپنے سامعین کو قدم بہ قدم حقیقی خدا کے عرفان تک لایا، پھر مسیح کے عدالت کے لئے آنے کے پیش نظر اُن پر توبہ کی اہمیت واضح کی۔ پوٹس کی منادی کی اسی بات سے تصدیق ہوتی ہے کہ اُس کے وسیلے سے لوگ سچے دل سے ایمان لاتے تھے۔

## غیر رسمی پلٹ

کوہ برسیخ (Mars Hill) پر پوٹس کی منادی مثال ہے اُن غیر رسمی مقامات کی جہاں سے ابتدائی دور کے مسیحیوں نے دنیا کو خوشخبری کا پیغام دیا۔

ایک پسندیدہ جگہ تو کھلا میدان تھی۔ پنٹکسٹ کے دن پیغام گھر سے باہر کھلی جگہ پر دیا گیا ہوگا۔ یہ اندازہ کلام سننے اور ایمان لانے والوں کی تعداد سے ہوتا ہے (اعمال ۲: ۶، ۷، ۸)۔ کھلی جگہ پر منادی کرنے کی دیگر مثالیں ۸: ۱۲، ۱۳؛ ۱۳: ۱۴، ۱۵؛ ۱۷: ۱۸ میں ملتی ہیں۔

کم سے کم دو موقعوں پر، میکیل کے گرد ونواح پیغام سے گونج اٹھے (۱: ۱۱-۱۲؛ ۱۷: ۱۸)۔ پوٹس اور اُس کے ہمقدموں نے فلپس میں ندی کنارے کلام پیش کیا (۱۲: ۱۳) اور یہاں اٹھنے میں اُنہوں نے چوک میں منادی کی (۱۲: ۱۷) اور اس کے بعد کوہ برسیخ پر خطاب کیا۔ یروشلم میں پوٹس نے غتے سے بھرے ہوئے ہجوم سے انتونیا (Antonia) کے قلعے کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر کلام کیا (۲۱: ۲۲-۲۳)۔ کم سے کم چار دفعہ یہودی سپہبدوں کے سامنے پیغام دیا گیا۔ (۱) پطرس اور یوحنا نے (۴: ۸، ۱۹)۔ (۲) پطرس اور دوسرے رسولوں نے (۵: ۲۷-۳۲)۔ (۳) سٹیفنس نے (۷: ۲-۳) اور (۴) پوٹس نے (۲۲: ۳۰-۳۱)۔

پوٹس اور اُس کے ساتھیوں کا عام دستوریہ تھا کہ عبادت خانوں میں انجیل کی بشارت دیتے تھے

(۹: ۳۰؛ ۱۳: ۱۴؛ ۱۴: ۱۵؛ ۱۷: ۱۸؛ ۱۷: ۱۹؛ ۱۷: ۲۰؛ ۱۷: ۲۱؛ ۱۷: ۲۲؛ ۱۷: ۲۳؛ ۱۷: ۲۴؛ ۱۷: ۲۵؛ ۱۷: ۲۶؛ ۱۷: ۲۷؛ ۱۷: ۲۸)۔

کئی دفعہ ذاتی گھروں کو استعمال کیا گیا۔ پطرس نے کرنیلیس کے گھر میں منادی کی (۱۰: ۲۲-۲۳) ، پوٹس اور سیلاس نے فلپس میں جیل کے داروغے کے گھر میں گواہی دی (۱۶: ۳۱، ۳۲)؛ گرنٹھس میں پوٹس نے عبادت خانے کے سردار کرپس کے گھر میں منادی کی (۱۸: ۷، ۸)؛ ترواس میں وہ کسی کے گھر میں آدھی

رات تک کلام شننا رہا (۷:۲۰)، افسس میں وہ گھر گھر جا کر انجیل کا پرچار کرتا رہا (۲۰:۲۰)۔ اور روم میں اپنے کراہیہ کے مکان میں تعلیم دیتا رہا (۲۸:۳۰، ۳۱)۔

فلپس نے جیٹہ کے ایک خوب کو رتھ میں پیغام دیا (۳۱:۸-۳۵) اور پولس نے ایک بحری جہاز پر کلام سنایا (۲۱:۲۷-۲۶)۔ افسس میں وہ ہر روز ایک مدرسہ میں بحث کیا کرتا تھا (۱۹:۹)۔ پولس نے دیوانی عدالتوں میں کلام کی منادی کی۔ فیلکس کے سامنے (۲:۴:۱۰)، فیستس کے سامنے (۸:۲۵) اور اگر پاپا کے سامنے (۱:۲۶-۲۹)۔

۴:۸ میں ہم پڑھتے ہیں کہ رستم رسیدہ ایمان دار جہاں جہاں پر لگندہ ہوئے وہاں وہاں خوشخبری دیتے پھرتے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہیں سوچتے تھے کہ پیغام کا اعلان کسی خاص تقدیس شدہ عمارت کے اندر محدود ہونا چاہیے۔ اُن کو جہاں کہیں لوگ مل جاتے تھے، اُن کے لئے موقع اور دلیل ہوتی تھی کہ مسیح کو روشناس کرائیں۔ اے۔ بی۔ سیپسن کہتا ہے کہ

”ابتدائی مسیحی ہر صورت حال کو گواہی دینے کا موقع گردانتے تھے، بلکہ جب اُن کو حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو اُن کو خیال تک نہیں گزرتا تھا کہ ہم اس موضوع سے کنارہ کر کے مسیح کے ساتھ اپنے تعلق کا انکار کریں۔ وہ نتائج سے خوف زدہ نہیں ہوتے تھے۔ اُن کے لئے تو یہ بادشاہوں اور حاکموں کو خوشخبری سننانے کا ایک اچھا موقع ہوتا تھا، جن تک وہ کسی اور طرح پہنچ نہیں سکتے تھے۔ عین ممکن ہے کہ خدا ہر انسان کو ہمارا راستہ کاٹنے کی صرف اس لئے اجازت دیتا ہے تاکہ ہمیں موقع مل جائے کہ اُس کے راستے میں کوئی برکت چھوڑ جائیں اور اُس کے دل اور زندگی میں کچھ اثر کریں جس سے وہ خدا کے نزدیک آجائے۔“

خداوند یسوع نے اُن کو مقرر کر کے ارشاد کیا تھا ”تم تمام دُنیا میں جا کر ساری خلق کے سامنے انجیل کی منادی کرو“ (مرقس ۱۶: ۱۵)۔ اعمال کی کتاب اس حکم پر عمل ہوتا دکھاتی ہے۔

ہم یہ کہنا بھی بجا سمجھتے ہیں کہ اعمال کی کتاب میں اکثر و بیشتر منادی بے ساختہ اور بغیر تیاری کے ہوئی۔ اکثر پیغام تیار کرنے کا وقت ہی نہیں ہوتا تھا۔ رسولوں کا پیغام گھڑی بھر کی کارکردگی نہیں بلکہ زندگی بھر کی تیاری کا مظہر ہوتا تھا۔ وعظ تیار نہیں ہوتا تھا، واعظین تیار ہوتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ”پولس اچھے“ سے اس لئے چلا گیا کہ منادی کے نتائج خاطر خواہ

نہیں تھے۔ لیکن ہم اس خیال کو ترجیح دیتے ہیں کہ رُوح القدس نے اُسے ہدایت کی کہ مغرب کی طرف گرنے لگا۔  
 جائے۔ یہ شہر اٹھیم“ کا صدر مقام تھا اور حرام کاری کے لئے بدنام زمانہ تھا۔ ضرور تھا کہ یہاں انجیل کی  
 بشارت دی جائے اور کلیسیا قائم کی جائے۔

۳۷۲: ۱۸۔ کرنٹھس میں پولس نے ”اکولہ“ اور ”پرسکلا“ نامی ایک جوڑے سے دوستی بڑھائی جو زندگی  
 بھر نام نہاں رہی۔ ”اکولہ... ایک یہودی“ تھا جس کی پیدائش ”پنٹس“ میں ہوئی تھی۔ پنٹس ایشیائے  
 کوچک کا شمال مشرقی صوبہ تھا۔ اکولہ اور اُس کی بیوی نے ”روم“ میں رہائش اختیار کر لی تھی لیکن قیصر کلوڈس  
 کے ایک یہود مخالف فرمان کی وجہ سے اُن کو وہاں سے نکلنا پڑا۔ چونکہ کرنٹھس روم سے مشرق کو جانے والی شاہراہ  
 پر واقع تھا اس لئے اکولہ وہاں قیام پذیر ہو گیا اور ”ضمیمہ دوزی“ کا کام کرنے لگا۔ پولس کا پیشہ بھی ضمیمہ دوزی  
 تھا۔ اس لئے وہ بھی اُن کے ساتھ رہ کر یہی کام کرنے لگا۔

”زندگی کے بہترین مکاشفات ہم پر اُس وقت ہوتے ہیں جبکہ ہم اپنے فرائض کے  
 میدانوں میں ہوتے ہیں۔ اپنی ہر روز کی روزی کمانے پر توجہ دیں۔ اور اپنی مشقتوں کے  
 دوران آپ کو بڑی بڑی برکات ملیں گی، اور عمدہ عمدہ رویا دیکھیں گے... دکان یا  
 دفتر یا گودام خدا کے گھر جیسا بن جائے گا۔ اپنا کام فرض شناسی اور تندی سے کریں  
 اسی میں آپ کو نایاب روحانی رفاقت ملے گی جیسے اکولہ اور پرسکلا کو ملی تھی!“  
 (ڑی۔ ٹی۔ - ینگ)

بیان سے پتہ نہیں چلتا کہ اکولہ اور پرسکلا پولس کی ملاقات سے پہلے ہی مسیحی تھے یا وہ اُس کی  
 خدمت کے وسیلے سے نجات پانے والوں میں شامل ہوئے۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ وہ کرنٹھس میں  
 آتے وقت مسیحی تھے۔

۲: ۱۸۔ پولس ”ہر سببت کو عبادت خانہ میں بحث کرنا اور یہودیوں اور یونانیوں کو قابل کرنا تھا کہ سیوع  
 واقعی خدا کا میس ہے۔ یونانیوں سے مراد وہ یونانی ہیں جنہوں نے یہودی مذہب کو اختیار کیا ہوا تھا۔  
 ۵: ۱۸۔ ”پولس“ ”سیلا“ اور تیموتھیوس“ کو بیرتہ میں چھوڑ آیا تھا۔ اٹھینے سے اُس نے پیغام  
 بھیجا تھا کہ میرے ساتھ آملو۔ چنانچہ وہ کرنٹھس میں اُس سے آئے۔

اُن کی آمد پر ”پولس“ کلام سنانے کے جوش سے مجبور ہوا۔ مراد یہ ہے کہ خداوند نے اُس کو بڑا  
 بوجھ دیا تھا کہ بڑی جانفشانی سے کلام سنانے اور ”یہودیوں کے آگے گواہی دے... کہ سیوع ہی مسیح  
 ہے۔“ شاید اس کا مطلب یہ ہو کہ اب رسول ضمیمہ دوزی میں وقت نہیں لگاتا تھا بلکہ پورا وقت انجیل کی



منادی پر صرف کرتا تھا۔

تقریباً یہی وقت تھا کہ پُلّس نے قھسلنیکیوں کو پہلا خط لکھا (تقریباً ۵۲۳ء)۔

۶:۱۸ - ایمان نہ لانے والے یہودی پُلّس کی مخالفت کرنے اور کفر کینے لگے "یا طعن زنی کرنے لگے۔ خوشخبری کو رد کرتا دراصل یا تاخر خود اپنی مخالفت کرتا ہے۔ ایمان نہ لانے والا کسی دوسرے کو نہیں اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

"پُلّس نے اپنے پٹرے جھاڑ کر ان سے کہا، تمہارا خون تمہاری ہی گردن پر۔ میں پاک ہوں۔ اب سے فریقوں کے پاس جاؤں گا۔" پٹرے جھاڑنا ایک اظہارِ عمل تھا جس کا مطلب تھا اب میرا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔ لیکن اس بات نے اُسے ایک اور شہر یعنی افسس میں عبادت خانے میں جانے سے نہیں روکا (۸:۱۹)۔ رسول کے الفاظ ہر ایمان دار کے لئے سنجیدہ یاد دہانی ہیں کہ ایک مسیحی تمام انسانوں کا مقروض ہے۔ اگر وہ انجیل کی منادی نہیں کرتا اور یہ قرض ادا نہیں کرتا تو خدا اُس کو قصور وار ٹھہرائے گا۔ دوسری طرف اگر وہ دیانت داری سے مسیح کی گواہی دیتا ہے مگر اُسے بری طرح رد کیا جاتا ہے تو وہ قصور سے پاک ہے اور مسیح کو رد کرنے والا قصور وار ٹھہرتا ہے۔

یہ آیت اسرائیلی قوم کو انگ رکھنے میں اور فریقوں میں انجیل کی منادی کرنے میں ایک اور قدم کی نشان دہی کرتی ہے۔ خدا کا حکم تھا کہ خوشخبری پہلے یہودیوں کے پاس جائے۔ لیکن اعمال کی ساری کتاب میں یہودی قوم اس پیغام کو رد کرتی چلی جاتی ہے۔ اب خدا کا رُوح بڑے افسوس کے ساتھ اس قوم سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ ۸:۱۸ - یہودیوں کے ہنساؤں سے دل برداشتہ ہو کر پُلّس رسول "پوسٹس" کے گھر چلا گیا۔ اس شخص نے غیر قوم سے یہودی مذہب کو قبول کر لیا تھا۔ اُس کا گھر... عبادت خانہ سے ملا ہوا تھا۔ پُلّس رسول نے اس جگہ سے اپنی خدمت جاری رکھی۔ اُسے بڑی خوشی ہوئی کہ عبادت خانہ کا سردار کریسٹس اپنے تمام گھرانے سمیت خداوند پر ایمان لایا۔ اسی طرح "ہمت سے کتنھی" بھی منجی پر ایمان لائے اور پینتہم لیا۔ پُلّس نے کریسٹس اور چنڈ دوسرے افراد کو پینتہم دیا (۱- کرتھیوں ۱۴:۱-۱۶)۔ لیکن اُس کا عام دستور یہ تھا کہ کسی دوسرے ایمان دار سے پینتہم دلوانا تھا۔ اُسے خدشہ تھا کہ لوگ میرے گرد ایک پارٹی بنا لیں گے اور خداوند لیونج کے لئے اُن کے ایمان اور وفاداری میں خلل پڑے گا۔

۱۰:۹ - "خداوند نے رات کو رویا میں پُلّس سے کہا، خوف نہ کر۔ خدا باپ نے اُس کی حوصلہ افزائی کی۔ اُسے یقین دلایا کہ ڈرنے اور خوف کھانے کی کوئی بات نہیں۔ خدا کی حضورِی اور تحفظ کے یقین کے ساتھ رسول کو کلام کی منادی کرتے رہنا چاہئے۔ اُس شہر میں... ہمت سے لوگ" تھے جو خداوند کے

تھے۔ اس مفہوم میں کہ وہ ان کی زندگیوں میں کام کر رہا تھا اور بالآخر وہ اُس پر ایمان لائیں گے۔  
 ۱۱:۱۸۔ پُلّس نے کُرنٹس میں ”ڈیرہ برس“ قیام کیا اور اُن کو ”خدا کا کلام سناتا رہا“۔ کُرنٹیوں کے نام پہلے  
 اور دوسرے خط میں اس عرصے کے بارے میں نہایت قیمتی مواد ملتا ہے جس سے سارا پس منظر واضح ہو جاتا  
 ہے۔

۱۲:۱۲-۱۶۔ غالباً پُلّس کے کُرنٹس کے قیام کے آخری دنوں میں (تقریباً ۵۳ء) ”گیٹو“ کو ”آخر کا  
 صوبہ دار“ مقرر کیا گیا۔ یہودیوں نے سوچا کہ نیا صوبہ دار ہمارا طرف دار ہوگا۔ چنانچہ وہ ”بیکا کر کے پُلّس  
 پر چڑھ آئے“ اور اُسے کُرنٹس شہر کے چوک میں گیتو کی عدالت میں پیش کیا۔ الزام یہ تھا کہ ”یہ شخص  
 لوگوں کو ترغیب دیتا ہے کہ (یہودی) شریعت کے برخلاف خدا کی پرستش کریں۔“ اس سے پیشتر کہ رسول کو  
 اپنا دفاع کرنے کا موقع ملتا ”گیٹو“ نے بڑی حقارت کے ساتھ عدالت پر خاست کر دی۔ اُس نے یہودیوں سے  
 کہہ دیا کہ یہ سراسر تمہاری ”شریعت“ کا معاملہ ہے۔ اور ہمارے دائرہ قانون میں نہیں آتا۔ ”اگر کچھ یا بڑی شراعت  
 کی بات ہوتی“ تو گیتو ”مہر کر کے“ اُن کی سنتا۔ مگر دراصل یہ صرف ”لفظوں اور ناموں اور خاص تمہاری شریعت“  
 کا معاملہ تھا۔ صوبہ دار کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ ایسی باتوں کا ”منصف“ بنے۔ چنانچہ اُس نے مقدمہ خارج  
 کر دیا۔

۱۴:۱۸۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یونانیوں نے ”سوتھینیس“ کو اس لئے مارا کہ وہ ایسا ہلکا الزام  
 لگا کر پُلّس کو گیتو کی عدالت میں لایا تھا۔ گیتو نے ان باتوں کی کچھ پروا نہ کی۔ ”مرد یہ نہیں کہ اُسے خوشخبری سے کچھ  
 دلچسپی نہ تھی، حالانکہ یہ بات بھی درست ہے، دراصل وہ یہودی شریعت اور رسم و رواج میں ملوث ہونا نہیں  
 چاہتا تھا۔“

۱۸:۱۸۔ ان واقعات کے بعد بھی ”پُلّس بہت دن“ کُرنٹس میں رہا۔ شاید اسی دوران اُس نے تھسلونیکوں  
 کے نام دوسرا خط لکھا۔

بالآخر جب وہ کُرنٹس سے ”منصت ہوا“ تو ”پرسکگہ اور اگولہ“ اُس کے ساتھ تھے۔ وہ جہاز پر سوار  
 ہو کر روانہ ہوا۔ اُس کا ارادہ تھا کہ دوبارہ انطاکیہ جائے۔ تبصرہ نگاروں میں اس بات پر اختلاف پایا جاتا  
 ہے کہ جس نے ”کنخریہ میں سرمنڈایا“ وہ ”پُلّس“ تھا یا ”اگولہ“ (ہمارے اردو ترجمہ میں ایسا ابہام نہیں ہے۔  
 الفاظ اور بیان کی ترتیب سے صاف واضح ہے کہ وہ ”پُلّس“ ہی تھا۔ مترجم)۔ ”کنخریہ“ کُرنٹس کی  
 مشرقی بندرگاہ تھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ”منّت“ کا انداز بالکل یہودی تھا اور پُلّس جیسے روحانی طور سے

بڑے شخص کے لئے مناسب نہیں تھا۔ غالباً اس مسئلے کا کوئی شافی حل پیش نہیں کیا جاسکتا۔

۱۹:۱۸-۲۰۔ جب جہاز "انس" میں لنگر انداز ہوا تو پرسکھ اور اکولہ وہیں قیام کرنے کے ارادہ سے اتر گئے۔ پولس نے جہاز کے مختصر سے قیام سے فائدہ اٹھایا اور عبادت خانہ میں جا کر یہودیوں سے بحث کرنے لگا۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ چارپتے تھے کہ پولس کچھ عرصہ ان کے پاس ٹھہرے مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔

۲۱:۱۸۔ جہاز روانہ ہونے کو تھا۔ مگر پولس نے وعدہ کیا کہ "اگر خدا نے چاہا تو تمہارے پاس پھر آؤں گا۔" ابھی تو اسے "یروشلم" جانا تھا کیونکہ عید آ رہی تھی۔

۲۲:۱۸۔ جہاز کا اگلا پڑاؤ "قیصریہ" میں تھا۔ وہاں سے رسول اتر کر "یروشلم" کو گیا اور کلیسیا کو سلام کر کے اِطْطَاکِیْمِ میں آیا۔ اور یہ اِطْطَاکِیْمِ میں اُس کا آخری پھیرا ثابت ہوا۔

یوں پولس کا دوسرا تبلیغی دورہ اختتام کو پہنچا۔

## ز۔ پولس کا تیسرا بشارتی دورہ

### ایشیائے کوچک اور یونان

(۱۸: ۲۳-۲۱: ۲۶)

۲۳:۱۸۔ اِطْطَاکِیْمِ میں طویل قیام کرنے کے بعد پولس اپنے تیسرے اور وسیع تبلیغی دورہ پر جانے کو تیار ہوا۔ اس سفر کا بیان ۱۸: ۲۳ سے ۲۱: ۲۶ تک پھیلا ہوا ہے۔

پہلے علاقے جہاں پولس کو جانا تھا "گلیٹیہ" اور فروگیہ تھے۔ رسول ایک ایک کر کے وہاں کی کلیسیاؤں میں گیا اور شاگردوں کو مضبوط کرتا گیا۔

۲۴:۱۸-۲۶۔ اب منظر بدل کر دوبارہ "انس" میں آتا ہے جہاں ہم نے "اکولہ اور پرسکھ" کو چھوڑا تھا۔ "اپولس" نام ایک... خوش تقریر "مبشر وہاں آگیا۔ وہ کتاب مقدس" یعنی پرانے عہد نامہ کا ماہر تھا۔

پیدائش کے اعتبار سے وہ "اسکندریہ" کا "یہودی" تھا۔ اسکندریہ شمالی مصر کا دار الحکومت تھا۔ اگرچہ اپولس کی منادی میں بڑی قوت تھی اور بڑا جوشیلا تھا لیکن مسیحی ایمان کے بارے میں اُس کا علم قدرے ادھورا تھا۔ اُس نے "یوحنا" پستیم دینے والے کی خدمت کے بارے میں خوب تعلیم پائی تھی اور جانتا تھا کہ "یوحنا" مسیح موعود کی آمد کی تیاری کے لئے اسرائیلی قوم کو کس طرح توبہ کی طرف بلاتا تھا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسے مسیحی پستیم یا مسیحی عقیدے کی دوسرے باتوں کا کوئی علم نہ تھا۔ جب پرسکھ اور اکولہ نے عبادت خانے میں اُس کی باتیں

سُنیں تو جان گئے کہ اُسے اگلی تعلیم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ بڑی محنت سے اُسے اپنے گھر لے گئے اور اُس کو خدا کی راہ اور زیادہ محنت سے بتائی۔ اس "خوش تقریر" مبشر کے حق میں یہ بات بہت قابلِ تعریف ہے کہ وہ ایک فیچہ دوز اور اُس کی بیوی سے سیکھنے پر آمادہ ہوا۔

۱۸: ۲۷، ۲۸۔ وہ سیکھنے والی رُوح رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے افسس کے "بھائیوں" نے اُس کی خواہش کا احترام کیا اور اُس کی ہمت بڑھائی۔ وہ کرنٹھس جا کر کلام کی منادی کرنا چاہتا تھا۔ افسس کے بھائیوں نے اُس کے لئے ایک تعریفی خط لکھ دیا۔ قیصر یہ ہوا کہ وہ کرنٹھس کے ایمان داروں کے لئے مددگار ثابت ہوا، کیونکہ وہ کتابِ مقدس سے سیسور کا مسیح ہونا ثابت کر کے بڑے زور شور سے (کرنٹھس کے) یہودیوں کو علانیہ قابلِ کرتا رہا۔

۱۹: ۱۔ جب پولس پہلی دفعہ افسس گیا تھا تو اُس نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا کہ خدا نے چاہا تو میں پھر آؤں گا۔ اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے وہ گلتیہ اور فروگیہ کے علاقے سے روانہ ہو کر اور اندرونِ ملک جانے والی اور پہاڑی علاقے میں سے گزرنے والی شاہراہ پر سفر کرتا ہوا افسس پہنچا۔ یہ شہر رومی صوبہ دار کے زیرِ انتظام ایشیا کے مغربی ساحل پر واقع تھا۔ وہاں اُس کی ملاقات کئی آدمیوں سے ہوئی جو کہتے تھے کہ ہم "شاگرد" ہیں۔ ان سے گفتگو کے دوران پولس کو معلوم ہوا کہ مسیحی ایمان کے بارے میں ان کا ایمان ادھورا اور ناقص ہے۔ اُسے شک پڑ گیا کہ آیا ان کو کبھی رُوحِ القدس بھی بلا ہے یا نہیں۔

۱۹: ۲۔ چنانچہ اُس نے ان سے پوچھا کہ "کیا تم نے ایمان لاتے وقت رُوحِ القدس پایا؟" اس آیت میں یہ تصور نہیں کہ رُوحِ القدس فضل کا کوئی ایسا کام ہے جو نجات کے بعد ہوتا ہے۔ جو نہی کوئی گنہگار نجات دہندہ کا یقین کرتا اور ایمان لاتا ہے وہ رُوحِ القدس پاتا ہے۔

ان شاگردوں کا جواب یہ تھا کہ ہم نے تو سنا بھی نہیں کہ رُوحِ القدس نازل ہوا ہے۔ چونکہ یہ آدمی یوحنا پینتہم دینے والے کے شاگرد تھے (آیت ۳) اس لئے ان کو پُرانے عہد نامہ سے رُوحِ القدس کا علم ہونا چاہئے تھا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ یوحنا اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا تھا کہ جو میرے بعد آتا ہے وہ رُوحِ القدس سے پینتہم دے گا۔ جس بات کا ان شاگردوں کو علم نہیں تھا، یہ تھی کہ پینتہم کے دن رُوحِ القدس دیا جا چکا تھا۔

۱۹: ۳، ۴۔ رسول نے پینتہم کا سوال اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ آدمی صرف "یوحنا کے پینتہم" سے واقف ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کو صرف اتنا ہی علم تھا کہ مسیح موعود آنے والا ہے۔ اور انہوں نے تیاری کی خاطر "توبہ کا پینتہم" لیا تھا کہ جب مسیح موعود آئے گا تو ہم اُس کو بادشاہ قبول کریں گے۔

اُن کو تا حال خبر نہ تھی کہ ”مسیح“ کونسا، دفن ہوا، اور مردوں میں سے زندہ ہو کر واپس آسمان پر بھیجا چکا ہے، اور کہ اُس نے رُوح القدس نازل کیا ہے۔ ”پولس“ نے یہ ساری باتیں اُن کو بتائیں اور سمجھائیں۔ پھر اُن کو یاد دلایا کہ ”یوحنا“ نے صرف ”توبہ کا پتہ“ دیا تھا۔ پھر کہا کہ اب ”یسوع (مسیح) پر ایمان لانا“۔

۱۹: ۵۔ ”انہوں نے یہ یسوع کو خداوند یسوع کے نام کا پتہ لیا۔“ اعمال کی کتاب کے شروع سے آخر

تک زور یسوع کی خداوندیت پر ہے۔ اس لئے یہاں یوحنا کے شاگردوں کو ”یسوع کے نام کا پتہ“ دیا گیا۔ یہ علانیہ اقرار تھا کہ وہ اپنی زندگیوں میں یسوع مسیح کو خداوند مانتے ہیں۔

۱۹: ۶، ۷۔ ”جب پولس نے اُن پر ہاتھ رکھے تو رُوح القدس اُن پر نازل ہوا۔“ اعمال کی کتاب میں یہ جو تھا واضح واقعہ ہے جب ”رُوح القدس“ عطا کیا گیا۔ پہلا باب ۲ میں ہے، جب پینتکست کے دن رُوح القدس نازل ہوا۔ اس میں بیباکی طور پر بیہودی شامل تھی۔ دوسرا واقعہ باب ۸ میں ہے، جب پطرس اور یوحنا کے ہاتھ رکھنے سے سامریوں پر رُوح القدس نازل ہوا۔ تیسرا واقعہ باب ۱۰ میں ہے، جب یازدہ کینیلیس کے گھرانے پر فیصل ہوا۔ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ ہر واقعہ میں ”رُوح القدس“ کے پانے کے واقعات کی ترتیب الگ الگ ہے۔ یہاں باب ۱۹ (جو ہفتا واقعہ) میں ترتیب واقعات یوں ہے:

ایمان دوبارہ پتہ رسولوں کا ہاتھ رکھنا

”رُوح القدس“ کا پانا

پولس کے ہاتھ رکھنے سے یوحنا کے شاگردوں کو ”رُوح القدس“ دے کر خداوند نے بعد میں اٹھنے والے اس اعتراض کی پیش بندی کر دی کہ پولس کسی طرح پطرس، یوحنا یا کسی دوسرے رسول سے کم تر ہے۔ جب یوحنا کے شاگردوں کو رُوح القدس ملا تو ”وہ طرح طرح کی زبانیں بولنے اور نبوت کرنے لگے۔“ نیا عہد نامہ دئے جانے سے پیشتر کے زمانے میں خدا کا یہ طریقہ تھا کہ ایسی فوق الفطرت قوتیں دیتا تھا۔ آج ہم ایمان لاتے وقت ”رُوح القدس“ پاتے ہیں۔ نئے عہد نامہ کے صحائف اس پر گواہی دیتے ہیں۔

جس لمحہ کوئی شخص خداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتا ہے، اسی لمحہ رُوح القدس اُس کے اندر سکونت کرنے لگتا ہے، اُس پر پاک رُوح کی مہر ہوجاتی ہے، اُس کو رُوح بیعانا میں مل جاتا ہے۔ اُس کو رُوح القدس کا مسیح حاصل ہوتا ہے اور وہ رُوح کے پتہ سے مسیح کے بدن میں شامل ہوجاتا ہے۔ البتہ ان باتوں سے یہ انکار مقصود نہیں کہ بعد میں ایماندار کی زندگی میں روحانی تحریک نہیں آتے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ بعض اوقات افراد پر رُوح خاص خاص طریقے سے نازل ہوتا ہے، اُن کو خاص خاص خدمات کی توفیق عطا کرتا ہے، اُن کو ایمان میں جرات اور دلیری بخشتا ہے، اور لوگوں کے لئے ہمدردی اُن پر اُٹھاتا ہے۔

۱۹: ۸۔ پوٹس آفسس کے ”عبادت خانہ میں جا کر تین چھینے تک دلیری سے بولتا اور خدا کی بادشاہی کی بابت بحث کرتا اور لوگوں کو قابل کرتا رہا۔“ بحث کرنے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ رسول لوگوں کے ذہن اور عقل کو مخاطب کرنا تھا۔ ”قابل کرنا“ سے مراد ہے کہ وہ اُن کے ارادے کو متاثر کرتا تھا تاکہ وہ ایمان لائیں کیسویں ہی مسیح ہے۔ اُس کی ساری گفتگو کا مرکزی موضوع ”خدا کی بادشاہی“ کی باتیں ہوتا تھا۔

۱۹: ۱۰، ۱۱۔ جب یہودیوں میں سے بعض ”سخت دل“ ہو گئے یعنی اُن کا ذہن اور عقل پوٹس کی باتوں کو قبول کرنے سے انکار کرتی تھی اور ”نافرمان“ ہو گئے یعنی ایمان لانے کا ارادہ نہیں کرتے تھے، جب وہ لوگوں کو پوٹس کے خلاف اُبھارنے لگے اور اِس طریق کو بُرا کہنے لگے تو پوٹس نے عبادت خانے سے کنارہ کر لیا، اور ”شاگردوں کو“ یہودیوں سے ”انگ کر لیا۔“ وہ انہیں ”ترٹس کے مدرسہ“ میں لے گیا۔ یہاں اُسے اُن کو ہر روز ”تعلیم دینے کی آزادی تھی۔ عام خیال کے مطابق ”ترٹس“ یونانی تھا۔ وہ فلسفہ اور علم بیان کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ ”دو برس تک“ رسول شاگرد بنانا اور انہیں دوسروں کو تعلیم دینے کے لئے بھیجتا رہا۔ اِس کے نتیجے میں ”آسیہ کے رہنے والوں، کیا یہودی کیا یونانی سب نے خداوند کا کلام سنا۔“ اِس طرح پوٹس کے لئے ایک بڑا اور مؤثر دروازہ کھل گیا، حالانکہ مخالفین بھی بہت تھے (۱۔ کرنتھیوں ۱۶: ۹)۔

۱۹: ۱۱، ۱۲۔ ”پوٹس“ یسوع مسیح کا شاگرد تھا۔ اُس کو نشان اور عجیب کام دیکھانے کی توفیق اور قوت حاصل تھی۔ یہ اُس کی رسالت کا ثبوت اور اُس کے پیغام کی تصدیق تھی۔ اُس سے نکلنے والی قوت اتنی بڑی تھی کہ لوگ ”رُومال اور پچکے اُس کے بدن سے چھو کر“ لے جاتے تھے۔ جب وہ ”بیماروں پر ڈالے جاتے تھے تو اُن کی بیماریاں جاتی رہتی تھیں اور بُری رُوحیں اُن میں سے نکل جاتی تھیں۔“ سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی ان معجزات کو دہرانما ممکن ہے؟ خدا کا رُوح القدس اختیار مطلق رکھتا ہے۔ وہ جیسا چاہے کر سکتا ہے۔ البتہ یہ ماننا چاہئے کہ رسولوں اور اُن کے نامین کو فوق الفطرت قوتیں عطا کی گئی تھیں۔ چونکہ آج لغوی معنوں میں ہمارے درمیان رسول موجود نہیں اِس لئے یہ اصرار کرنا بے سود ہے کہ اُن کے معجزات جاری و ساری ہیں۔

۱۹: ۱۳، ۱۴۔ جب بھی خدا قدرت کے ساتھ کام کرتا ہے تو شیطان بھی رکاوٹ ڈالنے اور مخالفت کرنے کو آموجود ہوتا ہے۔ جب پوٹس کلام سننا رہا اور معجزات دیکھا رہا تھا تو افسس میں بعض یہودی تھے جو جگہ جگہ جا کر ”جھاڑ پھونک کرتے پھرتے تھے۔“ انہوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ ”خداوند یسوع کا نام جاؤد کے کھیدے کے طور پر استعمال کرتے اور بُری رُوحوں کو نکل جانے کا حکم دیتے تھے۔ بعض یہودیوں کو بُری رُوحیں نکلانے کی قوت حاصل تھی۔ اِس بات کو خداوند یسوع نے بھی تسلیم کیا تھا (لُونا ۱۱: ۱۹)۔

ان جاؤدگر یہودیوں میں سیکوا کے ساتھ بیٹے بھی شامل تھے۔ اِس شخص کو ”سردار کاہن“ مقرر

رکھا گیا تھا۔ ایک دن اُس کے بیٹے کسی میں سے بد رُوح کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے بد رُوح سے کہا ”جس یسوع کی پُلُس منادی کرتا ہے میں تم کو اُسی کی قسم دیتا ہوں“۔

۱۹: ۱۵، ۱۶۔ انہوں نے الفاظ تو ادا کر دئے لیکن اُن کو قوت حاصل نہ تھی لہذا بد رُوح نے تعین نہ کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ”بُری رُوح“ کا جواب بہت آنکھیں کھولنے والا تھا۔ ”یسوع کو تو یس جانتی ہوں اور پُلُس سے بھی واقف ہوں مگر تم کون ہو؟“

یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ پاک کلام ”بُری رُوح“ اور ”وہ شخص جس پر بُری رُوح تھی“ (آیت ۱۶) دونوں میں بہت مُدہ امتیاز کرتا ہے۔ اُن کو الگ الگ کرتا ہے۔ آیت ۱۵ میں بُری رُوح بولی لیکن آیت ۱۶ میں ”وہ شخص جس پر بُری رُوح تھی“ خود ”مُودر“ سبکو کے بیٹوں پر جا پڑا اور دونوں پر غالب آیا۔ اُن کے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اُن کو زخمی کر دیا۔

۱۷: ۱۷۔ شیطانی قوتوں کی اس شکست کا خبر سارے علاقے میں پہنچی تو لوگوں پر ایک عجیب ”خوف“ چھا گیا اور خُداوند یسوع کے نام کی بزرگی ہوئی۔ غور کریں، پُلُس کے نام کو جلال نہیں ملا بلکہ پُلُس کے نبی دہندہ کو۔

۱۹: ۱۸، ۱۹۔ جادو کے فن کے ماہرین پر خُدا کے رُوح نے ایسی قدرت سے کام کیا کہ بہت سے لوگ مسیح کی طرف رجوع ہوئے اور انہوں نے ”آکر اپنے اپنے کاموں کا اقرار اور اظہار کیا“۔ یہ کرنے کے بعد انہوں نے اپنے ایمان کا عملی مظاہرہ کیا اور اپنی اپنی (جادوگر کی) کتابیں اکٹھی کر کے سب لوگوں کے سامنے جلا دیں۔ اُن کتابوں کی قیمت ”پہنچائش ہزار روپے“ تھی۔ حساب لگانا مشکل ہے کہ آج کل کے حساب سے کتنی رقم ہوگی، جبکہ افراط زر میں ہزاروں گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ بات کو ڈروں تک پہنچنے گی۔

۱۹: ۲۰۔ بت پرستی کی رسمیں ترک کرنے کے اس واقعہ کا بہت چرچا ہوا۔ اور نتیجے میں ”خُداوند کا کلام زور پکڑ کر پھیلنا اور غالب ہونا گیا“۔ اگر آج کے مسیحی بھی اپنی گھٹیا کتابوں اور رسالوں کو جلا ڈالیں تو خُدا کا کلام یقیناً غالب ہوتا جائے گا۔

۱۹: ۲۱۔ افسس میں پُلُس کے قیام کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ اُس نے ارادہ کیا کہ ”مکدنیہ اور ایتھوپسے ہو کر یروشلیم کو جاؤں گا“۔ اس کے بعد ”روم“ بھی دیکھنا ضرور ہے۔ اُس کا مجت اور ہمدردی بھرا عظیم دل ہمیشہ اُن مرکز تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا جہاں خوشخبری کا پودا لگایا جا سکے اور جہاں سے وہ آگے بھیل سکے۔

۱۹: ۲۲۔ اُس نے ”تیمتھیس اور ارسٹس“ کو اپنے آگے ”مکدنیہ“ بھیجا۔ مگر آپ کچھ عرصہ اسیہ

میں رہا۔ غالباً یہی زمانہ تھا جب اُس نے کرنٹیوں کو پہلا خط لکھا (تقریباً ۵۶ء)۔

۱۹: ۲۳-۲۷۔ پُلّس کی خدمت کے نتیجے میں بہت سے افسی اپنے مہتوں کو چھوڑ کر خداوند کی طرف رجوع ہوئے۔ شہر میں روحانی بیداری ایسے وسیع پیمانے پر پھیلی کہ بیت تراشوں کا بازار مندا پڑ گیا۔ جو اُس مندے کی زد میں آئے ان میں سے ایک شخص ”دیمیتریس نام ایک سنار بھی تھا۔ وہ اُرمس دِلوی کے ”روہیلے مندر“ بنایا کرتا تھا۔ اس موقع پر دیمیتریس نے اپنے ہم پیشہ سارے افراد کو اکٹھا کیا اور اُن کو ابھارا کہ رسولوں کے خلاف کوئی فیصلہ کن اقدام کریں۔ وہ اُن کو یہ باور کرانے میں کامیاب رہا کہ پُلّس لوگوں کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب رہا ہے کہ ”جو ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں وہ خدا نہیں ہیں۔“ اُس نے اپنی اصل بریت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ”ہمارا پیشہ بے قدر ہو جائے گا۔ ہمارا کاروبار تیاہ ہو جائے گا۔ مزید برآں اُس نے اسے مذہبی رنگ دینے کی کوشش بھی کی اور ظاہر کرنے لگا کہ اُسے اُرمس اور اُس کے مندر سے بڑی عقیدت ہے۔

۱۹: ۲۸-۳۱۔ سناروں کے اس اجلاس نے فوراً عوامی ہنگامہ اور بگڑے کی صورت اختیار کر لی اور تمام شہر اس میں ملوث ہو گیا۔ تمام لوگ چلا چلا کر کہنے لگے ”افسیوں کی اُرمس بڑی ہے! پھر انہوں نے پُلّس کے ”ہم سفر“ ساتھیوں کیس اور ایسٹرس۔۔۔ کو پکڑ لیا اور ایک دِل ہو کر تماشا گاہ (اکھاڑا یا بڑا سٹیڈیم) کو دوڑے۔“ بے شک اُن کا ارادہ ان دونوں کو جان سے مار ڈالنے کا تھا۔ پُلّس خود مجمع میں جا کر بات کرنا چاہتا تھا مگر ”شاگردوں“ اور ”اسیہ کے حاکموں“ (منتخب افسران) نے بھی اُسے ایسا کرنے سے روکا۔ (یہ حاکم دیوی دیوتاؤں کے اعزاز میں اپنے پلے سے خرچ کر کے تھوڑوں اور سیلوں کا اہتمام کیا کرتے تھے) شہر کے یہ ”پُلّس“ کے دوست بن گئے تھے۔ انہوں نے اُسے سمجھایا کہ تمہارا تماشا گاہ میں داخل ہونا نہایت غیر دانشندانہ اقدام ہوگا۔

۱۹: ۳۲۔ اس وقت تک مجمع بالکل بے قابو ہو گیا تھا۔ اکثر لوگوں کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ ہم یہاں آئے کیوں ہیں۔ ہر طرف سے متضاد آوازیں آرہی تھیں۔ ہر طرف بے ہنگم شور اور چیخ دھاڑ مچی ہوئی تھی۔

۱۹: ۳۳-۳۴۔ ”اسکندر“ نام ایک یہودی نے آگے بڑھ کر مجمع سے خطاب کرنا چاہا۔ یقیناً اُس کا مقصد یہ تھا کہ یہودیوں کا دفاع کرے کہ اس سارے معاملے میں وہ بے گناہ ہیں۔ لیکن ”جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ یہودی ہے“ تو انہوں نے احتجاج کے شور سے آسمان سر پر اٹھالیا اور ”کوئی دو گھنٹے

۱۹: ۳۵۔ یہ بے شمار چھاتیوں والی باروری کی دیوی تھی۔



تک چلاتے رہے کہ افسیوں کی اُترمس بڑی ہے۔“

۱۹: ۳۵۔ اس نازک موقع پر ”شہر کا محرر لوگوں کو“ خاموش کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کی تقریر کا لب لُباب یہ تھا کہ افسیوں کو کسی بات سے ڈرنے گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ افسیوں کا شہر بڑی دیوبی اُترمس کے مندر اور اُس مورت کا محافظ ہے۔“ اگرچہ ایشیا کے تیرہ<sup>۳۳</sup> شہر اس مندر میں دل چسپی رکھتے تھے، لیکن اِس مقدس عمارت کی حفاظت افسیوں کی مقدس ذمہ داری تھی۔ مزید برآں اُن کو ”اُترمس کی مورت“ کی حفاظت کرنے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ مانا جاتا تھا کہ یہ مورت آسمان سے گری تھی۔

۱۹: ۳۶۔ ۴۰۔ یہ دلیل دینے ہوئے کہ افسیوں کی مذہبی بنیاد مستحکم ہے اور کوئی بات اُترمس کی عبادت کا تختہ نہیں اُلٹ سکتی محرر نے لوگوں کو بتایا کہ ایسا ہنگامہ کرنا نادانی ہے۔ آخر جن آدمیوں کے خلاف وہ نعرہ بازی کر رہے تھے وہ ”نہ مندر کو ٹوٹنے والے ہیں نہ ہماری دیوبی کی بدگوئی کرنے والے... اگر ڈیمیتریس اور اُس کے ہم پیشہ افراد کو کسی سے کوئی جائز شکایت ہے تو عدالت گھٹی ہے، اور صوبہ دار“ اُن کی شکایت سُننے کو ”موجود ہے۔“ اگر لوگوں کو کوئی اور شکایت ہے یا فیصلہ طلب شدہ درپیش ہے تو باضابطہ مجلس میں فیصلہ ہوگا۔“ مگر وہ تو بلوائیوں کی طرح بے ہنگم جمع ہو گئے تھے۔ اور رومی سلطنت ایسی کارروائیوں کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی۔ اور اگر اس بلوہ کے بارے میں جواب طلبی ہو جائے تو کوئی اپنا دفاع نہیں کر سکے گا۔ مزید برآں شہر کا محرر جانتا تھا کہ اگر اس قسم کے بلوہ کی خبر روم پہنچ گئی تو میری ملامت بلکہ جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔

۱۹: ۴۱۔ اب مجمع ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اُس نے ”مجلس کو برخاست کیا“ اور لوگ اپنے اپنے گھروں

کو چل دئے۔

”عجیب بات ہے کہ مجمع کے بلوہ نے نہیں بلکہ امن و امان کی خاطر شہر کے محرر کی تقریر نے افسس شہر میں پوئس کی خدمت کو روک دیا۔ جب تک صحت مند مخالفت کا وجود تھا پوئس محسوس کرتا رہا کہ افسس میں مواقع کا دروازہ کھلا ہوا ہے (۱۔ کرنتھیوں ۱۶: ۹)۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جب سرکاری محافظت موجود ہوئی تو پوئس وہاں سے آگے بڑھ گیا۔“

لفظ ”مجلس“ (آیت ۳۲، ۳۹، ۴۱) یونانی کے لفظ ”اکلیسیا“ (ekklesia) کا ترجمہ ہے اور جس کا مفہوم ہے بلائے ہوئے یا الگ کئے گئے لوگوں کی جماعت۔ نئے عہد نامہ کے

دوسرے حصوں میں اسی لفظ کا ترجمہ کلیسیا کیا گیا ہے۔ خواہ اس لفظ سے جیسا کہ یہاں ہے مراد بیت پرست مجمع ہو، یا اسرائیل کی جماعت جیسا کہ اعمال ۷: ۳۸ میں ہے یا نئے عہد نامہ کی کلیسیا، اصل مطلب کا تعین سیاق و سباق سے کیا جائے گا۔ اکیلیسیا کا بہتر ترجمہ جماعت (یا اسمبلی) ہے، کلیسیا نہیں۔ لفظ ”چرچ“۔ بمعنی کلیسیا یونانی کے لفظ kuriake سے آیا ہے جس کا مطلب ہے ”خدا کی ملکیت ہونا“۔ جدید استعمال میں اس کا مفہوم ایک مذہبی عمارت (اُردو میں۔ کلیسیا) بھی ہے۔ اسی لئے بہت سے مسیحی لفظ جماعت یا اسمبلی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ کلیسیا (چرچ) بلائے ہوئے یا لگ کے گئے لوگوں کا گروہ ہے کوئی عمارت یا فرقہ نہیں۔

۲۰: ۱۔ اس آیت سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پولس رسول افسس سے سیدھا ”مکدونیہ“ آیا۔ لیکن ۲۔ کرنتھیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے تروآس گیا۔ وہاں اُس کو انجیل سنانے کے لئے دروازہ کھلا بلا۔ لیکن وہ طس سے ملنے اور اُس سے معلوم کرنے کا اُردو مند تھا کہ اہل کرنتھس نے میرے پہلے خط کو کیسے قبول کیا ہے۔ جب اُسے طس تروآس میں نہ بلاتا تو اُس نے شمال مشرقی کونے سے ”بحیرہ اخضر کو پار کیا اور ”مکدونیہ“ میں آگیا۔ وہ یقیناً نیپاپلس میں جہاز سے اُترا پھر اندرون ملک کو سفر کر کے فلپس پہنچا۔ جب وہ ”مکدونیہ“ کے علاقے میں غالباً فلپس میں تھا تو اُس کی ملاقات طس سے ہوئی۔ اور کرنتھس کے بارے میں خبروں سے اُس کی بہت دل جمعی اور حوصلہ افزائی ہوئی۔ غالباً اِس موقع (۹۶ء) پر اُس نے کرنتھیوں کو دوسرا خط لکھا (دیکھئے ۲۔ کرنتھیوں ۱: ۸، ۱۲: ۲، ۱۳: ۱۴)؛

۵: ۷-۷

۲۰: ۲-۱۳۔ مکدونیہ میں کچھ عرصہ خدمت کرنے کے بعد پولس جنوب کی طرف ”یونان“ یا ”اٹھیمہ“ کو روانہ ہوا۔ اس علاقے میں اُس کا قیام تین تین مہینے تک رہا۔ بلاشبہ زیادہ دیر وہ کرنتھس میں قیام پذیر رہا اور اسی عرصے کے دوران اُس نے رومیوں کی کلیسیا کو خط لکھا۔ بعض علما کو یقین ہے کہ گلیتوں کو بھی اسی عرصے کے دوران لکھا تھا۔

۲۰: ۳۷۔ اصل میں پولس کا منصوبہ یہ تھا کہ کرنتھس سے روانہ ہو کر بحیرہ اخضر کو پار کر کے سوریہ جائے۔ مگر جب اُسے پتہ چل گیا کہ یہودی سازش کر رہے ہیں کہ اس راستے پر کسی مقام پر مجھے ہلاک کریں تو اُس نے منصوبہ تبدیل کر کے پھر شمال کا رخ کیا اور دوبارہ ”مکدونیہ“ میں سے گزرا۔

۲۰: ۲۰۔ اس موقع پر ہمارا تعارف پولس کے چند سفر ساتھیوں سے کرایا گیا ہے۔ بیان ہوتا ہے کہ وہ ”آسیہ تک اُس کے ساتھ گئے“۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے چند ایک اُس کے ساتھ روم تک بھی گئے۔

— ”بیرتہ کا سو پتھر“ - غالباً یہ وہ شخص تھا جس کا ذکر رومیوں ۱۶: ۲۱ میں سو پتھر کے نام سے کیا گیا ہے اور جو پُلُوس کا رشتہ دار تھا۔

— ”اِرِسْتَرخُس“ - یہ تھسلیکے کا باشندہ تھا۔ اِنس کے ہنگامہ (اعمال ۱۹: ۲۹) میں اس کی جان بال بال بچی تھی۔ بعد میں ہم پڑھتے ہیں کہ روم میں یہ پُلُوس کے ساتھ قید بھی تھا (فلیمون ۲۴؛ کلبیوں ۴: ۱۰)۔

— ”سکندس“ - یہ بھی تھسلیکے کا باشندہ تھا۔ وہ پُلُوس کے ساتھ آسیہ تک اور غالباً تروآس یا ملینے تک بھی گیا۔

— ”گیس“ - یہ ”دربے“ کا رہنے والا تھا۔ اس کو مکڈونی گیس کے ساتھ خلط طوط نہیں کرنا چاہئے جس کو اِنس کے بھائیوں نے پکڑ لیا تھا (اعمال ۱۹: ۲۹)۔ ایک اور گیس کا ذکر بھی آتا ہے جو کہ تھس میں راجش پذیر تھا اور پُلُوس کے وہاں قیام کے دوران اُس کا میزبان رہا (رومیوں ۱۶: ۲۳)۔ یوحنا کا تیسرا خط گیس نام ایک آدمی کو لکھا گیا تھا جو اِنس کے قریب کسی شہر میں رہتا تھا۔ گیس ایک مقبول عام نام تھا۔

— ”تیتھیس“ - یہ شخص نہ صرف ”آسیہ تک“ پُلُوس کے ساتھ گیا بلکہ اُس کی پہلی گرفتاری اور قید کے دوران روم میں اُس کے ساتھ تھا۔ بعد میں اُس نے پُلُوس کے ساتھ آسیہ کے اُس علاقے کا دورہ کیا جو صوبہ دار کے زیرِ حکم تھا۔ تیتھیس کے نام اپنے دوسرے خط میں پُلُوس اُس سے دوبارہ ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

مگر ہمیں علم نہیں کہ یہ خواہش پوری ہوئی یا نہیں۔

— ”تھس“ - وہ ایشیائے کوچک کا رہنے والا تھا۔ غالباً ملینے تک رسول کے ساتھ گیا۔ بعد میں وہ روم میں پُلُوس سے آہل اور بیان کیا گیا ہے کہ اُس کی دوسری گرفتاری تک اور قید کے دوران وہ پُلُوس کے ساتھ محنت اور شفقت کرتا رہا۔

— ”تروآس“ - ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غیر یہودی تھا۔ اُس کا گھر ایشیائے کوچک میں اِنس شہر میں تھا۔ وہ پُلُوس کے ساتھ یروشلم گیا اور غیر ارا دی طور پر رسول کی حراست کا باعث بن گیا۔ اس کا ذکر تیتھیس ۲۰: ۴ میں بھی آیا ہے۔

۲۰: ۵-۶ - گتا ہے کہ یہ سات بھائی پُلُوس کے آئے آئے سفر کر کے ”تروآس“ گئے جگہ پُلُوس اور ٹوتا فلپی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ (ہمیں یقین ہے کہ ٹوتا پُلُوس رسول کے ساتھ تھا کیونکہ آیت ۵ میں اسم ضمیر ”ہماری“ اور آیت ۶ میں ”ہم“ استعمال ہوا ہے)۔ ”عیدِ فطیر کے دنوں کے بعد“ یعنی عیدِ فصح کے بعد پُلُوس اور ٹوتا مکڈونیہ سے جہاز میں سوار ہو کر تروآس کو روانہ ہوئے۔ عام طور سے اس سفر میں ”پانچ دن“ نہیں لگتے تھے۔ تاخیر کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔

۲۰: ۹- آیت ۶ اور ۷ کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اراداً سات دن تک ترواس میں رکھا تاکہ خداوند کے دن ”روٹی توڑنے“ کے وقت وہاں موجود ہو۔ آیت ۷ سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور کے مسیحیوں کا دستور تھا کہ ”ہفتہ کے پہلے دن“ جمع ہوتے تھے تاکہ عشاء ربانی کی رسم ادا کریں۔

”پولس... آدھی رات تک کلام کرتا رہا۔“ اس بات سے ہمیں کوئی حیرت نہیں ہوتی۔ جب کلیسیا کا روحانی درجہ حرارت بلند ہوتا ہے تو خدا کا روح گھڑیوں کے بندھن سے آزاد ہو کر پوری آزادی سے کام کرتا ہے۔ رات آگے بڑھتی گئی تو ”بالا خانہ“ میں گرمی اور محسوس میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ غالباً ”بہت سے پیرا“ بھی اس اہلئے میں اپنا حصہ ادا کر رہے تھے اور لوگوں کی بڑی تعداد کے باعث بھی فضا بولہبل ہو گئی۔“ اور یوحنا نام ایک جوان (کھلی) کھڑکی میں بیٹھا تھا۔۔۔ وہ نیند کے غلبہ میں تیسری منزل سے گر پڑا۔“ اتنی بلندی سے گرنے کے باعث اسے ایسی چوٹ آئی کہ مر گیا۔

۲۰: ۱۰- مگر ”پولس اتر کر“ سنبھل گیا اور اس نے جوان کی لاش سے ”لپٹ گیا۔“ یاد رہے کہ پرانے زمانے کے نبی بھی ایسا کرتے تھے۔ پھر وہ لوگوں سے کہنے لگا کہ اس معاملے میں کوئی شور وغل نہ کریں کیونکہ اب یوحنا جیتا ہے۔ پولس کی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی فکر مندی غیر ضروری تھی کیونکہ وہ جوان مرا نہیں تھا۔ ”اس میں جان ہے۔“ لیکن آیت ۹ سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مر چکا تھا۔ ایک رسول کی فوت سے کام لیتے ہوئے ”پولس“ نے اس کی زندگی معجزانہ بحال کی تھی۔

۲۰: ۱۱، ۱۲- پولس بالا خانے میں واپس آیا تو انہوں نے ”روٹی توڑی“ (آیت ۱۱)۔ یعنی

عشاء ربانی کی رسم ادا کی جس کی خاطر وہ باہم جمع ہوئے تھے (آیت ۷)۔ اس کے بعد انہوں نے عام کھانا کھایا جس کو ہم ”اگاپے“ کی دعوت ”یا ضیافتِ محبت“ یا ”رفاقی کھانا“ کہتے ہیں۔ کلیسیا کے ابتدائی دور میں رفاقی کھانا عشاء ربانی کے ساتھ ہی کھایا جاتا تھا۔ لیکن کچھ تریباں درائیں (۱)۔ گرتھیوں (۲۰: ۱۱-۲۲) اور رفتہ رفتہ یہ طریقہ ترک کر دیا گیا۔

رات بھر کی میٹنگ کے بعد پولس نے ترواس کے ایمان داروں کو الوداع کہا۔ ترواس کے بھائی اس میٹنگ کو ساری عمر نہیں بھولے ہوں گے۔

۲۰: ۱۳- ۱۵- ترواس سے پولس ”پیدل“ روانہ ہوا اور خانائے کارینتھ میں راستہ

۲۰ بعض کلیسیا میں ہندی نام ”پریم بھوجن“ بھی استعمال کرتی ہیں۔

پیدل طے کر کے "اسٹس" پہنچا۔ اس کے ہم سفر ساتھی "جہاز پر" خاکنائے کے گرد پتھر کاٹ کر جنوبی طرف دہان بہنچے اور اسے بھی جہاز پر چڑھایا۔ اُس نے یہ سفر اکیلے اور پیدل طے کیا۔ غالباً وہ تنہائی میں خدا کے کلام پر غور و خوض کرنا چاہتا تھا۔

ایشیائے کوچک کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کو (جہاز میں) سفر کر کے پہلے وہ "میلیس" آئے جو جزیرہ "لسبوس" (Lesbos) کا بڑا شہر تھا۔ اگلی رات کو وہ جزیرہ "خیس" کے قریب نگر انداز ہوئے۔ ایک دن کے آدھے سفر کے بعد وہ "سامس" کے جزیرہ کے سامنے آئے۔ آخر کار یہ "سامس" میں آگئے۔ یہ بندرگاہ ایشیائے کوچک کے جنوب مغربی ساحل پر افریسیس سے چھینیس میل جنوب میں واقع تھی۔

۱۶:۲۰۔ "پوس" رادوتا "افریسیس" نہیں گیا بلکہ اُس کے پاس سے گزرنے کا ارادہ کیا کیونکہ اُسے خدشہ تھا کہ وہ گیا تو زیادہ وقت لگ جائے گا۔ وہ اس لئے "جدی کرنا تھا کہ ... پنٹکسٹ کا دن یروشلیم میں" منائے۔

۱۶:۲۰۔ "میلیس" میں اترنے کے بعد "پوس" نے "افریسیس" کے "بزرگوں" کو کھلا بھیجا کہ اگر اُس سے ملیں۔ بے شک اُن تک پیغام پہنچنے میں، اور پھر اُن کے جنوب کو سفر کر کے آنے میں کافی وقت لگ گیا۔ تاہم اُن کو اِس کا بڑا اجر ملا کہ اُس عظیم رسول کی زبان سے ایک شاندار پیغام سُن سکے۔ اِس پیغام میں اُس نے خداوند یسوع مسیح کے ایک مثالی خادم کی بہت عمدہ تصویر پیش کی ہے۔ ہمیں ایک ایسا آدمی نظر آتا ہے جو دل و جان سے دیوانگی کی حد تک منجھ کے لئے وقف تھا۔ وہ وقت بے وقت محنت میں لگا رہتا تھا۔ وہ اُن تک، مستعد اور کسی سے نہ دبنے والا کارندہ تھا۔ سچی حلیمی اور انکساری اُس کا طرہ امتیاز تھا۔ وہ اپنے مقصد کے لئے ہر قیمت ادا کرنے کو تیار تھا۔ اُس کی خدمت بڑے روحانی بوجھ کا نتیجہ تھی۔ وہ پاکیزہ بے خون اور جرات کا مالک تھا۔ اُس کے لئے مرنا اور جینا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اہمیت تھی تو اِس بات کو کہ خدا کی مرضی پوری ہو اور سارے انسان خوشخبری سُنیں۔ وہ اپنے ہر کام میں بے غرض اور بے لوث تھا۔ وہ لینا نہیں بلکہ دینا پسند کرتا تھا۔ وہ مشکلات سے نہ گھبراتا تھا نہ ڈرتا تھا۔ جس بات کی مناد کی کرتا تھا اُس پر عمل بھی کرتا تھا۔

۱۶:۲۰، ۱۸، ۱۹، رسول نے افریسیس کے بزرگوں کو یاد دلایا کہ "میں ... ہر وقت تمہارے ساتھ کس طرح رہا۔" پہلے ہی دن سے کہ اُس نے "اسیبہ میں قدم رکھا" اُس کی زندگی کا انداز کیا تھا۔ وہ کمال فروتنی سے ... خداوند کی خدمت کرتا رہا۔ اُس نے خود انکاری کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ خدمت کے سلسلے میں اُس کے دل پر متواتر ایک بوجھ رہتا تھا۔ اُس نے غم میں اور آزمائشوں میں "انسو"

ہائے۔ ”یہودیوں کی سازش کے سبب“ اُس نے مسلسل دکھ اور ظلم سہے۔ مگر تمام ناموافق حالات کے باوجود اُس کی خدمت میں بڑا اُت اور بے باکی تھی۔

۲۰:۲۰-۲۱۔ پوکس نے افسیوں سے کسی ایسی چیز کا دریغ نہیں کیا، کوئی ایسی بات بچا کر نہیں رکھی جو اُن کی روحانی ترقی اور تلاح کے لئے ضروری تھی۔ وہ اُن کو ”علانیہ اور گھر گھر (جا کر) سکھانے سے کبھی نہ بچھکا۔“ مسیح کی محبت اُسے مجبور کرتی تھی۔ اُس کے لئے ضروری نہ تھا کہ مقررہ وقفوں کے بعد میٹنگیں کراتا، بلکہ وہ ہر موقع سے فائدہ اُٹھاتا تھا تاکہ ایمان داروں کی حوصلہ افزائی اور ترقی کرے۔ وہ قومیت یا مذہبی پس منظر کی بنیاد پر کسی سے امتیازی رویہ روا نہیں رکھتا تھا۔ وہ سب کے سامنے گواہی دیتا تھا کہ ”خدا کے سامنے توبہ کرنا اور ہمارے خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانا چاہئے۔“ انجیل کے دو بنیادی عنصر ہیں۔ حقیقی تبدیلی کے ہر واقعہ میں ”توبہ“ اور ”ایمان“ دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہ انجیل کے سکھ کی دو طرفیں ہیں۔ جب تک کوئی شخص سچی توبہ نہیں کرتا نجات بخش ایمان ناممکن ہے۔ دوسری طرف ”توبہ“ اُس وقت تک بے فائدہ ہوگی جب تک ساتھ خدا کے بیٹے پر ”ایمان“ نہ لایا جائے۔ ”توبہ“ کا مطلب ہے پورے طور پر رُخ پھیر لینا۔ اس طرح گنہگار تسلیم کرتا ہے کہ میں کھویا ہوا ہوں اور اپنے قصور کیلئے خدا کی عدالت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ ”ایمان“ کا مطلب ہے اپنے آپ کو یسوع مسیح کے پیر و کر دینا کہ وہی خداوند اور مُنہجی ہے۔

نئے عہد کے اکثر حصوں میں ”ایمان“ کو نجات کی واحد شرط بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ”ایمان“ میں پہلے تصور یہ ہے کہ ”توبہ“ کی گئی ہے۔ جب تک کسی کو احساس اور شعور نہ ہو کہ مجھے نجات دہندہ کی ضرورت ہے وہ یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ کیسے قبول کر سکتا ہے؟ یہ شعور رُوح القدس کی مجرم ٹھہرانے والی خدمت سے پیدا ہوتا ہے اور ”توبہ“ پر مُنتج ہوتا ہے۔

۲۰:۲۲، ۲۳۔ پوکس افسیوں کے درمیان اپنے رویے پر نظر ثانی کرنے کے بعد اُن دکھوں کی طرف دیکھتا ہے جو اُسے پیش آنے کو تھے۔ وہ کہتا ہے کہ ”میں رُوح میں بندھا ہوا بروشلیم کو جاتا ہوں۔“ اُس کا باطن اُسے مجبور کر رہا تھا کہ وہاں جائے۔ اگرچہ وہ نہیں جانتا تھا کہ بروشلیم میں واقعات کیا رخ اختیار کریں گے تاہم اُننا ضرور جانتا تھا کہ ”قید اور مُصیبتیں... تیار ہیں۔“ رُوح القدس ہر شہر میں اُس کو ان باتوں کی ہر روز گواہی دیتا رہا تھا۔ شاید یہ گواہی نبیوں کی خدمت سے ملتی تھی یا شاید باطن میں پُر اسرار انداز میں خدا اُسے بتا دیتا تھا۔

۲۴:۲۰۔ جب پوکس اپنے دل میں اس منظر پر غور کر رہا تھا تو اپنی جان کا خیال نہیں کرتا تھا۔

اُس کی دلی خواہش خدا کی فرمانبرداری کرنا اور اُسے خوش کرنا تھی۔ اگر ایسا کرتے ہوئے اُسے اپنی جان بھی قربان کرنی پڑتی تو ایسا کرنے کو تیار تھا۔ جس نے رسول کے لئے اپنی جان دی اُس کی خاطر کوئی قربانی بھی بڑی نہیں۔ اہمیت تھی تو صرف اس بات کو کہ وہ اپنی دُورِ نغم کرے ”اور وہ خدمت جو خداوند یسوع سے پائی ہے پوری کر دو یعنی خدا کے فضل کی خوشخبری کی گواہی دو“۔ جس خوشخبری کی منادی پوکس کرتا تھا اُس کا بیان اس سے بہتر الفاظ میں نہیں ہو سکتا، یعنی ”خدا کے فضل کی خوشخبری“۔ یہ کیسا دلورہ انگیز اور سنسنی خیز پیغام ہے کہ خدا اُن لوگوں پر مہربانی کرتا ہے جو اس کے بالکل حق دار نہیں بلکہ جو قصود وار بے دین اور گنہگار ہیں، جو صرف ابدی جہنم کے لائق ہیں۔ یہ پیغام دینا ہے کہ خدا کا عزیز بیٹا آسمان کے ارفع ترین جلال کو چھوڑ کر آیا تاکہ دکھ اٹھائے، خون بسائے اور کلوڑی پر جان دے تاکہ جو اُس پر ایمان لائیں وہ گناہوں کی معافی اور ابدی زندگی پائیں۔

۲۰: ۲۵-۲۷۔ پوکس کو یقین تھا کہ وہ اپنے عزیز ارفسی بھائیوں کو پھر کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن اُن کو چھوڑتے ہوئے اُس کا ضمیر صاف تھا کیونکہ وہ اُن سے ”خدا کی ساری مرضی“ بیان کرتا رہا تھا اور اس میں سے کچھ بھی پیچھے نہیں رکھا تھا۔ اُس نے اُن کو نہ صرف خوشخبری کی بنیادی باتیں بتائیں بلکہ وہ تمام سچائیاں بھی سکھائیں جو خدا پرستی کی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

۲۰: ۲۸۔ چونکہ اُس کو معلوم تھا کہ اُن بھائیوں کو زمین پر دوبارہ نہیں دیکھ پائے گا اس لئے وہ بزرگوں کو ایک سنجیدہ ذمہ داری دینا ہے کہ پہلے اپنی روحانی حالت کی ”خبرداری کرو“۔ جب تک وہ خداوند کی رفاقت میں نہیں رہیں گے، اُس وقت تک ”سارے کلمہ“ کی مناسب گلہ بانی نہیں کر سکیں گے۔

بزرگوں کا خاص کام یہ تھا کہ ”اُس سارے کلمہ کی خبرداری“ کریں جس کا رُوح القدس نے اُن کو ”نگہبان ٹھہرایا“ تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے ”عہد نامہ میں نگہبانوں“ کو ”بزرگ“ بھی کہا گیا ہے۔ یہ آیت اس بات پر زور دیتی ہے کہ بزرگ / نگہبان مقامی جماعت کی طرف سے منتخب یا مقرر نہیں ہوتے اُن کو ”رُوح القدس“ مقرر کرتا ہے۔ اور جن ایمان داروں کے درمیان وہ خدمت کرتے ہیں، چاہئے کہ وہ اُن کو پہچانیں اور تسلیم کریں۔

دوسرے کاموں کے علاوہ اُن کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ ”خدا کی کلیسیا کی گلہ بانی کریں۔ اس ذمہ داری کی اہمیت ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے کہ ”جسے اُس نے خاص اپنے خون سے مول لیا“۔ یہ الفاظ بائبل مقدس کے علما کے درمیان بہت بحث مباحثہ اور اختلاف رائے کا باعث بنے رہے ہیں۔

مشکل یہ ہے کہ یہاں یہ تصویر پیش کی گئی ہے کہ ”خدا“ نے اپنا ”خون“ بہایا حالانکہ ”خدا“ روح ہے۔ خون تو خداوند یسوع نے بہایا تھا اور اگرچہ یسوع خدا ہے، تاہم بائبل مقدس کسی اور جگہ یہ نہیں کہتی کہ ”خدا“ نے اپنا خون بہایا یا وہ ”موا“۔

متعدد نسخہ جات میں یوں لکھا ہے کہ کلیسیا... جیسے خداوند اور خدا نے خاص اپنے خون سے مول لیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اشارہ ذاتِ الہی کے اُس اَتْنوم (خداوند) کی طرف ہے جس نے حقیقت میں خون بہایا تھا۔

۲۰: ۲۹-۳۰۔ پؤس کو پورا احساس تھا کہ اُس کے ”جانے کے بعد“ کلیسیا پر نہ صرف باہر سے بلکہ اندر سے بھی حملے ہوں گے۔ جھوٹے استاد یعنی بھیڑوں کے بھیس میں ”بھیرٹیے“ آئیں گے اور گلے کو بے دردی سے پھاڑیں گے۔ کلیسیا کے اندر ایسے افراد ہوں گے جو اعلیٰ عہدوں کے حصول کے لئے سچائی کو چھوڑ کر ”الٹی الٹی باتیں کہیں گے تاکہ شاگردوں کو اپنی طرف کھینچ لیں۔“

۲۰: ۳۱۔ ان ڈراؤنے خطرات کے پیش نظر بزرگوں کو چاہئے کہ خبرداد رہیں اور ہمیشہ ”یاد رکھیں“ کہ رسول کس طرح تین برس تک رات دن اُنسو بہا ہوا کہ ہر ایک کو سمجھانے سے باز نہ آیا۔

۲۰: ۳۲۔ اب پؤس کی سب سے بڑی تدبیر یہی تھی کہ اُن کو ”خدا“ اور اُس کے فضل کے کلام کے ”سپرد“ کرے۔ غور کریں کہ اُس نے اُن کو دوسرے انسانی بزرگوں کے ”سپرد“ نہیں کیا۔ نہ اُن کے سپرد کیا ہے جو رسولوں کے جانشین ہو سکتے تھے بلکہ اُس نے اُن کو ”خدا“ اور بائبل مقدس کے سپرد کیا ہے۔ یہ پاک کلام کی زبردست تصدیق ہے کیونکہ یہی ایمان داروں کی ”ترقی کر سکتا ہے اور تمام مقدسوں میں شریک کر کے میراث دے سکتا ہے۔“

۲۰: ۳۳-۳۵۔ پیغام کا اختتام کرتے ہوئے پؤس رسول نے اپنی خدمت اور زندگی کے نمونے کو

ایک دفعہ پھر بزرگوں کے سامنے رکھا۔ وہ پوری دیانت داری سے کہہ سکتا تھا کہ ”میں نے کسی کی چاندی یا سونے یا کپڑے کا لالچ نہیں کیا۔“ مالی منافع کی امید اُسے خداوند کے کام کے لئے تحریک نہیں دیتی تھی۔ جہاں تک مالی

چیزوں کا تعلق ہے وہ ضرور غریب تھا۔ لیکن خدا کے تعلق سے وہ دولت مند تھا۔ وہ اپنے ہاتھ اُن کے سامنے بڑھا کر اُن کو یاد دلاتا ہے کہ ”انہی ہاتھوں“ نے محنت اور مشقت کر کے ”میری اور میرے ساتھیوں کی حاجتیں

رفع کیں۔“ اتنا ہی نہیں، اُس نے کچھ اور بھی کیا۔ وہ ایک خیمہ دوز کے طور پر محنت کرتا اور کمزوروں کو

سنبھالتا تھا۔ اس میں دونوں قسم کے کمزور شامل ہیں، جو جسمانی لحاظ سے بیمار اور کمزور تھے، اور جو روحانی

باتوں میں کمزور تھے۔ لازم ہے کہ بزرگ ان ساری باتوں کو یاد رکھیں اور دوسروں کی بہتری اور بھلائی کے لئے کوشاں رہیں۔ وہ زور دے کر کہتا ہے کہ ”خداوند یسوع... نے خود کہا، دینا لینے سے مبارک ہے۔“



یہ نہایت دلچسپ بات ہے کہ ہمارے خداوند کیسے یہ الفاظ کسی انجیل میں نہیں ملتے۔ بے شک یہ الفاظ اُس کی بہت سی تعلیمات کا پتھر پر پیش کرتے ہیں۔ یہ خداوند کی باتوں پر ایک عالمی اضافہ ہیں۔

۲۰: ۳۶-۳۸۔ پیغام کے اختتام پر پُلُوس نے زمین پر ”گھٹنے ٹیکے“ اور بزرگوں کے ساتھ ”دُعا کی“۔ اُن کے لئے یہ بہت رنج و غم کا موقع تھا۔ اُنہوں نے اپنی محبت کا پھر پُورا اظہار کیا کہ اُس کے گلے لگ لگ کر اُس کے بوسے لئے۔ خاص بات جس نے اُن کو بے حد ”مغلیں“ کیا پُلُوس کے الفاظ تھے کہ ”تم پھر میرا منہ نہ دیکھو گے“۔ بھاری دل کے ساتھ اُنہوں نے پُلُوس کو ”جہاز تک پہنچایا“ تاکہ اپنے بیروٹیم کے سفر کو جاری کرے۔

۲۱: ۱-۴۔ ملتے سے ایسی محبت اور شفقت بھری اوداع کے بعد پُلُوس اور اُس کے ساتھی ”کولس“ میں آئے اور وہاں رات بسر کی۔ دوسرے دن جنوب مشرق کو آگے بڑھتے ہوئے ”رُوس“ کے جزیرہ پر آئے۔ جزیرہ کے شمالی کونے کو چھوڑ کر اُن کا جہاز مشرق کی سمت چلتا ہوا ”پتھر“ پہنچا جو ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل پر لوکیہ کی بندرگاہ ہے۔ ”پتھر“ سے وہ دوسرے ”جہاز“ میں سوار ہوئے جو ”سیدھا فینیکے“ کو جا رہا تھا۔ اُس کا راستہ ”سوریہ“ کی ساحلی پٹی کے ساتھ ساتھ تھا جس علاقے کا ایک بڑا شہر ”صُور“ تھا۔ ”حیرہ روم“ میں سفر کرتے ہوئے اُن کو ”کپرس“ نظر آیا۔ مگر اِس جزیرہ کو وہ اپنے ”باپیں ہاتھ چھوڑ کر“ آگے بڑھ گئے۔ سرزمینِ فلسطین کی بڑی بندرگاہ ”صُور“ میں وہ اترے کیونکہ وہاں جہاز کا مال اتارنا تھا۔ پُلُوس اور دوسرے مسیحیوں نے وہاں ایمانداروں کو تلاش کیا اور ”سات روز وہاں رہے“۔

۲۱: ۴۔ پ۔ اپنی دنوں کے دوران شاگردوں نے ”رُوح کی معرفت پُلُوس سے کہا کہ بیروٹیم میں قدم نہ رکھنا“۔ یہاں وہی سوال پیدا ہوتا ہے جو مدتوں سے پوچھا جاتا رہا ہے کہ کیا پُلُوس ”جان بوجھ کر“ نافرمانی کر کے ”بیروٹیم میں“ جا رہا تھا؟ کیا وہ انجانے میں خداوند کے ارادہ کو سمجھنے میں ناکام رہا؟ یا وہ واقعی خدا کے ارادہ کے مطابق وہاں جا رہا تھا؟ آیت ۴ ب کو سرسری طور سے پڑھنے سے شاید یہی معلوم ہو کہ رسولِ خودمیر اور سرکش تھا اور جان بوجھ کر رُوح کے خلاف کام کر رہا تھا۔ لیکن غور کرنے سے ظاہر ہوگا کہ دراصل پُلُوس کو علم نہ تھا کہ یہ آگاہی ”رُوح کی معرفت“ دی جا رہی ہے۔ تاریخ نویس نوفا اپنے قارئین کو بتاتا ہے کہ صُور کے ان شاگردوں کا یہ مشورہ رُوح کی تحریک سے تھا۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ آیا پُلُوس رسول کو بھی اِس حقیقت کا پتہ تھا یا نہیں۔ زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ پُلُوس نے اپنے دوستوں کے مشورہ کو اِس بات پر محمول کیا ہو کہ وہ اُسے جسمانی اذیت یا موت سے بھی بچانا چاہتے ہیں۔ اُس کو اپنے ہم وطن بیروٹیوں سے اتنی محبت تھی کہ اُن کے مقابلے میں وہ اپنی جسمانی فلاح و بہبود کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔

۲۱:۵-۶۔ وہ ساٹھ ”دن گزر گئے“ تو صُور کے ایمان دار سب اکٹھے ہو کر ان مُبشروں کے ساتھ ساحل سمندر تک آئے۔ یہ ان کی مسیحی محبت کا مُنہ بولنا مظاہرہ تھا۔ کچھ وقت دعائیں گزارنے اور محبت کے ساتھ اوداع کہنے کے بعد جب جہاز روانہ ہوئی تو یہ ایمان دار اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے۔

۲۱:۷۔ اب جہاز ”پنٹلمیس“ میں لنگر انداز ہوا۔ یہ بندرگاہ صُور سے کوئی پچیس میل جنوب میں

تھی۔ آج کل اس کا نام عُلہ ہے جو حیفہ کے نزدیک ہے۔ اس کا نام بطولمی یعنی بطلمیوس کے نام پر رکھا گیا تھا۔ یہاں ایک دن کے قیام سے خداوند کے خادم کو مقامی ”بھائیوں“ سے ملاقات کا موقع مل گیا۔

۲۱:۸۔ دوسرے دن ”ان کے بحری سفر کا آخری حصہ شروع ہوا۔ اب ان کو تیس میل جنوب میں

”قیصریہ“ پہنچنا تھا جو شارون کے میدان میں واقع تھا۔ یہاں وہ ”فلپس مبشر کے گھر“ میں ٹھہرے (اسی نام کا رسول الگ شخص ہے)۔ یہ وہی فلپس ہے جس کو یروشلیم کی کلیسیا نے ”یکین منتظم“ ہونے کے لئے چنا تھا اور جو خوشخبری کا پیغام سامریہ میں لے گیا تھا اور اسی کی تعلیم سے حبشی خوجے نے نجات پائی تھی۔

۲۱:۹۔ فلپس کی ”چار کنواری بیٹیاں تھیں جو نبوت کرتی تھیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو رُوح القدس سے یہ نعمت عملی تھی کہ خداوند سے براہِ راست پیغام وصول کرتی تھیں اور دوسروں تک پہنچاتی تھیں۔

بعض لوگ اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ عورتوں کو کلیسیا میں وعظ کرنے اور تعلیم دینے کی اجازت ہے۔ لیکن عورتوں کو نہایت واضح طور سے منع کیا گیا ہے کہ وہ مردوں کی مجلس میں نہ وعظ کریں نہ تعلیم دیں، نہ

کوئی عہدہ یا اختیار رکھیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۴:۳۴-۳۵؛ ۱۔ تیمتیس ۲:۱۱، ۱۲)۔ اس لئے ہم صرف

اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ ان ”چار کنواری بیٹیوں“ کی نبوتی خدمت گھر کے اند یا دیگر غیر کلیسیائی اجتماع میں ہوتی تھی۔

۲۱:۱۰-۱۱۔ پُلُوس کے قیصریہ میں قیام کے دوران ”الکس نام ایک نبی یہودیہ سے آیا۔“ یہ وہی نبی

ہے جس نے یروشلیم سے انطاکیہ میں آکر کال کی پیشین گوئی کی تھی۔ اور یہ کال کلو دیس کے عہد حکومت میں پڑا تھا (اعمال ۱۱:۲۸)۔ اب ”اس نے... پُلُوس کا کمر بند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک

نبوت کی۔ اپنے سے پہلے کے کئی نبیوں کی طرح اس نے بھی یہ ڈرامائی انداز اختیار کیا اور ایک لحاظ سے عملاً پیغام پیش کیا۔ پھر اس نے اس عمل کا مطلب بیان کیا۔ جیسے اس نے اپنے ”ہاتھ پاؤں“ باندھے تھے،

اسی طرح یہودی یروشلیم میں ”پُلُوس کو“ باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔ پُلُوس نے جو خدمت (کمر بند اس کا نشان تھا) یہودیوں کے درمیان کی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہی اس کو

پکڑائیں گے۔

۱۲: ۱۲-۱۳۔ جب قیصریہ کے مسیحیوں اور پوٹس کے ساتھیوں نے یہ بات سنی تو پوٹس کی "جنت کی کہیروشلیم کو نہ جائے" لیکن وہ اُن کی فکر مندی کا لحاظ نہ کر سکا۔ اُن کے آنسوؤں نے صرف اُس کا دل توڑنے کا کام کیا۔ کیا زنجیروں اور قید کا خوف اُسے وہ کام کرنے سے روک لے گا جیسے وہ خدا کی مرضی سمجھتا ہے؟ پوٹس اُن کو بتا دینا چاہتا تھا کہ "میں تو یہ وِشلیم میں خداوند سیورہ کے نام پر نہ صرف باندھے جانے بلکہ مرنے کو بھی تیار ہوں"۔ اُن کی تمام دلیلیں بے سود ثابت ہوئیں۔ وہ وہاں جانے پر تیار ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے صرف اتنا کہا کہ "خداوند کی مرضی پوری ہو۔"

یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ پوٹس کے الوداعی الفاظ کسی ایسے آدمی نے کہے تھے جو جان بوجھ کر رُوح القدس کی ہدایت اور راہنمائی کی نافرمانی کر رہا ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ مسور میں شاگردوں نے اُسے یہ وِشلیم جانے سے منع کیا تھا (آیت ۴)۔ لیکن کیا پوٹس کو علم تھا کہ وہ رُوح کی معرفت بول رہے تھے؟ اور کیا خدا نے بعد میں اُس کے سفر یہ وِشلیم کی منظوری نہیں دی تھی جب اُس نے فرمایا کہ "خاطر جمع رکھ کہ جیسے تو نے میری بابت یہ وِشلیم میں گواہی دی ہے، ویسے ہی تجھے روم میں بھی گواہی دینا ہوگا" (۱۱: ۲۳)۔ دو باتیں تو بالکل واضح ہیں۔ (۱) پوٹس کے نزدیک خداوند کی خدمت میں اُس کی ذاتی حفاظت کوئی اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ (۲) خداوند نے اُن تمام واقعات کو اپنے جلال کے لئے استعمال کیا۔

۱۶: ۱۵-۱۶۔ قیصریہ سے یہ وِشلیم تک کا پچاس سے زائد میل سفر خشکی کا سفر تھا۔ اُس زمانے میں ذرائع آمد و رفت کی سست رفتاری کے باعث یہ ایک طویل سفر تھا۔ پوٹس رسول کے ہم سفروں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ قیصریہ سے بھی بعض شاگرد اُن کے ساتھ چلے۔ اور ایک مسیحی بھائی بنام "مناسون" بھی ساتھ ہو گیا تھا۔ وہ آبائی طور سے "پوٹس" کا بارشندہ اور "قدیم" شاگردوں میں سے ایک تھا۔ اب وہ یہ وِشلیم میں رہتا تھا۔ پوٹس کے یہ وِشلیم کی طرف آخری سفر کے دوران مناسون کو رسول اور اُس کے ہم سفروں کی مہمان نوازی کا شرف حاصل ہوا۔

یہ وِشلیم میں آمد کے ساتھ پوٹس کے تبلیغی دورے دراصل اختتام پذیر ہو گئے۔ اعمال کی کتاب کے بقیہ حصے میں اُس کی گرفتاری، مقدمہ میں پیشی، روم کے سفر اور وہاں پیشی اور قید کے حالات درج ہیں۔

۱۸: ۱۴-۲۱۔ یہ وِشلیم "پہنچے تو بھائیوں نے بڑی خوشی اور گر خوشی سے پوٹس اور اُس کے رفیقوں کا غیر مقدم کیا۔ اگلے دن "یعقوب" اور سب بزرگوں کے ساتھ ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔ ہم کسی طرح بھی معلوم نہیں کر سکتے کہ یہاں کون سے یعقوب کی طرف اشارہ ہے۔ ہو سکتا ہے یہ خداوند کا بھائی یعقوب

ہو یا حلقی کا بیٹا یعقوب یا اس نام کا کوئی اور شخص۔ لیکن زیادہ امکان یہی ہے کہ خداوند کا بھائی یعقوب ہو۔

۱۹:۲۱-۲۰/۱۔ پُلّس نے جو کچھ خدا نے اُس کی خدمت سے غیر قوموں میں کیا تھا مفصل بیان کیا۔

اس بیان سے سب کو یہ حد فُوشی ہوئی۔

۲۰:۲۱-۲۲۔ لیکن یہودی بھائیوں کو کچھ اندیشہ تھا۔ یہ بات مشہور کر دی گئی کہ پُلّس شریعت اور موسیٰ رسولوں

کے خلاف تعلیم دیتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ دشمنی میں مُشکل پیدا ہو سکتی تھی۔

پُلّس پر خاص الزام یہ تھا کہ وہ دوسرے ملکوں کے سب یہودیوں کو یہ کہہ کر موسیٰ سے پھر جانے کی تعلیم دیتا

ہے کہ نہ اپنے لڑکوں کا ختنہ کرو نہ موسوی رسموں پر چلو۔ کیا پُلّس واقعی یہ سکھاتا تھا؟

وہ یہ تعلیم ضرور دیتا تھا کہ ایمان لانے والوں کی راست بازی کے لئے مسیح شریعت کا انجام ہے (رومیوں

۱۰:۴)۔ البتہ یہ تعلیم بھی ضرور دیتا تھا کہ مسیح کے آنے کے باعث ایمان لانے والے یہودی شریعت کے ماتحت

نہیں رہتے۔ وہ سکھاتا تھا کہ اگر کوئی آدمی راست باز ٹھہرائے جانے کی خاطر ختنہ کراتا ہے تو وہ خود کو مسیح

یسوع کی نجات سے دور کر لیتا ہے۔ وہ سکھاتا تھا کہ مسیح کے آجانے کے بعد عکس اور مثیل کی طرف لوٹنا مسیح کی

بے قدری کرنا ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر یہ سمجھنا مُشکل نہیں کہ یہودی اُسے خطرہ کیوں سمجھتے تھے۔

۲۱:۲۳، ۲۴۔ لیکن یہ دشمنی کے یہودی بھائیوں نے ایک سکیم بنائی۔ اُن کا خیال تھا کہ اس طرح ہمارے

ہم وطن خواہ نجات یافتہ ہوں خواہ نہیں، وہ بھائی پُلّس کو معاف کر دیں گے۔ اُنہوں نے مشورہ دیا کہ پُلّس

ایک یہودی ”مَنّت“ مانے۔ ”چار آدمی“ پہلے ہی یہ کام کر رہے تھے۔ پُلّس اُن کے ساتھ شامل ہو جائے،

”اپنے آپ کو اُن کے ساتھ پاک کرے“ اور اُن کے اخراجات بھی ادا کرے تاکہ سب صاف صاف جان لیں کہ اُس

کا شریعت کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ اس ”مَنّت“ میں کیا کچھ شامل تھا۔ تفصیل پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔ لیکن

ہمیں صرف یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ یہ ایک یہودی ”مَنّت“ تھی۔ اور اگر یہودی پُلّس کو اس کی

رسومات ادا کرتے ہوئے دیکھتے تو اُن کو یقین ہو جاتا کہ وہ دوسروں کو موسیٰ کی ”شریعت“ سے پھر جانے کی

تعلیم نہیں دیتا۔ یہودیوں کے لئے یہ ایک نشان ہونا کہ رسول خود ”شریعت“ کو مانتا ہے۔

رسول کے اس یہودی ”مَنّت“ کو اپنے اوپر لینے کے اس عمل کی حمایت بھی کی گئی ہے اور اس پر

اعتراض بھی کئے گئے ہیں۔ پُلّس کے دفاع یا صفائی میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ وہ خود اپنے اصول کے

مطابق عمل کرتا تھا کہ میں سب آدمیوں کے لئے سب کچھ بنا ہوا ہوں تاکہ کسی طرح سے بعض کو بچاؤں

(۱- کرتھیوں ۱۹:۹-۲۲)۔ دوسری طرف پوئس پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ یہودیوں کو راضی کرنے کے لئے حد سے آگے نکلا گیا اور تاثیر پیدا کیا کہ میں شریعت کے ماتحت ہوں۔ دوسرے لفظوں میں پوئس پر الزام ہے کہ وہ اپنے اس نظریہ کے خلاف چلا کہ ایمان دار نہ تو راست باز ٹھہرائے جانے کے لئے اور نہ روزمرہ زندگی کے معمولات میں شریعت کے ماتحت ہے (گلتیوں باب ۲۰)۔ ہم اعتراض کرنے والوں کے ساتھ متفق ہونے کا رجحان رکھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں رسول کی نیت پر فیصلہ دینے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

۲۵:۲۱۔ یروشلیم کے بھائیوں نے پوئس کو صلاح دی کہ غیر قوم ایمان داروں پر کوئی ٹین و ضوابط ٹھونسے کی ضرورت نہیں سوائے اُن ضابطوں کے جو یروشلیم کی کونسل نے تجویز کئے ہیں یعنی ”وہ صرف بتوں کی قربانی کے گوشت سے اور لٹو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں“۔

۲۶:۲۱۔ پوئس نے جو اقدام کئے تاج وہ پورے طور پر ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ نذارت کی منت تھی۔ لیکن اگر ایسا بھی تھا ہم اس رسم کے مختلف مراحل اور اقدام کو نہیں سمجھتے۔

## ح۔ پوئس کی گرفتاری اور پیشیاں (۲۱:۲۷-۲۶:۳۲)

۲۷:۲۷-۲۹۔ جب منت کے ”سارے دن پورے ہونے کو تھے“ تو یہودیوں کو راضی کرنے کی پوئس کی کوشش بے کار ثابت ہوئی۔ ”اسیہ“ کے صوبے کے بعض اُن ”یہودیوں نے“ جو مسیح پر ایمان نہیں لائے تھے، اُس کو ”ہیکل میں“ دیکھ لیا۔ اُنہوں نے لوگوں کو بھڑکا کر اُس کے خلاف پہلی چادری۔ نہ صرف اُنہوں نے یہ الزام لگایا کہ پوئس یہودی اُمت اور شریعت کے خلاف تعلیم دیتا ہے بلکہ یہ الزام بھی لگایا کہ غیر یہودیوں کو ہیکل کے اندر نی احاطے میں لاکر ہیکل کو ”ناپاک“ کرتا ہے۔ دراصل جو کچھ ہوا اُس کی تفصیل یوں ہے کہ ”اُنہوں نے اِس سے پہلے تروئس اِفسی کو پوئس کے ساتھ شہر میں دیکھا تھا۔“ تروئس اِفسس کا ایک غیر یہودی شخص تھا جو مسیح پر ایمان لے آیا تھا۔ چونکہ یہودیوں نے اُن دونوں کو اکٹھے دیکھا تھا اِس لئے اُنہوں نے خیال کیا کہ پوئس اُسے ہیکل میں لایا تھا۔

۳۰:۲۱-۳۵۔ اگرچہ صاف نظر آتا ہے کہ الزام غلط تھا لیکن مخالفین کا مقصد پورا ہو گیا۔ ”تمام شہر میں پہلیں پڑ گئی اور لوگ... پوئس کو... ہیکل سے باہر گھسیٹ کر لے گئے۔“ اُنہوں نے ہیکل کے اندر دینی مضمونوں کے دروازے بند کر دیے۔ وہ اُسے ”قتل کرنا چاہتے تھے۔“ راتنے میں رومی پلٹن کے سردار کو خبر

پہنچ گئی۔ وہ اسی دم سپاہیوں اور صوبہ داروں کو لے کر ان کے پاس ... دوڑا آیا اور پھرے ہوئے ہجوم سے پوئس کو پھڑپھڑایا۔ پھر اُسے ”دو زنجیروں“ سے باندھا اور لوگوں سے پوچھا کہ ”یہ کون ہے اور اس نے کیا کیا ہے؟“ بے شک ہجوم کے شور شرابے اور چلانے سے کچھ بات سمجھ میں نہ آئی کیونکہ بعض کچھ چلائے اور بعض کچھ۔ جھنجھلا کر پلٹنے کے سردار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ قیدی کو قلعہ میں لے جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ وہ بہتر کیفیتیں کر کے معلوم کر سکے کہ ہو کیا رہا ہے۔ سردار کی اس کوشش کے دوران بھی ”بھیمبر“ نے ایسی زبردستی کی کہ سپاہیوں کو اُسے (پوئس کو) اٹھا کر لے جانا پڑا۔

۳۶:۲۱۔ جب سپاہی اُسے اٹھا کر لے جا رہے تھے تو بھیمبر چلا چلا کر کہہ رہی تھی کہ ”اُس کا کام تمام

کر“۔ غالباً بعض لوگوں نے یہ الفاظ پیلے بھی سنے ہوں گے۔

۳۷:۲۴۔ ۲۹۔ جب سپاہی اُسے ”قلعہ کے اندر“ لے جانے کو تھے تو پوئس نے پلٹنے کے سردار سے

درخواست کی کہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سردار پوئس کو ”یونانی“ بولتے سن کر چونک گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ میں نے ایک ”مصری“ کو گرفتار کیا ہے جس نے بغاوت کی تھی اور ”چار ہزار آدمیوں کو جو غازی“ کہلاتے تھے اپنے ساتھ لاکر جنگل میں لے گیا تھا۔ پوئس نے فوری طور پر اُسے یقین دلایا کہ ”میں یہودی آدمی بلکیہ کے مشہور شہر ترمسس کا باشندہ ہوں۔“ وہ کسی معمولی شہر کا رہنے والا نہیں تھا۔ یہ شہر تہذیب و تمدن، تعلیم اور تجارت کا مرکز تھا۔ اوسطین نے اسے ”آزاد شہر“ قرار دیا تھا۔ اپنی مخصوص دلیری سے رسول نے ”لوگوں سے“ خطاب کرنے کی اجازت مانگی۔

۳۷:۲۱۔ اجازت ملی تو وہی سپاہی پوئس کو گھیرے میں لے کر کھڑے تھے۔ رسول نے لوگوں کو

”ہاتھ کے اشارہ“ سے چُپ کرایا۔ خاموشی ایسی گہری تھی جیسا اُن کا ہلٹر زور دار تھا۔ اب وہ یروشلم کے یہودیوں کے سامنے گواہی دینے کے لئے تیار تھا۔

یہاں ”عبرانی زبان“ سے مراد غالباً ارامی زبان ہے جو عبرانی سے بہت مشابہت رکھتی ہے اور

اُس زمانے کے اسرائیلی عام بولتے تھے۔

۲۱:۲۲۔ یہودی ہجوم سے خطاب کے لئے یونانی کی بجائے ارامی زبان کا استعمال بہت دانائی

کی بات تھی۔ جو نہی انہوں نے اپنی مادری زبان سننی تو اُن کو خوشگوار حیرت ہوئی۔ اُن کا شور اور بھی کم ہو گیا۔ کم سے کم تھوڑی دیر کے لئے ترسہ ”اور بھی چُپ چاپ ہو گئے۔“

۳۷:۲۲۔ ۵۔ پوئس نے بات اپنی اصل سے شروع کی کہ ”میں یہودی ہوں، اور بلکیہ کے شہر ترمسس

میں پیدا ہوا۔“ اُس نے مشہور یہودی استاد گملا ایل کے قدموں میں بیٹھ کر تعلیم پائی تھی۔ اُس نے

یہودیت کی عمدہ تعلیم پائی تھی۔ پھر اُس نے خاص زور اس بات پر دیا کہ یہودی ہونے کے باعث میں بہت سرگرم اور جوشیلا تھا۔ وہ مسیحی ایمان رکھنے والوں کو بے حد "ستایا" کرتا تھا۔ اُس نے یسوع پر ایمان رکھنے والوں کو پکڑ پکڑ کر قید خانے بھر دئے تھے۔ "سردار کاہن" اور سنہیدوں کے اراکین "گواہ" تھے کہ وہ بڑے بھرپور طریقے سے "مسیحی طریق والوں" کی مخالفت کرتا تھا اور انہی بزرگوں سے اختیار کے "خط" لے کر پولس "دمشق" کو روانہ ہوا تھا تاکہ وہاں سے مسیحیوں کو "باندھ کر یروشلم میں سزا دلانے کو" لائے۔

۶:۲۲-۸- یہاں تک تو یہودی پولس کی بات کو خوب اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ اور اگر دیانت سے کام لیتے تو اتفاق بھی کر سکتے تھے کہ ساری بات بالکل درست ہے۔ اب رسول اُن کو ایک ایسا واقعہ بتانے کو ہے جس نے اُس کی زندگی کے رخ کو بالکل موڑ دیا۔ فیصلہ کرنا اُن کی ذمہ داری ہوگی کہ یہ واقعہ خدا کی طرف سے تھا یا نہیں۔

پولس بیان کرتا ہے کہ "میں سفر کرتا کرتا دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ دوپہر کے قریب بجایک ایک بڑا نور آسمان سے میرے گرد آچمکا۔ یہاں یہ حقیقت پہلی دفعہ ظلم بند کی گئی ہے کہ وہ نور دوپہر کو پوری بلندی پر چمکنے والے سورج سے بھی زیادہ تیز تھا۔ اس نور کی شدت کے باعث پولس زمین پر گر پڑا۔ اب اس ستانے والے نے آسمان سے "یہ آواز" سُنی کہ "اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" ساؤل نے سوال کیا تو معلوم ہوا کہ "یسوع نامری" آسمان سے اُس سے ہمکلام تھا۔ یسوع نامری مردوں میں سے جی اٹھا تھا اور اُسے آسمان پر جلال دیا گیا تھا۔

۹:۲۲- پولس کے ہم سفروں نے "نور تو دیکھا لیکن ... آواز نہ سنی"۔ اعمال ۹:۷ سے مقابلہ کریں تو بات بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ پولس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کے ہم سفر آواز تو سنئے تھے مگر سمجھتے نہ تھے کہ کیا کیا جا رہا ہے۔

۱۱:۱۰-۲۲- جلال کے خداوند کے ساتھ اس شخصی ملاقات اور بات چیت کے بعد پولس نے اپنی جان، رُوح اور بدن کو اپنے نجات دہندہ کے لئے وقف کر دیا۔ یہ بات اُس کے سوال سے ظاہر ہے کہ "اے خداوند! میں کیا کروں؟" خداوند یسوع نے اُس سے کہا "اٹھ دمشق میں جا۔ وہاں تجھے ہدایت دی جائیگی۔ پولس یسوع کے جلال کے نور سے اندھا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اُس کے ساتھی اُس کا ہاتھ پکڑ کر دمشق میں لے گئے۔"

۱۲:۲۲- دمشق میں "حننیاہ" اُس سے ملنے گیا۔ پولس اُس کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ "نزہت" کے موافق دیندار اور وہاں کے سب رہنے والے یہودیوں کے نزدیک نیک نام تھا۔ پولس کی تبدیلی

کے بیان کو ثابت کرنے کے لئے اس قسم کے آدمی کی گواہی بے حد اہم ہے۔

۱۳:۲۲- حننیاہ نے پُلُوس کو ”بھائی ساؤل“ کہہ کر مخاطب کیا اور کہا ”پھر بیٹا ہو۔“ یہ پہلا موقع تھا کہ پُلُوس نے اُس کو دیکھا۔

۱۶-۱۳:۲۲- یہ پہلا موقع ہے کہ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حننیاہ نے پُلُوس سے کہا کہ ”ہمارے باپ دادا کے خُدا نے تجھ کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ تو اُس کی مرضی کو جانے اور اُس راست باز کو دیکھے اور اُس کے منہ کی آواز سنے۔ کیونکہ تو اُس کی طرف سے سب آدمیوں کے سامنے اُن باتوں کا گواہ ہوگا جو تو نے دیکھی اور سنی ہیں۔ اب کیوں دیر کرتا ہے؟ اٹھ پستمر لے اور اُس کا نام لے کر اپنے گناہوں کو دھو ڈال۔“

ان آیات میں کئی اہم اور دلچسپ نکات سامنے آتے ہیں۔ حننیاہ نے بیان کیا کہ جس نے دُشمن کی راہ پر کے واقعات کا اہتمام کیا وہ ”باپ دادا کا خُدا ہے۔“ اگر یہودی ان ساری باتوں کی جو واقع ہوئی تھیں مخالفت اور مزاحمت کرتے ہیں تو دراصل ”خُدا“ سے جنگ کرتے ہیں۔ دوم، حننیاہ نے پُلُوس سے کہا کہ ”تو سب آدمیوں کے سامنے خُداوند کا گواہ ہوگا۔“ اس بات سے یہودیوں کو پُلُوس کے اس اعلان کے لئے تیار ہو جانا چاہئے تھا کہ اُس کو غیر قوموں کے پاس بھیجا گیا تھا۔ سوم۔ پُلُوس سے کہا گیا کہ ”اٹھ پستمر لے اور اُس کا نام لے کر اپنے گناہوں کو دھو ڈال۔“

بہت سے لوگ آیت ۱۶ کا غلط استعمال کرتے ہوئے تعلیم دیتے ہیں کہ پستمر سے نئی پیدائش ملتی ہے۔ یہ بات عین ممکن ہے کہ اس آیت کا اطلاق صرف پُلُوس پر ہوتا ہے کیونکہ وہ یہودی تھا۔ اور اُسے ضرورت تھی کہ خود کو اپنی قوم سے علیحدہ کرے کیونکہ وہ مسیح کو رد کرتی تھی (۲:۳۸) پر تبصرہ بھی ملاحظہ کریں۔)

اگر ہم اصل زبان میں جُملے کی ساخت کو دیکھیں تو اس مسئلے کا حل کوئی مشکل نہیں۔ یونانی میں دو دو باتیں اکٹھی بیان کی گئی ہیں۔ اور آیت کے درمیان صفت فعلی استعمال ہوئی ہے۔ چنانچہ لفظی ترجمہ کُچھ یوں ہوگا۔ ”اٹھ کر، پستمر لے اور اُس (خُداوند) کا نام لینے کے وسیلے سے اپنے گناہوں کو دھلوالے۔“ آیت کا آخری جُملہ بائبل مقدس کی عام تعلیم سے مطابقت بھی رکھتا ہے (دیکھئے یوایل ۲:۳۲)۔

اعمال ۲:۲۱؛ رومیوں ۱۰:۱۳)۔

۲۲:۱۷-۲۱- ان آیات میں ہمیں پہلی دفعہ پُلُوس کے ایک تجربے کی خبر دی گئی ہے جو اُس کو اپنی

تبدیلی کے بعد پہلی دفعہ بروشلیم آنے پر ہوا تھا۔ وہ ”ہیکل میں دُعا کر رہا تھا... کہ... بے خود ہو گیا“



اور خداوند کو دیکھا کہ اُسے حکم دے رہا ہے کہ ”فوراََ پرِوشلیم سے نکلی جا“ کیونکہ یہاں کے لوگ ”میرے (رسول کے) حق میں تیری گواہی قبول نہ کریں گے۔“ رسول کو یہ بات ناقابل یقین لگی کہ اُس کے اپنے لوگ اُسکی مُسننے سے انکار کریں گے۔ آخر وہ جانتے تھے کہ یہ شخص کیسا سرگرم اور جو شیلہ بیودی تھا۔ کیسے وہ یسوع کے شاگردوں کو مارتا بیٹا اور قید کرتا تھا۔ اور کیسے وہ ”ستفنس“ کے قتل پر راضی اور قتل کرنے والوں میں شامل تھا۔ مگر خداوند نے اپنے حکم کو دہرایا کہ ”جا۔ میں تجھے غیر توہوں کے پاس دُور دُور بھیجوں گا۔“

۲۲: ۲۲، ۲۳۔ اب تک تو بیودی پُلّس کی باتیں خاموشی سے مُسننے رہے تھے، لیکن اُس نے خوشخبری کو غیر توہوں کے پاس لے جانے کا ذکر کیا تو وہ حسد اور نفرت سے پاگل ہو گئے۔ وہ بے قابو ہو کر چیخنے چلانے لگے کہ پُلّس کو جان سے مار دیا جائے۔

۲۲: ۲۴، ۲۵۔ جب ”پلٹن کے سردار“ نے اُن کا دیوانگی دیکھی تو وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ پُلّس نے ضرور کوئی سنگین جرم کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پُلّس کا پیغام بھی نہیں سمجھ سکا ہو گا کیونکہ اِلامی زبان میں دیا گیا تھا۔ چنانچہ اُس نے فیصلہ کیا کہ اُس پر تشدد کر کے اُس سے جرم قبول کروایا جائے۔ چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ ”اُسے قلعہ میں لے جاؤ“ اور تمہوں سے باز دھو تاکہ کوڑے مارے جائیں۔ جب اُس کو کوڑے مارنے کی تیزی سے تیاریاں ہو رہی تھیں تو پُلّس نے پاس کھڑے صوبہ دار سے استغلی سے پوچھا کہ کیا تمہیں روا ہے کہ ایک رومی آدمی کے کوڑے مارو، اور وہ بھی قصور شائبت کے بغیر؟ رومی شہری کے کوڑے مارنا بڑا سنگین جرم تھا۔

۲۲: ۲۶۔ ”صوبہ دار“ دُڑٹا دُڑٹا ”پلٹن کے سردار کے پاس گیا“ اور کہنے لگا کہ پُلّس کے ساتھ جو کچھ کرنا ہو ہوشیاری سے کرنا کیونکہ ”یہ تو رومی آدمی ہے“ یعنی رومی شہری ہونے کے پورے حقوق رکھتا ہے۔ ۲۲: ۲۷، ۲۸۔ اب تو ”پلٹن کا سردار“ جلدی سے ”پُلّس“ کے پاس آیا۔ پوچھنے پر اُسے معلوم ہو ا کہ ”پُلّس“ واقعی ”رومی“ شہری ہے۔ اُس زمانے میں ”رومی“ شہریت حاصل کرنے کے تین طریقے تھے۔ اول، بعض اوقات کسی شخص کو خصوصی خدمات کے صلہ میں شاہی فرمان سے رومی شہریت دی جاتی تھی۔ دوم، بعض پیدائشی لحاظ سے ”رومی“ ہوتے تھے۔ سوم، کبھی بھاری قیمت ادا کر کے شہریت خریدنا بھی ممکن ہوتا تھا۔ پُلّس پیدائشی ”رومی“ تھا۔ وہ تراسس کے آزاد رومی شہری پیدا ہوا تھا۔ اُس کا باپ بھی ”رومی“ شہری تھا۔ جبکہ ”پلٹن“ کے سردار نے... بڑی رقم دے کر رومی ہونے کا مرتبہ حاصل کیا تھا۔

۲۲: ۲۹۔ پُلّس کی ”رومی“ شہریت کا علم ہوا تو اُسے کوڑے لگانے کے سارے منصوبے منسوخ

ہو گئے اور آفران گھبرا گئے۔

۲۲: ۳۔ بے شک پلٹن کے سردار کو یہ معلوم کرنے کا اشتیاق تھا کہ آخر یہودی اُس پر کیا الزام لگاتے ہیں؟ تاہم اُس کا پکا ارادہ تھا کہ ساری کارروائی مناسب اور قانونی طریقہ سے سرانجام پائے۔ اس لئے یروشلیم کی بیھڑ کی ہنگامہ آرائی کے اگلے دن اُس نے پُلّس کو قید خانہ سے نکلوایا اور اُسے ”سردار کاہن“ اور سنہیڈرن کے سامنے پیش کیا۔

۲۱: ۲۳۔ سنہیڈرن (صدر عدالت) کے سامنے کھڑے ہو کر پُلّس نے اپنے بیان کے آغاز میں بتایا کہ ”میں نے آج تک کمال نیک نیتی سے... عُرگزاری ہے۔“ سردار کاہن حنیہاہ اس بیان پر سخت تیش میں آگیا۔ بلاشبہ وہ سمجھتا تھا کہ پُلّس یہودی مذہب سے برگشتہ تارک دین اور زمانہ ساز شخص ہے۔ اور جو شخص یہودیت کو چھوڑ کر مسیحیت میں جا شامل ہوا ہے، وہ ایسی بے گناہی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ اس لئے ”سردار کاہن“ نے حکم دیا کہ اُس کے مُنہ پر ٹانچا مارو۔ چونکہ کارروائی شروع ہو چکی تھی اس لئے یہ حکم قطعی غیر مُصفا نہ تھا۔

۲۳: ۳۔ پُلّس نے بھڑک کر حنیہاہ کو جواب دیا کہ ”اے سفیدی پھیری ہوئی دیوار! خدا تجھے مارے گا۔“ باہر سے تو سردار کاہن راست باز اور نیک آدمی لگتا تھا لیکن باطن میں خراب اور بگڑا ہوا تھا۔ دعویٰ کرتا تھا کہ میں دوسروں کا شریعت کے موافق انصاف کرتا ہوں مگر پُلّس کو مارنے کا حکم شریعت کے برخلاف دیا تھا۔

۲۳: ۴۔ پاس کھڑے لوگ پُلّس کی ایسی تباہ کن ڈانٹ پر بھونچکا رہ گئے مگر کیا اُسے علم نہ تھا کہ ”سردار کاہن“ سے مخاطب ہے؟

۲۳: ۵۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ پُلّس کو کیوں احساس نہ ہوا یا وہ کیوں نہ پہچان سکا کہ حنیہاہ ”سردار کاہن“ ہے۔ سنہیڈرن کو فوری اطلاع پر فراہم کیا گیا تھا اور غالباً حنیہاہ اپنے مرتبہ و منصب کا لباس نہیں پہنے ہوئے تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اُس نشست پر نہیں بیٹھا ہوا تھا جو عموماً ”سردار کاہن“ کے لئے مخصوص ہوتی تھی۔ دوسرے کچھ بھی ہو پُلّس نے قوم کے باضابطہ ”سردار“ کی شان میں دائرہ گستاخی نہیں کی تھی۔ اُس نے اپنے الفاظ پر فوراً معذرت کی اور خروج ۲۲: ۲۸ کا حوالہ دیا کہ ”اپنی قوم کے سردار کو برا نہ کہہ۔“

۲۳: ۶۔ کمرہ عدالت میں ہونے والی گفتگو سے پُلّس نے اندازہ لگالیا کہ ”صدوقیوں“ اور فریسیوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اُس نے اس دلائل کو اُدبھی چوڑا کرنے کے ارادہ سے کہا کہ ”میں فریسیوں... ہوں“ اور مجھ پر اس لئے مقدمہ چل رہا ہے کہ ”مردوں کی قیامت“ پر یقین رکھتا ہوں۔ ”صدوقی“ تو بے شک قیامت کا انکار کرتے تھے۔ اور ساتھ ہی مردوں یا فرشتوں کے وجود کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ فریسی بہت راجح العقیدہ لوگ تھے۔ وہ دونوں باتوں پر ایمان رکھتے تھے (دیکھئے ۲۳: ۸)۔

یہاں پُلّوئس پر تنقید کی جاتی ہے کہ اُس نے جسمانی مصلحت کے تحت سامعین میں پھوٹ ڈالنے کے لئے ریگڑ استعمال کیا۔

۹-۷۰-۲۳۔ بہر حال اُس کے الفاظ نے ”فریسیوں اور صدیقیوں میں تکرار“ کو وادی اور ”بڑا شور مچا“۔

”فریسیوں کے فرقے کے بعض فقیر“ پُلّوئس کی بے گناہی کی حمایت کرنے لگے۔ اُن کا کہنا تھا کہ ”اگر کسی رُوح یا فرشتہ نے اس سے کلام کیا ہو تو پھر کیا؟“

۱۰-۲۲۔ مخالف دُھڑوں میں تکرار میں ایسی گرمی پیدا ہوئی کہ ”پلٹن کے سردار نے... فوج کو حکم دیا“ کہ قیدی کو کمرے سے نکال کر واپس ”قلعہ میں“ لے جائیں۔

۱۱-۲۳۔ ”اسی رات خداوند“ یسوع شخصی طور پر پُلّوئس پر بظاہر ہو ا اور کہنے لگا ”خاطر جمع رکھ کہ جیسے تو نے میری بابت یروشلیم میں گواہی دی ہے، ویسے ہی تجھے روم میں بھی گواہی دینا ہوگا“۔ قابل غور بات ہے کہ پاک کلام کے اُس حصے میں جہاں اُس کے اعمال کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے وہاں ”خداوند“ خود اُس کی تعریف کرتا ہے کہ تو نے ”یروشلیم میں“ بڑی وفاداری سے میری گواہی دی ہے۔ ”تجھے نے تنقید یا ملامت میں ایک لفظ بھی نہیں کہا بلکہ قطعی تعریف اور امید افزائی کا پیغام دیا۔ پُلّوئس کی خدمت ابھی ختم نہیں ہوئی جیسے وہ ”یروشلیم میں“ خدمت میں وفادار رہا اسی طرح ”روم میں“ بھی مسیح کی گواہی دے گا۔

۱۲-۱۵-۲۳۔ اگلے دن چند یہودیوں نے ایسا کیا کہ پُلّوئس رسول کو جان سے مار کر ہی دم لیں گے حقیقت میں ”وہ چالیس سے زیادہ تھے“ جنہوں نے ”لعنت کی قسم کھا“ کہ کہا کہ جب تک اس ”دغا باز“ کو قتل نہ کریں ”نہ کچھ کھاؤں گے نہ پیئیں گے“۔ اُن کا منصوبہ یا سازش یوں تھی۔ ”وہ سردار کا ہنوں اور بزرگوں کے پاس“ گئے اور صلاح دی کہ سنہیڈرن (صدر عدالت) کا ایک اجلاس اس اعلان کے ساتھ بلایا جائے کہ پُلّوئس کے معاملے کی حقیقت زیادہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اور سنہیڈرن پلٹن کے سردار سے درخواست کرے کہ قیدی کو وہاں لائے۔ مگر یہ ”چالیس“ قائل قید خانہ اور کمرہ عدالت کی راہ میں کہیں گھات میں بیٹھے ہوں گے۔ جب پُلّوئس قریب سے گزرے گا تو وہ اُس پر پیل پٹس لے اور اُسے مار ڈالیں گے۔

۱۹-۱۶-۲۳۔ خدا کی مشیت سے ”پُلّوئس“ کے ایک بھانجے نے سازش کا سارا حال سن لیا اور جا کر اُسے خبر دی۔ پُلّوئس یقین رکھتا تھا کہ اپنی جان کی محافظت کے لئے ہر قانونی طریقے سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس لئے اُس نے ساری بات ایک صوبہ دار کو بتائی۔ وہ صوبہ دار شخصی طور پر اُس نوجوان کو پلٹن کے سردار کے پاس لے گیا۔

۲۰-۲۱-۲۳۔ پُلّوئس کے بھانجے نے نہ صرف سازش کا سارا حال بیان کیا بلکہ پُر جوش درخواست بھی

کی کہ "یہودیوں" کے اس مطالبے کو ہرگز نہ ماننا کہ پُلّس کو اُن کے پاس لایا جائے۔

۲۳: ۲۲۔ پلّس کے سردار نے ساری بات سننے کے بعد اُس "عوان" کو اس ہدایت کے ساتھ رخصت کیا کہ کسی کو نہ بتانا کہ تمہاری میرے ساتھ ملاقات ہوئی ہے۔ سردار کو اب احساس ہوا کہ مجھے بلاتا خیر فیصلہ کن اقدام کر کے قیدی کو یہودیوں کے طیش اور غضب سے بچانا ہوگا۔

۲۳: ۲۳۔ ۲۵۔ چنانچہ اُس نے جلدی سے دوسرے داروں کو بلایا اور حکم دیا کہ فوجی دستہ تیار کریں تاکہ قیدی رسول کو بحفاظت "قیصریہ" پہنچایا جائے۔ اس حفاظتی دستے میں "دوسو سپاہی اور ستر سوار اور دس تو نیزہ بردار" شامل تھے۔ یہ سفر رات کی تاریکی کے پردہ میں کرنا تھا۔ تقریباً نو بجے رات کو روانہ ہونا تھا۔ اتنا بڑا حفاظتی دستہ خدا کے اس الہی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ پلّس کے سردار کا مقصد یہ تھا کہ اپنے اعلیٰ رومی افسران میں اپنی شہرت کو قائم رکھے۔ اگر یہودی پُلّس کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو چونکہ وہ رومی شہری تھا اس لئے ذمہ دار افسر کو اپنی کوتاہی کی خاص جواب دہی کرنی پڑتی۔

۲۶: ۲۶۔ ۲۸۔ "رومی حاکم فیلکس" کو خط لکھتے ہوئے پلّس کا سردار اپنی شناخت "کلودیوس ٹوسیاس" کے نام سے کرتا ہے۔ اس خط کا مقصد پُلّس سے متعلق صورت حال کی وضاحت کرنا تھا۔ یہ بات قدرے مفہم ہے کہ "ٹوسیاس" اپنے آپ کو ایک ہمزاد راستی کے محاذِ نظر کے طور پر پیش کرتا ہے۔ غالباً اسے خدشہ تھا کہ فیلکس کو یہ رپورٹ دی جائے کہ اُس نے ایک "رومی" شہری کو الزام ثبات کے بغیر باندھ رکھا ہے۔ "کلودیوس ٹوسیاس" کی خوش قسمت تھی کہ پُلّس نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

۲۶: ۲۶۔ ۳۰۔ پلّس کے سردار نے وضاحت کی کہ میری تفتیش سے ثابت ہوتا ہے کہ پُلّس بے گناہ ہے اور اس پر کوئی ایسا الزام نہیں کہ "وہ قتل یا قید کے لائق ہو" بلکہ سارے نئے غبارے اور ہنگامے کا تعلق یہودی شریعت کے مسئلوں سے ہے۔ پُلّس کے خلاف ایک سازش کے باعث میں نے نوزدوں بھجا کہ اُس کو "قیصریہ" بھیج دوں۔ "مدعی" بھی وہاں آکر دعویٰ کر سکتے ہیں اور سارا معاملہ فیلکس کے سامنے پیش ہو سکتا ہے۔

۲۳: ۳۱۔ ۳۵۔ "قیصریہ" کے اس سفر کے دوران وہ تھوڑی دیر کے لئے "انتیپتیس" کے مقام پر رُکے۔ یہ شہر یروشلم سے اُنتالیس میل اور "قیصریہ" سے پوبیس<sup>۲۳</sup> میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ چونکہ اس مقام سے آگے یہودیوں کی گھات اور حملے کا کوئی خطرہ نہیں تھا اس لئے فوجی یروشلم کو واپس آگئے۔ پُلّس کو بحفاظت "قیصریہ" پہنچانے کے لئے صرف سواروں کا دستہ ساتھ رہ گیا۔ قیصریہ پہنچ کر انہوں نے ٹوسیاس کا خط فیلکس کو دے دیا اور "پُلّس کو بھی اُس کے آگے حاضر کیا"۔ ابتدائی

تفتیش سے فیکس کو تسلی ہوگئی کہ پولیس رومی شہری ہے۔ اُس نے وعدہ کیا کہ تیرے مدعی بھی حاضر ہوں گے تو میں تیرا مقدمہ کر دوں گا۔ اور حکم دیا کہ اس دوران پولیس کو "میر دوس کے قلعہ" یا "پریٹوریم" میں قید رکھا جائے۔ رومی گورنر فیکس نے غلام سے بڑی تیزی سے ترقی کرتے ہوئے رومی گورنر کا عمدہ حاصل کیا تھا۔ اب وہ رومی سلطنت میں اعلیٰ سیاسی مرتبے پر فائز تھا۔ جہاں تک شخصی زندگی کا تعلق ہے، فیکس بہت بدکار تھا۔ جس وقت اُسے یہودیہ کے صوبہ کا گورنر مقرر کیا گیا، وہ تین شاہی خواتین کا شوہر تھا۔ گورنری کے دوران اُس کو ایسہ (Emsa) کے بادشاہ ازیزوس (Azizus) کا بیوی وروس سے محبت ہوگئی۔ یوسفس کے مطابق شادی کا بندوبست پُرس کے جادوگر شمعون کی معرفت کیا گیا۔

فیکس ایک ظالم حاکم تھا۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ اُس نے یونین نام ایک سردار کا ہن کو نردو دیا تھا کیونکہ اُس نے فیکس کی بدانتظامیوں پر ہرگز چینی کی تھی۔ اور یہی فیکس تھا جس کے سامنے پولیس کو پیش ہونا تھا۔

۲۳-۱۔ پولیس کے یہودیم سے قیصر آنے کے "پانچ دن کے بعد حنیہ سردار کا ہن" سنٹیڈرن کے چند اراکین کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے "ترطس نام" ایک رومی کپل کو اہرت پر ساتھ لیا کہ استغاثہ کا وکیل ہو۔ اُس کی ذمہ داری تھی کہ فیکس کے سامنے کھڑا ہو کہ پولیس کے خلاف الزامات کے حق میں دلائل دے۔

۲۳-۲۔ "ترطس" نے استغاثہ کا آغاز کرتے ہوئے فیکس کا بے حد خوشامد اور تعریف کی۔ بے شک اس ساری مبالغہ آرائی میں کچھ نہ کچھ سچائی بھی تھی۔ فیکس نے ہنگاموں اور بیگانوں کو کچل کر امن و امان قائم رکھا تھا لیکن ترطس کے الفاظ میں صرف اس حقیقت کا اعتراف ہی نہیں بلکہ اُس نے حد سے آگے بڑھ کر گورنر کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

۲۳-۵-۸۔ اس کے بعد اُس نے پولیس رسول پر چار خصوصی الزام لگائے :

۱۔ یہ شخص "مفسد" ہے یعنی فساد کرنے والا ہے۔

۲۔ "سب یہودیوں میں فتنہ انگیز ہے۔"

۳۔ "ناصریوں کے بدعتی فرقہ کا سرگروہ ہے۔"

۴۔ "اس نے ہیکل کو ناپاک کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔"

۲۳-۹۔ ترطس نے اس اعتقاد کا اظہار کیا کہ فیکس ان الزامات کے درست ہونے کی تفتیش اور تصدیق کرنے کی قابلیت اور لیاقت رکھتا ہے۔ اس پر جو "یہودی" وہاں موجود تھے انہوں نے بھی الزامات کے سلسلے میں ترطس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

۱۰:۲۴- گورنر نے "پولٹس کو بولنے کا اشارہ کیا" تو وہ اپنے دفاع کے لئے کھڑا ہوا۔ پہلے تو اس نے اطمینان کا اظہار کیا کہ مجھے ایک ایسے شخص کے سامنے جوابدہی کا موقع ملا ہے جو "بہت برسوں" کا تجربہ رکھتا ہے اور یہودیوں کے رسم و رواج اور طور طریقوں سے بخوبی واقف ہے۔ شاید محسوس ہو کہ پولٹس بھی خوشامد کر رہا ہے لیکن دراصل یہ حقیقت کا موڈ بانہ بیان تھا۔

اس کے بعد پولٹس رسول نے اپنے خلاف الزام کا ایک ایک کر کے جواب دیا۔

۱۱:۲۴- فسادی ہونے کے الزام کے جواب میں اس نے بتایا کہ صرف "بارہ دن" چھوٹے ہیں کہ میں یروشلیم میں عبادت کرتے گیا تھا۔ یہ کوئی فساد کی بات یا وجہ نہیں ہو سکتی۔

۱۳:۱۳:۲۴- پھر اس الزام کی تردید کی کہ اس نے یہودیوں کو بغاوت کرنے پر اکسایا تھا۔ میں نے "نہ ہیکل میں ... نہ عبادت خانوں میں نہ شہر میں" کسی سے بحث کی، نہ کسی کو فساد کرنے یا بغاوت کرنے پر اکسایا۔ یہ حقائق تھے اور کوئی ان کو غلط ثابت نہیں کر سکتا تھا۔

۱۴:۲۴- پولٹس نے تیسرے الزام کی تردید نہیں کی کہ یہ "ناصریوں کے بدعتی فرقہ کا سرگروہ ہے۔" البتہ یہ ضرور کہا کہ اس حیثیت میں میں یہودیوں کے خدا کی عبادت کرتا ہوں اور جو کچھ توریت اور نبیوں کے صحیفوں میں لکھا ہے اس سب پر میرا ایمان ہے۔" میں سارے راسخ العقیدہ یہودیوں اور خصوصاً فریسیوں کی امید میں شریک ہوں کہ "راستبازوں اور ناراستوں دونوں کی قیامت ہوگی۔" آنے والی اسی "قیامت" کی روشنی میں پولٹس پوش کرتا تھا کہ خداوند اور ساتھی انسانوں کے ساتھ ہمیشہ واضح تعلق قائم رہے۔ یہودیوں کو بغاوت پر اکسانا تو دوسری بات ہے، وہ تو یروشلیم میں "اپنی قوم کو خیرات پہنچانے اور نذرین چڑھانے آیا تھا۔" یہاں وہ ہلکے اور اخیرہ کی کلیسیاؤں کی طرف سے اس چندے وغیرہ کا حوالہ دے رہا ہے جو یروشلیم میں حاجتمند مسیحی مقدسین کے لئے بھیجا گیا تھا۔

۱۹:۱۸:۲۴- چوتھا الزام یہ تھا کہ پولٹس نے "ہیکل" کو ناپاک کیا تھا۔ پولٹس نے اس کا یہ جواب دیا کہ "یہودی منّت" کو پورا کرنے کے لئے جب میں ہیکل میں نذرین چڑھا رہا تھا تو "اسیہ کے چند یہودی تھے" جنہوں نے مجھے دیکھا اور مجھ پر الزام لگایا کہ میں ناپاک غیر قوم والوں کو "ہیکل میں" لایا تھا۔ بے شک یہ بات درست نہ تھی۔ اس وقت رسول اکیلا تھا اور رسمی ناپاکی سے "طہارت کی حالت میں" تھا یعنی پاک تھا۔ "اسیہ کے" یہ چند یہودی تھے جنہوں نے یروشلیم میں مجھ پر الزام لگایا اور میرے خلاف ہنگامہ کرایا تھا۔ اگر ان کا مجھ پر کچھ دعوئی تھا تو چاہئے تھا کہ وہ فیصلہ میں اگر فیلکس سے "زیاد" کرتے۔

۲۱:۱۲:۲۴- اب پولٹس نے ان یہودیوں کو جو وہاں حاضر تھے چیلنج کیا کہ جب وہ "صدر عدالت

کے سامنے کھڑا تھا“ یعنی بروشلیم میں سنیڈرن کے سامنے پیش کیا گیا تھا تو اُس پر کون کون سے جرم اور قصور ثابت ہوئے تھے۔ یہ لوگ کچھ بھی ثابت نہیں کر پائے تھے۔ یہ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ پُلَس نے بلند آواز سے کہا تھا کہ مُردوں کی نیامت کے بارے میں آج مجھ پر تمہارے سامنے مقدمہ چل رہا ہے۔“

۲۲:۲۲ - ”فیلکس“ نے ساری باتیں سنیں تو وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ وہ مسیحی ایمان کے متعلق اتنا کچھ جانتا تھا کہ سمجھ گیا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ اُس کے سامنے جو قیدی کھڑا تھا، صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بے قصور ہے۔ یعنی اُس نے رومی قانون کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا۔ لیکن اگر وہ پُلَس کو بری کرنا تو یہودیوں کے غیظ و غضب کا نشانہ بنتا۔ سیاسی نقطہ نگاہ سے اُن کی حمایت حاصل کئے رکھنا بہت ضروری تھا۔ چنانچہ اُس نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ مقدمہ کو جاری رکھے۔ چنانچہ اُس نے اعلان کیا کہ ”جب پلٹن کا سردار ٹوسپاس آئے گا تو میں تمہارا مقدمہ فیصلہ کروں گا۔“ دراصل یہ ایک تاخیری حربہ تھا۔ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ ”پلٹن کا سردار“ کبھی قیصر یہ آیا یا نہیں۔

۲۳:۲۳ - اسی پیشی کو ختم کرتے ہوئے فیلکس نے حکم دیا کہ پُلَس کو قید تو رکھا جائے مگر آرام کے ساتھ اور اُسے معقول حد تک آزادی بھی ہو۔ اور اُس کے دوستوں کو مصلقات کرنے اور اُسے کھانا کپڑا فراہم کرنے کی اجازت ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گورنر اُس کو قطعی جرم نہیں سمجھتا تھا۔

۲۴:۲۳، ۲۴:۲۵ - مندرجہ بالا پیشی کے ”چند روز بعد“ گورنر ”فیلکس“ اور اُس کی بیوی ”دورسلہ“ نے پُلَس رسول کے ساتھ علیحدگی میں ملاقات کا بندوبست کیا تاکہ ”مسیح یسوع کے دین“ کے بارے میں مزید واقفیت حاصل کریں۔ اس اڑاؤ اور مُصرَف گورنر اور اُس کی زناکار بیوی کے سامنے ”پُلَس“ نے بڑی بے خوفی اور بُرائت کے ساتھ گفتگو کی اور اُن کو ”لاستبازی اور پرہیزگاری اور آئندہ عدالت“ کے بارے میں بتایا۔ وہ شخصی ”راست بازی“ یا ضبط نفس کے بارے میں اپنی ذاتی زندگی میں یا عوامی زندگی میں عملاً کچھ بھی نہیں جانتے تھے، جیسا کہ اُن کی موجودہ بے ضابطہ شادی سے بھی ثابت ہوتا تھا۔ اسی طرح وہ ”پرہیزگاری“ کے تصور سے بھی نا آشنا تھے۔ ضرورت تھی کہ اُن کو ”آئندہ عدالت“ سے خبردار کیا جانا کیونکہ جب تک یسوع کے خون کے وسیلے سے اُن کے گناہ مُعاف نہ ہوتے وہ آگ کی جہنم میں ہلاک ہوتے۔

۲۵:۲۳ ب ۲۶ - لگتا ہے کہ دورسلہ کی نسبت ”فیلکس“ پر زیادہ اثر ہوا۔ اگرچہ وہ ”دہشت کھا“ گیا مگر ”مجھے پر ایمان نہ لایا۔ اُس نے مسیح کو قبول کرنے کے فیصلے کو اتنا ہی ڈال دیا اور کہنے لگا ”اُس وقت تو جا۔ فرصت پا کر تجھے پھر بلاؤں گا۔“ افسوس کی بات ہے کہ اُس کو یہ ”فرصت“ کبھی نہ ملی۔ تو بھی ”فیلکس“ کے سامنے یہ پُلَس کی آخری گواہی نہ تھی۔ اگلے دو سال کے دوران جبکہ رسول قیصر یہ میں قید تھا گورنر نے اُسے کئی بار بلایا۔

دراصل "فیلکس" کو امید تھی کہ پولس کے دوست اُس کی رہائی کی خاطر اُسے خاصی بڑی رشوت دیں گے۔

۲۳:۲۴ - "ڈو برس" بعد سنہ ۶۰ء میں "پریکٹس فینٹس" فیلکس کی جگہ مقرر ہوا اور فیلکس یہودیوں کو اپنا

احسان مندر نے کی غرض سے پولس کو قیدی میں چھوڑ گیا۔ پولس کو قیصریہ میں ہتھکڑیاں ہی لگی رہیں!

۲۵:۱ - قیصر نیرد نے سنہ ۶۰ء کے موسم خزاں میں "پریکٹس فینٹس" کو یہودیہ کے صوبہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔

قیصریہ سوربے کے رومی صوبہ کا سیاسی صدر مقام تھا اور یہودیہ اس علاقے کا ایک حصہ تھا۔ "تین روز کے بعد" فینٹس قیصریہ سے یروشلم کو گیا۔ یروشلم اُس کے زیرِ نگرانی علاقہ کا مندری صدر مقام تھا۔

۲۵:۲، ۳ - اگرچہ پولس کو قیصریہ میں قید بُرے ڈو برس گزر گئے تھے، مگر "یہودی" اُسے نہیں بھولے

تھے۔ نہ اُن کی قافلہ نہ نفرت کم ہوئی تھی۔ یہ سوچ کر کہ شاید نئے گورنر سے اُنہیں کچھ سیاسی "رعایت" مل جائے

"سردار کاہنوں اور یہودیوں کے رئیسوں" نے پولس کے خلاف اُس کے کان بھرے۔ اور درخواست کی کہ اُسے

یروشلم میں بلا بھیج "اور یہاں اُس پر مقدمہ چلا۔ شاید اُن کا مطلب یہ تھا کہ پولس کو سنہ ۶۰ء کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن اُن کا اصل منصوبہ یہ تھا کہ گھات لگا کر اُسے راہ میں مار ڈالیں۔"

۲۵:۴، ۵ - "مگر فینٹس" کو یقیناً اُن کے پہلے منصوبے کی اطلاع تھی۔ اور یہ بھی پتہ تھا کہ پلٹن کے سردار

نے پولس کو یروشلم سے قیصریہ پہنچانے کے لئے کیسے سخت انتظامات کئے تھے۔ اس لئے اُس نے

یہودیوں کی درخواست منظور نہ کی بلکہ وعدہ کیا کہ اگر وہ قیصریہ "اگر بات کریں تو پولس" کے خلاف اُن کے

الزام سے گا۔

۲۵:۶-۸ - یروشلم میں اٹھ دس دن قیام کے بعد فینٹس واپس "قیصریہ" گیا اور دوسرے

دن تحت عدالت پر بیٹھا یعنی عدالتی کارروائی شروع کی۔ یروشلم سے یہودی بھی وہاں پہنچے ہوئے

تھے۔ "وہ... اُس پر بہتر سے سخت الزام لگانے لگے" لیکن ایک بھی الزام ثابت نہ کر سکے۔ پولس نے دیکھ لیا کہ

اُن کے مقدمہ میں کوئی جان نہیں۔ اس لئے صرف ہرقم کے جرم اور الزام سے انکار کرنے پر اکتفا کیا اور صرف اتنا کہا کہ

"میں نے نہ تو کچھ یہودیوں کی شریعت کا گناہ کیا ہے، نہ ہی سیکل کا نہ قیصر کا۔" اُس نے کوئی دلیل بازی نہیں کی۔

۲۵:۹-۱۱ - تھوڑی دیر کے لئے تو محسوس ہوا کہ "فینٹس" یہودیوں کی درخواست منظور کرے گا کہ "پولس" کو

سنہ ۶۰ء کے سامنے پیش ہونے کے لئے یروشلم بھیج دیا جائے۔ لیکن وہ قیدی کی رضامندی کے بغیر ایسا نہیں

کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ پولس کو احساس تھا کہ اگر میں مان گیا تو کبھی زندہ یروشلم نہیں پہنچوں گا۔

چنانچہ اُس نے یہ کہہ کر یروشلم جانے سے انکار کر دیا کہ قیصریہ کی عدالت ہی مقدمہ کی کارروائی کے لئے

موزوں جگہ ہے۔ اُس نے مزید کہا کہ اگر میں نے سلطنتِ روم کے خلاف کوئی جرم کیا ہے تو سرنے کو تیار



ہوں۔ لیکن اگر ایسا گناہ نہیں کیا تو کون سی قانونی بنیاد پر مجھے ”یہودیوں کے حوالہ“ کیا جائے گا؟ رومی شہری کی حیثیت سے اپنے حقوق کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے پولیس رسوں نے یہ یادگار الفاظ کہے ”میں قیصر کے ہاں اپیل کرتا ہوں“۔

کیا پولیس قیصر کے ہاں اپیل کرنے میں حق بجانب تھا؟ کیا اسے نہیں چاہئے تھا کہ اپنا معاملہ کلکتہ خدا پر چھوڑ دیتا اور اپنی زمینی شہریت کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکتا؟ کیا یہ بھی پولیس کی کوئی غلطی تھی؟ ہم حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمیں صرف اتنا پتہ ہے کہ اس اپیل نے اس موقع پر اس کی رہائی میں رکاوٹ ڈال دی۔ اور اگر وہ اپیل نہ بھی کرتا تو کسی اور طریقے سے ضرور روم پہنچ جاتا۔

۱۲:۲۵- ”فیٹس نے“ اپنے قانونی ”صلاح کاروں سے“ مختصر سا مشورہ کیا کہ ایسے معاملات میں لائحہ عمل کیا ہوتا ہے۔ پھر اس نے غالباً غصے اور گستاخی کے لمحے میں پولیس سے کہا کہ ”تو نے قیصر کے ہاں اپیل کی ہے، تو قیصر ہی کے پاس جائے گا“۔

۱۳:۲۵- ان باتوں کے کچھ دن... بعد۔ ”بادشاہ“ ہیرودیس ”اگرپا“ دوم اور اس کی بہن ”برنیکی“ نے تقرر پر ”فیٹس“ کو مبارک باد دینے کے لئے ”قیصر“ آئے۔ یہ ”اگرپا“ ہیرودیس ”اگرپا“ اول کا بیٹا تھا جس نے یعقوب کو قتل کرایا اور پطرس کو قید میں ڈالا تھا (اعمال باب ۱۲)۔ اس کی بہن غیر معمولی حسن و جاذبیت کی مالک تھی۔ اگرچہ تاریخ نویس اس کی غیر معمولی بنا نامی اور اپنے گئے بھائی کے ساتھ ناجائز تعلقات کے بارے میں بہت کچھ بیان کرتے ہیں مگر نیا عہد نامہ اس عورت کے ذاتی کردار کے بارے میں خاموش ہے۔

۱۳:۲۵-۱۶- قیصر یہی انہوں نے خاصا طویل قیام کیا۔ اس دوران ”فیٹس“ نے فیصلہ کیا کہ پولیس نام قیدی کے مقدمے کے سلسلے میں جو مشکل ہے وہ ”اگرپا“ سے بیان کرے۔ پہلے تو اس نے بتایا کہ یہودی نام عقول سا مطالبہ کرنے ہیں کہ مقدمہ کی باضابطہ کارروائی کے بغیر ہی اسے سزا کا حکم سنایا جائے۔ اس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ مناسب قانونی طریقہ کار کا محافظ ہے اور بتایا کہ اس نے کس طرح باضابطہ پیشی پر اصرار کیا تاکہ ”مدعا علیہ کو اپنے مدعیوں کے روبرو ہو کر دعویٰ کے جواب دینے کا موقع ملے تاکہ اپنا دفاع کر سکے۔“

۱۴:۲۵-۱۹- فیٹس نے مزید بتایا کہ جب پیشی ہوئی تو مجھے معلوم ہوا کہ قیدی حکومت کے خلاف کسی قسم کے برہم میں ملوث نہیں۔ سارا مقدمہ یہودیوں کے اپنے دین اور کسی شخص یسوع کی بابت... بحث کے گرد گھوم رہا ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ یہ یسوع ”مرگیا تھا اور پولیس اس کو زندہ بتاتا ہے“۔

۲۵: ۲۰-۲۲۔ فیئٹس نے یہ بھی بتایا کہ میں نے پوکس کو "برڈ سلیم" بھیجنے کی پیشکش کی تھی، مگر اُس نے اپیل کی کہ "میرا مقدمہ شہنشاہ کی عدالت میں فیصل ہو۔" اس اپیل سے ایک مسئلہ پیدا ہو گیا کہ قیدی کو روم بھیجا جائے تو اُس پر الزام کیا لگایا جائے۔ چونکہ "اگر پاپا" یہودی تھا اور یہودیت کے مسائل سے خوب واقف تھا، اس لئے فیئٹس کو اُمید تھی کہ وہ کوئی موزوں الزام تراشی میں مددگار ثابت ہوگا۔

دُنیا کے نجات دہندہ کی بات کرتے ہوئے فیئٹس نے "کسی شخص کیسے" کے الفاظ استعمال کئے۔

۲۵: ۲۳۔ "دوسرے دن" ایک باقاعدہ سماعت کا بندوبست کیا گیا۔ "اگر پاپا" اور برنیکی بڑی شان و شوکت سے پلٹنے کے سرداروں اور شہر کے رئیسوں کے ساتھ دیوان خانہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد پوکس حاضر کیا گیا۔

۲۵: ۲۴-۲۷۔ فیئٹس نے ایک دفعہ پھر مقدمہ کی ساری تاریخ دہرائی اور بتایا کہ یہودیوں کا سخت اصرار ہے کہ پوکس کو سزائے موت دی جائے۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اُس نے قتل کے لائق کچھ نہیں کیا۔ علاوہ ازیں پوکس نے قیصر کے ہاں اپیل کی ہے، لیکن مختصہ یہ ہے۔ پوکس کی اپیل نے اُسے مجبور کر دیا تھا کہ اُسے قیصر نیرو کے پاس بھیجے۔ لیکن مقدمہ کے لئے مناسب قانونی بنیاد موجود نہ تھی۔ فیئٹس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اُسے اُمید ہے کہ "اگر پاپا" اس سلسلے میں مدد کر سکے گا کیونکہ یہ بات "خلافِ عقل" معلوم ہوتی ہے کہ قیدی کو تو بھیجا جائے مگر اُس کے الزامات کی وضاحت نہ کی جائے۔ یہ ساری باتیں مقدمہ کی کارروائی نہیں بلکہ زیادہ تر سماعت کی حیثیت سے کی گئیں۔ اس وقت یہودی موجود نہ تھے کہ رسول پر الزامات عائد کرتے۔ اور یہ توقع نہ تھی کہ "اگر پاپا" کوئی حتمی فیصلہ دے گا۔

۲۶: ۱-۳۔ کسی نے اس منظر کی بڑی خوبصورت تصویر کھینچی ہے، "ایک قید و بند میں جکڑا ہوا بادشاہ اور ایک تخت پر جلوہ افروز قیدی"۔ روحانی نقطہ نظر سے "اگر پاپا" قابلِ رحم شخص تھا جبکہ پوکس رسول ایمان کے پُروں پر بلند پروازی کر رہا تھا۔ وہ اپنے ماحول اور حالات سے بے حد بُکند تھا۔

"اگر پاپا" سے اجازت ملنے پر "پوکس" ہاتھ بڑھا کر اپنا جواب یوں پیش کرنے لگا۔ "اُس کا جواب مسیحی تجربے کا موثر اور دلولہ انگیز بیان تھا۔ پہلے تو اُس نے شکر یہ ادا کیا کہ مجھے ایک ایسے شخص کے سامنے جا رہی کا موقع ملا ہے جو یہودی ہے اور اِس لئے "یہودیوں کی سب رسموں اور مسئلوں سے واقف ہے۔" "اگر پاپا" کا یہ تعارف پوکس کی طرف سے خوشامد نہیں بلکہ مسیحی ادب و اخلاق اور ایک حقیقت کا بیان تھا۔

۲۶: ۴، ۵۔ جہاں تک پوکس کی "شروع جوائی" یا ابتدائی زندگی کا تعلق ہے، وہ ایک مثالی یہودی تھا۔ یہودی اگر چاہیں تو گواہ ہو سکتے ہیں کہ پوکس نہایت کٹر اور راسخ العقیدہ راہ پر چلتا

رہا تھا، کیونکہ وہ ایک وضع دار "فریسی" تھا اور یہ "سب سے زیادہ پابند مذہب فرقہ" تھا۔

۶: ۲۶ - اور "اب" اُس پر صرف اس وجہ سے مقدمہ چل رہا تھا کہ وہ "اُس وعدہ کی اُمید" پر قائم تھا "جو خدا نے ... باپ دادا سے کیا تھا"۔ یعنی خدا نے پرانے عہد نامہ کے بزرگوں سے جو وعدہ کیا تھا پولس اُس کے پورا ہونے کی اُمید پر قائم تھا۔ یہاں پولس کی دلیل کا سلسلہ یوں چلتا ہے: — پرانے عہد نامہ میں خدا نے اسرائیلی قوم کے رہبروں مثلاً ابراہام، اِصْحٰق، یعقوب، داؤد اور سلیمان سے کئی وعدے کئے تھے۔ سب سے بڑا وعدہ میح موعود سے تعلق رکھتا تھا کہ وہ اسرائیلی قوم کو خلاصی دلانے اور دُنیا پر حکومت کرنے کے لئے آئے گا۔ پرانے عہد نامہ کے بندگان اس وعدہ کی تکمیل کو دیکھے بغیر مر گئے۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ خدا ان وعدوں کی شقوں کو پورا نہیں کریگا؟ بے شک وہ پورا کرے گا۔ لیکن کیسے جبکہ بندگان تو مر چکے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ خدا ان بزرگوں کو "مردوں میں سے زندہ کر کے" اپنے وعدے پورے کرے گا۔ اس طرح پولس نے پرانے عہد نامہ کے مقدر سین کے ساتھ وعدوں کو مردوں کی قیامت سے منسلک کیا ہے۔

۷: ۲۶ - رسول نے اسرائیل کے "بارہ قبیلوں" کی تصویر اس طرح پیش کی ہے کہ وہ "اسی وعدہ کے پورا ہونے کی اُمید پر ... دل و جان سے رات دن عبادت کیا کرتے ہیں"۔ "بارہ قبیلوں" کا یہ ذکر اس لئے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ آج کل یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اسیری کے بعد سے دس قبیلے "م ہو چکے ہیں"۔ اگرچہ وہ غیر قوموں کے درمیان تتر بتر تھے مگر پولس ان کو ایک علیحدہ قوم کے طور پر دیکھتا ہے جس کے افراد خدا کی عبادت کر رہے ہیں اور موعودہ مخلصی دینے والے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔

۸: ۲۶ - پولس دوبارہ اپنے حالات زندگی کی طرف آتا ہے اور اُس دشمنانہ اور بے درد مہم کا ذکر کرتا ہے جو اُس نے مسیحی ایمان پر چلنے والوں کے خلاف چلا رکھی تھی۔ وہ اپنی پوری قوت سے "سیرع ناصری" کی مخالفت کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اور "سردار کاہنوں کی طرف سے اختیار پا کر بدت سے مقدسوں کو قید میں ڈالا"۔ یہ تو تھا یہروشلیم کا واقعہ۔ اور جب یہروشلیم میں سنہیڈرن کے سامنے اُن کی پیشی ہوتی تو پولس ہمیشہ اُن کے خلاف دوڑ دیتا تھا۔ اور "ہر عبادت خانہ میں انہیں سزا دلانا دلا کر زبردستی اُن سے کفر کھواتا تھا"۔ یعنی اُن کو مجبور کرتا تھا کہ خداوند کا انکار کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کامیاب ہوتا تھا مگر کوشش ضرور کرتا رہتا تھا۔ "یسوع" کے شاگردوں کی یہ مخالفت پولس کو یہروشلیم اور یہودیہ سے "غیر شہروں" میں بھی لے گئی۔

۱۲: ۲۶ - اور غیر شہروں کی ایک ایسی ہی مہم کے دوران پولس کو زندگی بدل دینے والا تجربہ ہوا۔ وہ "دشن" بارہ تھا۔ اُس کے پاس باضابطہ اختیار نامہ تھا کہ وہاں سے مسیحیوں کو باندھ کر یہروشلیم

لائے اور سزا دلوائے۔ ”دوپہر کے وقت“ ایک جلالی رویانے اُس کو بچھڑھیا دیا۔ ”سورج کے نور سے زیادہ ایک نور آسمان سے“ اُس پر چمکا۔ وہ زمین پر گر پڑا اور ایک ”آواز سنی“ جس نے بہت گہرا سوال پوچھا کہ ”اے ساؤل! اے ساؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟“ اسی آواز نے یہ انکشاف کرنے والے الفاظ بھی کہے کہ ”پینے کی آہ پر لات مارنا تیرے لئے مشکل ہے۔“ ”پینے کی آہ“ ایک نوکلر آکریڈین ہے جو اٹریل جانوروں کو ہانکنے اور چلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ پولس اپنے ضمیر کے ”پینے کی آہ“ پر لات مار رہا تھا۔ اور اس سے بھی اہم بات یہ کہ وہ الزام لگانے والی رُوح القدس کی آواز کے خلاف بجل رہا تھا۔ وہ اُس ذقار اور شان کو نہیں بھول سکا تھا جو اُس نے مرتے ہوئے سنٹنس میں دیکھی تھی۔ وہ خود خُدا کے خلاف نبرد آزما تھا۔

۱۵:۲۶۔ پولس نے پوچھا ”اے خُداوند! تو کون ہے؟“ آواز نے جواب دیا ”میں یسوع ہوں، جسے تو ستاتا ہے۔“ ”یسوع؟“ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا یسوع مصلوب ہو کر مر نہیں گیا تھا؟ کیا اُس کے شاگرد اُس کی لاش چُرا نہیں لے گئے تھے اور کسی خفیہ جگہ نہیں رکھ دی تھی؟ پھر کیسے ہوا کہ یسوع اب مجھ سے مخاطب ہے؟ بہت جلد پولس کی رُوح پر سچائی اور حقیقت ظاہر ہو گئی۔ یسوع کو واقعی دفن کیا گیا تھا مگر وہ مُردوں میں سے ”جی اٹھا تھا“ اور وہ آسمان پر چڑھ گیا اور اب وہاں سے پولس سے مخاطب تھا۔ مسیحیوں کو ستانے میں وہ اُن کے مالک کو ”ستارہا“ تھا۔ اس طرح وہ اسرائیل کے مسیح موعود کو ”ستارہا“ تھا جو دراصل خُدا کا بیٹا ہے۔

۱۶:۲۶۔ اس کے بعد پولس اپنی اس ذمہ داری کا مختصر بیان کرتا ہے جو زندہ خُداوند یسوع مسیح نے اُسے سونپی تھی۔ خُداوند نے اُس سے کہا ”اٹھ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔“ اُس کو جلالی مسیح نے یہ خاص مُکاشفہ اس لئے دیا کہ اُسے مُقرر کیا گیا تھا کہ خُداوند کا خادم ہو اور ان باتوں کی گواہی دے جو اُس نے اُس روز دیکھی تھیں اور مسیحی ایمان کی اُن عظیم سچائیوں کا بھی گواہ ہو جو اُس پر ظاہر کی جائیں گی۔

۱۷:۲۶۔ خُداوند یسوع نے وعدہ کیا کہ ”میں تجھے اس اُمت اور غیر قوموں سے بھیجتا رہوں گا۔“ اس سے مراد ہے کہ جب تک اُس کا کام پورا نہ ہو جائے خُداوند اُس کی جان کو محفوظ رکھے گا۔

۱۸:۲۶۔ پولس کو خاص طور سے غیر قوموں کے پاس بھیجا جائے گا تاکہ اُن کی آنکھیں کھول دے تاکہ اندھیرے سے روشنی کی طرف اور شیطان کے اختیار سے خُدا کی طرف رجوع لائیں۔ مسیح پر ایمان لانے کے وسیلے سے ”گناہوں کی معافی اور مقدسوں میں شریک ہو کر میراث پائیں۔“ اپنی سب سے بڑی بڑی مُدگی سے بیان کرتا ہے کہ آیت ۱۸ اُن ساری باتوں کا انمول خاکہ ہے جو انجیل کسی کی زندگی میں کرتی ہے۔

۱- اندھیرے سے چھڑاتی ہے۔

۲- شیطان کے اختیار سے آزاد کرتی ہے۔

۲- گناہ مُعاف کرتی ہے۔

۳- کھوئی ہوئی میراث کو بحال کرتی ہے۔

۲۶: ۱۹-۲۳۔ پُلّس "اگر پآ" کو بتاتا ہے کہ خداوند نے مجھے مُقرر کر دیا تو میں اُس آسمانی رویا کا

نافرمان نہ ہوا۔ بلکہ پہلے دمشقوں کو، پھر یرشلیم اور سارے مُملک یہودیہ کے باشندوں کو اور غیر  
قوموں کو سمجھا تا رہا کہ توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع لاکر توبہ کے موافق کام کریں۔ اور اپنے کاموں سے  
اپنی توبہ کی سچائی کو ثابت کریں۔ میں یہی خدمت کر رہا تھا کہ "یہودیوں نے مجھے ہیکل میں پکڑ کر مار ڈالنے کی  
کوشش کی۔" لیکن "خدا" نے میری حفاظت اور "مدد" کی۔ اور میں جس سے ملتا رہا اسی کو گواہی دینا رہا۔  
جس اسی پیغام کی منادی کرتا ہوں جس کی "پیشینگوئی" نبیوں اور موسیٰ نے بھی کی ہے۔ اور پیغام یہ ہے  
کہ مسیح موعودؑ کو دکھ اٹھانا ضرور ہے اور سب سے پہلے وہی مردوں میں سے زندہ ہو کر اس اُمت کو  
اور غیر قوموں کو بھی فوراً کا اشتہار دے گا۔"

۲۶: ۲۲-۲۶۔ فیستس غیر یہودی تھا اور غالباً پُلّس کی باتوں اور دلائل کو پورے طور پر  
نہیں سمجھتا تھا۔ پُلّس رُوح القدس سے بھرا ہوا تھا۔ فیستس اُس کی باتوں سے الجھن محسوس کرتا تھا۔  
چنانچہ اُس نے مُتند مزاجی سے چلا کر کہا کہ "اے پُلّس! تو دیوانہ ہے۔ بہت علم نے تجھے دیوانہ کر دیا  
ہے۔" پُلّس بالکل خفا نہیں ہوا۔ اُسے قطعاً غصہ نہیں آیا۔ اُس نے بڑی شائستگی کے ساتھ فیستس  
کے الزام کی تردید کی اور زور دے کر کہا کہ میں "سچائی اور ہوشیاری کی باتیں کہتا ہوں۔ ساتھ ہی  
اُس نے اعتماد کا اظہار کیا کہ "بادشاہ" (اگر پآ) اُس کی باتوں کی صداقت کو جانتا ہے۔ پُلّس کی زندگی  
اور گواہی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ یہودی اِس کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے۔ اور بلاشبہ اگر پآ  
کو بھی ساری خبریں پہنچی ہوں گی۔

۲۶: ۲۷۔ اب پُلّس نے براہِ راست بادشاہ کو مخاطب کیا: "اے اگر پآ بادشاہ، کیا تو نبیوں کا  
یقین کرتا ہے؟" پھر پُلّس نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا "میں جانتا ہوں کہ تو یقین کرتا ہے۔"  
دلیل نہایت زور دار ہے۔ پُلّس کی بات کا مفہوم یہ ہے کہ "میں اُن ساری باتوں کا یقین کرتا ہوں  
جو نبیوں نے پُرانے عہد نامہ میں کی ہیں اور تو بھی اُن کی گواہی کا یقین کرتا ہے کہ نہیں، اے اگر پآ؟  
تو پھر یہودی مجھ پر کس طرح ایسا الزام لگا سکتے ہیں جس کی سزا موت ہو؟ یا تو مجھے اِس بات پر ایمان

رکھنے پر کیسے سزا دے سکتا ہے جس پر تو خود بھی ایمان رکھتا ہے؟

۲۶: ۲۸- ”اگر پاپا نے بھی پولیس کی باتوں کا زبردست اثر لیا۔ ثبوت اُس کے الفاظ میں ہے کہ ”تو تو

تھوڑی ہی سی نصیحت کر کے مجھے مسیحی کر لینا چاہتا ہے۔“ البتہ اس بات میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ اگر پاپا کا اصل مطلب کیا تھا۔ بعض علما کا خیال ہے کہ اگر پاپا بادشاہ مسیح کے حق میں فیصلہ کرنے کی دہلیز پر پہنچ گیا تھا۔ اُن کا خیال ہے کہ آیت ۲۹ میں پولیس کا جواب اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ دوسرے علما کا خیال ہے کہ اگر پاپا طنز سے کہہ رہا تھا کہ ”کیا خیال ہے کہ تھوڑی سی نصیحت سے تجھے مسیحی کرے گا؟“ گویا وہ پولیس کی باتوں کو مذاق میں اڑا رہا تھا۔

۲۶: ۲۹- ”اگر پاپا خلوص نیت سے بات کر رہا تھا یا مذاق میں اڑا رہا تھا، مگر پولیس کا جواب پوری دل سوزی کا مظہر ہے۔ اُس نے دلی خواہش کا اظہار کیا کہ تھوڑی نصیحت سے یا بہت سے وہ اگر پاپا ہی کو نہیں بلکہ جتنے وہاں حاضر تھے وہ سب کے سب مسیحی زندگی کی خوشیوں اور برکتوں میں داخل ہو جائیں تاکہ اُن کو بھی پولیس جیسے سارے استحقاق اور اعزاز حاصل ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ سب میری مانند ہو جائیں۔ ہوا ان زنجیروں کے۔“ مورگن رقم طراز ہے کہ

”وہ اگر پاپا کو سچانے کی خاطر مرنے کو بھی تیار تھا، لیکن نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی زنجیریں اگر پاپا کو پڑیں۔ یہ ہے مسیحیت ... وہ اخلاص جو ظلم و ستم ڈھاتا ہے مسیحیت نہیں ہے۔ وہ اخلاص جو چھٹکارا دینے کی خاطر موت کو گلے لگاتا ہے مگر زنجیر نہیں پہناتا، وہ مسیحیت ہے۔“

۲۶: ۳۰- ۳۲- ”تب بادشاہ اور حاکم اور برنیکیے اور دوسرے عہدیدار اٹھ کر کمرے سے

نکل گئے اور الگ جاکر صلاح مشورہ کرنے لگے۔ وہ سب ملنے پر مجبور تھے کہ ”یہ آدمی ایسا تو کچھ نہیں کرتا جو قتل یا قید کے لائق ہو۔“ شاید کسی قدر پہچانتا دے کے ساتھ اگر پاپا نے فیستس سے کہا کہ اگر یہ آدمی قیصر کے ہاں اپیل نہ کرتا تو چھوٹ سکتا تھا۔“

ہمیں قدرتی طور پر خیال آتا ہے کہ ”قیصر کے ہاں اپیل“ منسوخ کیوں نہ ہو سکتی تھی۔ یہ تبدیل ہو سکتی تھی کہ ہمیں مگر ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ خدا کی مرضی تھی کہ غیر قوم کا رسول روم جائے اور شہنشاہ کے سامنے پیش ہو (۱۱: ۲۳) اور وہاں اُس کی یہ آرزو پوری ہو کہ موت میں اپنے خداوند کے مشابہ ٹھہرے۔

## ط۔ پولیس کا سفر روم اور جہاز کی غرقابی (۱:۲۷ - ۲۸:۲۸)

یہ باب پولیس کے سنسنی خیز سفر کا حال بیان کرتا ہے جو اُس نے روم جاتے ہوئے قیصریہ سے ملتے ہوئے کیا۔ اگر پولیس اس جہاز کا مسافر نہ ہوتا تو ہمیں نہ اس سفر کا حال معلوم ہوتا نہ جہاز کی تباہی کی خبر ہوتی۔ اس حصے میں بحری زندگی کی کئی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں لہذا سمجھنے میں اکثر مشکل پیش آتی ہے۔

۱:۲۷۔ اس سفر کا آغاز قیصریہ سے ہوا۔ ”پولیس“ کو شہنشاہی پلیٹن کے ایک صوبہ دار پولیس کے سپرد کیا گیا۔ اس صوبہ دار کا تعلق آگستہ پلیٹن سے تھا جو رومی فوج کی ایک امتیازی پلیٹن تھی۔ نئے عہد نامہ میں مذکور دوسرے سارے صوبہ داروں کی طرح پولیس بھی مہربانی، انصاف پسندی اور دوسروں کا خیال رکھنے میں اعلیٰ کردار کا مالک تھا۔

۲:۲۷۔ جہاز پر دوسرے قیدی بھی تھے۔ پولیس کی طرح اُن کو بھی مقدمہ کے سلسلے میں روم لے جا رہے تھے۔ مسافروں کی فہرست میں ”ارسترسٹس“ اور ٹوقا بھی شامل ہیں۔ یہ رسول کے پہلے مسافروں میں بھی اُس کے ہمراہ رہے تھے۔ جس جہاز پر یہ لوگ سوار ہوئے اُس کا تعلق ”اورمٹیم“ سے تھا جو ایشیائے کوچک کے شمال مغربی کونے میں ٹوسیہ کا ایک شہر تھا۔ جہاز کو شمال کی طرف اور مغرب کی طرف جانا اور رومی گورنر کے زیرِ نمان آسیہ کے کنارے کی بندرگاہوں پر لنگر انداز ہوتے ہوئے آگے جانا تھا۔ آسیہ ایشیائے کوچک کا مغربی صوبہ تھا۔

۳:۲۷۔ جہاز فلستین کے ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کو چلا اور قیصریہ سے ستر میل دور صیدا میں ٹھہرا۔ صوبہ دار پولیس نے پولیس پر مہربانی کر کے اُسے ساحل پر دوستوں کے پاس جانے کی اجازت دی تاکہ اُس کی خاطر داری ہو۔

۵:۲۷۔ صیدا سے بحیرہ روم کو شمال مشرقی رخ پر کاٹتے ہوئے، اُنہوں نے کپرس کو بائیں ہاتھ پر چھوڑا اور جزیرے کی آڑ کا فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ ”ہوا مخالف تھی“ تو بھی جہاز سمندر کو عبور کر کے ایشیائے کوچک کے جنوبی ساحل پر پہنچا۔ پھر مغرب کا رخ کر کے کلیہ اور مپولید کے پاس سے گزرا اور کوکیہ کے شہر مورہ میں لنگر انداز ہوا۔

۶:۲۷۔ وہاں صوبہ دار نے قیدیوں کو ایک دوسرے جہاز پر بٹھا دیا کیونکہ پہلا جہاز اطالیہ

نہیں جا رہا تھا۔ اُسے تو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرنا تھا۔

دوسرا جہاز "افریقہ کے شمالی ساحل پر واقع اسکندریہ" سے تعلق رکھتا تھا۔ مسافر اور عملہ ملا کر اُس میں ۲۷۶ افراد مسافر تھے۔ اُس پرگیہوں لدا ہوا تھا۔ اسکندریہ سے یہ جہاز شمالی رُخ پر تیسرے روم کو پار کرتا ہوا مورہ کی بندرگاہ میں آیا تھا اور اب مغرب میں "اطالیہ" کو جا رہا تھا۔

۸۷۷:۲۷ - مخالف ہواؤں کے باعث "بہت دنوں تک" سفر کی رفتار بہت سُست رہی۔ عملہ بڑی مشکل سے جہاز کو "کنڈس" کی بندرگاہ میں لایا۔ یہ بندرگاہ ایشیائے کوچک کے انتہائی جنوب مغربی کونے میں واقع تھی۔ چونکہ ہوا مخالف تھی اس لئے اُنہوں نے جنوب کا رُخ رکھا اور "کریٹے" کے جزیرے کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ چلے اس لئے کہ اُس طرف ہوا سے آڑ ملتی تھی۔ "سمونے" کے گرد گھوم کر وہ مغرب کی طرف مڑے۔ اب اُن کو تیز ہواؤں کا سامنا تھا۔ تاہم وہ "حسین بندر" نام ایک مقام میں پہنچ گئے۔ یہ بندرگاہ "کسیہ شہر" کی بندرگاہ تھی جو "کریٹے" کے جنوبی ساحل کے وسط میں واقع تھا۔

۹۰۷:۲۷ - اب تک ناموافق حالات میں کھینٹے کھینٹے "بہت عرصہ گزر گیا" تھا۔ موسم سرما آ رہا تھا۔ اس لئے سفر کرنا اور بھی "خطرناک" تھا۔ "روزہ کا دن گزر چکا تھا۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ستمبر کا اخیر یا اکتوبر کا شروع ہوگا۔ "پلوس" نے عملے کو خبردار کیا کہ اب جہاز رانی غیر محفوظ ہوگی۔ اگر اب بھی "سفر" جاری رکھنا تو "تکلیف اور بہت نقصان ہوگا۔ نہ صرف مال اور جہاز کا بلکہ ہماری جانوں کا بھی۔"

۱۲۰۱۱:۲۷ - تاہم "ناخدا اور جہاز کا مالک" آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ صوبہ دار نے اُن کی بات زیادہ مانی، اس لئے بھی کہ وہ بندر جاؤں میں رہنے کے لئے اچھا نہ تھا۔ اس لئے جہاز پر کے "اکثر لوگوں" نے بھی یہی صلاح دی کہ وہاں سے روانہ ہو جائیں اور اگر ہو سکے تو "فینیکس" میں پہنچ کر جاڑا کاٹیں۔ "فینیکس" جسیرہ بندر سے چالیس میل مغرب میں "کریٹے" کی جنوب مغربی نوک پر واقع تھا اور اس کا رُخ شمال مشرق اور جنوب مشرق کو تھا۔

۱۷۰۱۳:۲۷ - "جب کچھ کچھ دیکھنا ہوا چلنے لگی" تو جہاز رانوں نے سوچا کہ ہم "فینیکس" تک کا چالیس میل کا اضافی فاصلہ طے کر لیں گے چنانچہ اُنہوں نے لنگ اٹھایا اور ساحل کے ساتھ ساتھ مغرب کو چلے۔ اب شمال مشرق سے آنے والی طوفانی ہوا "جو یورگٹون کہلاتی ہے" ساحلی چٹانوں پر سے جہاز پر ٹکرانے لگی۔ وہ جہاز کو متوقع راستے پر نہ رکھ سکے اور "لاچار ہو کر اُس کو بیٹے دیا۔" طوفانی ہوا اُن کو جنوب مغرب میں "کوڈہ" نام ایک چھوٹے جزیرہ کے پاس لے گئی۔ یہ جزیرہ "کریٹے" سے بیس سے تیس میل دور ہے۔ وہ جزیرہ کی آڑ میں پہنچے تو بھی اُن کو "ڈونگی کو قابو میں" لانے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ وہ ڈونگی (چھوٹی ٹکشت) کو



جہاز کے پیچھے پیچھے کھینچنے آرہے تھے۔ لیکن بالآخر اُسے جہاز پر چڑھانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد اُنہوں نے "جہاز کی مضبوطی کی تدبیریں کر کے اُس کو نیچے سے باندھا" یعنی جہاز کے پیٹے کو زنجیروں سے باندھ دیا تاکہ بھاری لہریں اُسے توڑ نہ دیں۔ اُن کو زبردست خوف اور خطرہ تھا کہ لہریں اُنہیں بہا کر "سورٹس" کو لے جائیں گی۔ یہ جگہ افریقہ کے ساحل پر تھی اور خطرناک اور زیرِ آب ریتوں کے لئے مشہور تھی۔ اس خطرہ سے بچنے کے لئے اُنہوں نے "جہاز کا ساز و سامان (یعنی بادبان وغیرہ) اتار لیا اور اسی طرح بہتے پتلے گئے۔"

۱۹۱۸ء: ۲۷- ایک پورا دن طوفان کے دم و دم پر ہچکولے کھانے کے بعد وہ "جہاز کا مال پھینکنے لگے"۔ تیسرے دن اُنہوں نے جہاز کے آلات و اسباب بھی پھینک دیئے۔ بلاشبہ جہاز میں بہت پانی بھر رہا تھا اس لئے لازم تھا کہ بوجھ ہلکا کیا جائے تاکہ جہاز ڈوبنے سے بچ جائے۔

۲۰: ۲۷- "بہت دنوں تک" طوفان اُن کو اسی طرح ہچکولے دیتا اور سمندر پر اُچھالنا رہا۔ اُن کو "نہ سورج نظر آیا نہ تارے"۔ وہ معلوم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ کہاں ہیں کیونکہ سمتی زاویہ معلوم نہیں کر سکتے تھے۔ طوفان کی شدت سے "آخر" اُن کو "بچنے کی امید بالکل نہ رہی۔"

۲۱: ۲۷- ۲۶- بھوک نے مایوسی کو اور بڑھا دیا۔ آدمیوں نے بہت دنوں سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ یقیناً جہاز کے بچاؤ کی تدبیروں اور پانی باہر نکالنے میں لگ رہتے تھے۔ شاید کھانا پکانے کی کوئی سہولیت باقی نہ رہی تھی۔ بیماری، خوف اور بے حوصلگی نے اُن کی بھوک اڑا دی تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کی کمی نہ تھی مگر کھانے کی رغبت ماری گئی تھی۔

آخر امید کا پیغام لے کر "پولس... اُن کے بیچ میں کھڑا" ہوا۔ پہلے تو اُس نے شائستگی سے اُن کو یاد دلایا کہ "لازم تھا کہ... تم... کریتے سے روانہ نہ ہوتے"۔ اس کے بعد اُن کو یقین دلایا کہ "کسی کی جان کا نقصان نہ ہوگا مگر جہاز کا"۔ اُس کو کیسے معلوم ہوا؟ "اسی رات" خداوند کا ایک "فرشتہ" اُس پر ظاہر ہوا تھا اور اُس کو یقین دلایا تھا کہ "ضرور ہے کہ توفیق کے سامنے حاضر ہو"۔ خدا نے اپنے رسول کی خاطر اُس کے ساتھ سفر کرنے والوں کی جان بھی بخش دی تھی۔ یہ تھا فرشتے کا پیغام۔ چنانچہ پولس نے اُن سے کہا کہ اس لئے "خاطر جمع رکھو"۔ پولس کو یقین تھا کہ سب کچھ ٹھیک رہے گا۔ اگرچہ جہاز تباہ ہو جائے گا لیکن یہ ضرور ہے کہ ہم کسی ٹاپو میں جا پڑیں۔"

اے۔ ڈیلیو۔ ٹوڈر۔ بہت بصیرت افروز بات لکھتا ہے:

"جب کچھ کچھ دکھنا ہوا پتلے لگی تو جس جہاز پر پولس تھا وہ خاص آرام سے

چلنے لگا۔ جہاز پر کے لوگوں میں سے کسی کو خبر نہ تھی کہ پُلُؤس کون ہے اور یہ شخص جو بظاہر سادہ سا نظر آتا ہے باطن میں کیسے مضبوط کردار کا مالک ہے۔ لیکن جب یورگون نامی زبردست طوفان اُن پر آپڑا، تو بہت جلد جہاز پر موجود ہر شخص پُلُؤس کی عظمت کی باتیں کرنے لگا۔ رسول اگرچہ خود قیدی تھا مگر اُس نے جہاز کی کمان سنبھال لی۔ وہی فیصلے کرتا، حکم صادر کرتا تھا۔ گویا اُن کی زندگی اور موت کا دار و مدار اُسی پر تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس مُخزن نے پُلُؤس کی وہ خوبی ظاہر کر دی جس کی شاید اُسے خود بھی خبر نہ تھی۔ اور جب جہاز اربیت میں پھنس گیا تو ایبوی صورت نظریہ نے ٹھوس اور بلور کی طرح شفاف حقیقت کا رُوپ دکھار لیا۔“

۲۷: ۲۷-۲۹- حسین بندرت سے روانہ ہوئے اُن کو چودہ دن ہو چکے تھے۔ اس وقت وہ بحیرہ روم کے حصے بحیرہ ادریہ میں بڑی لاچار سی سے بچکولے کھاتے پھر رہے تھے۔ یہ بحیرہ یونان، اطالیہ اور افریقہ کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اُدھی رات کے قریب ملاحوں نے اُنکے سے معلوم کیا کہ کسی ملک کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ شاید اُنہیں بڑی بڑی لہروں کے ساحل سے ٹکرانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اُنہوں نے پہلی دفعہ گہرائی پانی تو پیش پُرسہ (تقریباً ۱۲۰ فٹ) پایا۔ تھوڑی دیر بعد پھر پانی تو پندرہ پُرسہ پایا۔ جہاز کو چٹانوں پر چڑھ جانے سے بچانے کی خاطر اُنہوں نے پیچھے سے چار لنگر ڈالے اور صبح ہونے کے لئے دعا کرتے رہے۔“

۲۷: ۳۰-۳۲- اپنی جانوں کے خطرہ کے پیش نظر ملاحوں نے چھوٹی کشتی میں چڑھ کر جہاز پر سے بھاگ جانے کی سازش کی۔ وہ اس مقصد کے لئے بہانہ سے گھسی سے لنگر ڈال رہے تھے کہ پُلُؤس نے صوبہ دار کو مطلع کر دیا کہ اگر یہ جہاز پر نہ رہیں گے تو تم نہیں بچ سکتے۔ اس پر سپاہیوں نے ڈونگی کی رسیاں کاٹ کر اُسے چھوڑ دیا۔ اس طرح ملاح مجبور ہو گئے کہ جہاز ہی پر رہ کر اپنی اور دوسروں کی جانیں بچانے کی کوشش کریں۔

۲۷: ۳۳-۳۴- فلپس آیات ۳۳ تا ۳۷ کو پُلُؤس کی مضبوط عقل سلیم کا نام دیتا ہے۔ اس وقت کے ڈرامہ کو صحیح طور سے سمجھنے کے لئے ہمیں سمندری طوفان کی شدت اور ہولناکی کا کچھ علم ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ پُلُؤس جہاز کا کپتان نہیں صرف ایک قیدی مسافر تھا۔ پُلُؤ پچھلے سے ذرا پہلے پُلُؤس نے سب کی منت کی کہ کچھ کھالیں کیونکہ اُنہیں قاتل کرنے ہوئے چودہ دن ہو گئے تھے۔ اور اُن کی بہتری اسی میں تھی۔ رسول نے اُن کو یقین دلایا کہ تم میں سے

رکسی کے سر کا ایک بال بیگانہ ہوگا۔

۲۷: ۳۵۔ پھر اُس نے خود نمونہ پیش کیا۔ اُس نے روٹی لی اور... خدا کا شکر کیا اور... کھانے لگا۔ ہم کتنی دفعہ دوسروں کے سامنے دُعا مانگنے سے ہچکچاتے ہیں۔ مگر ایسی دُعاؤں ہماری منادی اور دُعاؤں سے بڑھ کر بلند ہوتی اور پیغام دیتی ہیں۔

۲۷: ۳۶-۳۷۔ اس طرح اُن کی خاطر جمع ہوئی اور وہ سب بھی کھانا کھانے لگے۔ سب مل کر جہاز میں دوسرے چھتر آدمی تھے۔

۲۷: ۳۸-۴۱۔ کھانا کھا چکے تو گیسوں کو سمندر میں پھینک کر جہاز کو ہلکا کرنے لگے۔ خشکی یعنی زمین نزدیک ہی تھی۔ مگر وہ اُس "مملک کو" پہچان نہ سکے۔ فیصلہ کیا گیا کہ اگر ہو سکے تو جہاز کو کھاڑی پر چڑھا لیں۔ اُنہوں نے "لنگر کھول کر سمندر میں چھوڑ دئے"۔ اس کے بعد اُنہوں نے پتوار کھولے جو پھلے اٹھا دئے گئے اور اُن کو نچا کیا۔ پھر "اگلا پال ہوا کے رُخ پر چڑھا کر کنارے کی طرف چلے"۔ مگر جہاز ایک ایسی جگہ جا پڑا جس کی دونوں طرف سمندر کا زور تھا۔ غالباً کوئی ایسی تنگ خلیج تھی جس کے دونوں طرف جزیرے تھے۔ جہاز کی کلبی تو ریت میں پھنس گئی لیکن بہت جلد "دنیالہ لہروں کے زور سے ٹوٹنے لگا۔"

۲۷: ۴۲-۴۴۔ سپاہیوں کی یہ صلاح تھی کہ قیدیوں کو مار ڈالیں مبادا وہ فرار ہو جائیں۔ لیکن صوبہ دار نے پولس کو بچانے کی غرض سے اُن کی صلاح رد کر دی اور حکم دیا کہ جو تیر سکتے ہیں پھلے کود کر کنارے پر چلے جائیں۔ دوسروں سے کہا گیا کہ جہاز کے تختوں پر اور ۱۰۰ اور چیزوں کے سہارے جائیں بچا لیں۔ اس طرح عجلہ اور مسافر سب کے سب خشکی پر سلامت پہنچ گئے۔

۲۸: ۱-۲۔ جزیرے پر پہنچ کر پتہ چلا کہ یہ "میلتنے" کا جزیرہ ہے۔ جزیرے کے بعض باشندوں نے جہاز کو تباہ ہوتے اور طوفان کے شکار افراد کو ساحل پر آنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے دیکھا تھا۔ اُنہوں نے خاص مرہانی کی اور اُن کے لئے آگ جلائی تاکہ بے چارے بھیکے ہوئے، بلکہ تر بتر افراد زمین کی جھڑی اور جاڑے سے بچ سکیں۔

۲۸: ۳۔ پولس نے اُن کی مدد کرتے ہوئے لکڑیوں کا گٹھا جمع کر کے آگ میں ڈالا تو ایک سانپ گرمی پا کر نکلا اور اُس کے ہاتھ پر لپٹ گیا۔ مراد یہ نہیں کہ وہ صرف لپٹ گیا تھا بلکہ ڈسا بھی تھا۔

۲۸: ۴-۶۔ مقامی لوگوں نے پہلے تو یہ نتیجہ نکالا کہ یہ آدمی "خونی ہے"۔ اگرچہ طوفان اور جہاز کی تباہی سے تو بچ گیا ہے مگر "عدل اُسے چینی نہیں دیتا"۔ وہ منتظر تھے کہ اس کا بدن سُوج جائے گا

یہ مرکز یکایک گر پڑے گا۔ لیکن جب پولیس پرسانپ کے ڈسنے کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا تو ان کا خیال بدل گیا اور وہ کہنے لگے کہ ”یہ تو کوئی دیوتا ہے“۔ یہ ایک اور مثال ہے کہ انسان کا دل دماغ کیسا مستون ہے۔ کتنی جلدی بدل جاتا ہے۔

۲۸: ۷۔ اُن دنوں ملیتے کے جزیرہ کی سرکردہ شخصیت ”پبلیٹس“ تھا۔ جس جگہ تباہ شدہ جہاز کے لوگ اترے تھے اُس کے پاس پبلیٹس کی بڑی جاگیر تھی۔ اس دولت مند رومی افسر نے پولیس اہل اُس کے ساتھیوں کی بڑی مہربانی سے مہمانی کی اور تین دن تک اُن کو قیام و طعام مہیا کیا۔ اتنی مدت میں اُن کے لئے مستقل قیام گاہ کا انتظام ہو سکتا تھا تا کہ وہ جاڑے کا موسم بسر کر سکیں۔

۲۸: ۸۔ اس غیر یہودی سردار کی مہربانی اور مہمانداری رائیگان نہیں گئی۔ اس کا اجر جلدی مل گیا۔ اُس کا باپ بُخار اور پیمپس کی وجہ سے بیمار پڑا تھا۔ پولیس نے اُس کے پاس جا کر دُعا کی اور اُس پر ہاتھ رکھ کر شفا دی۔

۲۸: ۱۰، ۹۔ شفا دینے کے اس معجزے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ اگلے تین مہینوں کے دوران جزیرہ کے بیمار پولیس کے پاس لائے جاتے اور شفا پاتے رہے۔ ملیتے کے لوگ پولیس رسول اور ٹونا کی عزت و قدر کرتے تھے۔ وہ اُن کے لئے بہت سے تحفے تحائف لائے اور روم کے سفر کیلئے اُن کو جو کچھ درکار تھا وہ ملیتے کے لوگوں نے ”جہاز پر رکھ دیا“۔

۲۸: ۱۱۔ موسم سرما کے ”تین مہینے“ گزر گئے۔ اب جہاز رانی محفوظ تھی۔ چنانچہ صوبہ دار نے اپنے قیدیوں کو اسکندریہ کے ایک جہاز پر سوار کرایا۔ یہ جہاز جاڑے بھرا اُس ٹاپوں میں رہا تھا۔ اس جہاز کا نشان ”دیسکوری“ یعنی جڑواں بھائی تھا۔ ان بھائیوں کے نام کیپٹن اور پولکس ہیں۔ بت پرست ملاح ان بھائیوں کو اپنے سر پرست دیوتا مانتے تھے۔

۲۸: ۱۲-۱۳۔ ملیتے سے جہاز میں یہ لوگ کوئی اسی میل دور ”کوسہ“ پہنچے جو رستہ کا دارالحکومت اور مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ جہاز وہاں ”تین دن“ ٹھہرا۔ پھر ”ریگیم“ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ بندرگاہ اطالیہ کے جنوب مغربی کونے پر واقع تھی۔ ”ایک روز بعد“ موافق ”دکھنا“ چلنے لگی جس کی مدد سے عمق جہاز کو اطالیہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ ۱۸۰ میل دور ”پتیلی“ پہنچانے میں کامیاب رہا جو ”روم“ سے تقریباً ۱۵۰ میل جنوب مشرق میں تھا۔ وہاں پولیس رسول کو سچی ”بھائی ملے“۔ اُس کو اجازت مل گئی اور وہ ”سات دن“ تک اُن کی رفاقت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

۲۸: ۱۵۔ ہمیں بتایا نہیں گیا کہ پولیس کے پتیلی پہنچنے کی خبر روم کیسے پہنچی۔ مگر وہاں سے

”بھائیوں“ کے دو گروہ پولیس کی ملاقات کو آئے۔ ایک گروہ نے روم سے جنوب مشرق کو تینتالیس میل کا سفر کر کے اپنیس کے چوک آکر اُس کا استقبال کیا۔ دوسرے گروہ نے تینتالیس میل جنوب مشرق میں تین سرانے پہنچ کر اُسے خوش آمدید کہا۔ پولیس روم کے ان مقتصدین کی دلولہ انگیر محبت کے ایسے اظہار سے بہت متاثر ہوا اور اُس کی بے حد حوصلہ افزائی ہوئی۔

۲۸: ۱۶۔ روم پہنچنے تو پولیس کو اجازت ہوئی کہ الگ گھر میں ”ایکلاس سپاہی کے ساتھ رہے جو اُس پر پہرہ دیتا تھا۔“

## ی۔ پولیس کی نظر بندی اور روم کے یہودیوں کے سامنے

گواہی (۲۸: ۱۷-۳۱)

۲۸: ۱۷-۱۹۔ پولیس کی پالیسی تھی کہ پہلے یہودیوں کو گواہی دیتا تھا۔ اس پالیسی کے مطابق اُس نے یہودیوں کے رئیسوں کو بلوایا۔ ”جب وہ پولیس کے کرایہ کے مکان میں جمع ہو گئے“ تو اُس نے اُن کو اپنے مقدمہ کے بارے میں بتایا کہ ”ہر چند میں نے اُمت کے اور باپ دادا کی رسموں کے خلاف کچھ نہیں کیا“ تو بھی ”شلیم“ کے یہودیوں نے مجھے ”رومیوں کے ہاتھ حوالہ کیا“ ہے تاکہ مجھ پر مقدمہ چلایا جائے۔ غیر قوم افسران اور محاز حاکموں نے مجھ میں کوئی قصور نہ پایا تو مجھے چھوڑ دینا چاہا۔ ”مگر جب یہودیوں نے چلا چلا کر مخالفت کی تو میں نے لاچار ہو کر قیصر کے ہاں اپیل کی۔ اس اپیل کرنے کا مقصد ہرگز اپنی قوم پر... الزام لگانا نہیں ہے بلکہ اپنی صفائی پیش کرنا ہے۔“

۲۸: ۲۰۔ روم کے ان معتز یہودیوں کو بلانے کا مقصد یہ تھا کہ پولیس اُن کو بتانا چاہتا تھا کہ اُس نے یہودی اُمت کے خلاف کوئی جرم نہیں کیا۔ دراصل وہ اسرائیل کی اُمید کے سبب سے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی واضح کیا گیا ”اسرائیل کی اُمید“ اشارہ ہے اُن وعدوں کی تکمیل کی طرف جو یہودی قوم کے آباؤ اجداد سے کئے گئے تھے۔ ان میں مسیح موعود کی آمد کا وعدہ خاص الخاص اہمیت کا حامل ہے اور ان وعدوں کی تکمیل میں مردوں کی قیامت کی حقیقت بھی مضمر تھی۔

۲۸: ۲۱-۲۲۔ یہودی لیڈروں نے اقرار کیا کہ ہم پولیس رسول کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

انہوں نے کہا کہ ”نہ ہمارے پاس یہودیہ سے تیرے بارے میں خط آئے، نہ بھائیوں میں سے کسی نے آکر تیری کچھ خبر دی۔“ ”بھائیوں“ سے یہاں مراد اُن کے ساتھی یہودی ہیں۔ البتہ یہ یہودی سردار پولیس

کے بارے میں مزید جاننے کے خواہش مند تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اُس کا تعلق مسیحی ایمان سے ہے اور ہر جگہ لوگ اس ایمان کے خلاف باتیں کرتے تھے۔

۲۳: ۲۸ - چند دنوں کے بعد یہ یہودی کثرت سے "پولس کے گھر میں" جمع ہوئے تاکہ اُس سے زیادہ باتیں سنیں۔ پولس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "خدا کی بادشاہی کی گواہی" دی اور "یسوع کی بابت سمجھا سمجھا" کر بیان کیا۔ وہ ساری باتوں کے لئے "توریت اور نبیوں کے صحیفوں سے" حوالے دیتا رہا۔ یہ سلسلہ صبح سے شام تک جاری رہا۔

۲۴: ۲۸ - بعض اُس کے پیغام کا یقین کر کے مسیح پر ایمان لائے "بعض نے نہ مانا" (یہاں "نہ مانا" بہت زور دار فعل ہے جس کا مفہوم پیغام کو قبول نہ کرنا نہیں بلکہ اسے رد کرنا ہے)۔

۲۵: ۲۸ - ۲۸ - جب "پولس" نے دیکھا کہ مجموعی طور پر یہودی قوم انجیل کو رد کر رہی ہے تو اُس نے یسعیاہ نبی (۶: ۹-۱۰) سے اقتباس پیش کیا جہاں نبی کو مقرر کیا گیا کہ ایک ایسی "امت" کو پیغام دے جن کے "دل پر چربی چھا گئی ہے"۔ جن کے "کان" بہرے ہو گئے ہیں اور جن کی "آنکھیں" اندھی ہو گئی ہیں۔ پولس کو احساس ہوا کہ میں ان لوگوں کو خوشخبری سنانے کی کوشش کر رہا ہوں جو سننا نہیں چاہتے۔ اس احساس سے رسول کا دل ٹوٹ گیا۔ یہودیوں کی طرف سے پیغام کے اس طرح رد کے جانے کے بعد پولس نے اعلان کیا کہ اب میں یہ پیغام "غیر قوموں کے" پاس لے جاؤں گا۔ اور اس یقین کا اظہار کیا کہ "وہ اُسے سن بھی لیں گی"۔ ۲۹: ۲۸ - ایمان نہ لانے والے "یہودی آپس میں بحث کرتے چلے گئے"۔ کیونکہ کہتا ہے کہ پولس نے ایک ایسی ثبوت کا اقتباس کیا تھا جس سے ایمان نہ لانے والے اور مسیح کو خود کو رد کرنے والے یہودی ناراض ہو گئے۔ وہ ایمان لانے والے اپنے بھائیوں کے خلاف بھڑک اٹھے۔ کیونکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کرنا ناجائز ہو گا کہ مسیح کی انجیل جھکڑے اور تکرار پیدا کرتی ہے جبکہ صاف نظر آتا ہے کہ ان باتوں کا سرچشمہ انسان کی ہٹ دھرمی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ خدا کے ساتھ صلح رکھنے کی خاطر ضروری ہے کہ ہم ان لوگوں کے خلاف جنگ کریں جو اُس کے ساتھ حقارت کا سلوک کرتے ہیں۔"

۳۰: ۲۸ - پولس "پورے دو برس" روم میں "اپنے کرایہ کے گھر میں رہا"۔ اُس کے پاس ملاحاتیوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ غالباً اسی عرصے کے دوران اُس نے افسیوں، فلپتیوں، کلسیبیوں اور فلیمون کو خطوط لکھے۔ ۳۱: ۲۸ - اُس کو بڑی حد تک آزادی حاصل تھی کیونکہ وہ کمال دلیری سے بغیر روک ٹوک کے خدا کی

بادشاہی کی منادی کرتا اور خداوند یسوع مسیح کی باتیں سکھاتا رہا۔

ان الفاظ کے ساتھ اعمال کی کتاب اختتام پذیر ہوتی ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ کتاب ایک عجیب طور پر اچانک ختم ہو جاتی ہے۔ بہر حال جس مقصد کا خاکہ شروع میں پیش کیا گیا تھا، وہ اب پورا ہو جاتا ہے۔ خوشخبری یروشلیم، یھودیا اور سامریہ میں اور اب غیر قوم دنیا میں پہنچ چکی ہے۔

اعمال کی کتاب کے خاتمے کے بعد پُلُوس کی زندگی میں جو واقعات وقوع پذیر ہوئے اور اُسے جن حالات میں سے گزرنا پڑا وہ صرف اُس کی بعد کی تحریروں سے اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

مفسروں کا عام خیال ہے کہ روم میں مذکورہ دو برسوں کے بعد پُلُوس کا مقدمہ قیصر نیروکے سامنے پیش ہوا اور اُسے بری کر دیا گیا۔

اس کے بعد وہ اُس سفر پر روانہ ہوا جس کو پُلُوس کا چوتھا بشارتی دورہ کہا جاتا ہے۔ اس دورہ کے دوران وہ غالباً مندرجہ ذیل مقامات پر گیا (لیکن ضروری نہیں کہ اسی ترتیب سے گیا ہو)۔

۱۔ کلتے اور ارفنس (فلیبون ۲۲)۔

۲۔ بکڈونیہ (مقدونیہ) (۱ تیمتھیس ۱: ۳؛ فلیبون ۱: ۲۵؛ ۲: ۲)۔

۳۔ ارفنس (۱ تیمتھیس ۳: ۱۴)۔

۴۔ سپین (رومیوں ۱۵: ۲۴)۔

۵۔ کرینتے (ططس ۱: ۵)۔

۶۔ کرنتھس (۲ تیمتھیس ۲: ۲۰)۔

۷۔ میلینس (۲ تیمتھیس ۳: ۲۰)۔

۸۔ نیکپنس۔ یہاں پُلُوس نے موسم سرما گزارا (ططس ۳: ۱۲)۔

۹۔ ترواس۔ (۲ تیمتھیس ۳: ۱۳)۔

ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ اُس کو کیوں، کب اور کہاں گرفتار کیا گیا۔ لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ اُسے دوسری دفعہ قیدی بنا کر پھر روم لایا گیا۔ یہ قید پہلی قید سے بہت زیادہ سخت تھی (۲ تیمتھیس ۲: ۹)۔ اُس کے زیادہ تر دوست اُس کا ساتھ چھوڑ گئے (۲ تیمتھیس ۴: ۹-۱۱)۔ وہ جانتا تھا کہ میری موت کا وقت بالکل قریب ہے (۲ تیمتھیس ۴: ۶-۸)۔

روایت کہتی ہے کہ ۶۷ یا ۶۸ء میں روم کے باہر اُس کا سفر نامہ لکھا گیا۔ پُلُوس کا قصیدہ اُس کے اپنے الفاظ میں پڑھنے کے لئے دیکھے (۲ کرنتھیوں ۳: ۸)۔ (۱-۴: ۶ اور ۱۱: ۲۳-۲۸)

(ان دلولہ انگیز الفاظ کے ساتھ ساتھ ہماری تفسیر بھی پڑھے)۔

## اعمال کی کتاب کا پیغام

اعمال کی کتاب پڑھ لینے کے بعد ابتدائی دور کے مسیحیوں کے اُصولوں اور دستور و عمل پر نظر ڈالنا بہت مفید رہے گا۔ ایمان داروں کی انفرادی خصوصیات کیا تھیں اور جن مقامی کلیسیاؤں کے وہ ممبر تھے ان کے خصائص کیا تھے؟

اول - صاف ظاہر ہے کہ پہلی صدی کے مسیحی سب سے پہلے خداوند یسوع کے لئے زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے تمام نقطہ نظر کا مرکز مسیح تھا۔ ان کے وجود کا اولین مقصد نجات دہندہ کی گواہی دینا تھا۔ اور وہ تن من دھن سے اس کام میں مگن رہتے تھے۔ دُنیا دِلوانہ دار اپنی بقا کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ ایسی دُنیا میں مسیحی شاگردوں کا پُر جوش اور سرگرم مضبوط گروہ تھا جو پہلے خدا کی بادشاہی اور اُس کی راستبازی کی تلاش کرتا تھا۔ ان کے لئے باقی ہر چیز اس جلالی بلا ہٹ کے تابع تھی۔

جو وہ بڑی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے

”شاگردوں کو ایک پاک اور دیکھتے ہوئے جوش و جذبہ سے بہتسمہ ملا تھا جو کہ براہِ راست خدا کی قربان گاہ سے آیا تھا۔ اُن کو وہ مرکزی آگ حاصل تھی جس سے زندگی کا باقی ہر مقصد اور جوہر قوت پاتا ہے۔ رسولوں کی رُوحوں کے اندر کی یہ آگ ایک بڑے دُخانی جہاز کی بھٹی کی آگ کی مانند تھی جو اُس کو طوفانی سمندر میں سے نکال لے چلتی ہے۔ کوئی چیز ان آدمیوں کو روک نہ سکتی تھی! کوئی چیز ان کے سیراہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اُن کے تمام کام اور کلام میں ایک قطععی اور زور دار گونج تھی۔ اُن میں گرمی تھی اور اُن میں روشنی تھی اس لئے کہ وہ رُوح القدس کی قدرت سے بہتسمہ یافتہ تھے۔“

اُن کے پیغام کا مرکز اور محور خداوند یسوع مسیح کی قیامت اور اُس کا جلال تھا۔ وہ ایک جی اٹھے منجی کے گواہ تھے۔ لوگوں نے مسیح کو عود کو قتل کر دیا مگر خدا نے اُس کو مردوں میں سے جلا یا اور آسمان میں اعلیٰ ترین معزز مقام پر سرفراز کیا۔ وہ جلالی آدم جو خدا کے دہنے ہاتھ ہے، ضرور ہے کہ ہر ایک گھٹنا اُس کے آگے جھکے۔ نجات کا کوئی اور وسیلہ، کوئی اور راستہ نہیں ہے۔



نفرت، تنگی اور لالچ کے ماحول میں شاگرد سب کے لئے محبت کا مظہر تھے۔ وہ ظلم اور اذیت کا بدلہ مہربانی سے دیتے اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا مانگتے تھے۔ دوسرے مسیحیوں کے لئے ان کی محبت دشمنوں کو بھی کہنے پر مجبور کرتی تھی کہ ”دیکھو، یہ لوگ ایک دوسرے سے کیسی محبت رکھتے ہیں!“ ہم کو یہ واضح تاثر ملتا ہے کہ وہ انجیل کو پھیلانے کی خاطر ایثار اور قربانی کی زندگی گزارتے تھے۔ وہ مادی اور دنیادی مال و ملکیت کو اپنا نہیں سمجھتے تھے بلکہ خدا کی امانت گردانتے تھے۔ جہاں کہیں حقیقی ضرورت ہوتی اُسے پورا کرنے کے لئے بلا توقف پھندے آنے شروع ہو جاتے تھے۔

ان کے جنگ کے ہتھیار دنیادی اور جسمانی نہیں تھے بلکہ خدا کی قدرت سے اتنے قوی تھے کہ بڑے بڑے قلعوں کو زمین بوس کر دیتے تھے۔ ان کو احساس تھا کہ وہ مذہبی یا سیاسی لیڈروں کے خلاف نبرد آزما نہیں بلکہ شرارت کی ان روحانی فوجوں سے لڑ رہے ہیں جو آسمانی مقاموں میں ہیں۔ اس لئے وہ دُعا اور خدا کے کلام سے مسلح ہو کر آگے بڑھتے تھے۔ مسیحیت طاقت اور تلوار کے بل بوتے پر نہیں پھیلی۔

ابتدائی دور کے یہ مسیحی دنیا سے الگ ہو کر رہتے تھے۔ وہ دنیا میں ضرور تھے مگر دنیا کے نہیں تھے۔ جہاں تک گواہی کا تعلق ہے وہ غیر ایمان داروں کے ساتھ نہایت فعال تعلقات قائم رکھتے تھے مگر جہاں مسیح کے ساتھ وفاداری کی بات ہوتی وہ کبھی سمجھوتا کر کے دنیا کی گناہ آلود مسرتوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ وہ پردیسوں کی طرح اجنبی ملک میں یوں سفر کرتے تھے کہ سب کے لئے برکت کا باعث ہوں، لیکن خود اس کی نجاست اور ناپاکی سے بچے رہیں۔

کیا وہ سیاست میں حصہ لیتے اور اپنے زمانے کی سماجی برائیوں کا علاج کرنے کی کوشش کرتے تھے؟ ان کا نظریہ یہ تھا کہ دنیا کی ساری برائیاں اور بے اعتدالیاں انسان کی گناہ آلودہ فطرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ برائیوں کا علاج کرنے کے لئے ان کے اسباب تک پہنچنا چاہئے۔ سیاسی اور سماجی اصلاحات بیماری کی علامات کا علاج کرنے کی کوشش کرتی ہیں، بیماری کی جڑ کو ہاتھ نہیں ڈالتی ہیں۔ صرف انجیل ہی معاملے کی تہ تک پہنچ سکتی ہے اور انسان کی شریف فطرت کو بدل سکتی ہے۔ چنانچہ وہ دوسرے درجے کے علاجوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ وہ وقت اور بے وقت انجیل کی منادی کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں انجیل کا پیغام گیا سڑے ہوئے گھاؤ اور زخم اچھے ہو گئے یا کم ہو گئے۔

جب ان پر ظلم ڈھائے جاتے تو وہ حیرت زدہ نہیں ہوتے تھے۔ ان کو سکھایا گیا تھا کہ اس کا تفریح کریں۔ بدلہ لینے یا اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی بجائے وہ اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتے تھے

جو راستی سے انصاف کرتا ہے۔ آزمائشوں اور مشکلوں سے فرار کی راہ ڈھونڈنے کی بجائے وہ جرات اور حوصلہ کے لئے دعا مانگتے تھے کہ جس کسی کے ساتھ رابطہ ہو اُس کے سامنے مسیح کی منادی کر سکیں۔

شاگردوں کا نصب العین اور مقصدِ زندگی عالمگیر بشارت تھا۔ ساری دُنیا اُن کا میدان تھی۔ وہ صرف رُوحوں کو مسیح کے پاس لانے پر اکتفا نہیں کرتے تھے کہ بس لے آئے ہیں، اب خود ہاتھ پیر مارتے رہو بلکہ فُرمیوں کو مقامی کلیسیاؤں میں اکٹھا کیا جانا تھا۔ یہاں اُن کو پاک کلام کی تعلیم دی جاتی تھی۔ دعا مانگنے میں پرورش کی جاتی تھی اور ہر لحاظ سے ایمان میں پختہ کیا جاتا تھا۔ پھر اُن کو چیلنج کیا جاتا تھا کہ اب انجیل کا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ۔

مقامی کلیسیاؤں کے قیام سے بشارت کے کام کو دوام حاصل ہوا اور اُس پاس کے علاقوں تک پیغام پہنچانے کا انتظام ہوا۔ یہ جماعتیں ملکی تھیں۔ انتظامی امور میں خود مختار، اپنی نرتی اور وسعت کے معاملے میں خود انحصار اور مالی اعتبار سے خود کفیل تھیں۔ ہر جماعت اپنی جگہ آزاد اور خود مختار تھی۔ تاہم اُن کے درمیان رُوح کی یگانگی موجود تھی۔ ہر جماعت ملحقہ علاقوں میں اپنے جیسی اور جماعتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ اور ہر ایک جماعت اپنی مالیت خود پیدا کرتی یا مہیا کرتی تھی۔ کسی مادر تنظیم یا مرکزی نرانے کا کوئی وجود نہ تھا۔

بُنیادی طور پر یہ جماعتیں غیر سجات یافتہ لوگوں تک پہنچنے کے مراکز نہیں بلکہ ایمان داروں کے لئے جائے سکون اور مِلجا و ماوئی ہوتی تھیں۔ کلیسیا کی سرگرمیوں میں ردئی توڑنا، عبادت کرنا، دعا مانگنا، بائبل سٹڈی اور رفاقت وغیرہ شامل تھیں۔ بشارتی اجلاس اس طرح نہیں ہوتے تھے جیسے آج کل ہوتے ہیں بلکہ جہاں بھی غیر سجات یافتہ لوگوں سے خطاب کرنے کا موقع ملتا وہیں بشارت کا کام کیا جاتا تھا۔ مثلاً یہودی عبادت خانوں میں، چوک اور بازار میں، قید خانہ میں اور گھر گھر۔

کلیسیائیں خاص عارتوں میں جو اسی مقصد کے لئے تعمیر کی گئی ہوں فراہم نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایمان داروں کے گھروں میں یہ مقصد پورا ہوتا تھا۔ اس طرح ایذا رسانی اور ظلم و ستم کے دوران میں کلیسیا نسبتاً زیادہ نقل پذیر رہتی تھی، اور ضرورت پڑنے پر آسانی سے زیر زمین جاسکتی تھی۔ ابتدا میں یقیناً کوئی فرقہ نہیں تھے۔ سارے ایمان داروں کو مسیح کے بدن کے اعضا تسلیم کیا جاتا تھا اور ہر مقامی کلیسیا عالمگیر کلیسیا کی نمائندہ تھی۔

مزید برآں فاو مان دین اور عام اراکین کلیسیا میں بھی کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ کسی جماعت میں کسی ایک فرد کو تعلیم دینے، منادی کرنے، بپتسمہ دینے یا عشاءے ربانی کی رسم ادا کرنے کا خصوصی

اختیار نہیں ہوتا تھا۔ اس حقیقت کو تسلیم کیا جانا تھا کہ ہر ایمان دار کو کوئی نہ کوئی نعمت حاصل ہے، اور اس نعمت کو بروئے کار لانے کی آزادی ہوتی تھی۔

جن افراد کو رسول، نبی، مبشر، پاسبان اور معلم ہونے کی نعمتیں حاصل تھیں، وہ کلیسیا کے ناگزیر افراد یا عہدے دار بننے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ مستفیدین کو ایمان میں پختہ کریں تاکہ وہ بھی ہر روز خداوند کی خدمت کر سکیں۔ نئے عہد نامہ کے زمانہ میں جن لوگوں کو روح کی نعمتیں حاصل تھیں، انہیں روح القدس کا خاص مسح حاصل ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے ان پڑھ اور سادہ سے لوگوں نے اپنے دور کے لوگوں پر اتنا زبردست اثر کیا۔ وہ کلیسیا کے عام (غیر مخصوص شدہ) افراد ہوتے تھے جن پر اُدپر سے رحمت ہوتی تھی۔

اعمال کی کتاب میں پیغام کی بشارت کے ساتھ اکثر معجزات — نشان اور عجائب اور روح القدس کی مختلف نعمتیں بھی ظاہر ہوتی تھیں۔ ابتدائی ابواب میں اگرچہ یہ معجزات زیادہ نمایاں ہیں، تاہم کتاب کے آخر تک جاری رہتے ہیں۔

جب کوئی کلیسیا قائم ہو جاتی تھی تو رسول یا ان کے نمائندے "بزرگوں" کو مقرر کرتے تھے — یہ بزرگ روحانی نگہبان ہوتے تھے۔ یہ گلہ کی گلہ بانی کرتے تھے۔ ہر کلیسیا میں کئی بزرگ (ایبلڈر) ہوتے تھے۔

ابتدائی دور کے مسیحی غوطہ کے بہتسمہ پر عمل کرتے تھے۔ عام تاثر یہ ہے کہ ایمان لانے کے جلد از جلد بعد بہتسمہ دیا جاتا تھا۔ ہفتہ کے پہلے دن شاگرد روٹی توڑ کر خُلاوند کو یاد کرنے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ غالباً یہ عبادت ایسی باضابطہ اور رسمی نہیں ہوتی تھی جیسی آج کل ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عبادت کے ساتھ رفاقتی کھانا بھی ہوتا تھا (آج کل بعض کلیسیا میں اس کو "پریم بھوجن" بھی کہتی ہیں)۔

ابتدائی کلیسیا دعا مانگنے کی دیوانی تھی۔ ان کے نزدیک خدا کے ساتھ رفاقت کا دار و مدار دعا پر تھا۔ دعاؤں میں دلسوزی، ایمان اور جوش ہوتا تھا۔ شاگرد روزے بھی رکھتے تھے تاکہ ان کے سارے قواء روحانی معاملات پر مرتکز ہوں، دھیان ادھر ادھر نہ جائے اور سستی اور کاپلی کا شکار نہ ہوں۔ دعا اور روزہ کے بعد ہی انطاکیہ کے نبیوں اور اُستادوں نے برناس اور ساؤل کو خاص تبلیغی خدمت کے لئے مخصوص کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی یہ دونوں آدمی خُلاوند کی خدمت کرتے رہے تھے۔ ان کا یہ تقرر باضابطہ مخصوصیت (ordination) نہیں تھی بلکہ انطاکیہ کے لیڈروں نے تسلیم

کیا تھا کہ رُوح القدس نے اُن کو بلا یا ہے۔ مزید برآں یہ پورے دل سے رفاقت کا اظہار تھا کہ ساری جماعت اس کام میں برنیاس اور ساؤل کی شریک ہے۔

جو افراد بشارتی خدمت کے لئے نکلے تھے، اُن کی جماعت اُن کو کنٹرول نہیں کرتی تھی۔ وہ آزاد تھے۔ رُوح القدس کی ہدایت کے مطابق کام کرتے رہیں، لیکن وہ اپنی مادری کلیسیا کو رپورٹ ضرور دیتے تھے کہ خدا نے اُن کی محنت اور کوشش پر کیسے برکت دی ہے۔

کلیسیا کوئی پیچیدہ تنظیم یا ادارہ نہیں تھا بلکہ زندہ ہیئت اجتماعی ہوتی تھی جو خداوند کی ہدایت اور راہنمائی کی مسلسل فراہم برداری کرتی اور اس کے مطابق چلتی تھی۔ کلیسیا کا سر، مسیح خود ارکان کی راہنمائی کرتا تھا۔ چنانچہ اعمال کی کتاب میں ہم دیکھتے ہیں کہ عبادت کسی غیر لچکدار نمونہ کے مطابق نہیں ہوتی تھی۔ اس لچک سے عبادت میں ایک تازگی ہوتی تھی۔ مثلاً کوئی قانونِ قاعدہ نہیں تھا کہ کوئی رسول کتنا عرصہ کسی جگہ میں رہے گا۔ تھیلیکے میں پورس شاید تین مہینے رہا جبکہ افسس میں تین برس تک قیام کیا۔ قیام کا انحصار اس بات پر ہوتا تھا کہ کلیسیا کو قائم کرنے اور مقدسین کو مضبوط کرنے میں کتنا عرصہ لگتا ہے تاکہ وہ مسیحی خدمت کا کام اپنے آپ جاری رکھ سکیں۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ رسول ساری توجہ بڑے شہروں پر مرکوز رکھتے تھے اور وہاں قائم شدہ کلیسیاؤں پر انحصار کرتے تھے کہ وہ اردگرد کے علاقوں میں پھیلیں گی۔ لیکن کیا یہ بات درست ہے؟ کیا رسول کسی ایسی مقررہ اور حتمی حکمتِ عملی پر کار بند رہتے تھے؟ یا کیا وہ روز بروز خداوند سے ہدایات حاصل کرتے تھے کہ بڑے بڑے مراکز میں جائیں یا چھوٹے موٹے دیہات کی طرف متوجہ ہوں؟

اعمال کی کتاب سے ایک تاثر جو بہت نمایاں ہو کر ابھرتا ہے یہ ہے کہ ابتدائی دور کے مسیحی خداوند کی راہنمائی کی توقع کرتے اور اُس پر انحصار رکھتے تھے۔ انہوں نے مسیح کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ اُن کے پاس سوائے خداوند کے کچھ نہ تھا۔ اس لئے وہ ہر روز کی ہدایت کے لئے اُس کی طرف دیکھتے تھے۔ اور خداوند اُن کو کبھی یا اُس نہیں کرتا تھا۔

جو مسیحی گشت کر کے منادی کرتے تھے، لگتا ہے کہ اُن کا دستور تھا کہ دو دو ہو کر جائیں۔ ساتھی عموماً کوئی کم عمر شخص ہوتا تھا۔ اس طرح وہ سیکھتا تھا۔ رسول و فادار نوجوانوں کی مسلسل تلاش میں رہتے تھے تاکہ اُن کی کلام کی خدمت میں تربیت کریں۔

بعض اوقات خداوند کے خادم خود کفیل ہوتے تھے یعنی اپنی ضروریات خود پوری کرتے تھے۔ پورس خیمہ دوزی کرتا تھا۔ دیگر اوقات میں افراد یا کلیسیا اُن کی ضروریات پوری کرتی تھیں۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ جو رُوحانی لیڈر تھے، اُن کے ساتھ کام کرنے والے مُقدّمین اُن کی اس حیثیت اور مرتبہ کو تسلیم کرتے تھے۔ رُوح القدس اُن کو اختیار کے ساتھ کلام کرنے کی توفیق دیتا تھا۔ اور یہی رُوح القدس دوسرے ایمان داروں کو رُوحانی جہلت عطا کرتا تھا کہ ان لیڈروں کے اختیار کو مانیں۔ شاکر گرو انسانی حکومت کے ایک حد تک تابع رہتے تھے۔ یہ حد وہاں ختم ہو جاتی تھی جہاں اُن کو خوشخبری کی منادی کرنے سے منع کیا جاتا تھا۔ پھر وہ انسان کی نسبت خُدا کا حکم زیادہ مانتے تھے۔ جب سرکاری اہل کار اُن کو سزا دیتے تھے تو وہ بلا مزاحمت برداشت کرتے تھے اور حکومت کے خلاف کبھی کوئی سازش نہیں کرتے تھے۔

انجیل کی خوشخبری پہلے یہودیوں کو سنائی گئی اور جب یہودی قوم نے رد کر دیا تو پھر یہ پیغام غیر توّموں کو سنایا گیا۔ یہ حکم کہ ”پہلے یہودی کو تاریخی طور پر اعمال کی کتاب میں پورا ہوا۔ آج یہودی خُدا کے سامنے اسی سطح پر ہیں جس پر غیر قومیں ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ سب نے گناہ کیا اور خُدا کے جلال سے محروم ہیں۔“

ابتدائی کلیسیا کی خدمت میں زبردست زور اور قوت تھی۔ لوگ ڈرتے تھے کہ خُدا ناراض نہ ہو جائے۔ اس لئے بلاوجہ سچی ہونے کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ اگر کلیسیا میں گناہ ہوتا تو بہت جلد ظاہر ہو جاتا تھا۔ اور بعض حالات میں خُدا نے اس کی نہایت سخت سزا دی، مثلاً حننیاہ اور سفیرہ کے معاملے میں۔

اعمال کی کتاب کے مطالعہ سے ایک اور پختہ قابلیت حاصل ہوتی ہے کہ اگر ہم ایمان، ایشار و قربانی، جان نثاری اور اُن تھک خدمت میں ابتدائی کلیسیا کی تقلید کریں تو ہمارے ہی زمانے میں ساری دُنیا میں بشارت پھیل جائے گی۔



# رومیوں کے نام خط تعارف

فریڈرک گوڈٹ

”مسیحی ایمان کا کیتھیڈرل“

## اگتھِ مُسلمہ میں بے مثال مقام

پولس رسول کے خطوط میں رومیوں کے نام خط کو ہمیشہ اول درجہ حاصل رہا ہے۔ اور یہ ہے بھی بجا۔ چونکہ اعمال کی کتاب کا اہتمام پولس کی روم آمد پر ہوتا ہے، اس لئے یہ منطقی بات ہے کہ نئے عہد نامہ کے خطوط کے حصے کا آغاز رومیوں کی کلیسیا کے نام خط سے ہو جو اُس نے وہاں کے مسیحیوں سے ملاقات سے پہلے لکھا تھا۔ یہ تو مافی ہوئی بات ہے کہ علم الہیات کی روم سے بھی رومیوں کا خط پورے نئے عہد نامہ میں اہم ترین کتاب ہے کیونکہ بائبل میں یہ کتاب علم الہیات کو سب سے زیادہ منظم اور مرتب انداز میں پیش کرتی ہے۔ نیز کلام مقدس کی کتابوں میں سے اس خط نے تاریخ کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اگستین رومیوں ۱۳-۱۴ پڑھ کر ایمان لایا (۳۲۵ء)۔ پروٹسٹنٹ اصلاح کلیسیا اُس وقت شروع ہوئی جب بالآخر مارٹن لوتھر اس خط کی معرفت خدا کی راست بازمی کا مطلب سمجھ گیا کہ ”راست باز ایمان سے جینا رہے گا“ (۱۵۱۷ء)۔ جان ویزی کی سببات کا یقین اُس وقت آیا جب اُس نے مارٹن لوتھر کی تصنیف کردہ رومیوں کے خط کی تفسیر کا دیباچہ لکھا۔ یہ دیباچہ لندن کی آلڈرزگیٹ سٹریٹ کی ایک مورودین گھریلو کلیسیا (Home Church) میں پڑھا جا رہا تھا (۱۶۳۸ء)۔ جان کیلون لکھتا ہے کہ ”جب بھی کوئی اس خط کو سمجھ لیتا ہے، اُس کے لئے سارے صحائف کو سمجھنے کا راستہ کھل جاتا ہے۔“

## ۲- مصنف

پہلا موقع ہے کہ بدعتی بلکہ انقلابی منفی نقاد ایک عالمگیر راسخ العقیدہ بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ غیر توہموں کا رسول رومیوں کے خط کا مصنف ہے۔ درحقیقت بدعتی مرقیون پہلا معروف مصنف

ہے جو خصوصیت سے پوکس کو اس خط کا مصنف قرار دیتا ہے۔ اس کتاب کا حوالہ دینے والوں اور اقتباس کرنے والوں میں روم کے کلیمنس، ارغانطیسوس، یوسطین شہید، پولی کارپ، ہپالیت اور ایریسٹیس جیسے راسخ العقیدہ مسیحیوں کے نام شامل ہیں۔ مژوردی مسلمہ فہرست میں بھی اس خط کو پوکس کی تصنیف لکھا گیا ہے۔

اس خط کے پوکس کی تصنیف ہونے کے داخلی شواہد بھی بہت مضبوط ہیں۔ اس کا ذخیرہ الفاظ، دینی تعلیم اور روح، سب کچھ واضح طور پر پوکس کا ہے۔ خط خود کہتا ہے کہ میں پوکس کی طرف سے (۱:۱) ہوں۔ مگر یہ حقیقت بھی شکی مزاج لوگوں کو قابل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ مگر دوسرے حوالوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے (۱۵: ۱۵-۲۰)۔ سب سے زیادہ قابل کرنے والی بات یہ ہے کہ بہت سے واقعات اور بیانات اعمال کی کتاب سے مطابقت رکھتے ہیں اور کسی طرح محسوس نہیں ہوتا کہ یہ وضع رکے گئے ہیں۔ مثلاً مقدسین کے لئے خیرات جمع کرنے کا ذکر، گیس، اراستس اور روم جانے کے دیرینہ منصوبے کا بیان، ان سب سے ثابت ہوتا ہے کہ پوکس ہی اس خط کا مصنف ہے۔ کاتب ترتیس (۱۶: ۲۲) تھا۔

### ۳۔ تاریخ تصنیف

رومیوں کا خط گرنتھیوں کے پہلے اور دوسرے خط کے بعد لکھا گیا کیونکہ ان خطوط کے لکھنے وقت جو خیرات جمع کی جا رہی تھی، اب تیار ہے۔ اور یرشلیم کے مقدسین کو پہنچائی جانے والی ہے۔ خط میں گرنتس کی بندرگاہ کنخریہ کا ذکر (۱: ۱۶) اور کئی اور تفصیل سے علماء اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ خط گرنتس میں لکھا گیا۔ چونکہ پوکس نے (اپنے تیسرے تبلیغی دورہ کے اواخر میں) وہاں صرف تین مہینے قیام کیا تھا، اس کے بعد سازشوں نے اسے وہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا، اس لئے یہ خط اسی مختصر عرصے کے دوران قلم بند کیا گیا۔ اس طرح ۵۶ء سال تجریر قرار پاتا ہے۔

### ۴۔ پس منظر اور موضوعات

مسیحیت پہلے پہل روم کس طرح پہنچی؟ اس سوال کا حتمی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ روم کے یہودی جو بنیکٹ کے دن ایمان لائے تھے (دیکھئے اعمال ۱۰: ۲)، وہ واپس گئے تو خوشخبری کو ساتھ لیتے گئے۔ یہ واقعہ ۳ء کا ہے۔

پوکس نے یہ خط مذکورہ واقعہ کے تقریباً چھبیس برس بعد لکھا۔ اس وقت تک اسے روم



جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا۔ لیکن جیسا کہ باب ۱۶ سے معلوم ہوتا ہے، وہ روم کے متعدد دسیبوں کو جانتا تھا۔ اُس زمانے میں مسیحی ادھر ادھر بھاگتے پھرتے تھے۔ ایک تو ظلم اور ایذا رسانی کی وجہ سے، دوسرے اُن کو جگہ جگہ خوشخبری پھیلانے کا شوق تھا۔ تیسرے عام کاروبار کے لئے بھی وہ شہر بہرہ جاتے تھے۔ روم کے یہ مسیحی یہودی اور غیر قوم دونوں کس منظر سے تعلق رکھتے تھے۔

آخر کار پولس تقریباً ۵۷ء کے لگ بھگ روم پہنچا۔ مگر اُس طرح نہیں جیسے اُس کو توقع تھی۔ وہ یسوع مسیح کی خاطر قیدی ہو کر وہاں پہنچا۔

قدیم لاطینی اور یونانی ادب کی طرح رومیوں کا خط کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ خط غیر نجات یافتہ لوگوں پر اُن کی گناہ آلودہ اور کھوٹی ہوئی حالت کو بے نقاب کرتا اور اُن کو بچانے کے لئے خدا کے راست منصوبے کی وضاحت کرتا ہے۔ نئے ایمان دار مسیح کے ساتھ اپنی مشابہت اور رُوح القدس کی قدرت سے فتح پانے کے بارے میں سیکھتے ہیں۔ پختہ ایمان داروں کو اس خط میں مسیحی سپائی کی رنگارنگ کرنیں نظر آتی ہیں جن سے عقیدہ، نبوت اور عمل کے پہلو روشن ہوتے ہیں۔ ان مناظر سے اُن کی خوشی کا کچھ ٹھکانا نہیں رہتا۔

رومیوں کے خط کو سمجھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کا مطالعہ پولس اور ایک معترض کے درمیان مکالمے کی صورت میں کیا جائے۔ لگتا ہے کہ پولس کو خط لکھتے ہوئے سُنائی دے رہا ہے کہ معترض اُس کے خلاف طرح طرح کے اعتراض اٹھائے چلا جا رہا ہے۔ رسول معترض کے سوالوں کا ایک ایک کر کے جواب دے رہا ہے۔ اختتام تک پولس انسان کے ہر اُس اعتراض کا جواب دے چکتا ہے جو وہ خدا کے فضل کی خوشخبری کے بارے میں کر سکتا ہے۔

بعض اوقات اعتراضات صاف صاف بیان کئے گئے ہیں۔ بعض اوقات اُن کی طرف صرف اشارہ کیا گیا ہے۔ صورت حال کچھ بھی ہو، وہ خوشخبری کے گرد گھومتے ہیں۔ یعنی خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے سے فضل کے وسیلے سے نجات کی خوشخبری۔ اور اس میں شریعت کے اعمال کا کچھ عمل دخل نہیں۔

رومیوں کا خط گیارہ بڑے بڑے مسائل پر بحث کرتا ہے: ۱۔ اس خط کا موضوع کیا ہے؟ (۱: ۱، ۱۵، ۱۶)۔ ۲۔ انجیل کی خوشخبری کیا ہے؟ (۱: ۱۰-۱۷)۔ ۳۔ انسان کو انجیل کی خوشخبری کی ضرورت کیوں ہے؟ (۱: ۱۸-۲۰)۔ ۴۔ انجیل کے مطابق پاک خدا بے خدا گنہگاروں کو کس طرح راست ٹھہرا سکتا ہے؟ (۳: ۲۱-۳۱)۔ ۵۔ کیا انجیل پرانے عہد نامہ سے موافقت رکھتی ہے؟ (۴: ۱-۲۵)۔

- ۶- راستہ باز ٹھہرائے جانے سے ایمان دار کی زندگی میں کیا فائدے ہوتے ہیں ؟ (۱:۵-۲۱) - ۷- کیا ایمان کے وسیلہ فضل سے نجات سے گناہ اٹوہ زندگی بسر کرنے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے ؟ (۶: ۱-۲۳) -  
 ۸- مسیحی اور شریعت کا آپس میں کیا رشتہ ہے ؟ (۱:۷-۲۵) - ۹- مسیحی کو پاکیزہ زندگی گزارنے کی توفیق کیسے ملتی ہے ؟ (۱:۸-۳۹) - ۱۰- انجیل یہودیوں اور غیر قوموں دونوں کے ساتھ نجات کا وعدہ کرتی ہے۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ خدا نے اپنی اُمت یعنی یہودیوں سے اپنے وعدے توڑ لئے ہیں ؟ (۱:۹-۱۱:۳۶) -  
 ۱۱- جو لوگ فضل کے وسیلے سے راست باز ٹھہرائے گئے ہیں ، روزِ مرہ زندگی میں ان کا رویہ کیا ہونا چاہئے ؟ (۱:۱۲-۱۶:۲۷) -

ان کی بارہ سوالوں اور ان کے جوابوں سے واقفیت سے اس اہم خط کو سمجھنے کے لئے سمجھ بوجھ حاصل ہو سکتی ہے۔ پہلے سوال ”رومیوں کے خط کا موضوع کیا ہے ؟“ کا جواب ہے ”انجیل کی خوشخبری“۔ پورس فوراً مطلب کی بات پر آجاتا ہے۔ پہلی سولہ آیات میں وہ چار دفعہ (۱، ۹، ۱۱، ۱۵، ۱۶) اس کا بیان کرتا ہے۔

اس سے دوسرا سوال اُبھرتا ہے کہ ”انجیل کی خوشخبری کیا ہے ؟“ سب پر واضح ہے کہ اس لفظ کا مطلب اچھی یا خوشی کی خبر ہے۔ آیات ۱-۱۷ میں پورس اس خوشخبری کے بارے میں چھ اہم حقائق کا بیان کرتا ہے : ۱- اس کا منبع خدا ہے (آیت ۱) - ۲- اس کا وعدہ پرانے عہد نامہ کے انبیا کی معرفت کیا گیا تھا (آیت ۲) - ۳- یہ خوشخبری خدا کے بیٹے خداوند یسوع مسیح کے بارے میں ہے (آیت ۳) - ۴- یہ نجات کے لئے خدا کی قدرت ہے (آیت ۱۶) - ۵- یہ یہودیوں اور غیر قوموں یعنی سارے انسانوں کے لئے ہے (آیت ۱۶) - ۶- اس کا انحصار صرف ایمان پر ہے (آیت ۱۷)۔ اس تعارف کے ساتھ آئیے ہم ان آیات پر تفصیل سے غور کریں۔

## خاکہ

۱- عقیدہ — خدا کی خوشخبری - ابواب ۱-۸

۱- انجیل کا تعارف ۱:۱-۱۵

ب- انجیل کی خوشخبری کا مفہوم ۱:۱۶-۱۷

ج- انجیل کے پیغام کی عالمگیر ضرورت ۱:۱۸-۳:۲۰

- ۵- انجیل کی خوشخبری کی بنیاد اور شرائط ۳: ۲۱-۳۱
- ۶- انجیل کی خوشخبری کی پرانے عہد نامہ کے ساتھ ہم آہنگی باب ۴
- ۷- انجیل کی خوشخبری کے عملی فوائد ۵: ۱-۱۱
- ۸- آدم کے گناہ پر مسیح کے کام کی فتح ۵: ۱۲-۲۱
- ۹- پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے انجیل کا راستہ باب ۶
- ۱۰- ایمان دار کی زندگی میں شریعت کا مقام باب ۷
- ۱۱- رُوح القدس، پاک زندگی کے لئے قوت باب ۸

## ۲- انتظامی امور — انجیل کی خوشخبری اور اسرائیل ابواب ۹-۱۱

- ۱- اسرائیل کا ماضی باب ۹
- ۲- اسرائیل کا حال باب ۱۰
- ۳- اسرائیل کا مستقبل باب ۱۱

## ۳- فرائض — فصل کی خوشخبری کے مطابق زندگی گزارنا ابواب ۱۲-۱۶

- ۱- شخصی پاکیزگی ۱۲: ۱-۲
- ۲- روحانی نعمتوں کے ذریعے سے خدمت کرنا ۱۲: ۳-۸
- ۳- معاشرے کے ساتھ تعلق ۱۲: ۹-۲۱
- ۴- حکومت کے ساتھ تعلق ۱۳: ۱-۷
- ۵- مستقبل کے ساتھ تعلق ۱۳: ۸-۱۴
- ۶- دیگر ایمان داروں کے ساتھ تعلق ۱۴: ۱-۱۵
- ۷- پولس کے منصوبے ۱۴: ۱۵-۳۳
- ۸- دیگر ایمان داروں کی قدر دانی اور سلام باب ۱۶

# تفسیر

## ۱- عقیدہ — خدا کی خوشخبری (الواب ۱-۸)

### ۱- انجیل کا تعارف (۱:۱-۱۵)

۱:۱- ”پولس“ اپنا تعارف کراتے ہوئے اپنے آپ کو ”خریدا ہوا غلام“ (یسوع مسیح کا بندہ) کے لقب میں یہ مفہوم مضمر ہے) اور ”بلا یا گیا“ (اُس کو دمشق کی راہ پر ”رسول ہونے کے لئے بلا یا گیا“ تھا) یعنی مُنجی کا خاص ایچی کہتا ہے، جس کو ”مخصوص کیا گیا“ ہے (غیر توڑوں کو ”خوشخبری“ سنانے کے لئے الگ کیا گیا ہے - دیکھیے اعمال ۹: ۱۵؛ ۱۳: ۲)۔ ہم بھی مسیح کے قیمتی خون سے خریدے گئے ہیں۔ اُس کی نجات بخش قدرت کی گواہی دینے کے لئے بلائے گئے ہیں۔ اور جہاں کہیں جائیں وہاں خوشخبری سنانے کے لئے مخصوص یا الگ کئے گئے ہیں۔

۲:۱- ہو سکتا ہے کہ پولس کے یہودی تارکین سوچیں کہ خوشخبری کوئی بالکل نئی چیز ہے اور ہمارے روحانی ورثہ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی، اس لئے وہ بیان کرتا ہے کہ پرانے عہد نامہ کے ”نبیوں“ نے اس کا وعدہ کیا تھا۔ یہ وعدہ بالکل صاف اور واضح بیانات کی صورت میں بھی تھا (استثنا ۱۸: ۱۵؛ یسعیاہ ۴۰: ۱؛ جفوق ۲: ۴) اور علامتوں اور مشیوں کی صورت میں بھی (مثلاً نوح کی کشتی، بیتلی کا سانپ، اور قربانیوں کا نظام)۔

۳:۱- یہ انجیل خدا کے ”بیٹے ہمارے خداوند یسوع مسیح“ کے بارے میں خوشخبری ہے۔ وہ ”جسم کے اعتبار سے“ (یعنی جہاں تک اُس کی بشریت کا تعلق ہے) داؤد کی نسل سے پیدا ہوا۔ ”جسم کے اعتبار سے“ ان الفاظ کا مطلب ہے کہ وہ صرف انسان نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اور مطلب ہے کہ اپنی بشریت کے لحاظ سے وہ ...۔ اگر مسیح صرف انسان ہوتا تو اُس کی ہستی کی اس خصوصیت کو یوں الگ کر کے بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، کیونکہ پھر تو کوئی اور خصوصیت ہوتی ہی نہ۔ مگر وہ انسان سے بڑھ کر ہے جیسا کہ اگلی آیت میں بیان ہوتا ہے۔

۴:۱ - خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے کہ خداوند یسوع "قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا" ہے۔ رُوح القدس جس کو یہاں "پاکیزگی کی رُوح" کہا گیا ہے، یسوع کو بہتسمہ کے وقت اور معجزوں سے بھرپور خدمت کے دوران ہمیشہ نمایاں کرتا رہا۔ نجات دہندہ کے زبردست معجزے رُوح القدس کی قدرت سے کئے جاتے تھے۔ اور وہ اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ جب ہم پڑھتے ہیں کہ "مردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا" تو طبعی طور پر ہم اُس کے اپنے جی اٹھنے پر دھیان دیتے ہیں، حالانکہ لفظی ترجمہ یوں ہے کہ "مردوں کے جی اٹھنے کے سبب"۔ اور غالباً پوکس اُن افراد کے بارے میں بھی سوچ رہا ہو گا جن کو مسیح نے مردوں میں سے جلا یا، یعنی یائرسکی بیٹی، نائن سکی بیوہ کا بیٹا اور لعزر۔ مگر یہاں کوئی ابہام نہیں کہ یہاں نظر بنیادی طور پر خداوند کے اپنے جی اٹھنے پر ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ یسوع "خدا کا بیٹا" ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ وہ ایسا بیٹا ہے جس کا مثیل کوئی نہیں۔ خدا کے بہت سے بیٹے ہیں۔ سارے ایمان دار اُس کے بیٹے ہیں (گلیتوں ۴: ۵-۷)۔ یہاں تک کہ فرشتوں کو بھی "خدا کے بیٹے" کہا گیا ہے (ایوب ۱: ۶)۔ مگر یسوع بالکل الگ اور کیتا مفہوم میں خدا کا بیٹا ہے۔ جب ہمارا خداوند خدا کو اپنا باپ کہتا ہے تو یہودی بجا طور پر سمجھتے تھے کہ وہ خدا کے برابر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے (یوحنا ۵: ۱۸)۔

۵:۱ - ہمارے خداوند یسوع مسیح ہی کی "معرفت" پوکس کو "فضل" (نجات کے لئے وہ مہربانی جس کا وہ حق دار نہیں تھا) اور رسالت ملی۔ جب پوکس رسول یہاں "ہم" کا لفظ استعمال کرتا ہے تو بے شک مقالہ کے انداز یا مصنفانہ اسلوب میں استعمال کرتا ہے جبکہ اشارہ صرف اُس کی اپنی طرف ہے۔ وہ "رسالت" کو "قوموں" یعنی غیر یہودیوں کے ساتھ منسلک کرتا ہے اور یہاں بھی اشارہ دوسرے رسولوں کی طرف نہیں بلکہ اُس کی اپنی ہی طرف ہے۔ پوکس کو مقرر کیا گیا تھا کہ ساری قوموں کو ایمان کے تابع ہونے کے لئے بلائے، یعنی خوشخبری کے پیغام کی تکمیل کر کے توبہ کریں اور خداوند یسوع مسیح پر ایمان لائیں (اعمال ۲۰: ۲۱)۔ ساری دنیا میں اس پیغام کے اعلان کا مقصد وہ مدعا ہے کہ سب کچھ اسی کے نام کی خاطر ہو، وہ راضی ہو اور اسی کو جلال ملے۔

۶:۱ - جن لوگوں نے انجیل کے پیغام کا مثبت جواب دیا پوکس رسول یسوع مسیح کے ... بلائے گئے کے خطاب سے اُن کی عزت افزائی کرتا ہے۔ یہاں زور اس نکتہ پر ہے کہ اُن کی نجات کے لئے پہل خدا نے کی ہے۔

۷:۱۔ یہ خط "اُن سب" ایمان داروں کے نام ہے جو "رومہ" میں تھے۔ دُن مَرے خطوط کی طرح یہ صرف ایک کلیسیا کے نام نہیں۔ خط کے آخری باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر میں مسیحیوں کے کئی گروہ تھے۔ یہ سلام اُن سب کا اجیٹہ کرتا ہے۔

"خدا کے پیارے ہیں اور مقدس ہونے کے لئے بلائے گئے ہیں"۔ یہ خوبصورت الفاظ اُن سب کے لئے حقیقت ہیں یسوع مسیح کے قیمتی خون سے جن کا ذبیہ دیا گیا ہے۔ ان چھپتے لوگوں سے خدا خاص انداز سے محبت کرتا ہے۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ خدا کی خاطر دُنیا سے الگ کئے گئے ہیں کیونکہ لفظ "مقدسین" کا اصل مفہوم یہی ہے۔

پولس کے مخصوص سلام میں "فضل" اور "اطمینان" اکٹھے ہوتے ہیں۔ "فضل" (charis- گرس) یونانی عنصر کو پیش کرتا ہے اور "اطمینان" (shalom - شالوم) یہودی روایتی سلام ہے۔ ان دونوں کو اکٹھا کرنا نہایت مزوں ہے کیونکہ پولس کا پیغام بتاتا ہے کہ ایمان لانے والے یہودی اور غیر قوم افراد کس طرح اب مسیح میں ایک نیا انسان ہیں۔

جس "فضل" کا یہاں ذکر ہے، یہ وہ فضل نہیں جو نجات دیتا ہے (پولس کے قارئین تو پہلے ہی نجات یافتہ تھے) بلکہ وہ "فضل" ہے جو مسیحی زندگی اور خدمت کے لئے ہتھیار بند کرتا ہے۔ اور جس "اطمینان" کا یہاں ذکر ہے، اس سے مراد خدا کے ساتھ صلح یا میل ملاپ نہیں (مقدسین کو تو پہلے ہی صلح/میل ملاپ حاصل تھی۔ کیونکہ وہ ایمان سے راستباز ٹھہرائے جا چکے تھے) بلکہ خدا کا وہ "اطمینان" ہے جو فسادی اور یورشوں سے بھرے ہوئے معاشرے میں رہتے ہوئے بھی اُن کے دلوں کو پرسکون رکھتا تھا۔ پولس رسول کہتا ہے کہ "ہمارے باپ خدا اور خداوند یسوع مسیح کی طرف سے تمہیں فضل اور اطمینان حاصل ہوتا رہے"۔ یہاں یہ نکتہ مفسر ہے کہ باپ اور بیٹا ہم رتبہ ہیں۔ اگر یسوع صرف ایک انسان ہوتا تو فضل اور اطمینان "عطا کرنے میں اُس کو باپ کے برابر لکھنا نامعقول بات ہوتی۔ بالکل ایسے ہی جیسے کوئی کہہ دے کہ فضل اور اطمینان خدا اور صدر مملکت کی طرف سے ..."

۸:۱۔ جہاں بھی ممکن ہو پولس رسول خطوط کے شروع میں اپنے قارئین کی قابل تحسین باتوں کی ضرورت تعریف کرتا ہے (یہ ہم سب کے لئے بہت اچھا نمونہ ہے)۔ یہاں وہ ہمارے درمیانی یسوع مسیح کے وسیلے سے خدا کا شکر کرتا ہے کہ رومی مسیحیوں کے ایمان کا تمام دُنیا میں شہرہ پور ہا ہے۔ "ساری رومی سلطنت میں اُن کی مسیحی گواہی کا پرجہا رہا تھا۔ اُس زمانے میں تمام دُنیا سے مراد رومی سلطنت ہی تھی۔

۹:۱- چونکہ رومی مسیحی اپنے نور کو آدمیوں کے سامنے چمکنے دیتے تھے اس لئے پوکس ان کے لئے "بلاناغہ" دُعا مانگنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ "خدا" کو اپنا "گواہ" بنا کر اپنی "دُعاؤں" کے تواتر اور تسلسل کا بیان کرتا ہے کیونکہ کوئی دوسرا اس بات سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ البتہ صرف خدا جانتا ہے۔ وہی خدا جس کی عبادت رسول "اپنی روح" سے اُس کے بیٹے کی خوشخبری دینے میں کرتا ہے۔ وہ اس عبادت کو مذہبی مشقت اور مجبوری نہیں سمجھتا جس میں رُحومات اور شعاع کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوتا ہے، بے شمار دُعاؤں دہرائی پڑتی ہیں اور دُعا کی کتاب سے رٹی رٹائی بہت سی باتوں کو بھی دہرانا پڑتا ہے۔ پوکس کی عبادت پر جوش اور ایمان پر مبنی دُعاؤں سے سرشار ہوتی ہے۔ یہ عبادت دلی، دلسوز اور اُن تھک عبادت ہوتی ہے جو خداوند یسوع کے ساتھ انتہائی محبت سے اُبھرتی ہے۔ یہ عبادت خدا کے بیٹے کی خوشخبری کو پھیلانے کے جذبے سے شعلہ زن ہوتی ہے۔

۱۰:۱- روم کے مقدسین کے لئے شکر گزاری کرنے کے ساتھ ساتھ وہ دُعا مانگتا ہے کہ اُن کے ساتھ جلد ملاقات کر سکے۔ اور زندگی میں ہر بات کی طرح وہ چاہتا ہے کہ یہ سفر بھی "خدا کی مرضی" کے مطابق ہو۔

۱۱:۱- رسول کی زبردست آرزو تھی کہ مقدسین کی تقویت کرے تاکہ وہ ایمان میں "مضبوط" ہو جائیں۔ یہاں ہرگز یہ تصور نہیں کہ وہ اُن کو کوئی "دوسری نعمت" دینا چاہتا تھا۔ یا ہاتھ رکھنے سے کوئی رُوحانی نعمت دینے کا ارادہ رکھتا تھا (اگرچہ اُس نے تیمتیس کے لئے ایسا کیا تھا۔ ۲- تیمتیس ۱: ۶) بلکہ وہ کلام اور پیغام کے وسیلے سے اُن کی رُوحانی ترقی میں مدد دینا چاہتا تھا۔

۱۲:۱- وہ بیان کرتا ہے کہ رُوحانی برکت "دونوں" کے لئے ہوگی۔ رسول خود اُن کے ایمان کے باعث تسلی پائے گا اور وہ اُس کی آمد سے مضبوط ہوں گے۔ ہر رُوحانی رفاقت میں ترقی ہوتی ہے۔ جس طرح لوہا لوہے کو تیز کرتا ہے اسی طرح آدمی کے دوست کے چہرہ کی آب اُسی سے ہے" (امثال ۲۷: ۱۷)۔ پوکس کی لطافت اور انکساری پر غور کریں۔ وہ دوسرے مقدسین سے مدد لینے میں کوئی عار نہیں سمجھتا۔

۱۳:۱- پوکس نے کئی دفعہ روم جانے کا ارادہ کیا مگر رکاوٹ ہوتی رہی۔ شاید دوسرے علاقوں کی ضروریات نے اُس کو روک رکھا۔ یا رُوح القدس نے اجازت نہ دی۔ ممکن ہے شیطان نے بھی رکاوٹ ڈالی ہو۔ اُس کی خواہش تھی کہ جیسا مجھے اور غیر قوموں میں پھیل ملا لیا ہے" روم کے غیر قوم ایمان داروں میں بھی ملے۔ اگلی دو آیات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خوشخبری کے "پھل" کی بات کر رہا ہے۔ آیات ۱۱ اور ۱۲ میں وہ رومیوں کو ایمان میں ترقی کرتے اور مضبوط ہوتے دیکھنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ یہاں یہ خواہش ہے کہ رومی سلطنت کے دارالحکومت میں مسیح کے لئے لوگ جیتے جائیں۔

۱۴:۱ - دُنیا کو ایک زبردست ضرورت لائق ہے۔ اور جس کسی کے پاس مسیح ہے اُس کے پاس اس ضرورت کا جواب ہے۔ اُس کے پاس گناہ کے مرض کا علاج ہے۔ جہنم کی ابدی دہشت اور ہولناکی سے بچ نکلنے کا راستہ ہے اور ضمانت ہے کہ خدا کے ساتھ ابدی اور دائمی خوشی حاصل ہوگی۔ اس وجہ سے اُس پر بہت سنجیدہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ ہر تہذیب و تمدن کے لوگوں کو ————— ”غیر یونانیوں“ کو ————— اور ہر تعلیم اور معاشرتی طبقے کو ————— ”داناؤں اور نادانوں“ کو اس خوشخبری میں شریک کرے۔ پوکس اِس ذمہ داری کو بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں سب کا ”قرضدار ہوں“۔

۱۵:۱ - اِس قرض کو اُتارنے کے لئے پوکس رسول خدا کے عطا کردہ ”مقدور“ کے مطابق روم میں رہنے والوں کو خوشخبری سنانے کو... تیار ہے۔ بلے شک اِس سے صرف روم میں رہنے والے ایمان دار ہی مراد نہیں۔ اگرچہ بظاہر آیت کے الفاظ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ وہ تو پہلے ہی اِس خوشخبری کو سُن چکے اور قبول کر چکے تھے بلکہ وہ اِس بٹے اور مرکزی شہر میں اُن غیر قوم لوگوں کو بھی خوشخبری سنانا چاہتا ہے جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے۔

## ب۔ انجیل کی خوشخبری کا مفہوم (۱۷:۱)

۱۶:۱ - پوکس اِس تہذیب یافتہ شہر میں بھی ”انجیل“ سنانے سے شرماتا نہیں۔ ”اگرچہ یہ پیغام یہودیوں کے لئے ٹھوکر کھانے کا پتھر اور یونانیوں کے نزدیک بیوقوفی ثابت ہوا تھا مگر پوکس جانتا ہے کہ یہ ”نجات کے لئے خدا کی قدرت ہے“۔ یعنی یہ پیغام بیان کرتا ہے کہ خدا اپنی قدرت سے ہر اِس شخص کو نجات دیتا ہے جو اُس کے بٹے پر ایمان لاتا ہے۔ اور یہ قدرت یہودیوں اور یونانیوں دونوں میں یکساں طور پر کارفرما ہے۔

”پہلے یہودی پھر یونانی کے واسطے“۔ تاریخی لحاظ سے یہ ترتیب اعمال کی کتاب کے زمانے میں پوری ہو گئی۔ اگرچہ ہم پر دائمی ذمہ داری ہے کہ خدا کی قدیم امت یعنی یہودیوں کو خوشخبری پہنچائیں لیکن ہمارے لئے یہ شرط نہیں کہ پہلے اُن کے پاس جائیں اور غیر قوموں کے پاس بعد میں۔ آج خدا یہودیوں اور غیر یہودیوں سے ایک ہی بنیاد پر سلوک کرتا ہے۔ اور پیغام سمجھوں کے لئے یکساں ہے۔

۱۷:۱ - ”راست باری“۔ یہ لفظ خط میں یہاں پہلی دفعہ آیا ہے۔ چنانچہ ہم اِس پر خاص غور کریں گے۔ نئے عہد نامہ میں یہ لفظ کئی مختلف مفہوموں میں استعمال ہوا ہے۔ ہم ان میں سے تین<sup>۳</sup> پر غور کریں گے:



اول۔ اس سے خدا کی ذات کی وہ خصوصیت بیان ہوتی ہے جس سے وہ ہمیشہ وہی کچھ کرتا ہے جو درست، مہینہ برانصاف، جائز اور اُس کی دوسری خصوصیات کے ساتھ موافقت رکھتا ہو۔ جب ہم کہتے ہیں کہ خدا صادق یا راست باز ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ اُس میں قطعاً کوئی غلطی، بددیانتی یا بے انصافی نہیں ہے۔

دوم۔ خدا کی راست بازی سے مراد وہ طریقہ بھی ہے جس سے وہ بے دین گندگروں کو راست باز ٹھہراتا ہے۔ وہ ایسا کر سکتا اور پھر بھی راست باز رہ سکتا ہے کیونکہ یسوع بے گناہ "عوضی" ہے جس نے الہی عدل اور انصاف کے سارے تقاضے پورے کر دئے۔

سوم۔ خدا کی راستبازی کا مطلب وہ کامل حیثیت ہے جو وہ اُن سب کو دیتا ہے جو اُس کے بیٹے پر ایمان لاتے ہیں (۲- کرنتھیوں ۵: ۲۱)۔ جو خود راست باز نہیں ہیں (یعنی جن میں اپنی کوئی راست بازی نہیں) اُن کو راست باز مانا جاتا ہے کیونکہ خدا اُن کو مسیح کی پوری کاملیت میں دیکھتا ہے یعنی اُن کے لئے راست بازی محسوب ہوتی ہے۔

آیت ۱۴ میں کون سا مفہوم ہے؟ تینوں میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ مگر زیادہ میلان دوسرے مفہوم کی طرف ہے، یعنی گندگروں کو ایمان کے وسیلے سے راستباز ٹھہرانے کا طریقہ۔ انجیل میں خدا کی راست بازی ظاہر کی گئی ہے۔ اول۔ انجیل بتاتی ہے کہ خدا کی راست بازی تقاضا کرتی ہے کہ گناہوں کی سزا دی جائے۔ اور سزا ابدی موت ہے۔ مگر پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خدا کی رحمت نے وہ سب کچھ مہیا کر دیا جس کا تقاضا اُس کی راست بازی کرتی ہے۔ اُس نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ گندگروں کا "عوضی" ہو کر اپنی جان دے اور اس طرح گناہ کی سزا پورے طور پر اٹھائے۔ اور اب چونکہ گناہ کے راست تقاضے کامل طور پر پورے ہو چکے ہیں اس لئے خدا پوری راستی سے اُن سب کو نجات دے سکتا ہے جو مسیح کے قدموں میں آتے ہیں۔

"خدا کی راست بازی ایمان سے اور ایمان کے لئے ظاہر ہوتی ہے"۔ خدا کی راست بازی اعمال کی بنیاد پر محسوب نہیں ہوتی۔ نہ اُن کو دستیاب ہوتی ہے جو اعمال سے اسے حاصل کرنے کی یا اس کا حق دار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ صرف ایمان کے اصول پر حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ بات جہوق ۲: ۴ میں خدا کے فرمان کے ساتھ کامل مطابقت رکھتی ہے، جہاں فرمایا گیا ہے کہ "راست باز ایمان سے جیتا رہے گا" جس کا سلیس مطلب یہ ہے کہ جو ایمان سے راست باز ٹھہرائے گئے ہیں وہ چیتے رہیں گے۔

رومیوں کی پہلی سترہ آیات میں پورس نے اپنے مضمون کا تعارف کرایا اور اُس کے اہم نکات

کا مختصر ذکر کیا ہے۔ اب وہ تیسرے بڑے سوال کی طرف آتا ہے کہ ”انسان کو خوشخبری کی ضرورت کیوں ہے؟“ مختصراً جواب یہ ہے۔ اس لئے کہ انجیل کی خوشخبری کے بغیر انسان ہلاکت کا سزاوار ہے۔ مگر اس سے چار ضمنی سوال پیدا ہوتے ہیں (۱) کیا وہ بے دین بھی جنہوں نے کبھی انجیل نہیں سنی، ہلاک ہوں گے (۱۸:۱-۳۲)؟ (۲) جو لوگ اپنا اپنی اخلاقی معیار قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، خواہ یہودی ہوں خواہ غیر قوم، کیا وہ بھی ہلاک ہوں گے (۱۶:۱-۲)؟ (۳) کیا خدا کی قدیم اُمت (یہودی) بھی ہلاکت کی سزاوار ہے (۱۲:۲-۳)؟ (۴) کیا تمام بنی نوع انسان ہلاکت کے فرزند ہیں (۳:۹-۲۰)؟

## ج۔ انجیل کے پیغام کی عالمگیر ضرورت (۱۸:۱-۳۰)

۱۸:۱۔ یہاں اس سوال کا جواب ملتا ہے کہ انسان کو انجیل کے پیغام کی ضرورت کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس لئے کہ انجیل کی خوشخبری کے بغیر ان کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ ”خدا کا غضب ان آدمیوں کی تمام بے دینی اور ناراستی پر آسمان سے ظاہر ہوتا ہے جو حق کو ناراستی سے دبائے رکھتے ہیں۔“ وہ اپنی ناراست زندگیوں اور ناراست طور طریقوں سے راستی کو دبائے رکھتے ہیں۔ لیکن خدا کا غضب کس طرح ظاہر ہوتا ہے؟ ایک جواب تو سیاق و سباق میں موجود ہے۔ خدا انسان کو ناپاکی (۲۴:۱) اور اُس کے دل کی بُری خواہشوں (۲۶:۱) اور ناپسندیدہ عقل (۲۸:۱) کے حوالہ کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ خدا اکثر انسانی تاریخ میں در آتا ہے تاکہ اُس کے گناہوں پر اپنی سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ مثلاً طوفان نُوح (پیدائش باب ۷)، سدوم اور غمورہ کی بربادی (پیدائش باب ۱۹)، تورح، دائن اور ابیرام پر غضب نازل کرنا (گنتی ۱۶:۳۲)۔

۱۹:۱۔ ”جن لوگوں نے کبھی انجیل کی خوشخبری نہیں سنی، کیا وہ بھی ہلاک ہوں گے؟“ پوکس ثابت کرتا ہے کہ ان پر بھی خدا کا غضب ہے۔ اپنی لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے کہ جو تھوڑا بہت نور ان کے پاس ہے، اُس کو بھی رد کرتے ہیں۔ کائنات میں جو کچھ ”خدا کی نسبت معلوم ہو سکتا ہے“ وہ ان پر ظاہر کر دیا گیا ہے۔ خدا نے ان کو اپنے ظہور کے بغیر نہیں چھوڑا۔

۲۰:۱۔ ”دنیا کی پیدائش کے وقت سے“ خدا کی ”دو“ اُن دیکھی صفتیں ”ظاہر کی گئی ہیں تاکہ سارے انسان دیکھ سکیں۔ اول۔ اُس کی اُزلی قدرت“ اور دوم۔ اُس کی اُلوہیت“۔ پوکس نے جو لفظ استعمال کیا ہے اُس کا مطلب ”اُلوہیت“ یا ”خدا کی ذات“ ہے۔ اس سے اُس کے وجود کا نہیں بلکہ اُس کے کردار یا سیرت کا اظہار زیادہ ہوتا ہے۔ اُس کی اُلوہیت کا کم اور جلالی صفات کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ اُس کی ذات

کا تصور تو پہلے ہی موجود ہے۔

یہاں جو دلیل ہے وہ بالکل واضح ہے۔ تخلیق ہے تو خالق کا ہونا لازم ہے۔ کوئی منصوبہ یا نقش ہے تو منصوبہ ساز یا نقاش کا ہونا لازم ہے۔ سورج، چاند اور ستاروں پر نظر ڈالنے سے کوئی بھی شخص جان سکتا ہے کہ خدا ہے۔

اس سوال کا جواب کہ ”بے دین لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟“ یہ ہے کہ ”اُن کو کچھ عذر باقی نہیں“۔ خدا نے اپنی تخلیقات میں اپنے آپ کو اُن پر ظاہر کر دیا ہے۔ لیکن اُنہوں نے اس ظہور یا مکاشفہ پر توجہ نہیں دی۔ اس لئے لوگوں کو اُس مُنہجی کو رد کرنے کے باعث مجرم نہیں ٹھہرایا جا رہا جس کا ذکر اُنہوں نے کبھی سنا ہی نہیں بلکہ اس بات پر مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے کہ جو کچھ وہ خدا کے بارے میں معلوم کر سکتے تھے، اُس میں بے وفائیت ہوئے ہیں۔

۲۱:۱۔ اگرچہ اُنہوں نے خدا کے کاموں کے وسیلے سے ”خدا کو جان تو لیا مگر اُس کی خدائی کے لائق اُس کی تعجب اور شکر گزاری نہ کی“۔ اُنہوں نے یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ وہ کون ہے اور اُس نے ہمارے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ غیر معبودوں (دیوی دیوتاؤں) کے بارے میں ”باطل“ فلسفوں اور نظریات میں پڑ گئے اور نتیجہ میں صاف طور سے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔ نور کو رد کرنا نور کے وجود کا انکار کرنا ہے۔ جو دیکھنا نہیں چاہتے وہ دیکھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔

۲۲:۱۔ جوں جوں انسان اپنے گھڑے ہوئے علم پر بے جا فخر کرنے میں بڑھتا گیا وہ جہالت اور بیوقوفی کی پستیوں میں گرتا گیا۔ یہ دونوں باتیں ہمیشہ اُن لوگوں کی خصوصیت ہوتی ہیں جو خدا کے عرفان کو رد کرتے ہیں۔ ————— وہ بیک وقت انتہائی متکبر اور جاہل بن جاتے ہیں۔

۲۳:۱۔ انسان نے ادنیٰ صورت سے ترقی نہیں کی بلکہ وہ شروع میں ایک اعلیٰ اخلاقی معیار سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن سچے، لامحدود اور ”غیر فانی خدا“ کو تسلیم کرنے کی بجائے وہ حماقت اور خباثت میں پڑ گیا جو بت پرستی کا خاصہ ہے۔ پاک کلام کا یہ سارا حصہ نظر یہ ارتقا کو باطل ٹھہراتا ہے۔

انسان جبلی طور پر مذہبی ہے۔ ضرور ہے کہ اُس کے پاس کچھ ہو جس کی وہ عبادت کرے۔ جب اُس نے زندہ خدا کی عبادت کرنے سے انکار کر دیا تو پھر لکڑی اور پتھر سے اپنے لئے خدا بنا لئے جو انسان اور پرندوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت میں ہیں۔ خود کریں کہ تزیین اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف چلتی ہے۔ پہلے انسان، پھر پرندے، اس کے بعد چوپائے اور آخر میں کیڑے مکوڑے یعنی ریگنے والے جان دار۔ یاد رکھیں کہ انسان جس چیز کی پرستش کرتا ہے اسی کی مانند بن جاتا ہے۔

جس طرح الہی ہستی کے بارے میں اُس کے تصور میں بگاڑ آتا جاتا ہے، اُس کا اخلاق بھی ویسے ہی بگڑتا جاتا ہے۔ اگر اُس کا معبود کوئی بکریٹا کوٹرا ہے تو پھر وہ آزادی محسوس کرتا ہے کہ جیسے چاہوں زندگی گزار دو۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ عبادت گزار اپنے آپ کو اپنے معبود سے کم تر سمجھتا ہے۔ انسان کو خدا کی صورت اور شبیہ پر پیدا کیا گیا تھا لیکن یہاں انسان سانپوں سے بھی ادنیٰ تر درجہ اختیار کرتا ہے۔

انسانی بُتوں کی پرستش کرنا تو شیاطین کی پرستش کرنا ہے۔ پولس بڑی صفائی سے بیان کرتا ہے کہ غیر فرمیں جو تفریبانیاں بُتوں کو چڑھاتی ہیں دراصل شیاطین کو چڑھاتی ہیں، خدا کو نہیں چڑھاتیں (۱- کرنتھیوں

۲۰:۱)۔

۲۴:۱۔ ”میں دفعہ کہا گیا ہے کہ ”خدا نے انسان کو ”چھوڑ دیا“۔ اُس نے اُن کو ”ناپاکی میں چھوڑ دیا“ (۲۴:۱)۔  
”گندری شہوتوں میں چھوڑ دیا“ (۲۶:۱) اور ”ناپائیدہ عہدہ عقل کے حوالہ کر دیا“ (۲۸:۱)۔ دوسرے لفظوں میں خدا کا غضب انسان کی پوری شخصیت کے خلاف موجزن ہوا۔

انسان کے دل کی ”گندری شہوتوں“ کے جواب میں خدا نے اُن کو طرح طرح کی جنسی ناپاکی —  
مثلاً زنا کاری، بدکاری، شہوت پرستی، کونڈے بازی اور عورتوں کا عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل وغیرہ  
— میں چھوڑ دیا۔ اُن کے لئے زندگی جنس پرستی بن کر رہ گئی تاکہ اُن کے بدن آپس میں بے حرمت  
کے جائیں۔“

۲۵:۱۔ خدا نے اُن کو اس لئے چھوڑ دیا کیونکہ پہلے اُنہوں نے خدا کی سچائی کو بدل کر جھوٹ بنا  
ڈالا تھا، یعنی سچے خدا کو چھوڑ کر بُتوں کو خدا ماننے لگے تھے۔ بُت ایک جھوٹ ہوتا ہے۔ خدا کی جھوٹی  
نمائندگی ہوتا ہے۔ بُت پرست ”مخلوقات“ کی شبیہ کی پرستش کرتا ہے اور اس طرح اُس ”خالق“  
کی توہین کرتا ہے ”جو ابد تک نمود ہے“ یعنی تمام عزت اور جلال کے لائق ہے۔

۲۶:۱۔ اسی سبب سے خدا نے لوگوں کو شہوانی حرکات کے حوالہ کر دیا کہ مرد مردوں سے اور  
عورتیں عورتوں سے خلاف طبع فعل کریں۔ اُن کی شرم دجیا سب ہوا ہو گئی۔

۲۷:۱۔ اُن کے آدمی ہم جنس پرست ہو گئے اور خدا کے مقرر کردہ ازدواجی رشتہ سے مُنہ موڑ  
لیا۔ وہ سب ”آپس کی شہوت سے مست ہو گئے۔“ مگر اُن کے گناہ کی سزا اُن کو اپنے بدنوں اور  
رُوحوں کی تباہی کی صورت میں ملی۔ بیماری اور احساس گناہ اُن کو بچھو کے ڈمک کی طرح ڈسنے لگا۔  
شخصیتیں مسخ ہو گئیں۔ یہاں اس خیال کی نفی ہوتی ہے کہ انسان گناہ کر کے اس کے مضمرات اور بُرے  
نتائج سے بچ سکتا ہے۔

آج کل ہم جنس پرستی پر بڑی بحث چل رہی ہے۔ کچھ لوگ اس کو ایک بیماری قرار دیتے ہیں جبکہ بعض لوگ یہ ثابت کرنے پر تھے ہوئے ہیں کہ یہ ایک جائز متبادل طرز زندگی ہے۔ مسیحیوں کو احتیاط کرنی چاہئے کہ دنیا کے اخلاقی فیصلوں کو قبول نہ کریں بلکہ خدا کے کلام سے راہنمائی حاصل کریں۔ پُرانے عہد نامہ میں اس گناہ کی سزا موت ہے (اجار ۱۸: ۲۹؛ ۲۰: ۱۳) اور نئے عہد نامہ میں یہاں بھی کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ "موت کی سزا کے لائق ہیں" (رومیوں ۱: ۳۲)۔ بائبل مقدّس ہم جنس پرستی کو بہت سنجیدہ اور بڑا گناہ قرار دیتی ہے۔ سدّوم اور عمورہ کی بربادی اس حقیقت کی شہادت اور ثبوت ہے کیونکہ وہاں ہم جنس پرستی اس گھنٹے گناہ کے لئے ہنگامہ اور فساد کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے (پیدائش ۱۹: ۴-۲۵)۔

بائبل مقدّس جس طرح توبہ کرنے اور خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے والے سارے گنہگاروں کو معافی کی پیشکش کرتی ہے اسی طرح ہم جنس پرستوں کو بھی کرتی ہے۔ وہ مسیحی جو اس گھنٹے گناہ میں گر گئے ہیں وہ اس گناہ کا اقرار کر کے اور اسے ترک کر کے معافی اور بحالی حاصل کر سکتے ہیں۔ جو لوگ خدا کے کلام کی فرمانبرداری کرنے پر آمادہ ہیں ان کے لئے ہم جنس پرستی سے مکمل رہائی موجود ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم صلاح کے طور پر کچھ باتیں درج کرتے ہیں جو اس گناہ سے چھٹکارے کے لئے بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ بعض لوگ طبعی طور پر ہم جنس پرستی پر مائل ہوتے ہیں۔ یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں، کیونکہ انسان کی بگڑی ہوئی فطرت ہر قسم کی بدی اور بگاڑ کر سکتی ہے۔ اس گھنٹی حرکت کی طرف مائل ہونا گناہ نہیں، لیکن اس خواہش سے مغلوب ہونا اور اس حرکت کا مرکز بننا بڑا گناہ ہے۔ رُوح القدس آزمائش کی مزاحمت کرنے اور دائمی فتح پانے کی توفیق اور قوت دیتا ہے (۱- کرنتھیوں ۱۰: ۱۳)۔ کُرنٹھس کے بعض مسیحی زندہ ثبوت ہیں کہ ہم جنس پرست افراد کو ہمیشہ تک اس گناہ کے غلام رہنے کی ضرورت نہیں (۱- کرنتھیوں ۶: ۹-۱۱)۔

۲۸: ۱۔ چونکہ انسانوں نے خدا کو بطور خالق، پروردگار یا نجات دہندہ پہچاننے اور جاننے سے انکار کیا، اس لئے خدا نے بھی ان کو ناپستیدہ عقل کے حوالہ کر دیا کہ کئی اور طرح کی بدی کا ارتکاب کریں۔ اس آیت سے یہ بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ انسان کیوں ارتقا کے فلسفے کا اس قدر دلدادہ ہے۔ اس کا سبب ان کی عقل میں نہیں بلکہ ان کے ارادہ میں ہے۔ وہ خدا کو پہچاننا پسند نہیں کرتے، یعنی وہ خدا کو پہچاننے کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔ وجہ یہ نہیں کہ عمل ارتقا کی شہادتیں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ اسے ماننے اور قبول کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں بلکہ وہ کائنات کے آغاز کی ایسی توجیحات چاہتے ہیں جن سے خدا بالکل خارج ہو جائے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر خدا ہے تو ہم اخلاقی طور پر اس کے سامنے جوا بدہ ہیں۔

۲۹: ۱۔ ریلجے۔ یہاں گناہوں کی ایک اضافی اور سیاہ فہرست ہے جو ان انسانوں کی خاصیت کا

حصہ ہیں جو خدا سے دُور ہٹے رہتے ہیں۔ خود کریں کہ وہ اُن سے ”بھگے“ ہیں۔ یعنی کبھی کبھی ان گناہوں کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ اُن میں عرق رستے ہیں۔ وہ ان گناہوں کے ماہر ہیں جو انسان کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ ذرا اس فرست کو دیکھیے۔ ”ناراستی“ (ناانصافی)۔ ”بدی“ (یونانی = porneia) اخلاقی بے لاپرواہی یعنی زنا، بدکاری اور دیگر جنسی گناہ وغیرہ اس میں شامل ہیں)۔ ”لاپنج“ (زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کُستُلس خواہش)۔ ”بدخواہی“ (دُوسروں کو نقصان پہنچانے کی خواہش، زہرناک نفرت)۔ ”حسد“ (دُوسروں سے جلنا)۔ ”خونریزی“ (دُوسروں کو قتل مدم، غصہ یا کسی دُوسرے جرم کے ارتکاب کے لئے دُوسرے کو غیر قانونی طور پر ہلاک کر دینا)۔ ”جھگڑے“ (لڑنا، توتیکار کرنا، تکرار، فساد)۔ ”مکاری“ (فریب، دھوکا، سازش)۔ ”بُغض“ (تلخی، مخالفت، دشمنی)۔ ”غیبت“ (خفیہ طور پر کسی کی بدنامی کرنا، پیٹھ پیچھے بُرائی کرنا)۔

۳۰:۱۔ فرست جاری ہے۔۔۔۔۔ ”بدگو“ (علانیہ بدنام کرنے والے، دُوسروں کی بُرائیاں کرنے والے)۔ ”خدا کی نظر میں نفرتی“ (یا خدا سے نفرت کرنے والے)۔ ”اُوروں کو بے عزت کرنے والے“ (کینہ ور۔ دُوسروں کو حقیر سمجھنے والے)۔ ”مغرور“ (گھمٹدی۔ ہٹ دھرم)۔ ”شخی باز“ (خود ستائی کرنے والے، اپنے مُنہ میں مٹھو)۔ ”بدیوں کے بانی“ (شرارت اور نئی نئی بُرائیاں ایجاد کرنے والے)۔ ”ماں باپ کے نافرمان“ (والدین کے خلاف بغاوت کرنے والے)۔

۳۱:۱۔ فرست ابھی ختم نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ ”بیوقوف“ (اخلاقی اور روحانی امتیاز سے عاری، بے ضمیر)۔ ”عہد شکن“ (وعدہ خلافی کرنے والے، معاہدے توڑنے والے، ناقابل اعتماد)۔ ”طبعی محبت سے خالی“ (طبعی رشتوں اور بندھنوں سے قطعاً بے پروا، اپنے فرائض سے غافل)۔ ”بے رحم“ (میل ملاپ نہ کرنے والے، سنگدل، ظالم، انتقام لینے والے)۔

۳۲:۱۔ جو لوگ جنسی جبلت کا غلط استعمال کرتے ہیں (۲۴:۱) اور اُسے بگاڑ دیتے ہیں (۲۶:۱، ۲۷:۱) یا مُدرب بالا گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں (۲۹:۱-۳۱)، اُن کو جبلی طور پر علم ہے کہ یہ باتیں غلط ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم موت کی سزا کے لائق ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ خدا کا عدالتی فیصلہ ہے اور کہ ہم اپنے گناہوں کے حق میں کتنی بھی دلیلیں دیں، کتنی بھی منطقی جھاطیں اور ان کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کریں لیکن ہم بچ نہیں سکتے۔ لیکن پھر بھی ان میں ملوث ہونے سے باز نہیں آتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ دُوسروں کے ساتھ مل جاتے ہیں اور اپنے گناہ کے ساتھ دوستانہ محسوس کرتے ہیں۔

## وہ لوگ جن تک انجیل کی خوشخبری نہیں پہنچی

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا اس سوال کا کیا جواب دیتا ہے کہ جن بے دینوں نے کبھی خوشخبری نہیں سنی کیا وہ ہلاک ہوں گے؟۔ ان لوگوں پر خدا کے غضب کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اس روشنی کے مطابق زندگی نہیں گزارا جو خدا نے تخلیق کائنات میں اپنے اظہار کے وسیلے سے ان کو عطا کی تھی بلکہ وہ بت پرست بن گئے۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے خود کو ہر طرح کی بُرائی کے حوالے کر دیا۔

لیکن فرض کریں کہ ایسا کوئی شخص اُس نور کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے جو خدا نے اُسے عطا کیا ہے۔ فرض کریں کہ وہ اپنے بُت جلا دیتا اور حقیقی خدا کا طالب ہوتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟

اس موضوع پر انجیلی مسیحیوں کے درمیان دو مکاتبِ فکر پائے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جس تک نجات کا پیغام نہ پہنچا ہو کائنات کے وسیلے سے خدا کے عطا کردہ نور کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو خدا اُس کو انجیل کی روشنی بھیجے گا۔ اس سلسلے میں گرنیلیس کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ وہ خدا کا طالب تھا۔ اُس کی دُعاؤں اور خیرات کو خدا کے حضور یاد کیا گیا اور خدا نے پطرس کو اُس کے پاس بھیجا تاکہ اُسے بتائے کہ نجات کس طرح حاصل ہو سکتی ہے (اعمال ۱۱: ۱۴)۔ دوسروں کا خیال ہے کہ اگر کوئی انسان پتھے اور زندہ خدا پر جیسا کہ تخلیق کائنات اُس کو ظاہر کرتی ہے، ایمان رکھتا ہے مگر انجیل کی خوشخبری سُننے سے پہلے مر جاتا ہے تو خدا اُس کو کوہِ کلوری پر مسیح کے کام کی بنیاد پر نجات دے گا۔ اگرچہ وہ انسان مسیح کے کام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا، خدا اُس کام کا ثواب اُس آدمی کے لئے محسوب کرتا ہے کیونکہ اُس نے اُس پر ظاہر کئے گئے نور کے مطابق خدا پر ایمان رکھا۔ اس نظریہ کے حامی اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ کلوری سے پہلے خدا اسی طرح نجات دیتا تھا۔ نیز وہ ذہنی طور سے معذور لوگوں اور اُن بچوں کو جو ذمہ داری اور جوابدہی کی عمر تک پہنچنے سے پہلے مر جاتے ہیں اسی طرح نجات دے گا۔

گرنیلیس کا واقعہ پہلے نظریہ کی تائید کرتا ہے۔ مسیح کی موت اور قیامت کے بعد کے دور (ہمارا موجودہ دور) کے لئے دوسرے نظریہ کی پاک کلام سے حمایت نہیں ہوتی۔ مزید برآں اس سے پر زور تبلیغی سرگرمیوں کا جواز بھی کمزور پڑ جاتا ہے۔

پولس ثابت کرتا ہے کہ جو مسیح پر ایمان نہیں لائے، ان پر خدا کا غضب ہے۔ لہذا انجیل کی خوشخبری

کی ضرورت ہے۔ اب وہ دوسرے طبقے کے لوگوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جن کی ہمتی شناخت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہاں رسول اُن لوگوں سے مخاطب ہے جو اپنے آپ کو راستباز اور اُدنیچے اخلاقی معیار کا مالک قرار دیتے ہیں۔ پولس رسول کو یہ عرض نہیں کہ وہ یہودی ہیں یا غیر قوم۔ پہلی آیت دکھاتی ہے کہ وہ دوسروں کے کردار پر نکتہ چینی کرتے اور اُن کو مجرم ٹھہراتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو راست باز اور بااخلاق جتاتے ہیں (حالانکہ خود بھی وہی گناہ کرتے ہیں)۔ آیات ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ اور ۱۵ سے پتہ چلتا ہے کہ پولس یہودیوں اور غیر قوم افراد دونوں سے بھلا کام ہے۔ چنانچہ عدالت کے سامنے سوال یہ ہے کہ خود کو راست باز ٹھہرانے والے، خواہ یہودی ہوں، خواہ غیر قوم کیا وہ ہلاک ہوں گے یا بچیں گے؟ ہم دیکھیں گے کہ جواب یہی ہے کہ ہلاک ہو جائیں گے۔

۱:۲۔ یہ دوسرا طبقہ اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو بت پرستوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اپنے آپ کو زیادہ مہذب، تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے سمجھتے ہیں۔ وہ بت پرستوں کے بے ہودہ طرز زندگی پر اُن کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، حالانکہ خود بھی ویسے ہی تصور دار ہوتے ہیں، البتہ وہ زیادہ مہذب طریقے سے وہی کام کرتے ہیں۔ گناہ میں گر کر ہوا انسان اپنی نسبت دوسروں میں زیادہ آسانی سے خامیاں دیکھ سکتا ہے۔ جو باتیں دوسروں کی زندگی میں گھنونی اور ناپسندیدہ لگتی ہیں وہی اپنی زندگی میں پسندیدہ اور قابلِ تعریف معلوم ہوتی ہیں۔ مگر وہ دوسروں پر "الزام" لگا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ثابت کرتی ہے کہ وہ نیکی اور بدی، اچھائی اور بُرائی، درست اور غلط کے درمیان امتیاز کرنا جانتا ہے۔ اگر وہ جانتا ہے کہ کسی دوسرے کا میری بیوی کو لے اڑنا گناہ ہے تو یہ بھی جانتا ہے کہ میرا کسی دوسرے کی بیوی کو لے اڑنا بھی گناہ ہے۔ اس لئے اگر کوئی دوسروں کو اُنہی گناہوں پر مجرم ٹھہراتا ہے جو وہ خود کرتا ہے تو اُس کے لئے کوئی عُذر باقی نہیں رہتا۔

مہذب لوگ بھی بُنیادی طور پر وہی گناہ کرتے ہیں جو غیر مہذب اور بت پرست لوگ کرتے ہیں۔ اگرچہ کوئی اخلاق پرست اعتراض کر سکتا ہے کہ میں نے ہر وہ گناہ نہیں کیا جو کتاب میں لکھا ہے مگر اُس کو مندرجہ ذیل حقائق یاد رکھنے چاہئیں:

- ۱۔ وہ اُن تمام طرح کے گناہوں کو کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
- ۲۔ ایک حکم توڑنے سے انسان ساری شریعت توڑنے کا مجرم ٹھہرتا ہے (یعقوب ۱:۲)۔
- ۳۔ اُس نے خیال میں وہ گناہ کئے ہیں جو فعل واقعی میں نہیں کئے۔ اور پاک کلام نے اِن سے منع کیا ہے۔ یسوع نے سکھایا ہے کہ کسی عورت پر شہوانی نظر ڈالنا اُس کے ساتھ زنا کرنے



کے برابر ہے (متی ۵: ۲۸)۔

۲:۲۔ ایسے خود ستانی کرنے والے اخلاق پرست کو ”خدا کی عدالت“ کے بارے میں سبق سیکھنے کی ضرورت ہے۔ آیات ۲-۱۶ میں رسول یہی سبق سکھاتا ہے۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ ”عدالت خدا کی طرف سے حق کے مطابق ہوتی ہے“۔ یہ عدالت ادھوری، غلط اور واقعاتی شہادتوں پر مبنی نہیں ہوتی، بلکہ صرف سچ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد سوائے سچ کے اور کسی بات پر نہیں ہوتی۔

۳:۲۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ وہ لوگ اس عدالت سے ہرگز بچ نہیں سکتے جو دوسروں پر گناہوں کا ”الزام“ لگاتے ہیں مگر خود وہی گناہ کرتے ہیں۔ ان کی الزام لگانے کی صلاحیت ان کو قصور سے بری نہیں کرتی بلکہ ان کو زیادہ مجرم ٹھہراتی ہے۔

خدا کی عدالت سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ توبہ کریں اور معافی حاصل کریں۔

۴:۲۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ خدا عدالت کرنے میں کبھی دیر بھی کرتا ہے۔ یہ تاخیر ثبوت ہے کہ وہ ”مہربانی اور تحمل اور صبر“ سے کام لے رہا ہے۔ اس کی ”مہربانی“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہگاروں پر رحم کر رہا ہے۔ اس کے ”تحمل“ کا مطلب ہے کہ وہ انسان کی بُرائی اور بغاوت کی سزا کو التوا میں ڈال رہا ہے۔ اس کے ”صبر“ کا مطلب ہے کہ انسان کے لگاتار اشتغال دلانے کے باوجود وہ ضبط کر رہا ہے۔ پروردگاری، نگہبانی اور محافظت میں جو ”خدا کی مہربانی“ ہے، اس کا مقصد انسان کو توبہ کی طرف مائل کرنا ہے۔ ”خداوند... کسی کی ہلاکت نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ سب کی توبہ تک نوبت پہنچے“ (۲۔ پطرس ۳: ۹)۔

”توبہ“ کا مطلب ہے مڑنا۔ پورے طور پر رُخ بدل لینا۔ گناہ سے بالکل مُنہ موڑ لینا۔ گناہ کو ترک کر دینا۔ اس سے مراد ارادہ کی تبدیلی ہے جس سے رویہ میں تبدیلی آتی ہے اور نتیجے میں عمل اور حرکت میں تبدیلی آتی ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ انسان خود اپنے اور اپنے گناہ کے خلاف خدا کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس سے مراد صرف ذہنی طور پر اپنے گناہوں کی حقیقت کو تسلیم کرنا نہیں بلکہ اس میں ضمیر بھی شامل ہوتا ہے۔ جان نیوٹن لکھتا ہے ”میرے ضمیر نے میری خطا کو محسوس کیا اور مان لیا“۔

۵:۲۔ خدا کی عدالت کے بارے میں پوچھا نکتہ یہ ہے کہ اس کی درجہ بندی خطا کے ذخیرہ کے مطابق ہوتی ہے۔ اُردو ترجمہ میں لفظ ”غضب“ کہا رہا ہے، استعمال ہوا ہے۔ گویا غیر ثابت شخص خدا کے قہر اور غضب کو اس طرح ذخیرہ کر رہا ہے جیسے سونے یا چاندی کو کیا جاتا ہے۔ لیکن جب بڑے سفید تخت کے

ساتھ (مکاشفہ ۲۰: ۱۱-۱۵) ”خدا کی سچی عدالت“ بالآخر ظاہر ہوگی تو اُس وقت یہ ذخیرہ کیسا لگے گا۔ اُس دن ”خدا کی عدالت“ بالکل سچی ثابت ہوگی۔ اُس میں کسی کی طرف داری، مودعا یا بے انصافی نہ ہوگی۔

۲: ۶-۷۔ اگلی پانچ آیات میں پورس رسول ہمیں یاد دلاتا ہے کہ خدا کی عدالت ہر انسان کے کاموں کے موافق ہوگی۔ انسان اپنی نیکیوں کے بارے میں بہت بڑھانک سکتا ہے۔ اُن پر فخر کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنی نسلی یا قومی رزتری کا سہارا لے۔ اور اس حقیقت کی بنیاد پر اپنی دکالت کرے کہ میرے آباؤ اجداد میں بڑے بڑے نیک افراد ہوئے ہیں۔ لیکن اُس کی عدالت اُس کے اپنے کردار اپنے کاموں کے موافق ہوگی۔ نسلی رزتری کو کوئی نہیں پوچھے گا۔ اُس کے کام ہی فیصلہ کن عنصر ہوں گے۔

اگر ہم آیات ۶-۱۱ کو بائبل مقدس کی باقی تعلیم سے الگ کر کے دیکھیں تو اس نتیجے پر پہنچنے کا خطرہ ہے کہ یہاں اعمال سے نجات کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات کہہ رہی ہیں کہ جو نیک اعمال کریں گے وہ ان سے ابدی زندگی کمالیں گے۔

لیکن ان آیات کا مفہوم یہ نہیں ہے کیونکہ اس طرح بقیہ پاک کلام کی اس تعلیم کی نفی ہوتی ہے کہ نجات اعمال سے نہیں بلکہ صرف خدا کے فضل سے ایمان سے ہے کیونکہ پاک کلام شروع سے ”آرتھک ایمان سے نجات“ کی تعلیم دیتا ہے۔ بائبل مقدس میں تقریباً ۱۵۰ حوالے ہیں جو نجات کو ایمان یا یقین رکھنے کے ساتھ مشروط کرتے ہیں۔ اگر صحیح طور سے سمجھا جائے تو کوئی ایک حوالہ بھی ایسی زبردست شہادت کی تردید نہیں کر سکتا۔

تو پھر ہم زیر نظر حوالہ سے کیا سمجھیں؟ پہلی بات تو یہ یاد رکھنی چاہئے کہ نیک اعمال اُس وقت تک شروع نہیں ہو سکتے جب تک کوئی انسان نے سر سے پیدائہ نہ ہوا ہو۔ جب لوگوں نے یسوع سے پوچھا کہ ”ہم کیا کریں تاکہ خدا کے کام انجام دیں؟“ تو اُس نے جواب دیا کہ ”خدا کا کام یہ ہے کہ جسے اُس نے بھیجا ہے اُس پر ایمان لاؤ“ (یوحنا ۶: ۲۸، ۲۹)۔ اس لئے پہلا نیک کام جو کوئی شخص کر سکتا ہے یہ ہے کہ خداوند یسوع مسیح پر ایمان لائے۔ پھر ہمیں یہ بات بھی ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ ایمان ایسی کوئی نیکی نہیں جس سے کوئی شخص نجات کما لیتا ہے۔ اس لئے جب غیر نجات یافتہ لوگوں کی عدالت اُن کے کاموں کے موافق ہوگی تو اُن کے پاس شہادت کے طور پر پیش کرنے کو کچھ نہیں ہوگا۔ جن کاموں کو وہ نیکیا سمجھتے ہیں، اُن کی قدر و قیمت گندی دھجیوں سے زیادہ نہیں ہوگی (یسعیاہ ۶۴: ۶)۔ علاوہ ازیں اُن کے اعمال اُن کی سزا کے درجہ کا تعین کریں گے (لوقا ۱۲: ۴۷، ۴۸)

اگر ایمان داروں کی عدالت اُن کے کاموں کے موافق ہو تو نتیجہ کیا ہوگا؟ یقیناً وہ کوئی ایسے نیک

کام پیش نہیں کر سکتے جن سے وہ نجات کما سکیں، یا نجات کے حق دار ثابت ہوں۔ نجات پانے سے پہلے اُن کے سارے کام گناہ اُودہ تھے، مگر یسوع کے خون نے ماضی کو دھو ڈالا اور بالکل صاف کر دیا ہے۔ اب خود خدا بھی اُن کے خلاف کوئی الزام پیش نہیں کر سکتا جس کی بنا پر اُن کو جہنم کی سزا کا حکم دے سکے۔ جب وہ ایک دفعہ نجات پالیتے ہیں تو نیک کام کرنا شروع کرتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ وہ سب دنیا کی نظر میں بھی نیک کام ہوں تاہم خدا کی نظر میں نیا۔ ہوں گے۔ اُن کے نیک اعمال نجات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے اُن کے کاموں کا جائزہ لیا جائے گا اور اُن کی وفاداری اور دیانت داری کی خدمت کا صلہ دیا جائے گا۔

مگر یہ بھی یاد رکھیں کہ زیرِ نظر حوالے کا تعلق ایمان داروں سے نہیں صرف بے خدا اور بت پرست لوگوں سے ہے۔

۷:۲۔ اس بات کی تشریح کرتے ہوئے کہ عدالت کاموں کے موافق ہوگی پوئس کتا ہے کہ ”جو نیکو کاری میں ثابت قدم رہ کر جلال اور عزت اور بقا کے طالب ہوتے ہیں (خدا) اُن کو ہمیشہ کی زندگی دے گا۔“ جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ چونکہ وہ ”نیکو کاری میں ثابت قدم“ رہتے ہیں اس لئے نجات پاتے ہیں۔ یہ تو کوئی اُدھی انجیل ہوگی۔ طبعی طور پر کوئی بھی ایسی زندگی بسر نہیں کرے گا۔ اور نہ کوئی خدا کی قوت کے بغیر ایسی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس بیان کے مطابق پایا جاتا ہے تو وہی ہوگا جو ایمان کے وسیلے اور فضل سے نجات پا چکا ہے۔ یہ حقیقت کہ ”جلال اور عزت اور بقا“ کا طالب ہوتا ہے ثابت کرتی ہے کہ وہ نئی پیدائش حاصل کر چکا ہے۔ اُس کی زندگی کا سارا سلسلہ ثابت کرتا ہے کہ وہ مسیح پر ایمان لا چکا ہے۔

وہ آسمان کے ”جلال“ اور خدا سے ملنے والی ”عزت“ (یوحنا ۵: ۴۴) اور اُس ”بقا“ کا طالب رہتا ہے جو جی اٹھنے کے بعد بدن کی خاصیت ہے (۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۵۳، ۵۴)۔ یہ ہے وہ ”غیر فانی اور بے داغ اور لازوال میراث“ جس کا بیان پطرس (۱۔ پطرس ۱: ۴) بھی کرتا ہے۔

خدا یہ ہمیشہ کی زندگی اُن سب کو دے گا جو ایمان لانے کا ثبوت ظاہر کرتے ہیں۔ نئے عہد نامہ میں اِس ہمیشہ کی زندگی کا بیان کئی مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے۔ یہ ہماری موجودہ میراث ہے جو ایمان لاتے ہی ہمیں مل جاتی ہے (یوحنا ۵: ۲۴)۔ ”یہ مستقبل کی میراث ہے جو اُس وقت ہماری ہو جائے گی، جب ہمیں جلالی بدن ملے گا (زیرِ نظر آیت اور رومیوں ۶: ۲۲)۔ اگرچہ یہ ایک بخشش ہے جو ایمان لانے سے حاصل ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی اِس کو وفاداری کی زندگی کے صلے کے تعلق سے بھی پیش کیا جاتا ہے

(مرقس ۱۰: ۳)۔ سارے ایمان داروں کو ”ہمیشہ کی زندگی“ ملے گی۔ لیکن بعض کو زیادہ لطف اندوز ہونے کے لئے ”اجر“ ملے گا اور دوسروں کو کم۔ ”ہمیشہ کی زندگی“ کا مطلب صرف دائمی وجود یا ہمیشہ تک بچتے رہنا ہی نہیں۔ یہ ”زندگی“ کی ایک کیفیت ہے۔ یہ وہ کثرت کی زندگی ہے جس کا وعدہ مسیحی نے یوحنا ۱۰: ۱۰ میں کیا ہے۔ یہ خود مسیح کی اپنی ”زندگی“ ہے (کلسیوں ۱: ۲۷)۔

۸: ۲۔ ”مگر جو تفرقہ انداز اور حق کے نہ ماننے والے بلکہ ناراستی کے ماننے والے ہیں ان پر غضب اور قہر ہوگا۔“ وہ ”حق“ یعنی سچائی کو نہیں مانتے۔ انہوں نے خوشخبری کی پکار کو کبھی قبول نہیں کیا بلکہ وہ ناراستی کو اپنا مالک مان کر اسی کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ لڑائی جھگڑا، دھڑے بنیاد، فساد اور نافرمانی ان کی زندگی کا خاصہ ہیں۔ اور یہ حتمی ثبوت ہے کہ ان کو کبھی نجات کا تجربہ نہیں ہوا۔

۹: ۲۔ اب رسول دونوں قسم کے کاموں، اور کام کرنے والوں کے بارے میں ”خدا کا حکم دہراتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ترتیب پہلے سے اٹھ ہے۔“

”خدا کا عدالتی حکم یہ ہے کہ مصیبت اور تنگی“ ہر اُس انسان کے لئے ہوگی جو ”بدکار“ ہے یعنی بُرے کام کرتا ہے۔ یہاں ہمیں اس پر زور دینا ہے کہ یہ بُرے کام اُس بُرے دل کو ظاہر کرتے ہیں جو ایمان نہیں لاتا۔ کام یا اعمال خداوند کے بارے میں انسان کے رویہ یا سوچ کا ظاہری اظہار ہوتے ہیں۔

”پہلے یہودی کی پھر یونانی کی۔“ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”خدا کی عدالت اُس استحقاق اور نور کے مطابق ہوگی جو انسان کو عطا کیا گیا ہے۔“ یہودی دنیا میں ”خدا کی پٹی ہوئی قوم“ ہونے کے باعث استحقاق میں پہلے ہیں۔ اس لئے جو بدی میں بھی وہی ”پہلے“ ہوں گے۔ ”خدا کی عدالت کے اس پہلو کی وضاحت آگے آیت ۱۲-۱۳ میں آئے گی۔“

۱۰: ۲۔ ”حکم یہ ہے کہ جلال اور عزت اور سلامتی ہر ایک نیکوکار کو ملے گی۔“ نیکوکار یہودی ہو یا غیر قوم اس میں کچھ تخصیص نہیں۔ اور ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ جہاں تک ”خدا کا تعلق“ ہے، کوئی شخص اُس وقت تک نیکوکار ہو نہیں سکتا جب تک وہ ”خداوند یسوع مسیح“ کا یقین نہ کرے اور اُس پر ایمان نہ لائے۔

”پہلے یہودی کو پھر یونانی کو۔“ ان الفاظ سے طرف داری ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ اگلی ہی آیت کہتی ہے کہ عدالت غیر جانب دارانہ ہوگی۔ اس آیت سے وہ تاریخی ترتیب ظاہر ہوتی ہے جس میں انجیل کی خوشخبری مختلف قوموں کو پہنچی جیسا کہ ۱۶: ۱ میں بھی ہے۔ خوشخبری کی منادی پہلے یہودیوں میں ہوئی اور پہلے ایمان لانے والے بھی یہودی تھے۔

۱۱: ۲۔ ”خدا کی عدالت کے بارے میں ایک اور سچائی یہ ہے کہ خدا انسانوں میں امتیاز نہیں کرتا۔“

انسانی عدالتوں میں دولت مندوں، بارشوخ افراد اور خوبصورت لوگوں کی طرف داری کی جاتی ہے۔ لیکن ”خُدا“ سختی سے غیر جانب دار ہے۔ وہ نسل، حُسن اور مقام کا کوئی لحاظ نہیں کرتا۔ یہ باتیں اُس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

۱۲:۲ - جیسا پہلے بیان ہوا آیات ۱۲-۱۶ اس بُنکتے کی وضاحت کرتی ہیں۔ خُدا کی عدالت اُس روشنی کے مطابق ہوگی جو انسان کو عطا کی گئی ہے۔ یہاں نظر دو طبقوں پر ہے۔ اعلیٰ جن کو شریعت نہیں ملی (غیر اقوام)، دوسرے وہ جو شریعت کے ماتحت ہیں (یہودی)۔ ان میں سب ہی شامل ہیں سوائے ان لوگوں کے جو خُدا کی کلیسیا میں ہیں (ملاحظہ کریں ۱ کرنتھیوں ۱۰: ۳۲ جہاں نسل انسانی کو ان تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے) :

”جنہوں نے بغیر شریعت پائے گناہ کیا وہ بغیر شریعت کے ہلاک بھی ہوں گے۔“ یہ نہیں کہا گیا کہ اُن کی عدالت بغیر شریعت کے ہوگی بلکہ یہ کہ ”بغیر شریعت کے ہلاک بھی ہوں گے۔“ عدالت اُس نور یا مکاشفہ کے مطابق ہوگی جو خُدا نے اُن کو عطا کیا ہے۔ اور اگر وہ اُس مکاشفہ کے مطابق زندگی بسر کرنے سے قاصر رہے تو ہلاک ہوں گے۔“

”اور جنہوں نے شریعت کے ماتحت ہو کر گناہ کیا اُن کی سزا شریعت کے موافق ہوگی۔“ یعنی اگر انہوں نے شریعت کی فرمانبرداری نہیں کی، اُس کے مطابق نہیں چلے تو وہ بھی ہلاک ہوں گے۔ شریعت کا بل فرمانبرداری کا تقاضا کرتی ہے۔

۱۳:۲ - صرف شریعت حاصل کر لینا، یعنی صرف شریعت کا مالک ہونا کافی نہیں۔ شریعت کا بل اور مسلسل فرمانبرداری کا تقاضا کرتی ہے۔ کوئی انسان فقط اس لئے راست باز شمار نہیں ہوتا کہ جانتا ہے کہ شریعت کیا کہتی ہے۔ شریعت کے ماتحت راستبازی حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ پوری شریعت پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ لیکن چونکہ تمام انسان گنہگار ہیں اُن کے لئے ایسا کرنا ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ یہ آیت کسی ایک بات کا بیان نہیں کرتی جو انسان کے لئے قابل حصول ہے بلکہ ایک مثالی صورت حال کو پیش کرتی ہے۔

نیا عہد نامہ تاکیداً تعلیم دیتا ہے کہ انسان کے لئے شریعت کے وسیلے سے راستباز ٹھہرنا ممکن نہیں (دیکھیے اعمال ۱۳: ۳۹؛ رومیوں ۲: ۲، ۱۶؛ ۱۱: ۳)۔ خُدا کا کبھی ارادہ ہی نہیں تھا کہ انسان شریعت کے وسیلے سے نجات پائے۔ اگر کوئی انسان آج سے شروع کر کے آگے کو شریعت کی کا بل پابندی کر بھی سکے، وہ پھر بھی راست باز نہیں ٹھہرے گا کیونکہ خُدا آرزو شدہ کو بھی حساب میں

رکھنا ہے۔ جب آیت ۱۳ کہتی ہے کہ ”شریعت پر عمل کرنے والے راستباز ٹھہرائے جائیں گے“ تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت فرمانبرداری کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اگر کوئی اپنی پیدائش کے دن ہی سے فرمانبرداری ثابت کر کے تو وہ راست باز ٹھہرایا جائے گا۔ لیکن ٹھوس اور ناقابل تردید حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص بھی کامل فرمانبرداری کر نہیں سکتا۔

۱۴:۲- آیات ۱۳ اور ۱۵ جملہ معترضہ ہیں۔ آیت ۱۲ کو دوبارہ دیکھیں جہاں بیان ہوا ہے کہ وہ غیر قومیں جنہوں نے بغیر شریعت پائے گناہ کیا وہ بغیر شریعت کے ہلاک بھی ہوں گی۔ یہاں پورس وضاحت کرتا ہے کہ اگرچہ غیر قوموں کو شریعت نہ دی گئی مگر وہ جبلی طور پر غلط اور صحیح، نیکی اور بدی کی پہچان رکھتی ہیں۔ وہ جبلی طور پر جانتی ہیں کہ جھوٹ بولنا، چوری کرنا، زنا کرنا غلط ہے۔ صرف ایک حکم ہے جس کو وہ جبلی یا وجدانی طور پر نہیں جان سکتیں اور وہ ہے سبت کے بارے میں حکم۔ لیکن یہ حکم اخلاقی نہیں رسوماتی ہے۔

چنانچہ ساری بات کا لب لباب یہ ہے کہ غیر قومیں ”باوجود شریعت نہ رکھنے کے وہ اپنے لئے خود ایک شریعت ہیں“۔ وہ اپنی اخلاقی چہلت سے نیکی اور بدی کا ضابطہ وضع کر لیتی ہیں۔

۱۵:۲- ”وہ شریعت کی باتیں اپنے دلوں پر لکھی ہوئی دکھاتی ہیں۔“ غور کریں کہ ”شریعت“ نہیں بلکہ ”شریعت کی باتیں“ یعنی شریعت کے کام ان کے دلوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ وہی کام جسے شریعت کو اسرائیلیوں کی زندگی میں پیدا کرنا تھا، وہی کام کسی حد تک غیر قوموں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ مثلاً وہ جانتے ہیں کہ اپنے ماں باپ کی عزت کرنا درست بات ہے۔ یہ حقیقت ثابت کرتی ہے کہ شریعت کی باتیں ان کے دلوں پر لکھی ہوئی ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ بعض باتیں بنیادی طور پر غلط ہیں۔ ان کے ”دل“ یعنی ضمیر ایک صلاح کار یا مصلح کی طرح ان کے جبلی علم کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور ان کے خیالات بھی مسلسل فیصلہ کرتے رہتے ہیں کہ ان کے اعمال درست ہیں یا غلط۔ ان پر الزام لگاتے ہیں یا ان کو معذور رکھتے ہیں۔“ منع کرتے ہیں یا اجازت دیتے ہیں۔

۱۶:۲- یہ آیت ۱۲ کے خیال کا تسلسل ہے۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ جن کو شریعت نہیں ملی اور جو شریعت کے ماتحت ہیں ان کی عدالت کب ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی یہ آیت خدا کی عدالت کے بارے میں ایک آخری سچائی بھی پیش کرتی ہے۔ یعنی لوگوں کے صرف علانیہ گناہوں ہی کا نہیں بلکہ پوشیدہ باتوں کا بھی حساب کیا جائے گا۔ جو گناہ آج پوشیدہ ہے، وہ خدا کے تخت عدالت کے سامنے بے نقاب رسوا بن جائے گا۔ اس سبب سے متوقع پر منصف یسوع مسیح ہوگا۔ اس

لئے کہ باپ نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کر دیا ہے (یوحنا ۵: ۲۲)۔ جب پوئس کہتا ہے کہ ”میری خوشخبری کے مطابق“ تو مطلب ہے کہ ”میری خوشخبری کی تعلیم کے مطابق“۔ ”میری خوشخبری“ کا مطلب ہے وہ خوشخبری جس کی منادی پوئس کرتا ہے۔ اور یہ وہی خوشخبری ہے جس کی منادی دوسرے رسول بھی کرتے ہیں۔

۲: ۱۷۔ رسول کو تیسری قسم کے لوگوں کا معاملہ بھی طے کرنا ہے۔ چنانچہ وہ اس سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ ”یہودی جن کو شریعت دی گئی ہے کیا ان پر بھی خدا کا غضب ہے؟“ اور بے شک جواب یہی ہے کہ ”ہاں، وہ بھی مسیح کے بغیر ہلاک ہوں گے۔“

اس میں شک نہیں کہ بہت سے یہودی اپنے آپ کو خدا کی عدالت سے مبرا سمجھتے تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ خدا کسی ”یہودی“ کو کبھی دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔ اور دوسری طرف سمجھتے تھے کہ غیر اقوام جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں۔ اب ضروری ہے کہ پوئس اس کھوکھے دعویٰ کو غلط ثابت کرے۔ اس مقصد کے لئے وہ ثابت کرتا ہے کہ بعض حالات میں یہودیوں کی نسبت غیر قوم خدا کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

پہلے پوئس ان باتوں پر نظر ثانی کرتا ہے جن کی بنا پر یہودی فخر کرتے تھے کہ ہم خدا کے حلقہ یاران میں ہیں۔ اول تو وہ ”یہودی“ کہانے پر فخر کرتے تھے کہ اس طرح ہم زمین پر خدا کی چینی ہوئی امت کے رکن ہیں۔ دوسرے وہ ”شریعت پر تکلیف“ کرنے پر فخر کرتے تھے۔ حالانکہ شریعت اس مقصد سے نہیں دی گئی کہ اس پر تکلیف لگایا جائے۔ بلکہ اس لئے کہ ضمیر کو بیدار کرے اور گناہ کا احساس دلائے۔ یہودی سچے اور واحد خدا پر فخر کرتے ہیں کیونکہ اُس نے اسرائیلی قوم سے ایک بے مثال عہد باندھا اور اس قوم کے ساتھ ایک یکتا رشتہ قائم کیا تھا۔

۲: ۱۸۔ یہودی ”خدا کی مرضی“ کو جانتا ہے کیونکہ صحائف میں اُس کی مرضی کا ایک عمومی خاکہ دیا گیا ہے۔ وہ ”عہدہ باتیں پسند کرتا ہے۔“ اس لئے کہ شریعت نے اُس کو اخلاقی اقدار کی تشخیص کرنا سکھایا ہے۔

۲: ۱۹۔ ایک یہودی اس بات پر بھی فخر کرتا تھا کہ میں اخلاقی اور روحانی طور پر ”اندھوں کا راہنما اور اندھیرے میں پڑے ہوؤں کے لئے روشنی“ ہوں۔

۲: ۲۰۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم ”نادانوں کی تربیت کرنے“ کے اہل اور ”بچوں“ کے ”استاد“ ہیں یعنی جو نادانف اور جاہل ہیں ان کو تعلیم دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ”شریعت“ نے اُن کو ”علم اور حق“ کا نمونہ دے رکھا تھا۔

۲۱:۲ - یہودی ان باتوں پر فخر تو کرتے تھے مگر ان باتوں نے اُن کی زندگی کبھی تبدیل نہیں کی تھی۔ یہ صرف نسل، مذہب اور عریت پر فخر تھا۔ ان کے مطابق اُن میں کوئی اخلاقی اصلاح یا تبدیلی نہیں آتی تھی۔ وہ دوسروں کو تو رکھاتے تھے، مگر یہ سبق اُن کے اپنے دلوں میں نہیں اُترے تھے۔ وہ چوری کرنے کے خلاف منادی تو کرتے تھے مگر اس تعلیم پر خود عمل نہیں کرتے تھے۔

۲۲:۲ - جب ایک یہودی "زنا" کرنے سے منع کرتا تھا تو معاملہ یہ ہوتا تھا "جیسا میں کہتا ہوں، کرو، جیسا میں کرتا ہوں نہ کرو۔" وہ "بتوں سے نفرت رکھتا تھا مگر "مندروں کو ٹوٹنے" میں شامل نہیں کرتا تھا۔ غالباً یہودی غیر قوم مندروں اور زیارتوں کو واقعی ٹوٹ لیتے تھے۔

۲۳:۲ - یہودی اس بات پر فخر کرتا ہے کہ میرے پاس "شریعت" ہے۔ لیکن شریعت کے پاک حکموں کے "عدول سے" وہ خدا کی بے عزتی کرتا ہے۔

۲۴:۲ - یہودیوں کی اس اُدبھی دکان اور پھیکے پکوان کو دیکھ کر "غیر قوموں میں خدا کے نام پر کُفر بکا جاتا ہے"۔ وہ بھی عام انسانوں کی طرح خداوند کو اُس کے پیروؤں کے اعمال و کردار سے پرکھتے ہیں۔ یہ بات یسعیاہ کے زمانے (یسعیاہ ۵۲: ۵) میں سچ تھی اور آج بھی سچ ہے۔ ہم میں سے ایک ایک کو پوچھنا چاہئے کہ

یسوع مسیح کے متعلق لوگوں کا اندازہ اگر اسی قدر ہے

جتنا وہ اُس کو آپ میں دیکھتے ہیں

تو وہ کیا دیکھتے ہیں ؟

۲۵:۲ - شریعت کے علاوہ یہودی اپنے "ختنہ" کی رسم پر بھی فخر کرتے تھے۔ یہ رسم خدا نے ابراہام کے ساتھ اپنے عہد کے نشان کے طور پر مقرر کی تھی (پیدائش ۱۷: ۹-۱۴)۔ اس سے اظہار ہوتا تھا کہ یہ قوم خدا کے لئے دُنیا سے الگ کی گئی ہے۔ کچھ عرصہ بعد یہودی اس پر اتنا فخر کرنے لگے کہ حقارت سے غیر قوموں کو "ناختون" کے نام سے پکارنے لگے۔

یہاں پُلُس رُسل "ختنہ" کو موسیٰ کی "شریعت" کے ساتھ ملاتا ہے اور توجہ دلاتا ہے کہ ختنہ ایک نشان کے طور پر اُس وقت تک جواز رکھتا تھا جب تک اُس کے ساتھ فرمانبرداری کی زندگی تھی۔ خدا کوئی رسم پرست ہستی نہیں۔ وہ ظاہری شعائر اور رسومات سے اُس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک اُن کے ساتھ باطنی پاکیزگی نہ ہو۔ چنانچہ ایک ناختون یہودی جو شریعت کی نافرمانی کرتا ہے حقیقت میں ناختون ہے۔



اس حوالہ میں رسول جب شریعت پر عمل کرنے والوں کی بات کرتا ہے تو ہمیں الفاظ کو ان کے مطلق مفہوم میں نہیں لینا چاہئے۔

۲۶:۲۔ اسی طرح اگر ایک غیر قوم شخص "شریعت" میں بیان کردہ اخلاق پر عمل پیرا رہتا ہے، حالانکہ وہ شریعت کے ماتحت نہیں تو اُس کی "مختونٹی" نافرمان یہودی کے "ختنہ" سے زیادہ مقبول ہوگی۔ اس صورت میں اُس غیر قوم فرد کا دل مختون ہے۔ اور اہمیت اسی بات کو ہے۔

۲۷:۲۔ غیر قوم فرد کا اعلیٰ کردار اور اخلاق یہودی کو مجرم ٹھہراتا ہے کیونکہ یہودی "کلام اور ختنہ" تو دکھتا ہے مگر "شریعت سے عدول کرتا ہے" یعنی مختون زندگی نہیں گزارتا۔ وہ مخصوص کی ہوئی یا تقدیرس کی ہوئی اور الگ کی ہوئی زندگی نہیں گزارتا۔

۲۸:۲۔ خدا کے حساب میں سچا "یہودی" وہ شخص نہیں جس کی رگوں میں ابراہام کا خون دڑتا ہے یا جس کے بدن میں ختنہ کا نشان موجود ہے۔ ممکن ہے کہ کسی شخص میں یہ دونوں باتیں موجود ہوں مگر اخلاقی لحاظ سے وہ دنیا "کاگند" ہو۔ خداوند نسل یا مذہب کی ظاہری باتوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ وہ باطن کی سچائی اور پاکیزگی کو دیکھتا ہے۔

۲۹:۲۔ حقیقی "یہودی" وہ نہیں جو ابراہام کی نسل سے ہے بلکہ وہ ہے جو خدا پرستی کے کام بھی کرتا ہے۔ یہ حوالہ یہ تعلیم نہیں دیتا کہ سارے ایمان دار یہودی ہیں، یا یکسیا خدا کا اسرائیل ہے۔ پوکس رسول اُن لوگوں کی بات کر رہا ہے جو یہودی والدین سے پیدا ہوئے ہیں اور اس نکتے پر زور دے رہا ہے کہ صرف پیدائش اور ختنہ کے حکم کی پابندی ہی کافی نہیں بلکہ باطنی سچائی اور حقیقت بھی ہونی ضروری ہے۔

حقیقی "ختنہ وہی ہے جو دل کا اور روحانی ہے۔" یعنی جسم کے ایک حصہ کو تھوڑا سا کاٹ ڈالنا حقیقی ختنہ نہیں بلکہ پرانی اور بگڑی ہوئی فطرت کو کاٹ پھینکنا حقیقی ختنہ ہے۔

جو لوگ اس ظاہری نشان اور باطنی حقیقت کو باہم ملا دیتے ہیں، لوگ اُن کی تعریف کریں، نہ کریں مگر خدا ضرور اُن کی تعریف کرتا ہے۔ اصل زبان میں یہاں رعایت لفظی ہے جو اردو ترجمہ میں منتقل کرنا ممکن نہیں۔ لفظ "یہودی" "یہوداہ" سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے "تعریف"۔ حقیقی یہودی وہ ہے جس کا کردار ایسا ہو کہ اُس کی "تعریف... خدا کی طرف سے" ہو۔

۱:۳۔ اس باب کی پہلی آٹھ آیات میں پوکس رسول یہودیوں کی خطا کے مضمون کو جاری رکھتا ہے۔ یہاں ایک یہودی معتزض نمودار ہوتا اور پوکس سے جرح کرنے لگتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

مُعْتَرِض: جو کچھ آپ نے ۲: ۱۷-۲۹ میں کہا ہے، اگر وہ سب کچھ درست ہے تو ”یہودی“ ہونے میں کیا ”فوقیت“ ہے اور ختنہ سے کیا فائدہ ہے؟

۲: ۳- پُلکس: یہودیوں کو بہت سے خاص استحقاق حاصل رہے ہیں۔ سب سے اہم استحقاق یہ تھا کہ ”خدا کا کلام اُن کے سپرد ہو گیا“ تھا۔ پُرانے عہد نامہ کے صحائف یہودیوں کے سپرد ہوئے کہ اُن کو لکھیں اور محفوظ رکھیں۔ لیکن اُس اُمت نے اپنی بڑی ذمہ داری اور اتنے بڑے اعزاز کا کیا جواب دیا؟ مجموعی طور پر ایمان کی زبردست کمی کا اظہار کیا۔

۳: ۳- مُعْتَرِض: خیر، مان لیا کہ سارے یہودی ایمان نہیں لائے، تو کیا اس کا مطلب ہے کہ خدا اپنے وعدوں سے پھر جائے گا؟ آخر اُس نے اسرائیل کو اپنی اُمت ہونے کے لئے چُن لیا تھا اور اُن کے ساتھ کئے وعدے بھی کئے تھے۔ کیا بعض کی بے ایمانی کے باعث ”خدا“ اپنی بات سے پھر جائے گا؟

۴: ۳- پُلکس: ”برگز نہیں۔“ جب کبھی یہ سوال اُٹھتا ہے کہ خدا درستی پر سے یا انسان تو بات ہمیشہ اِس بُنیاد سے شروع کرنی چاہئے کہ ”خدا سچا“ ہے۔ اور ”ہر ایک آدمی جھوٹا۔“ دراصل زبور ۵: ۵ میں داؤد نے بھی یہی بات کہی ہے۔ ”تاکہ تو اپنی باتوں میں راست ٹھہرے اور اپنی عدالت میں بے عیب رہے۔“ یعنی جب بھی گنہگار انسان خدا کی صداقت پر اعتراض کرتا ہے تو ضرور ہے کہ اُس (خدا) کا دفاع کیا جائے اور وہ ہر بات میں سچا ٹھہرے۔ ہمارے گناہ خدا کی باتوں کی سچائی کی توثیق کرتے ہیں۔

۵: ۳- مُعْتَرِض: اگر یہی بات ہے تو پھر خدا ہمیں مجرم کیوں ٹھہراتا ہے؟ اگر ”ہماری ناراستی خدا کی راست بانسی کی خوبی کو ظاہر کرتی ہے“ تو خدا ہم پر اپنا ”غضب“ کیوں نازل کرتا ہے؟ (پُلکس محسوس کرتا ہے کہ ان الفاظ سے وہ ایک انسانی دلیل پیش کر رہا ہے)۔

۶: ۳- پُلکس: یہ دلیل اِس لائق نہیں کہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ اگر خدا کے ناراست ہونے کا امکان ہوتا تو پھر وہ ”دنیا کا انصاف“ کرنے کا اہل نہ ہوتا۔ لیکن ہم سب مانتے اور اقرار کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی عدالت کرے گا۔

۷: ۳- مُعْتَرِض: لیکن اگر میرے گناہ سے خدا کا جلال ظاہر ہوتا ہے، اگر میرا ”جھوٹ“ خدا کی ”سچائی“ کو ثابت کرتا ہے، اگر انسان کے غصے سے خدا کی تعریف ہوتی ہے تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟

۸:۳- پوئس: میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ "بعض" لوگ ہم مسیحیوں پر یہ الزام لگانے ہیں کہ ہم یہ دلیل استعمال کرتے ہیں، مگر یہ محض ٹہمت ہے۔

معتراض: یہ کہنا کیوں معقول نہیں کہ چلو۔ "ہم بُرائی... کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو؟"

پوئس: میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں "ایسوں کا جرم ٹھہرنا انصاف ہے۔"

(در اصل یہ آخری دلیل حالانکہ بالکل نامعقول ہے، مگر پھر بھی خدا کے فضل کی خوشخبری کے خلاف مسلسل استعمال کی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم مسیح پر صرف ایمان لانے سے نجات پاسکتے ہو تو پھر گناہ میں زندگی بسر کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟ چونکہ خدا کا فضل انسان کے گناہ سے بے حساب زیادہ ہے، اس لئے تم جتنا زیادہ گناہ کرو گے خدا کا فضل اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ پوئس رسول اس اعتراض کا جواب باب ۶ میں دیتا ہے۔)

۹:۳- معتراض: تو گویا آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم "یہودی" ان گنہگاروں پر فضیلت رکھتے

ہیں؟ یا بعض تراجم کے مطابق سوال یوں بھی ہو سکتا ہے کہ "کیا ہم یہودی غیر قوموں سے بدتر ہیں؟ دونوں صورتوں میں جواب یہی ہے کہ یہودی نہ تو کچھ فضیلت رکھتے ہیں اور نہ بدتر ہیں۔ سب کے سب گنہگار ہیں۔"

یہ ہمیں پوئس رسول کی بحث میں اسی بات کی طرح کے اگلے سوال تک لے آتا ہے۔ اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ بے خدا ہلاکت کے فرزند ہیں۔ اپنے آپ کو راستباز ٹھہرانے والے اخلاق پرست، خواہ یہودی ہوں خواہ غیر قوم سب پر خدا کا غضب ہے۔ اب وہ اس سوال پر آتا ہے کہ کیا سب انسانوں پر خدا کا غضب ہے؟

جواب ہے کہ "ہاں۔" ہم... پیشتر ہی یہ الزام لگا چکے ہیں کہ وہ (سارے انسان) سب کے سب گناہ کے ماتحت ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لحاظ سے یہودی کسی طرح بھی یونانیوں سے مختلف نہیں۔

۱۰:۳- اگر مزید ثبوت چاہئے تو وہ ثبوت پرانے عہد نامہ میں موجود ہے۔ پہلے تو ہم دیکھتے ہیں کہ گناہ ہر اس شخص کو متاثر کر چکا ہے جو انسانی والدین سے پیدا ہوا ہے (۱۰:۳-۱۲)۔ پھر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ گناہ انسان کے ہر حصے میں گھس چکا ہے (۱۳:۳-۱۸)۔ ہم اسی بات کو سلیس انداز میں پوئس کہہ سکتے ہیں کہ ایک بھی شخص "راستباز نہیں" (زبور ۱۴:۱)۔

۱۱:۳ - ایک بھی شخص نہیں جسے خُدا کی صحیح پہچان ہو۔ "کوئی خُدا کا طالب نہیں" (زبور ۱۴:۲)۔ اگر انسان کو اُس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ گرا ہوا انسان کبھی خُدا کا طالب نہ ہوگا۔ صرف رُوحِ اقدس کے کام کے باعث انسان اِس طرف مائل ہوتا ہے۔

۱۲:۳ - سب کے "سب" خُدا سے "گمراہ ہیں"۔ کُل بنی نوع انسان بگڑ گئے ہیں۔ ایک بھی خُدا کو پسندیدہ زندگی بسر نہیں کرتا۔ "کوئی بھلائی کرنے والا نہیں ایک بھی نہیں" (زبور ۱۴:۳)۔

۱۳:۳ - ہر انسان کا گلا کھلی ہوئی قبر ہے۔ "اُن کی باتیں مُسلسل "فریب" ہیں (زبور ۵:۹)۔ اُن کی گفتگو، اُن کی باتیں "ساپوں کا زہر" ہیں (زبور ۱۴۰:۳)۔

۱۴:۳ - اُن کا مُنہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا ہے" (زبور ۱۰:۷)۔

۱۵:۳ - وہ قتل کرنے کو نکلے ہیں تو اُن کے "قدم تیزو" ہوتے ہیں (زبور ۵۹:۷)۔

۱۶:۳ - وہ جِدھر جاتے ہیں پیچھے "تباہی اور بد حالی" کے نشان چھوڑ جاتے ہیں (زبور ۵۹:۷)۔

۱۷:۳ - اُن کو کبھی علم نہیں ہوا کہ "سلامتی" اور صلح کس طرح قائم کی جاتی ہے (زبور ۵۹:۸)۔

۱۸:۳ - اُن کے دلوں میں نہ "خُدا کا خوف" ہے نہ اُس کی عزت (زبور ۳۶:۱)۔

جان لیجئے کہ یہ خُدا کی طرف سے نسلِ انسانی کا ایک سرے ہے۔ وہ عالمگیر نافرستی کو ظاہر کرتا

ہے (۱۰:۳)۔ خُدا کے بارے میں لاعلمی، جہالت اور لاتعلقی ظاہر کرتا ہے (۱۱:۳)۔ نیکی اور بھلائی کے

فقدان، اور سرکشی اور ضرر رسانی کو ظاہر کرتا ہے (۱۲:۳)۔ انسان کا گلا سڑاندر سے، زبان فریب کاری

سے اور ہونٹ مُملک زہر سے بھرے ہیں (۱۳:۳)۔ اُن کا مُنہ لعنت اُگلتا رہتا ہے (۱۴:۳)۔

اُس کے پاؤں خون بہانے کو دوڑتے ہیں (۱۵:۳)۔ انسان اپنے پیچھے مصیبت، فساد اور تباہی چھوڑتا

جاتا ہے (۱۶:۳)۔ وہ صلح کرنے سے ناواقف ہے (۱۷:۳) اور اُس کو خُدا کا کچھ لحاظ نہیں (۱۸:۳)۔

یہاں انسان کا کامل انحطاط اور کامل برگشتگی نظر آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گناہ تمام بنی نوع انسان میں

اور انسان کے ایک ایک حصے میں گھس چکا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر انسان نے ہر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

مگر اُس کی فطرت ایسی ہے کہ سارے کے سارے گناہ کرنے کے قابل ہے۔

اگر پُرئوس گناہوں کی ایک مکمل فہرست پیش کرنا چاہتا تو وہ کئی اور گناہوں کا ذکر کر سکتا تھا۔

مثلاً جنسی گناہ، جن میں زنا، ہم جنس پرستی (عورتوں اور مردوں، دونوں کی)، شہوت پرستی، حیوانوں

کے ساتھ صحبت کرنا، رنڈی بازی، فحاشی، زنا بالجبر اور کئی اور خُرافات شامل ہیں۔ وہ اُن گناہوں کا

ذکر کر سکتا تھا جن کا تعلق جنگ کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً بے گناہوں کی ہلاکت، ظلم و تشدد، گیس پیمبر،

بھٹیاں (جن میں انسانوں کو زندہ جلا دیتے ہیں)، مشققت اور بیگار کیمپ، تشدد کرنے کے طریقے وغیرہ۔ وہ اُن گناہوں کو شامل کر سکتا تھا جو گھروں میں کیے جاتے ہیں۔ مثلاً بے وفائی، طلاق، بیویوں کو پیٹنا، ذہنی اذیت، بچوں سے بد سلوکی۔ ان کے ساتھ اور گناہوں کو بھی شامل کریں۔ مثلاً قتل، اعضاء بیدگی، جوری، ڈاکے، غبن، غمخندہ گردی، رشوت، علاوہ ازیں بول چال کے گناہ، مثلاً گستاخی، گندے مذاق، شہوانی گفتگو، گالیاں دینا، کفر بکنا، جھوٹ بولنا، فیبت، بد گوئی، کردار کشتی کرنا، بڑ بڑانا، لگہ شکوہ کرنا۔ اور پھر شراب نوشی، منشیات کا استعمال، غرور، حسد، حرص، ناشکر اپن، گندے خیالات، عداوت اور تباہی وغیرہ۔ لگتا ہے یہ فہرست کبھی مکمل نہیں ہو سکتی، سجاست، آلودگی، نسل پرستی، استحصال، فریب کاری، بے وفائی، عمدہ شکنی وغیرہ وغیرہ۔ انسان کی برگشتگی کا اور کیا ثبوت چاہئے؟

۱۹:۳۔ جب خدا نے بنی اسرائیل کو شریعت دی تو وہ اس قوم کو کُل نسلِ انسانی کے ایک نمونے کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اسرائیل نام کام ثابت ہوا ہے۔ چنانچہ اُس نے بجا طور پر اس کا اطلاق کُل نسلِ انسانی پر کیا۔ یہ بات ایسے ہی ہے کہ ایک انسپکٹر کسی گنہگاروں سے ایک ٹیسٹ ٹیوب میں پانی بھرتا ہے۔ اس نمونے کو ٹیسٹ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ٹیسٹ ٹیوب کا پانی آلودہ ہے۔ تو وہ اعلان کرتا ہے کہ پورا کتواں آلودہ ہے۔

اس نے پورس وضاحت کرتا ہے کہ "شریعت جو کچھ کہتی ہے اُن سے کہتی ہے جو شریعت کے ماتحت ہیں" یعنی اسرائیل قوم سے۔ "تا کہ ہر ایک کا منہ بند ہو جائے" یعنی یہودی ہو یا غیر قوم کوئی کچھ نہ بول سکے۔ اور ساری دنیا خدا کے نزدیک سزا کے لائق ٹھہرے۔

۲۰:۳۔ "شریعت" کی پابندی سے "کوئی بشر" خدا کے حضور "راست باز نہیں" ٹھہر سکتا۔ شریعت لوگوں کو راست باز ٹھہرانے کی غرض سے نہیں دی گئی تھی کیونکہ "شریعت کے وسیلے سے تو گناہ کی پہچان ہی ہوتی ہے۔" اس سے نجات کی پہچان نہیں ہوتی، صرف "گناہ کی پہچان" ہوتی ہے۔ جب تک ہم کو سیدھی لکیر کی پہچان نہ ہو، ہم ٹیڑھی لکیر کی پہچان نہیں کر سکتے۔ شریعت سیدھی لکیر کی مانند ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو اس پر پرکھتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ ہم کتنے ٹیڑھے ہیں۔

ہم آئینہ استعمال کر کے دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارا چہرہ کس قدر گندہ ہے۔ مگر آئینہ گندے چہرے کو دھو نہیں سکتا۔ وہ چہرہ دھونے کے لئے بنایا ہی نہیں گیا۔ تمہارا میٹر بنا سکتا ہے کہ کسی شخص کو بٹخار ہے یا نہیں۔ لیکن اگر وہ تمہارا میٹر کو ٹنگل بھی لے، تو بھی اُس کے بٹخار کا علاج نہیں ہو سکتا۔

شریعت اُس وقت تک فائدہ مند ہے جب تک اسے گناہ کی قائلیت پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ لیکن گناہ سے نجات دلانے کے لئے بالکل بے کار ہے۔ ٹوٹنے کیا خوب کہا ہے کہ شریعت کا کام راست باز ٹھہرانا نہیں بلکہ دہشت زدہ کرنا ہے۔

## ۵۔ انجیل کی خوشخبری کی بنیاد اور شرائط (۳: ۲۱-۳۱)

۲۱: ۳۔ اب ہم رومیوں کے خط کے اہم ترین حصے پر پہنچتے ہیں۔ یہاں پوکس اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ پاک خدا بے خدا (بے دین) گنہگاروں کو کس طرح راست باز ٹھہرا سکتا ہے؟

۲۱: ۳۔ پوکس ایک اہم نکتے سے بات شروع کرتا ہے کہ اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راست بازی ظاہر ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک پروگرام یا منصوبہ ظاہر ہوا ہے جس سے خدا ناراست گنہگاروں کو راستی سے نجات دے سکتا ہے۔ اور اس منصوبے میں یہ شرط نہیں کہ شریعت کو پورا کیا جائے۔ چونکہ خدا پاک ہے، وہ گناہ کو معاف نہیں کر سکتا، اور نہ اس سے پتہ چل سکتا ہے۔ لازم ہے کہ وہ گناہ کی سزا دے، اور گناہ کی سزا موت ہے۔ لیکن خدا گنہگار سے محبت رکھنا اور اُسے بچانا چاہتا ہے۔ یہاں ایک مخصوص آن پڑتا ہے۔ خدا کی راستبازی گنہگار کی موت کا مطالبہ کرتی ہے، مگر اُس کی محبت گنہگار کو ابدی شادمانی عطا کرنا چاہتی ہے۔ انجیل کا پیغام اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح خدا اپنی راست بازی سے فکڑ کھائے بغیر گنہگاروں کو نجات دے سکتا ہے۔

اس راست منصوبے کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے۔ اس کا پیشگی بیان اُن مشیلوں اور عکسوں کے وسیلے سے کیا گیا جن میں قربانیوں کا نظام شامل تھا جس سے ثابت ہوتا تھا کہ کفارہ کے لئے خون بہانا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں براہ راست نبوت سے بھی اس کا پیشگی بیان کیا گیا (دیکھیے یسعیاہ ۵۱: ۵، ۶، ۷، ۸، ۹؛ دانی ایل ۹: ۲۴)۔

۲۲: ۳۔ گزشتہ آیت میں بتایا گیا کہ نجات شریعت کی پابندی کی بنیاد پر نہیں ملتی۔ اب رسول بتاتا ہے کہ یہ نجات ملتی کس طرح ہے۔ یسوع مسیح پر ایمان لانے سے۔ یہاں ایمان کا مطلب ہے زندہ خداوند یسوع مسیح پر کامل اعتقاد اور یقین کہ صرف وہی میرا واحد مُتَجَبِّی اور آسمان پر جلنے کے لئے واحد اُمید ہے۔ اس ایمان کی بنیاد مسیح کی ذات اور کام کے اُس مُکاشفہ پر ہے جو بائبل مُتَقَدِّس میں دیا گیا ہے۔

ایمان اندھیرے میں چھلانگ کا نام نہیں۔ یہ یقینی اور کچی شہادت کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور خدا

کے لازوال اور لا تبدیل کلام میں اسے یہ شہادت ملتی ہے۔ ایمان کوئی غیر منطقی یا غیر معقول بات نہیں۔ اس سے زیادہ منطقی اور معقول بات کیا ہو سکتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق پر ایمان اور بھروسہ رکھے۔

ایمان کوئی ثواب کا کام نہیں جس سے انسان اپنی نجات کا حق دار بنتا ہے۔ انسان اس لئے فخر نہیں کر سکتا کہ میں خداوند پر ایمان لایا ہوں۔ اگر انسان اس پر ایمان نہ لاتا تو احمق ٹھہرتا۔ ایمان نجات کما لینے کی کوشش نہیں بلکہ اس نجات کو قبول کرنے کا نام ہے جو خدا صفت بخشش کے طور پر پیش کرتا ہے۔

پولس مزید بتاتا ہے کہ یہ نجات ”ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے“۔ مراد یہ ہے کہ یہ نجات سب انسانوں کے لئے دستیاب ہے، سب کو پیش کی گئی ہے اور سمجھوں کی روحانی ضرورت پوری کرتی ہے۔ لیکن حاصل صرف ”ایمان لانے والوں کو“ ہوتی ہے۔ ان کو جو ایمان کی رو سے خداوند یسوع کو قبول کرتے ہیں۔ مضافی سمجھوں کے لئے ہے۔ مگر ایک فرد کو اس وقت ہی ملتی ہے جب وہ اسے قبول کرتا ہے۔

۲۳:۳۔ نجات کی ضرورت عالمگیر ہے تو انجیل کی خوشخبری بھی ویسی ہی عالمگیر ہے۔ ضرورت اس لئے عالمگیر ہے کہ ”سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم ہیں“۔ ہر ایک نے آدم میں گناہ کیا۔ جب آدم نے گناہ کیا تو اپنی ساری نسل کے نمائندہ کے طور پر کیا۔ لیکن انسان صرف طبعی طور پر ہی گنہگار نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی گنہگار ہیں اور اپنے آپ میں ”خدا کے جلال سے محروم ہیں“۔

## گناہ کی مزید تشریح

ہر وہ خیال، قول اور فعل گناہ ہے جو خدا کے پاکیزگی اور کاملیت کے معیار سے کم تر ہوتا ہے۔ نشانے تک نہ پہنچنا، گناہ ہے۔ ایک ہندوستانی کا تیر نشانے تک نہ پہنچ سکا۔ اس نے کہا ”اوہ، میں نے گناہ کیا ہے“۔ اس کی زبان میں وہی لفظ استعمال ہوا جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے، یعنی معیار یا نشانے تک نہ پہنچ سکا۔ اردو میں یہی محاورہ مستعمل ہے۔ جب تیر نشانے تک نہ پہنچ پائے تو کہتے ہیں کہ نشانہ خطا (گناہ) ہو گیا۔

لا تا نو بیت یعنی شرع کی مخالفت گناہ ہے (۱۔ یوحنا ۳: ۴)۔ مخلوق کا اپنے خالق کی مرضی کے خلاف بغاوت کرنا گناہ ہے۔ صرف غلط کام کرنا ہی گناہ نہیں بلکہ اگر کوئی نیک کام (درست کام) کرنا جانتا ہے اور نہیں کرتا تو وہ بھی گناہ ہے (یعقوب ۴: ۱۷)۔ جو کچھ ایمان اور اعتقاد کے ساتھ

نہیں وہ بھی گناہ ہے (رومیوں ۱۴: ۲۳)۔ اس کا مطلب ہے انسان کے لئے وہ کام کرنا گناہ ہے جس کے بارے میں اسے معقول شک ہو۔ اگر کسی کام کے بارے میں انسان کا ضمیر صاف نہیں، مگر وہ اس کو پھر بھی کر گزرتا ہے تو وہ گناہ کرتا ہے۔ ”ہر طرح کی ناراستی گناہ ہے“ (۱- یوحنا ۵: ۱۷)۔ حماقت کا منصوبہ بھی گناہ ہے“ (امثال ۲۳: ۹)۔ گناہ انسان کے دماغ میں شروع ہوتا ہے۔ جب اس کی حوصلہ افزائی اور خاطر داری کی جاتی ہے تو عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہ عمل ہلاکت کو پہنچاتا ہے۔ جب شروع شروع میں انسان گناہ کے بارے میں سوچتا ہے تو اسے بہت دلفریب اور دلکش معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب کرنے کے بعد اسے دیکھتے ہیں تو نہایت گھنونا ہوتا ہے۔

بعض اوقات پوکس گناہوں اور گناہ میں فرق کرتا ہے۔ گناہوں سے مراد وہ غلط کام ہیں جو ہم نے کئے ہیں اور گناہ ہماری بُری فطرت کا بیان کرتا ہے، یعنی جو کچھ ہم ہیں۔ انسان جو کچھ ہے (ہماری سرشت) اُن کاموں سے بدرجہا بدتر ہے جو وہ کرتا ہے یا جو کر چکا ہے۔ لیکن مسیح نہ صرف ہمارے بُرے افعال کی خاطر بلکہ ہماری بُری اور شریر فطرت اور سرشت کی خاطر بھی مٹوا۔ خدا ہمارے ”گناہوں“ کو معاف کرتا ہے۔ مگر بائبل مقدس کہیں نہیں کہتی کہ وہ ہمارا گناہ“ معاف کرتا ہے بلکہ وہ ”جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیتا ہے“ (رومیوں ۸: ۳)۔

علاوہ ازیں گناہ اور جرم میں بھی فرق ہے۔ کسی قانون کے خلاف کام، جرم ہے۔ چوری کرنا بنیادی طور پر گناہ ہے۔ یہ کام اپنی ذات میں بُرا اور غلط ہے۔ لیکن چوری کرنا ایک جرم بھی ہے کیونکہ یہ ایک قانون کو توڑنے کا عمل ہے۔ ”جہاں شریعت نہیں وہاں عدول ٹھکی بھی نہیں“ (رومیوں ۴: ۱۵)۔ پوکس نے ثابت کر دیا ہے کہ تمام انسانوں نے گناہ کیا ہے اور خدا کے جلال سے مسلسل محروم رہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ علاج پیش کرتا ہے۔

۲۴: ۳۔ ”مگر اُس کے فضل کے سبب سے... مُفت راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں۔“ انجیل بتاتی ہے کہ خدا مُفت بخشش اور ایسی مہربانی کے وسیلے سے جس کے ہم حق دار نہیں گنہگاروں کو کس طرح راست باز ٹھہراتا ہے۔ لیکن راست باز ٹھہرنے کے عمل سے ہمارا مطلب کیا ہے؟ راست باز ٹھہرانے کا لفظی مطلب ہے راست قرار دینا۔ مثال کے طور پر خدا کسی گنہگار کو اُس وقت راست باز قرار دیتا ہے جب وہ گنہگار خداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتا ہے۔ نئے عہد نامہ میں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

البتہ انسان بھی خدا کو راست باز مان لیتا ہے (لوقا ۷: ۲۹)۔ جب انسان خدا کے کلام پر ایمان



لے آتا اور اُس کی فرمانبرداری کرتا ہے تو خدا کو راست باز مان لیتا ہے۔ دوسرے نفلوں میں اعلان کرتا ہے کہ خدا اپنی ساری باتوں اور کاموں میں راستباز ہے۔

بے شک انسان اپنے آپ کو بھی راست باز ٹھہرا سکتا ہے یعنی احتجاج کر سکتا ہے کہ میں راست باز ہوں (کوفا ۱۰: ۲۹)۔ لیکن یہ بات سوائے خود فریبی کے کچھ نہیں۔

راست باز ٹھہرنے کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کو واقعی راستباز بنا دیا گیا ہے۔ ہم خدا کو راست باز "بنا" نہیں سکتے۔ وہ تو پہلے ہی راستباز ہے۔ البتہ ہم اِزّار کر سکتے ہیں کہ وہ راست باز ہے۔ خدا ایمان دار کو اُس کی ذات میں بے گناہ یا راست باز نہیں بناتا بلکہ خدا راست بازی اُس کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ اے۔ ٹی۔ پیٹرکس نے اس کا یوں بیان کیا ہے کہ "خدا گنہگاروں کو اس طرح راست باز ٹھہراتا ہے کہ جب وہ راست باز نہیں ہوتے تو اُن کو راستباز کرتا ہے۔ جہاں گناہ موجود ہے وہاں خدا گناہ کو محسوس یا شمار نہیں کرتا۔ اور جہاں راست بازی موجود نہیں وہاں راست بازی محسوس کرتا ہے۔" راستباز ٹھہرائے جانے کا ایک عام بیان یہ ہے "جیسے میں نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں"۔ لیکن یہ بیان کافی نہیں۔ جب خدا ایمان لانے والے گنہگار کو راست باز ٹھہراتا ہے تو نہ صرف اُسے خطا اور جرم سے بری قرار دیتا ہے بلکہ اُس کو اپنی راست بازی سے ملبس بھی کرتا ہے۔ اور اس طرح اُس کو کاہل طور پر آسمان کے لائق بنا دیتا ہے۔ "راست باز ٹھہرایا جانا گناہ کی سزا سے بریت سے بڑھ کر ہے۔ یہ منظور کیا جانا ہے"۔ بریت (براءت) کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک شخص کو جرم سے بری کر دیا گیا ہے۔ راست باز ٹھہرائے جانے کا مطلب ہے کہ کسی کو راست بازی محسوس کی گئی ہے۔

کس بنا پر خدا گنہگاروں کو راست باز قرار دے سکتا ہے؟ اس وجہ سے کہ خداوند شروع سے ہی نے اپنی جان دینے اور جی اٹھنے کے وسیلے سے اُن کے گناہوں کا قرض پورے طور پر ادا کر دیا ہے۔ جب گنہگار ایمان سے مسیح کو قبول کرتے ہیں تو راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں۔

جب یعقوب (۲: ۲۴) کہتا ہے کہ "انسان اعمال سے راست باز ٹھہرتا ہے" تو اُس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے نیک اعمال کی بنیاد پر نجات پاتے ہیں یا ایمان کے ساتھ نیک اعمال کے وسیلے سے نجات پاتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اُس ایمان کے وسیلے سے نجات پاتے ہیں جس کا نتیجہ نیک اعمال ہوتا ہے۔ یہ بات سمجھنا بہت ضروری ہے کہ راست باز ٹھہرایا جانا، محسوس کرنے کا وہ عمل ہے جو خدا کے ہاں ہوتا ہے۔ ایماندار اس کو محسوس نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ یہ عمل ہو چکا ہے کیونکہ بائبل مُقتدا کہتی ہے۔ سی۔ آئی۔ سکو فیلڈ اس بات کو یوں بیان کرتا ہے کہ "راست باز ٹھہرانا خدا کا وہ فعل ہے

جس سے وہ ان سب کو راست باز قرار دیتا ہے جو یسوع پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جو خدا کے دل میں واقع ہوتی ہے۔ ایمان دار کے جذبات یا اعصابی نظام میں وقوع پذیر نہیں ہوتی۔  
یہاں رومیوں ۳: ۲۴ میں پوکس سکھا رہا ہے کہ ہم "مفت راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں"۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے ہم کما سکتے یا خرید سکتے ہیں بلکہ ہم کو مفت بخشش کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

پھر ہم یہ بھی سیکھتے ہیں کہ ہم "خدا کے فضل کے سبب سے... راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہماری کسی خوبی کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس کے بالکل لائق نہیں، نہ اس کے طالب ہوتے ہیں اور نہ اسے خرید سکتے ہیں۔  
آگے چل کر کسی الجھن سے بچنے کے لئے ہم یہاں ذرا رنگ کر یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ نہ امدنا میں راست باز ٹھہرائے جانے کے چھ مختلف پہلو ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ہم فضل سے، ایمان سے، خون سے، قدرت سے، خدا سے اور اعمال سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں۔ تو بھی ان میں کہیں بھی کوئی تضاد نہیں ہے۔

ہم فضل سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں — یعنی ہم اس کے اہل یا حق دار نہیں۔

ہم ایمان سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۵: ۱) — یعنی ہمیں خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے کے وسیلہ اس کو قبول کرنا ہوتا ہے۔

ہم خون سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۵: ۹) — اس سے مراد وہ قیمت ہے جو تمہاری نجات کے لئے ادا کی تاکہ ہم راست باز ٹھہرائے جا سکیں۔

ہم قدرت سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۴: ۲۴، ۲۵) — یہ وہی قدرت ہے جس سے خداوند یسوع کو مردوں میں سے جلا یا گیا۔

ہم خدا سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۸: ۳۳) — خدا وہ ہستی ہے جو ہمیں راست باز قرار دیتی ہے۔

ہم اعمال سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (یعقوب ۲: ۲۴) — مطلب

یہ نہیں کہ نیک اعمال سے راست بازی کمائی جاسکتی ہے بلکہ نیک اعمال اس بات کی شہادت ہیں کہ ہم راست باز ٹھہرائے گئے ہیں۔

ہم دوبارہ ۲۴:۳ پر آتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ہم ”اُس غلصی کے وسیلہ سے جو یسوع یسوع میں ہے مُفتِ راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں۔“ ”غلصی“ کا مطلب ہے ”فدیہ کی قیمت ادا کر کے واپس خرید لینا۔“ خُداوند یسوع نے گناہ کے غلاموں کی منڈی سے ہمیں دوبارہ خرید لیا۔ اُس کا قیمتی خُونِ فدیہ کی قیمت تھا جو کہ پاک اور صادق خُدا کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ادا کی گئی۔ اگر کوئی پُوچھے ”یہ فدیہ کس کو ادا کیا گیا“ تو اس فدیہ کا اصل مطلب نہ سمجھا۔ بائبل مُقدس کہیں بھی بیان نہیں کرتی کہ کوئی مخصوص قیمت خُدا کو یا شیطان کو ادا کی گئی۔ فدیہ کی قیمت کسی کو ادا نہیں کی گئی بلکہ اُس نے وہ راست بنیاد فراہم کر دی جس سے خُدا ہم بے دینیوں کو نجات دے سکا۔

۲۵:۳ - ”خُدا نے“ یسوع مسیح کو ”ایسا کفارہ ٹھہرایا۔“ کفارہ ”وہ ذریعہ ہوتا ہے جس سے انصاف کے تقاضے پورے ہوتے ہیں، خُدا کا قہر طس جاتا ہے اور ایک قابلِ قبول قربانی کی بنیاد پر رحم کیا جاسکتا ہے۔“

نئے عہد نامہ میں تین دفعہ ”کفارہ“ کہا گیا ہے۔ یہاں رومیوں ۲۵:۳ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو یسوع پر ایمان لاتے ہیں ”اُس کے (بہائے گئے) خُون کے باعث“ اُن پر رحم ہوتا ہے۔ ۱- یوحنا ۲:۲ میں بیان ہوا ہے کہ مسیح ہمارے گناہوں کا کفارہ ہے بلکہ تمام دُنیا کے گناہوں کا بھی کفارہ ہے۔ اُس کا کام ساری دُنیا کے لئے کافی اور وافی ہے، لیکن فائدہ صرف اُن کو ہوتا ہے جو اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ ۱- یوحنا ۴:۱۰ میں کہا گیا ہے کہ خُدا نے اپنی محبت یوں ظاہر کی کہ ہمارے گناہوں کے کفارہ کے لئے اپنے بیٹے کو بھیجا۔

نوفا ۱۸:۱۳ میں مَحْصُول لینے والے نے جو دُعا مانگی وہ لفظی طور پر یوں تھی کہ ”اے خُدا، مجھ گنہگار کا کفارہ ہو۔“ وہ خُدا سے درخواست کرتا ہے کہ ”میری بے نہایت خطا کی سزا طلب نہ کر اور یوں مجھ پر رحم کر۔“

یہی لفظ ”کفارہ“ عبرانیوں ۲:۱۷ میں بھی آیا ہے ”اُس کو سب بانوں میں اپنے بھائیوں کی مانند بننا لازم ہوا تاکہ اُمّت کے گناہوں کا کفارہ دینے کے واسطے اُن باتوں میں جو خُدا سے علاقہ رکھتی ہیں ایک رحم دل اور دیانت دار سردار کا ہن بنے۔“ یہاں ”کفارہ دینے“ کا مطلب ہے کہ سزا ادا کر کے سامنے سے ہٹا دینا۔

پرانے عہد نامہ میں ”کفارہ“ کا مترادف ”کفارہ گاہ“ یا ”رحم گاہ“ ہے۔ یہ ”رحم گاہ“، عہد کے صندوق کا سرپوش (دُھکن) تھی۔ کفارہ کے دن سردار کا ہن قربانی کے جانور کا خُون اس ”رحم گاہ“

(پروٹسٹنٹ ترجمہ - کفارہ گناہ) پر چھڑکتا تھا۔ اس طرح سے سردار کاہن اور امت کی خطاؤں کا کفارہ ہو جاتا تھا، یعنی ان کو ڈھانک دیا جاتا تھا۔  
جب مسیح نے ہمارے گناہوں کا کفارہ دیا تو اُس نے ان کو صرف ڈھانکا ہی نہیں بلکہ ان کو بائبل  
مٹا دیا۔

یہاں ۲:۳ میں پولس ہم کو بتاتا ہے کہ خدا نے "مسیح کو اُس کے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو"۔ ہمیں یہ نہیں کہا گیا کہ اُس کے خون پر ایمان لائیں۔ ہرگز نہیں بلکہ خود مسیح ہمارے ایمان کا مرکز ہے۔ صرف جی اٹھا اور زندہ مسیح یسوع ہی نجات دے سکتا ہے۔ کفارہ وہی ہے۔ اُس پر ایمان وہ شرط ہے جس سے ہم کفارہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اُس کا خون وہ قیمت ہے جو اُس نے ادا کی۔

مسیح نے جو نجات کا کام مکمل کر دیا اُس سے خدا کی "راست بازی" ان گناہوں کی معافی کے لئے ظاہر ہوتی ہے جو بیشتر ہو چکے تھے۔ ان سے مراد وہ گناہ ہیں جو مسیح کی موت سے پہلے ہو چکے تھے۔ آدم سے لے کر مسیح تک خدا ان کو نجات دیتا رہا جو دئے گئے مکاشفہ کے مطابق اُس پر ایمان لاتے تھے۔ مثال کے طور پر ابراہام خدا پر ایمان لایا اور یہ اُس کے لئے راست بازی گنا گیا (پیدائش ۱۵: ۶)۔ مگر خدا یہ کام کس طرح کر سکتا تھا؟ کوئی بے گناہ عوضی تو ابھی تک قربان نہیں کیا گیا تھا۔ کسی کاہن قربانی کا خون تو بہایا نہیں گیا تھا۔ مختصراً یہ کہ مسیح ابھی تک مٹوا نہیں تھا۔ قرض ادا نہیں ہوا تھا۔ خدا کے راست مطالبے پورے نہیں ہوئے تھے۔ تو پرانے عہد نامہ کے دور میں ایمان لانے والے گنہگاروں کو خدا کیسے نجات دے سکتا تھا؟

جواب یہ ہے کہ اگرچہ مسیح ابھی تک نہیں مٹوا تھا، خدا جانتا تھا کہ وہ اپنی جان دے گا۔ چنانچہ وہ لوگوں کو مسیح کے اُس کام کی مبنیاد پر نجات دیتا تھا جو ابھی مستقبل میں ہونے والا تھا۔ اگرچہ پرانے عہد نامہ کے مقدسین کلوری کو نہیں جانتے تھے مگر خدا تو جانتا تھا۔ اس لئے جب وہ خدا پر ایمان لاتے تھے تو خدا مسیح کے کام کی ساری قیمت ان کے کھاتے میں ڈالتا تھا۔ یوں پرانے عہد نامہ کے مقدسین گویا "ادھار" پر نجات پاتے تھے۔ اُس قیمت پر نجات پاتے تھے جو ابھی ادا ہونی تھی۔ کلوری ان کے آگے تھی، جبکہ ہمارے پیچھے (ماضی) ہے۔

یہ سب کچھ پولس رسول ان الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ مسیح کو خدا نے... ایسا کفارہ ٹھہرایا... تاکہ جو گناہ بیشتر ہو چکے تھے اور جن سے خدا نے... طرح دی تھی ان کے بارے میں وہ اپنی راست بازی ظاہر کرے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں مراد ان گناہوں سے ہے جو کسی انسان نے ایمان لانے سے

پیشتر کئے تھے۔ یہ سوچ بالکل غلط ہے کیونکہ اس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ مسیح کا کام نئی پیدائش سے پہلے کے گناہوں کا حساب تو چکا دیتا ہے لیکن نئی پیدائش کے بعد انسان کو صرف اپنے ہی سہارے جینا ہوتا ہے۔ بات یہ نہیں بلکہ یہاں پولس اُن لوگوں کے گناہوں کی بات کر رہا ہے جنہوں نے صلیب سے پہلے نجات پائی۔ خدا اُن کے گناہوں سے طرح دیتا رہا ہے۔ شاید ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اُن گناہوں کو یونہی بخش دیا۔ یا اُن سے چشم پوشی کی۔ پولس کہتا ہے کہ ہرگز ایسا نہیں۔ خداوند جانتا تھا کہ مسیح پورا اور کامل کفارہ ادا کرے گا۔ اس لئے اُس نے اُن کو اس بنیاد پر نجات دی۔

چنانچہ پرانے عہد نامہ کا زمانہ خدا کے "تحمل" کا زمانہ تھا۔ تقریباً چار ہزار برس تک اُس نے گناہ پر اپنے قہر کو التوا میں رکھا۔ پھر جب وقت پورا ہو گیا تو اُس نے اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ گناہ کو اٹھا لے۔ جب خداوند یسوع نے ہمارے گناہ اپنے اوپر اٹھا لئے تو خدا نے اپنے عزیز بیٹے پر اپنے پاک قہر اور غضب کو پوری شدت کے ساتھ نازل کیا۔

۲۶:۳۔ اب مسیح کی موت خدا کی "راست بازی" کو ظاہر کرتی ہے۔ خدا "عادل" ہے کیونکہ اُس نے گناہ کو پوری سزا کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ چونکہ کامل عوضی مر گیا اور مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اس لئے خدا نے دینوں کے گناہوں سے چشم پوشی کے بغیر اور اپنی راست بازی کو مجروح کے بغیر اُن کو راست باز ٹھہرا سکتا ہے۔

۲۷:۳۔ نجات کے اس عجیب و غریب منصوبے میں "فخر کہاں رہا؟" اِس کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ خارج ہو گیا۔ اِس کی ممانعت ہو گئی۔ کس اصول کے تحت "فخر" کی گنجائش ہی نہیں؟ "کیا اعمال" کے اصول سے؟ "نہیں"۔ اگر نجات اعمال سے ہوتی تو انسان کو ہر طرح سے خود رستائی کی گنجائش ہوتی۔ مگر نجات تو "ایمان" کے اصول سے ہے۔ اِس لئے "فخر" کا کوئی موقع، کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔ راست باز ٹھہرایا گیا شخص کہتا ہے "میں نے گناہ کرنے میں انتہا کر دی۔ یسوع نے نجات دینے میں انتہا کر دی۔" حقیقی ایمان صرف مسیح کو نجات دہندہ مانتا ہے اور یہ کہنے کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ میں نے خود اپنی مدد کی، اپنی اصلاح کی اور اپنے آپ کو نجات دی۔ وہ تو صرف یہ کہتا ہے کہ

خالی ہاتھ میں آتا ہوں  
میں ہوں ننگا اور لاچار  
تیری کڑوس کو تھامتا ہوں  
تیرا فضل ہے درکار

دھو دے شافی چشمہ سے

۲۸:۳۔ اِس بات پر تاکید ضرور دینے کے لئے کہ نجات کے سلسلے میں فخر کی گنجائش

ہی نہیں پوکس کہتا ہے کہ "انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہرتا ہے۔"

۲۹:۳۔ انجیل خدا کو کیسے پیش کرتی ہے؟ کیا وہ بلا شرکتِ غیرے "صرف یہودیوں ہی کا ہے؟" نہیں۔

بے شک غیر قوموں کا بھی ہے۔ "خداوند مسیح مسیح انسانوں کی صرف ایک نسل کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے

گنہگاروں کے لئے مٹوا۔ اور پوری اور صفتِ نجات کی پیشکش یہودیوں اور غیر قوموں سمجھوں کے لئے ہے۔"

۳۰:۳۔ دو خدا نہیں ہیں کہ ایک یہودیوں کا خدا ہو اور دوسرا غیر قوموں کا خدا ہو۔ "ایک ہی خدا ہے۔"

اور تمام بنی نوع انسان کے لئے نجات کا وسیلہ بھی ایک ہی ہے۔ خدا "مختاروں کو بھی ایمان سے اور نامختاروں

کو بھی ایمان ہی کے وسیلہ سے راست باز ٹھہراتا ہے۔ یہاں کوئی بھی لفظ (سے، کے وسیلہ سے) استعمال ہو

راست باز ٹھہرائے جانے کی بنیاد میں کچھ فرق نہیں۔ دونوں صورت میں یہ "ایمان" ہی ہے۔

۳۱:۳۔ ایک اہم سوال ابھی باقی ہے۔ جب ہم کہتے ہیں کہ نجات شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ

ایمان سے ہے تو کیا ہمارا مطلب ہوتا ہے کہ شریعت بے مقصد ہے اور اس کو ترک کر دینا چاہئے؟

کیا انجیل شریعت کو برطرف کر دیتی ہے گیا اس کا کوئی مقام ہی نہیں ہے؟ "ہرگز نہیں" بلکہ انجیل شریعت

کو قائم رکھتی ہے۔ اس کی وضاحت ذیل میں دی جاتی ہے۔

شریعت کا بل فرمانبرداری کا تقاضا کرتی ہے۔ شریعت کی حکم عدولی کی سزا لازم ہے۔ اور

سزا موت ہے۔ اگر شریعت کی حکم عدولی کرنے والا یہ سزا اٹھاتا ہے تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جاتا

ہے۔ انجیل بتاتی ہے کہ شریعت کی اس عدولی حکم کی سزا برداشت کرنے کے لئے مسیح نے اپنی جان

دی۔ اُس نے اسے کوئی ایسی چیز نہیں سمجھا جس سے درگزر کیا جاسکتا ہے۔ اُس نے قرض پورا پورا ادا

کر دیا۔ اب شریعت کو توڑنے والا ہر شخص اس حقیقت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کہ مسیح نے میری خاطر

سزا برداشت کر لی ہے۔ اس طرح ایمان کے وسیلے سے نجات کی خوشخبری شریعت کو قائم رکھتی ہے

کیونکہ اصرار کرتی ہے کہ لازم ہے کہ شریعت کے سارے مطالبے پورے ہو جائیں اور کہ یہ مطالبے پورے

کر دئے گئے ہیں۔

## ۴۔ انجیل کی خوشخبری کی پرانے عہد نامہ کے ساتھ ہم آہنگی

(باب ۴)

پانچواں اہم سوال جس پر پوکس بحث کرتا ہے یہ ہے کہ کیا فضل کی خوشخبری پرانے عہد نامہ

کی تعلیمات سے موافقت رکھتی ہے؟ اس سوال کا جواب یہودی قوم کے لئے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔

چنانچہ رسولِ ثابت کرتا ہے کہ پُرانے عہد نامہ اور نئے عہد نامہ میں خُدا کے فضل کے سلسلے میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ راست باز ٹھہرایا جانا ہمیشہ ایمان کی بنیاد پر ہوتا رہا ہے۔

۱:۴۔ پوکس اپنی بات کے ثبوت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کی دوسب سے عظیم ہستیوں کو پیش کرتا ہے۔ یہ ہستیاں ہیں ابراہام اور داؤد۔ خُدا نے ان دونوں سے بڑے بڑے وعدے کئے تھے۔ ابراہام تو شریعت کے دئے جانے سے صدیوں پہلے ہوا جبکہ داؤد شریعت دئے جانے کے بہت برسوں بعد ہوا۔ ایک تختہ کر دانے سے پہلے اور دوسرا تختہ کر دانے کے بعد راستباز ٹھہرایا گیا۔

آئیے پہلے ابراہام پر غور کریں۔ سارے یہودی اُس کو اپنا جدِ اجد مانتے ہیں۔ جسمانی لحاظ سے اُس کو کیا تجربہ ہوا؟ راست باز ٹھہرائے جانے کے طریقے کے بارے میں اُس کو کیا معلوم ہوا؟

۲:۴۔ ”اگر ابراہام اعمال سے راست باز ٹھہرایا جاتا“ تو اُس کو فخر کرنے کی گنجائش ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو شتاباش اور تھپکی دیتا کہ میں نے ”خُدا کے نزدیک“ درست مقام حاصل کر لیا ہے۔ لیکن یہ قطعی ناممکن ہے۔ کوئی شخص بھی خُدا کے سامنے کبھی فخر نہیں کر سکتا (افسیوں ۲:۹)۔ پاک کلام میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ ابراہام کے پاس کوئی ایسی بنیاد تھی جس پر وہ فخر کر سکتا کہ وہ اعمال کے وسیلے سے راستباز ٹھہرایا گیا ہے۔

لیکن کوئی یہ دلیل دے سکتا ہے کہ کیا یعقوب ۲:۲۱ میں نہیں لکھا کہ ابراہام اعمال سے راستباز ٹھہرا؟ ہاں، لکھا ہے۔ مگر وہاں مطلب بالکل فرق ہے۔ پیدائش ۱۵:۶ میں ابراہام اُس وقت ایمان سے راست باز ٹھہرا جب اُس نے لاتعداد اولاد کے بارے میں خُدا کے وعدے کا یقین کیا۔ اعمال سے راست باز تو وہ کوئی تیس<sup>۳</sup> یا اس سے بھی زائد برسوں کے بعد ٹھہرا جب وہ اضمحاق کو خُدا کے لئے سوختی قربانی کے طور پر چڑھانے لگا تھا (پیدائش باب ۲۲)۔ فرمانبرداری کے اس فعل نے اُس کے ایمان کی اصلیت کو ثابت کر دیا۔ یہ اس بات کا ظاہر ا نشان تھا کہ وہ ایمان سے واقعی راست باز ٹھہرایا جا چکا ہے۔

۳:۴۔ ابراہام کے راست باز ٹھہرائے جانے کے بارے میں ”کتابِ مقدس کیا کہتی ہے؟“ وہ (ابراہام) خُداوند پر ایمان لایا اور اسے اُس (خُدا) نے اُس (ابراہام) کے حق میں راست بازی شمار کیا“ (پیدائش ۱۵:۶)۔ خُدا نے اپنے آپ کو ابراہام پر ظاہر کیا اور اُس سے وعدہ کیا کہ تیری اولاد (نس) بے شمار ہوگی۔ قوم کے بزرگ نے خُداوند کا یقین کیا اور خُدا نے اس بات کو ”اُس کے

لئے راست بازی گنا۔ دوسرے لفظوں میں ابراہام ایمان سے راست باز ٹھہرایا گیا۔ بس اتنی سی بات ہے۔ اعمال کا تو اس بات سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا تو ذکر بھی نہیں کیا گیا۔

۴:۴۔ یہ پوری بحث ہمیں بائبل مقدس کے ایک شان دار بیان تک لے آتی ہے۔ اس بیان کا تعلق نجات کے حوالے سے اعمال اور ایمان کے تقابل سے ہے۔

اس بات کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص روزی کمانے کے لئے کام کرتا ہے۔ وقت مقررہ پراس کو تنخواہ ملتی ہے۔ یہ تنخواہ یا ”مزدوری“ اس کا حق ہے۔ اس نے اسے کمایا ہے۔ وہ کام کروانے والے کے سامنے جھکتا نہیں یا کورنش نہیں بجالاتا اور شکر یہ ادا نہیں کرتا کہ آپ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی ہے۔ نہ وہ احتجاج ہی کرتا ہے کہ میں تو اس رقم (تنخواہ) کا حق دار نہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ پیسے جیب میں ڈال کر اس احساس کے ساتھ اپنے گھر کو چل دیتا ہے کہ میرے وقت اور میری محنت کا معاوضہ ملا ہے۔ لیکن راست باز ٹھہرائے جانے کے معاملے میں بات یوں نہیں ہے۔

۵:۴۔ یہ بات بہت چونکا دینے والی معلوم ہوگی کہ سب سے پہلے، راست باز ٹھہرایا گیا شخص وہ ہے جو شخص کام نہیں کرتا۔ وہ نجات کمانے کے ہر امکان سے دستبردار ہو جاتا ہے۔ وہ کسی ذاتی نیکی یا ثواب کا دعویٰ نہیں کرتا۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ میری سخت سے سخت محنت بھی خدا کے راست مطالبات کو پورا نہیں کر سکتی۔

اس کے برعکس وہ بے دین کے راست باز ٹھہرانے والے پر ایمان لاتا ہے۔ وہ خداوند پر ایمان اور یقین رکھتا ہے۔ وہ خدا کی بات کا یقین کرتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ کوئی ثواب کا فعل نہیں ہے۔ ثواب اس کے ایمان میں نہیں، بلکہ جس پر ایمان لاتا ہے اس میں ہے۔

غور کریں کہ وہ بے دین کے راست باز ٹھہرانے والے پر ایمان لاتا ہے۔ وہ یہ دعویٰ یا ٹھہر لے کر نہیں آتا کہ میں نے حد درجہ کوشش کر لی ہے، کہ میں ”سنہری انمول“ کے مطابق زندگی بسر کرتا رہا ہوں، کہ میں دوسروں کے مقابلے میں اچھا ہوں۔ نہیں، بلکہ وہ بے دین کی حیثیت سے آتا ہے۔ خطا کار، گنہگار کی حیثیت سے آتا ہے۔ اور خود کو خدا کے رحم پر چھوڑ دیتا ہے۔

اور نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ اس کا ایمان اس کے لئے راست بازی گنا جاتا ہے۔ چونکہ وہ اعمال کے ساتھ نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ آتا ہے، خدا اس کے کھاتے میں ”راستی بازی“ شمار کرتا ہے۔ زندہ مہنجی کے نجات کے کام کے باعث خدا اس کو ”راست بازی“ سے ملبس کرتا اور آسمان کے لائق بنا دیتا ہے۔ اب سے لے کر خدا اس کو مسیح میں دیکھتا اور اسی بنیاد پر قبول کرتا ہے۔



مختصراً یہ کہ راست بازی بے دینوں کے لئے ہے۔۔۔ نیک لوگوں کے لئے نہیں۔ یہ فضل کا معاملہ ہے، قرض کا معاملہ نہیں۔ اور اعمال سے نہیں، ایمان سے حاصل ہوتی ہے۔

۶:۴۔ اپنے نکتے کے ثبوت کے لئے پوکس اب "داؤد" کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ داؤد کا تجربہ بھی ابراہام کا ساتھ تھا۔ اسرائیل کا یہ خوش الحان نغمہ نواز کہتا ہے کہ وہ گنہگار مبارک ہے جس کو خدا "بغیر اعمال کے" راست باز شمار کرتا ہے۔ پوکس رسول نے یہ بات زبور ۳۲:۱، ۲ سے لی ہے اور اگلی دو آیات میں اقتباس کی ہے۔

۷:۴۔ "مبارک وہ ہیں جن کی بدکاریاں معاف ہوئیں

اور جن کے گناہ ڈھانکے گئے۔"

مبارک وہ شخص ہے جس کے گناہ خداوند محسوب نہ کرے گا۔"

۸:۴۔ پوکس کو ان آیات میں کیا نظر آیا؟ پہلی بات یہ کہ وہ دیکھتا ہے کہ داؤد اعمال کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ معافی کا تعلق خدا کے فضل سے ہے۔ اس میں انسان کی کوششوں کا کچھ دخل نہیں۔ دوسرے، وہ دیکھتا ہے کہ اگر خدا انسان کے "گناہ محسوب نہ" کرے تو پھر وہ شخص خدا کے حضور راست مقام پالیتا ہے۔ اور تیسرے، وہ دیکھتا ہے کہ خدا بے دینوں کو راست باز ٹھہراتا ہے۔ داؤد زنا اور قتل کرنے کا مجرم تھا۔ لیکن ان آیات میں وہ صفت اور پوری معافی کی مٹھاس کا کٹھن اٹھارہا ہے۔

۹:۴۔ لیکن کبھی یہودی کے ذہن میں یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ اسرائیلی خدا کی چنی ہوئی قوم ہیں اس لئے خدا کی راست بازی کا کوئی گوشہ ان کا حق بھی ہے کہ صرف مختون ہی راست باز ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔ پوکس پھر ابراہام کے تجربے کی طرف توجہ دلاتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ بات یوں نہیں ہے۔ وہ یہ سوال پیش کرتا ہے کہ "کیا راست بازی صرف ایمان لانے والے یہودیوں ہی کے لئے محسوب ہوتی ہے۔ یا ایمان لانے والے غیر قوم افراد کے لئے بھی؟ یہ حقیقت کہ ابراہام کی مثال پیش کی گئی اس سے یہ خیال اُبھر سکتا ہے کہ یہ صرف یہودیوں کے لئے ہے۔"

۱۰:۴۔ یہاں پوکس ایک تاریخی حقیقت کو پیش کرتا ہے۔ شاید ہم میں سے اکثر اس حقیقت کو دیکھ بھی نہ پاتے۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ ابراہام اُس وقت راست باز ٹھہرایا گیا (پیدائش ۱۵:۶) جبکہ اُس کا ابھی "خندہ" نہیں ہوا تھا (پیدائش ۱۴:۲۴)۔ اگر قوم کے باپ کو "نامختون" ... کی حالت میں راست باز ٹھہرایا گیا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "پھر دوسرے نامختون لوگ کیوں راست باز نہیں ٹھہرائے جاسکتے؟" ابراہام اُس وقت راست باز ٹھہرایا گیا جبکہ ابھی وہ غیر قوم بنیاد پر کھڑا تھا۔ اس

طرح باقی غیر قوم والوں کے لئے بھی بغیر ختنہ کے راست باز ٹھہرائے جانے کا دروازہ کھلا ہے۔  
 ۱۱:۴ - پچنانچہ "ختنہ" ابراہام کے راست باز ٹھہرائے جانے کا وسیلہ اور سبب نہیں تھا بلکہ یہ  
 بدن میں ایک خارجی اور ظاہری "نشان" تھا کہ وہ ایمان سے راست باز ٹھہرایا گیا ہے۔ بنیادی طور پر  
 ختنہ ظاہری نشان تھا خدا اور اسرائیلی قوم کے درمیان عہد کا۔ لیکن یہاں اس کے معنوں میں وسعت پیدا  
 کی گئی ہے کہ یہ اس راستبازی کو ظاہر کرتا ہے جو خدا نے ایمان کے وسیلے سے ابراہام کے لئے محسوب کی۔  
 نشان ہونے کے ساتھ ساتھ ختنہ "مہر" بھی تھا۔ "ختنہ... اس ایمان کی راست بازی پر مہر  
 ہو جائے جو اسے نامختونی کی حالت میں حاصل تھا۔" نشان "اس چیز کی موجودگی کی طرف اشارہ کرتا ہے  
 جس کی وہ نشاندہی کرتا ہے۔ اور "مہر" اس چیز کی اصلیت اور خالصیت کی تصدیق و توثیق کرتی ہے  
 اس چیز کے درست ہونے کی سند اور ضمانت ہوتی ہے جس کی وہ نشاندہی کرتی ہے۔ ختنہ نے ابراہام  
 کے لئے اس بات کی تصدیق کر دی کہ خدا اس کو ایمان کے وسیلے سے راست باز سمجھتا اور شمار کرتا ہے۔  
 "ختنہ" ابراہام کے ایمان کی راست بازی پر مہر تھا۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا ایمان  
 راست بازی تھا۔ یا اس نے ایمان سے راست بازی حاصل کی۔ مہر نیز کہ مطلب زیادہ درست ہے۔  
 "ختنہ" اس راست بازی پر مہر تھا جو اس کا ایمان تھی یا جو اس نے ایمان کی بنیاد پر حاصل کی تھی۔  
 چونکہ ابراہام کو ختنہ کرنے سے پہلے راست باز ٹھہرایا گیا اس لئے وہ ان سب کا باپ ہے جو  
 باوجود نامختون ہونے کے ایمان لاتے ہیں۔ "مرا دے کہ وہ ایمان لانے والے غیر قوم لوگوں کا بھی باپ ہے۔  
 وہ بھی اسی کی مانند۔ یعنی ایمان سے۔۔۔ راست باز ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔"

جب یہ کہا جاتا ہے کہ ابراہام ایمان لانے والے غیر قوم لوگوں کا باپ ہے تو اس میں جسمانی نسل  
 کا کوئی تصور یقیناً موجود نہیں۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ یہ ایمان دار اس لئے اس کے فرزند ہیں کہ ایمان  
 میں اس کی تقلید کرتے ہیں۔ وہ پیدائش کے اعتبار سے اس کے فرزند نہیں بلکہ اس لئے کہ اس کے  
 نمونہ یا مثال کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ حوالہ یہ تعلیم بھی نہیں دیتا کہ ایمان لانے والے غیر قوم خدا کا اسرائیل  
 بن جاتے ہیں۔ خدا کا اسرائیل ان "یہودیوں" پر مشتمل ہے جو یسوع کو مسیح موعود اور اپنا خداوند اور  
 نجات دہندہ قبول کر لیتے ہیں۔

۱۲:۴ - ابراہام کو "ختنہ" کا نشان ایک اور وجہ سے بھی ملا، یعنی کہ وہ نہ صرف ان یہودیوں کا  
 "باپ" ہو جو نہ صرف "مختون" ہیں بلکہ "ایمان" میں بھی اس کے نقش قدم پر چلتے ہیں، یعنی وہ ایمان...  
 جو اسے نامختونی کی حالت میں حاصل تھا۔"

ابراہام کی نسل اور ابراہام کے فرزند ہونے میں فرق ہے۔ یسوع نے فریسیوں سے کہا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ تم ابراہام کی نسل سے ہو (یوحنا ۸: ۳۷)۔ پھر اُس نے یہ بھی کہا کہ اگر تم ابراہام کے فرزند ہوتے تو ابراہام کے سے کام کرتے (یوحنا ۸: ۳۹)۔ چنانچہ یہاں پولس زور دیتا ہے کہ جسمانی عقیدہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اصل چیز زندہ خدا پر ایمان ہے۔ "مختونوں" میں سے جتنے خداوند یسوع پر ایمان لاتے ہیں وہ سب خدا کا حقیقی اسرائیل ہیں۔

سادہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ابراہام کی زندگی میں ایک وقت تھا کہ اُس کو ایمان حاصل تھا مگر تا حال وہ نامختون تھا۔ پھر وہ وقت آیا کہ وہ ایمان بھی رکھتا تھا اور اُس کا ختنہ بھی ہوا۔ پولس اس حقیقت کو دیکھتا ہے کہ ایمان لانے والے غیر قوم اور یہودی دونوں دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ابراہام ہمارا باپ ہے اور ہم اُس کے فرزند ہیں۔

۱۳: ۴۔ پولس رسول ہر ممکنہ معترض کو منطقی اور کلام پاک کے ہر ممکنہ گوشے میں لے جاتا ہے۔ اور یوں بحث جاری رہتی ہے۔ اب پولس اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ برکت شریعت کے وسیلے سے آئی اور اس لئے غیر قومیں جو شریعت سے واقف نہ تھیں یعنی ہیں (دیکھئے یوحنا ۷: ۲۹)۔

جب خدا نے ابراہام اور اُس کی نسل سے وعدہ کیا کہ وہ دنیا کا وارث ہوگا تو اُس نے اس وعدہ کو کسی قانونی ضابطے کے ساتھ مشروط نہیں کیا تھا (خود شریعت بھی اس کے ۴۳ برس بعد دی گئی تھی۔ گلتیوں ۳: ۱۷)۔ یہ فضل کا غیر مشروط وعدہ تھا۔ اور ایمان ... کے وسیلے سے تھا۔ یہ وہی ایمان ہے جس سے آج بھی خدا کی راست باندی حاصل ہوتی ہے۔

"دنیا کا وارث"۔ اس ترکیب کا مطلب ہے کہ ابراہام ایمان لانے والے یہودیوں اور غیر قوموں کا باپ ہوگا (۱۲: ۱۱) اور کہ وہ بہت سما قوموں کا باپ ہوگا (۴: ۱۷، ۱۸)۔ صرف یہودی قوم کا باپ نہیں ہوگا۔ اپنے مکمل معنوں میں یہ وعدہ اُس وقت پورا ہوگا جب خداوند یسوع جو ابراہام کی نسل سے ہے، عالمگیر سلطنت کا تخت سنبھالے گا اور بادشاہوں کے بادشاہ اور خداوندوں کے خداوند کی حیثیت سے بادشاہی کرے گا۔

۱۴: ۴۔ جو لوگ خدا کی برکت اور خصوصاً راستباز ٹھہرائے جانے کی برکت کے طالب ہیں، اگر وہ شریعت پر عمل کی بنیاد پر اس کے وارث ہوں تو ایمان بے فائدہ رہا اور وعدہ لا حاصل ٹھہرا۔ ایمان اس لئے بے فائدہ ٹھہرا کیونکہ یہ وہ اصول ہے جو شریعت کے بالکل الٹ یا مخالف ہے۔ ایمان کا مطلب ہے یقین کرنا۔ جبکہ شریعت کا مطلب ہے کرنا یعنی اعمال۔ اور وعدہ اس لئے لا حاصل ٹھہرا کہ

پھر اس کی بنیاد ایسی شرائط پر ہوگی جن کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا۔

۱۵:۴ - "شریعت تو خدا کا غضب پیدا کرتی ہے" اس کی برکت پیدا نہیں کرتی۔ جو لوگ اس کے

حکموں کو کامل طور سے اور مسلسل پورا نہیں کر پاتے، شریعت ان کو مجرم ٹھہراتی ہے۔ اور چونکہ کوئی بھی شریعت کو پورا نہیں کر سکتا اس لئے جتنے بھی شریعت کے ماتحت ہیں ان پر موت کا حکم ہو چکا۔ ناممکن ہے کہ انسان شریعت کے ماتحت ہو اور لعنت کے ماتحت نہ ہو۔

لیکن "جہاں شریعت نہیں وہاں عدولِ حکمی بھی نہیں"۔ "عدولِ حکمی" کا مطلب ہے معلومہ

"شریعت" کی خلاف ورزی کرنا۔ پورٹس یہ نہیں کہتا کہ جہاں شریعت نہیں، وہاں گناہ بھی نہیں۔ کوئی عمل یا فعل اپنی ذات میں ہی غلط ہو سکتا ہے، اگر اس کے خلاف کوئی قانون (شریعت) موجود نہ ہو تو۔ لیکن اس وقت "عدولِ حکمی" بن جاتا ہے جب یہ بورڈ لگا ہو کہ حدِ رفتار ۲۰ کلومیٹر۔

یہودی سوچتے تھے کہ چونکہ ہمارے پاس شریعت ہے اس لئے ہم برکت کے وارث ہیں۔ لیکن وہ صرف "عدولِ حکمی" کے وارث تھے۔ خدا نے شریعت اس لئے دی کہ گناہ — "عدولِ حکمی" نظر آئے۔ یا دوسرے لفظوں میں گناہ کی ساری آلودگی اور گھنونا پن ظاہر ہو جائے۔ خدا کا کبھی ارادہ یا نیت نہیں تھی کہ شریعت گنہگار نافرمانوں کے لئے نجات کا وسیلہ بنے۔

۱۶:۴ - چونکہ شریعت سے خدا کی راستبازی نہیں بلکہ اس کا غضب پیدا ہوتا ہے، اس لئے خدا نے فیصلہ کیا کہ میں انسانوں کو ایمان کے وسیلے فضل سے نجات دوں گا۔ میں حق نہ رکھنے والے بے دین گنہگاروں کو صرف "ایمان" کے وسیلے سے ابدی زندگی مُفت بخشش کے طور پر دوں گا۔

اس طرح "وہ وعدہ کل نسل کے لئے قائم رہے"۔ یہاں ہمیں دو نکتوں کا خاص ذکر کرنا ہے۔ ایک "کل" دوسرا "قائم"۔ خدا چاہتا ہے کہ وہ وعدہ یقینی ہو یعنی "قائم رہے"۔ اگر راستباز ٹھہرائے جانے کا انحصار شریعت کے اعمال پر ہوتا تو انسان کو کبھی اپنی نجات کی تسلی نہ ہو سکتی کیونکہ وہ کبھی جان نہ سکتا کہ میں نے کافی نیک کام، یا درست قسم کے نیک کام کر لئے ہیں کہ نہیں۔ جو شخص بھی نجات کمانے کی کوشش کرتا ہے، اس کو کبھی بھی اپنی نجات کے بارے میں یقین کامل نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب نجات ایک بخشش کے طور پر پیش کی جاتی ہے، جس کو ایمان سے قبول کرنا ہوتا ہے، تو انسان کو یقین ہو سکتا ہے کہ خدا کے کلام کے اختیار اور سند سے مجھے نجات مل چکی ہے۔

دوسری بات — خدا چاہتا ہے کہ "وہ وعدہ کل نسل کے لئے قائم رہے" یعنی صرف یہودیوں کے لئے نہیں جن کو شریعت دی گئی تھی بلکہ غیر یہودیوں کے لئے بھی ہو جو "ابراہام" کی طرح خداوند پر

ایمان لاتے ہیں۔ "ابراہام ہم سب کا باپ ہے" یعنی تمام ایمان لانے والے بیوہوں اور غیر قوم والوں کا۔  
 ۱۷:۴۔ ابراہام کے تمام ایمانداروں کے باپ ہونے کی تصدیق کرنے کے لئے پوکس رسول جملہ معتزضہ کے  
 طور پر پیدا ائرش ۱۷:۵ کا حوالہ دیتا ہے کہ "میں نے تجھے بہت سی قوموں کا باپ بنایا۔" خدا نے اسرائیل کو  
 زمین پر اپنی برگزیدہ قوم ہونے کے لئے چن لیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اُس کا فضل اور رحم صرف  
 اُنہی تک محدود ہو کر رہ جائے گا۔ رسول بڑی مہارت سے پرانے عہد نامہ میں سے آیت پر آیت کا اقتباس  
 پیش کرتا اور ثابت کرتا ہے کہ خدا کا ارادہ ہمیشہ یہی تھا کہ جہاں بھی ایمان لائے اُس کا لحاظ کرے۔

"اُس خدا کے سامنے جس پر وہ ایمان لایا۔" یہاں ۴:۱۶ کے خیال کا تسلسل ہے جہاں لکھا ہے  
 "ابراہام... وہی ہم سب کا باپ ہے۔" تعلق یہ ہے کہ ابراہام خدا کی نظر میں ہم سب کا باپ ہے جس  
 پر وہ (ابراہام) ایمان لایا وہ ایسا خدا ہے جو مردوں کو زندہ کرتا ہے اور جو چیزیں نہیں ہیں اُن کو اس  
 طرح بلا لیتا ہے کہ گویا وہ ہیں۔ خدا کے بارے میں اس بیان کو سمجھنے کے لئے ہمیں اگلی آیات کو دیکھنا ہوگا۔  
 خدا جو مردوں کو زندہ کرتا ہے، یعنی اُس نے ابراہام اور سارے کو زندہ کیا۔ اگرچہ وہ جسمانی لحاظ سے مر نہیں گئے  
 تھے۔ اُن کے اولاد نہیں تھی اور اتنے عمر رسیدہ ہو چکے تھے کہ اولاد ہو بھی نہیں سکتی تھی (دیکھئے ۴:۱۹)۔ خدا  
 "جو چیزیں نہیں ہیں اُن کو اس طرح بلا لیتا ہے کہ گویا وہ ہیں۔" مراد ہے وہ بے شمار اولاد یا نسل جس میں  
 بہت سی قومیں شامل ہیں (دیکھئے ۴:۱۸)۔

۱۸:۴۔ گزشتہ آیات میں پوکس نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ابراہام کو وعدہ شریعت سے نہیں  
 بلکہ ایمان سے ملتا کہ فضل سے ہو اور کل نسل کے لئے یقینی ہو۔ اس بات سے فطری طور پر تو تبر ابراہام کے  
 ایمان کی طرف جاتی ہے کہ وہ اُس خدا پر ایمان رکھتا ہے جو قیامت کا۔ یعنی مردوں کو زندہ کرنے  
 والا۔ خدا ہے۔ خدا نے ابراہام سے وعدہ کیا تھا کہ تیری نسل رستاروں اور ریت کی مانند بے شمار  
 ہوگی۔ انسانی لحاظ سے اس کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن انسانی "نامیدری" کے برخلاف ابراہام "ایمان لایا" اور  
 اس امید کے ساتھ ایمان لایا کہ میں "بہت سی قوموں کا باپ" ہوں گا، جیسا کہ پیدا ائرش ۱۵:۵ میں خدا  
 نے وعدہ کیا تھا کہ "تیری نسل ایسی ہی ہوگی۔"

۱۹:۴۔ جب ابراہام سے بے شمار نسل کا وعدہ پہلی دفعہ کیا گیا تو اُس کی عمر پچھتر برس تھی (پیدا ائرش  
 ۱۲:۲-۴)۔ اُس وقت ابھی وہ جسمانی لحاظ سے باپ بننے کے قابل تھا کیونکہ اس کے بعد اُس سے اسماعیل  
 پیدا ہوا (پیدا ائرش ۱۶:۱-۱۱)۔ لیکن اس آیت میں جس وقت کا ذکر پوکس کر رہا ہے، اُس وقت ابراہام کی  
 عمر تقریباً سو (۱۰۰) برس تھی۔ اب وعدے کو دہرایا گیا (پیدا ائرش ۱۷:۱۵-۲۱)۔ اس وقت یہ امید نہ رہی

تھی کہ خدا کے مجربے کے علاوہ کسی طرح نئی زندگی پیدا ہو سکتی ہے۔ تاہم خدا نے اُس کو ایک بیٹا دینے کا وعدہ کر لیا اور ابراہام خدا کے وعدہ پر ایمان رکھتا تھا۔

اور ابراہام "باوجود اپنے مُردہ سے بدن اور سارہ کے رحم کی مُردگی پر لحاظ کرنے کے ایمان میں ضعیف نہ ہوا"۔ انسانی لحاظ سے یہ بات قطعی ناممکن تھی لیکن ابراہام نے ایمان رکھا۔

۲۰: ۴۔ لگتا تھا کہ یہ "وعدہ" کبھی پورا نہیں ہوگا۔ مگر اِس سے ابراہام کا ایمان ڈگمگایا نہیں۔ خدا نے کہا تھا۔ ابراہام اُس کا یقین کرتا تھا۔ گویا معاملہ طے تھا۔ قوم کے اِس بزرگ کے سامنے دو باتیں تھیں۔ — یا تو خدا اپنا وعدہ پورا کرے گا یا وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ابراہام کا ایمان کتنا مضبوط تھا! اُس نے "خدا کی تجھ کی" کہ خدا وہ ہستی ہے جو تمام انسانی ضابطوں کے خلاف اپنا وعدہ پورا کر سکتا ہے۔ وہ ناممکنات کا خدا ہے۔ ابراہام اُس پر اعتماد اور بھروسہ رکھتا تھا۔

۲۱: ۴۔ ابراہام نہیں جانتا تھا کہ خدا اپنا وعدہ کس طرح پورا کرے گا۔ لیکن اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ خدا کو جانتا تھا۔ اور اُسے پورا یقین تھا کہ "جو کچھ اُس نے وعدہ کیا ہے وہ اُسے پورا کرنے پر بھی قادر ہے"۔ ایک لحاظ سے یہ عجیب اور حیرت ناک ایمان ہے، مگر دوسرے لحاظ سے یہی نہایت معقول بات ہے کیونکہ خدا کی بات ساری کائنات میں سب سے یقینی بات ہوتی ہے۔ اور ابراہام کو اُس کا یقین کرنے میں کسی نقصان کا خطرہ نظر نہ آیا۔

۲۲: ۴۔ خدا کو ایسا انسان ملنے کی بہت خوشی ہے جو اُس کی بات کا یقین کرتا ہے۔ چنانچہ اُس نے اِس بات کو ابراہام کے لئے "راست بازی گناہ" جس کھاتے میں پہلے گناہ اور قصور تھے، اب اُس میں سوائے راست بازی کے کچھ نہ رہا۔ پاک خدا نے ابراہام کو ایمان کے وسیلے سے گناہ کی سزا سے بری کر کے اُسے راست باز ٹھہرایا۔

۲۳: ۴۔ اُس کے راست باز ٹھہرائے جانے کا تاریخی بیان "نہ صرف اُس کے لئے لکھا گیا تھا۔ ایک لحاظ سے تو یہ اُس کے لئے لکھا گیا تھا۔ یہ اُس کی بریت اور خدا کے سامنے کا ملیت کا رتبہ پانے کا داہی ریکارڈ ہے۔

۲۴: ۴۔ "بلکہ یہ بات ہمارے لئے بھی لکھی گئی۔ ابراہام کی طرح ہمارا ایمان بھی ہمارے لئے راست بازی گناہ جئے گا کیونکہ ہم بھی اُس خدا پر ایمان لائے ہیں جس نے ہمارے خداوند یسوع کو مُردوں میں سے چلایا۔ صرف ایک فرق ہے۔ ابراہام ایمان لایا کہ خدا مُردوں کو (یعنی اُس کے کمزور بدن اور سارہ کے مُردہ سے رحم کو) زندہ کرے گا۔ اور ہم ایمان لائے ہیں کہ خدا نے خداوند یسوع کو چلانے

کے وسیلے سے مردوں کو زندگی دی ہے۔ سی۔ ایچ۔ میکناٹش وضاحت کرتا ہے کہ  
 ”ابراہام کو بلاہٹ ہوئی کہ ایک وعدہ پر ایمان لائے، جبکہ ہمیں یہ اعزاز حاصل  
 ہے کہ ایک پورے کے لئے گم کام پر ایمان رکھتے ہیں۔ اُس کی بلاہٹ یہ تھی کہ اُس بات کی  
 طرف دیکھے جو ابھی وقوع میں آئی تھی۔ ہم دیکھتے ہیں جو ہوشیاری  
 ہے، یعنی مخلصی جو پوری ہو چکی ہے اور جس کی تصدیق اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ  
 جی اٹھا نجات دہندہ خدا کے دہنے ہاتھ جلوہ افروز ہے۔“

۲۵:۴۔ خداوند یسوع ”ہمارے قصوروں کے لئے حوالہ کر دیا گیا اور ہمارے راست باز ٹھہرانے  
 کے لئے جلا یا گیا۔“ وہ نہ صرف ہمارے قصوروں کے لئے یعنی اُن کی وجہ سے حوالہ کیا گیا بلکہ اس  
 لئے بھی کہ اُن کو دور کر دے۔ ”وہ ہمارے راست باز ٹھہرانے کے لئے جلا یا گیا۔“ یعنی اس بات کی  
 تصدیق کرنے کے لئے کہ مسیح کے نجات کے کام نے خدا کے سارے تقاضے پورے کر دیے ہیں۔ اور اسی کام  
 کی بنیاد پر خدا ہمیں راست باز ٹھہراتا ہے۔ پہلی صورت حال میں ”ہمارے قصوروں“ کا مسئلہ حل کرنا ضرورت تھا۔  
 دوسری صورت حال میں ”ہمارا راست باز ٹھہرایا جانا“ وہ نتیجہ ہے جس کی یقین دہانی مسیح کے جی اٹھنے سے  
 ہوتی ہے۔ اگر مسیح قبر میں رہتا تو کوئی ”راست باز ٹھہرایا جانا“ نہ ہوتا۔ لیکن یہ حقیقت کہ وہ زندہ ہوا  
 تصدیق کرتی ہے کہ مخلصی کا کام مکمل ہو چکا ہے، نیت ادا ہو چکی ہے، اور خدا مُتجی کے گناہ کے کفارہ  
 کے کام سے پورے طور پر مطمئن ہے یعنی اُس کے سارے تقاضے پورے ہو چکے ہیں۔

## ۱۔ انجیل کی خوشخبری کے عملی فوائد (۱:۵-۱۱)

پولس رسول راست باز ٹھہرانے کے موضوع کو ایک قدم اُردا گئے بڑھاتا ہے۔ اس سلسلے میں  
 یہ سوال اٹھاتا ہے کہ ”ایمان دار کی زندگی میں راست باز ٹھہرائے جانے کے کیا فوائد ہیں؟ دوسرے الفاظ  
 میں کیا راست باز ٹھہرائے جانے کا کوئی فائدہ بھی ہے؟ اس کا جواب زور دار ’ہاں‘ ہے۔ وہ سات  
 برکات گنوتا ہے جو ہر ایمان دار کو حاصل ہوتی ہیں۔ یہ برکات ایمان دار کو مسیح کی معرفت ملتی ہیں۔ وہ خدا  
 اور انسان کے بیچ درمیانی ہے اور خدا کی ساری بخششیں اسی کی معرفت انسان کو پہنچتی ہیں۔

۱:۵۔ ہم میں سے جتنے ”ایمان سے راست باز“ ٹھہرائے گئے ہیں، اُن کے لئے پہلا بڑا فائدہ  
 ”خدا کے ساتھ اپنے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے صلح“ ہے۔ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ دشمنی ختم ہو گئی  
 ہے۔ مسیح کے کام کے وسیلے سے ہمارے اور خدا کے درمیان دشمنی کی تمام وجوہات مٹ گئی ہیں۔ فضل

کے ایک مُعجزے نے ہم کو دشمن سے دوست بنا دیا ہے۔

۲:۵۔ اس کے ساتھ خدا کے بے بیان "فضل تک ہماری سائل بھی ہوئی"۔ یعنی ہمیں خدا کے نزدیک بہت بڑی نوازش کا مقام حاصل ہوا۔ ہم اُس کے پیارے بیٹے میں قبول کئے گئے۔ اس لئے ہم بھی خدا کے لئے ہی قریب اور عزیز ہیں جتنا اُس کا اپنا پیارا بیٹا ہے۔ باپ ہمیں غیروں کی طرح نہیں بلکہ فرزندوں کی طرح قبول کرتا ہے۔ یہ "فضل" یا خصوصی مرتبہ خدا کے حضور ہمارے مقام کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا تھا۔ یہ رتبہ یا حیثیت ویسی ہی کامل اور مستقیم ہے جیسی مسیح کی کیونکہ ہم اُس میں ہیں۔

جیسے کہ اتنا ہی کافی نہ ہو، ہم "خدا کے جلال کی اُمید پر فخر" بھی کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم خوشی کے ساتھ اُس وقت کا انتظار کرتے ہیں جب ہم خدا کی شان و شوکت کو غور سے دیکھیں گے بلکہ خود بھی جلالی صورت میں ظاہر ہوں گے (دیکھیے یوحنا ۱۷:۲۲؛ کلسیوں ۳:۴)۔ اس دُنیا میں رہتے ہوئے ہم اس اُمید کی پوری اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے اور نہ ابدیت میں اس پر ہماری حیرت کبھی ختم ہوگی۔

۳:۵۔ راست باز ٹھہرائے جانے سے جو تیسری برکت حاصل ہوتی ہے یہ ہے کہ ہم "مُصیبتوں پر بھی فخر" کرتے ہیں۔ یعنی اُن کی موجودہ تکلیف پر نہیں بلکہ آخر میں اُن کا جو نتیجہ ہوگا اُس پر فخر کرتے ہیں (دیکھیے عبرانیوں ۱۲:۱۱)۔ یہ مسیحی ایمان کا ایک مُسرت بخش جُوبہ ہے کہ خوشی اور مُصیبت ایک ساتھ ہو سکتی ہیں۔ خوشی کی ضد دکھ یا مُصیبت نہیں بلکہ گناہ ہے۔ "مُصیبت" کا ایک ضمنی حاصل یہ ہے کہ اس سے "صبر" یعنی ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی مُصیبت نہ ہو تو ہم میں صبر اور ثابت قدمی کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔

۴:۵۔ اب پُلُوس یہ بیان کرتا ہے کہ "صبر سے پختگی... پیدا ہوتی ہے"۔ جب خدا دیکھتا ہے کہ ہم اپنی مُصیبتوں اور آزمائشوں کو برداشت کر رہے ہیں اور اُس کی طرف دیکھتے ہیں کہ ان مُصیبتوں کے ذریعے سے اپنے مقاصد اور ارادے پورے کرے تو وہ ہمیں سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے کہ یہ بہت اچھے صبر اور برداشت کرنے والے ہیں۔ ہمیں آزما یا گیا اور ہم کامیاب نکلے اور منظور کئے گئے۔ اور اُس کی طرف سے اس منظوری کے احساس سے ہم میں "اُمید پیدا ہوتی ہے"۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا ہماری زندگیوں میں کام کرتے ہوئے ہمارے کردار کو پختہ کر رہا ہے۔ اس سے ہمیں اعتماد حاصل ہوتا ہے کہ اُس نے ہمارے اندر جو کام شروع کیا ہے اُسے پورا بھی کرے گا (فلپیوں ۱:۶)۔

۵:۵۔ "اُمید سے شرمندگی حاصل نہیں ہوتی"۔ اگر ہم کسی چیز کی اُمید کریں مگر بعد میں معلوم ہو کہ وہ چیز ہمیں کبھی حاصل نہیں ہوگی تو ہماری اُمید شرمندگی یا نا اُمیدی میں بدل جائے گی۔ لیکن



ہماری نجات کی اُمید سے کبھی شرمندگی حاصل نہ ہوگی۔ ہمیں کبھی نا اُمیدی یا مایوسی نہیں ہوگی۔ اور معلوم ہوگا کہ ہم نے جھوٹے بھروسے پر نکلنے نہیں کیا تھا۔ ہمیں اتنا یقین کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ... خدا کی محبت ہمارے دلوں میں ڈالی گئی ہے۔ ”خدا کی محبت“ کا مطلب خدا کے لئے ہماری محبت یا ہمارے

لئے خدا کی محبت ہو سکتا ہے۔ یہاں اس کا مطلب ہے ہمارے لئے خدا کی محبت، کیونکہ آیات ۶-۲۰ میں خدا کی محبت ہمارے لئے محبت کے متعدد ثبوت دئے گئے ہیں۔ ”روح القدس جو ہم کو“ اس لمحہ بخشا گیا“ جب ایمان لائے تھے ہمارے دلوں کو خدا کی ازلی وابدی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اسی محبت کے اظہار سے ہمیں یقین حاصل ہوتا ہے کہ وہ ہمیں بحفاظت آسمانی گھر تک پہنچائے گا۔ جب آپ کو روح القدس ملتا ہے تو آپ کو احساس ہوتا ہے کہ خدا آپ سے محبت رکھتا ہے۔ یہ کوئی مُبہم اور پراسرار احساس نہیں ہوتا کہ اوپر آسمان میں کوئی ہے جو بنی نوع انسان کی فکر کرتا ہے۔ بلکہ یہ گہری اور دل کے اندر بیٹھی ہوئی قابلیت ہوتی ہے کہ خدا مجھے پیار کرتا ہے۔

۶:۵- آیات ۶ تا ۲۰ میں پولوس رسول ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف کے اصول کے مطابق بحث کرتا ہے۔ اُس کی منطق یہ ہے کہ جب خدا نے ہم سے اُس وقت محبت رکھی جب ہم بے دین اور خدا کے دشمن تھے تو اب جبکہ ہم اُس کے ہیں وہ کس قدر زیادہ ہماری محافظت نہ کرے گا؟ اس طرح ہم راستباز ٹھہرائے جانے کے پانچویں فائدہ تک پہنچتے ہیں کہ مسیح میں ہم ہمیشہ تک محافظت کئے جاتے ہیں۔ اس موضوع کی وضاحت کے لئے رسول پانچ ”ضروری“ پیش کرتا ہے :

۱- غضبِ الہی سے ”ضروری“ بچیں گے (۹:۵)

۲- اُس کی (جی اٹھی) زندگی کے سبب سے ”ضروری“ بچیں گے (۱۰:۵)

۳- خدا کی بخشش آدمیوں پر ”ضروری“ افراط سے نازل ہوئی (۱۵:۵)

۴- ایمان دار لوگ ہمیشہ کی زندگی میں ”ضروری“ بادشاہی کریں گے (۱۷:۵)

۵- فصل... نہایت (ضروری) زیادہ ہوا (۲۰:۵)

آیات ۶ تا ۱۸ میں پولوس زور دے کر کہتا ہے کہ ہم کیا تھے (کمزور۔ بے دین۔ گنہگار) جب ”مسیح“ ہماری ”خاطر مولا“۔ اور آیات ۱۹ اور ۱۰ میں بیان کرتا ہے کہ اب ہم کیا ہیں (مسیح کے خون سے راست باز ٹھہرائے گئے، اُس کی موت کے باعث خدا سے میل ہو گیا)۔ اس کے نتیجے میں ان باتوں کا یقین حاصل ہوتا ہے جو نجات دہندہ ہمارے لئے کرے گا (غضبِ الہی سے بچائے گا، اپنی زندگی کے وسیلے سے ہمیں محفوظ رکھے گا)۔

سب سے پہلے ہمیں یاد دلایا گیا ہے کہ ہم ”گزور“، بے بس اور لاچار تھے۔ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے تھے۔ لیکن ”عین وقت پر“ یعنی جو وقت پہلے سے مقرر تھا (خداوند یسوع) اس کو ارضی پر آیا اور انسانوں کے لئے مولا۔ کچھ لوگ خیال کر سکتے ہیں کہ مسیح اچھے اور نیک لوگوں کی خاطر ہی مولا، ہرگز نہیں، بلکہ وہ ”بے دینوں کی خاطر مولا“ ہم میں کوئی خوبی، کوئی اچھی بات نہ تھی جس سے خدا کے سامنے ہماری سفارش ہوتی۔ ہم قطعی طور پر نالائق تھے، تو بھی ”مسیح“ ہماری خاطر ”مولا“۔

۷: ۷۔ الٰہی محبت کا یہ فعل بالکل بے مثال ہے۔ انسانی تجربے میں کبھی کوئی ایسی بات نہیں آئی تھی۔ عام آدمی کبھی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اپنی جان کسی نالائق شخص کے لئے ضائع کر دے۔ مثال کے طور پر وہ کبھی کسی خونی، یا کسی زانی، یا کسی فسادی آدمی کی خاطر مرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ کسی راست باز کی خاطر بھی جان دینے سے بچکپائے گا۔ اگرچہ انتہائی صورت حال میں ایسا ممکن بھی ہے کہ کوئی آدمی کسی ”نیک آدمی“ کے لئے اپنی جان دے دے۔ ”نیک آدمی“ سے یہاں مراد ہے مہربان، دوست دار، محبت کرنے والا اور قابلِ محبت شخص۔

۸: ۵۔ ”خدا“ کی ”محبت“ کسی دوسری دنیا کی چیز ہے۔ اُس نے اپنی یہ محبت ہم پر نہایت تعجب خیز انداز میں ظاہر کی کہ ”جب ہم گنہگار ہی تھے“ تو اُس نے اپنے پیارے بیٹے کو بھیجا تاکہ ہماری خاطر اپنی جان دے۔ اگر ہم پوچھیں کہ اُس نے ایسا کیوں کیا تو ہمیں اس کا جواب خدا کی آزاد مرضی میں ملے گا۔ ہم میں کوئی خوبی نہ تھی جو ایسی محبت کو ابھار سکتی۔

۹: ۵۔ یہاں کچھ نئی شرائط عائد ہوتی ہیں۔ اب ہم مجرم یا گنہگار شمار نہیں ہوتے۔ یعنی نئے کلوری پر اپنا ہمیشہ بہا ”خون“ بہایا۔ اس خون کے باعث خدا ہمیں راست باز شمار کرتا ہے۔ جب ہم گنہگار ہی تھے تو اُس نے ہماری خاطر اتنی بڑی قیمت ادا کرنے کا بندوبست کیا تاکہ ہمیں راست باز ٹھہرائے۔ تو کیا وہ اسی مسیح کے وسیلہ ہمیں اپنے ”غضب“ سے نہ بچائے گا؟ پوکس کتنا ہے ”ضروری“ بچائے گا۔ اگر اُس نے ہم کو اپنے حضور میں مقبول ٹھہرانے کے لئے اتنی بڑی قیمت ادا کر دی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ بالآخر وہ ہمیں ہلاک ہونے دے گا؟

”غضبِ الٰہی سے ضرور ہی بچیں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ غضب میں سے بچیں گے یا غضب کا شکار یا نشانہ بننے سے بچیں گے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہاں جو حرفِ جار (یونانی apo) استعمال ہوا ہے، وہ مؤخر الذکر مفہوم کی تائید کرتا ہے کہ غضبِ الٰہی ہمارے نزدیک بھی نہیں آئے گا، نہ اس زمانے میں نہ ابدیت میں۔

۱۰:۵۔ مٹا دیا کریں کہ ہم کیا تھے اور اب کیا ہیں۔ غور کریں کہ "باوجود دشمن ہونے کے خدا سے اُس کے بیٹے کی موت کے وسیلے سے ہمارا میل ہو گیا۔" ہم خداوند سے دشمنی رکھتے تھے اور اس بات پر مطمئن تھے۔ اگر ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ہم خدا کے ساتھ میل ملاپ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے۔ ذرا سوچیں۔۔۔  
خدا کے دشمن!

اس معاملے میں خدا نے ہمارا جیسا رویہ نہیں رکھا۔ اُس نے مداخلت کی اور اپنے فضل کا اظہار کیا۔ مسیح کی عوضی موت نے خدا کے ساتھ ہماری دشمنی کی وجہ کو دور کر دیا۔ یعنی ہمارے گناہوں کو دور کر دیا۔ اور مسیح پر ایمان کے وسیلے سے ہمارا "خدا سے... میل ہو گیا۔"

اگر خدا نے ہمارے ساتھ میل کی اتنی بھاری قیمت ادا کی تو کیا وہ ہمیں یونہی چھوڑ دے گا؟ اگر اُس کے بیٹے کی موت کے وسیلے سے ہمارا میل ہو گیا ہے جو کہ انتہائی کمزوری کی علامت ہے تو کیا ہم مسیح کی موجودہ زندگی کے وسیلے سے آخر تک محفوظ نہ رکھے جائیں؟ کیونکہ اب تو مسیح خدا کے دہنے ہاتھ ہے اور یہ زندگی لامحدود قدرت کی حامل ہے۔ اگر اُس کی "موت" میں ہمیں بچانے کی اتنی زیادہ قدرت تھی تو ہمیں بچائے رکھنے کے لئے "اُس کی زندگی" میں کتنی زیادہ قدرت نہ ہوگی!

۱۱:۵۔ اب ہم راست باز ٹھہرائے جانے کے چھٹے فائدہ تک پہنچتے ہیں۔ ہم "اپنے خداوند یسوع مسیح کے طفیل سے... خدا پر فخر بھی کرتے ہیں۔" ہم صرف اُس کی نعمتوں اور بخششوں پر فخر نہیں کرتے بلکہ خود دینے والے پر فخر کرتے ہیں۔ بچائے جانے سے پہلے ہم نہ جانے کتنی دوسری باتوں پر فخر کرتے تھے۔ اب ہم جب بھی اُس یاد کرتے ہیں تو بے حد خوشی مناتے ہیں۔ مگر جب اُس کو بھول جاتے ہیں تو افسردہ ہو جاتے ہیں۔ کس بات نے اتنی حیرت افزا تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ اب ہم خدا میں خوش ہوتے اور اُس پر فخر کرتے ہیں؟ یہ خداوند یسوع مسیح کا کام ہے۔ ہماری باقی ساری برکتوں کی طرح ہمیں یہ "فخر" (اور خوشی) مسیح کے وسیلے سے حاصل ہوتا ہے۔

راست باز ٹھہرائے جانے والے جس ساتویں فائدے سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اُس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ "اب ہمارا خدا کے ساتھ میل ہو گیا ہے۔" اس سے مراد منجی کے کام کے وسیلے سے جو کافی اور دائمی ہے خدا اور انسان کے درمیان ہم آہنگی پیدا ہو گئی ہے۔ گناہ داخل ہوا تو خدا اور انسان کے درمیان اجنبیت، جدائی اور دشمنی آگئی تھی۔ اور گناہ کو جس نے یہ غیریت پیدا کی تھی دور ہٹا دینے سے خداوند یسوع نے اُن سب کو جو اُس پر ایمان لاتے ہیں خدا کے ساتھ میل ملاپ میں بحال کر دیا۔ چلتے چلتے ہم یہ بھی بنا دیں کہ خدا کو اِس میل کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ضرورت تو انسان کو تھی، کیونکہ وہ خدا سے دشمنی رکھتا تھا۔

## ز۔ آدم کے گناہ پر مسیح کے کام کی فتح (۱۲:۵ - ۲۱)

۱۲:۵ - باب ۵ کا باقی حصہ خط کے پہلے حصے اور اگلے تیسرا ابواب کے درمیان پُل کا کام دیتا ہے - پہلے حصے سے اس کا تعلق اس لئے ہے کہ یہاں اسی حصے کے موضوعات پر بحث جاری رکھی گئی ہے۔ مثلاً آدم کے وسیلے سے خدا کے غضب کا حق دار بننا اور مسیح کے وسیلے سے اس غضب سے بری قرار دیا جانا۔ اور یہ ثابت کرنا کہ مسیح کا کام اپنی برکت میں اُس کام پر نہایت بھاری ہے جو آدم نے کیا جس سے اُس کا نقصان ہوا اور بد حالی آئی۔ اور ابواب ۶-۸ سے تعلق اس طرح ہے کہ بات راست باز ٹھہرائے جانے سے آگے مقدس ٹھہرائے جانے تک اور گناہ کے اعمال سے آگے انسان کی سرشت میں گناہ تک بڑھائی گئی ہے۔

ان آیات میں آدم کو اُن سب کا نمائندہ دکھایا گیا ہے جو ابھی تک پُرانے مخلوق میں۔ اور مسیح کو اُن سب کا سر دکھایا گیا ہے جو نئے مخلوق میں۔ سر (سر دار) اُن سب کے لئے اِقدام کرتا ہے جو اُس کے ماتحت ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کسی ملک کا صدر کسی بل پر دستخط کر کے اُس کو قانون بنا دیتا ہے تو وہ اُس ملک کے سارے شہریوں کے لئے اِقدام کرتا ہے یعنی اُس کا اِقدام سارے شہریوں کا اِقدام مانا جاتا ہے۔

آدم کے مُعلے میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اُس کے "گناہ" کے نتیجے میں انسانی "موت" اس "دنیا میں" داخل ہوئی اور یہ موت آدم کی کل نسل کا مشترکہ حصہ بن گئی کیونکہ آدم میں "سب نے گناہ کیا" تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ سبھوں نے انفرادی طور پر بھی گناہ کئے مگر یہاں اس خیال کا اظہار نہیں کیا گیا۔ پولس کا نکتہ یہ ہے کہ آدم کا گناہ "نمائندہ فعل" ہے اور محسُوب یہ کیا جاتا ہے کہ اُس میں اُس کی کل نسل نے "گناہ کیا" ہے۔ کوئی شخص اعتراض اٹھا سکتا ہے کہ پہلا گناہ آدم نے نہیں تو اُن نے کیا تھا۔ بالکل درست۔ لیکن چونکہ آدم کو پہلے خلق کیا گیا تھا، اس لئے سرداری اُس کو دی گئی تھی۔ چنانچہ مانا جاتا ہے کہ اُس نے اپنی کل نسل کے لئے فعل کیا۔

جب یہاں پولس رسول کہتا ہے کہ "موت سب آدمیوں میں پھیل گئی" تو اُس کی مراد جسمانی "موت" سے ہے حالانکہ آدم کا گناہ رُو حافی موت بھی لایا (آیات ۱۳، ۱۴؛ ظاہر کرتی ہیں کہ یہاں جسمانی موت مراد ہے)۔

کلام کے اس حصے کو پڑھتے ہوئے کئی سوال اُبھرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے کہ آدم کے گناہ

کرنے کے باعث اُس کی کُل نسل کو گنہگار قرار دیا جائے؟ کیا خُدا انسانوں کو اس لئے مجرم ٹھہراتا ہے کہ وہ گنہگار پیدا ہوئے یا صرف اُن گناہوں کی وجہ سے جو انہوں نے واقعی خود کئے؟ اگر انسان گناہ آلودہ فطرت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور وہ اس لئے گناہ کرتے ہیں کہ گنہگار پیدا ہوتے ہیں تو خُدا اُن کو اُن کے اعمال کا کس طرح ذمہ دار ٹھہرا سکتا ہے؟

بائبل مُقدّس کے علمائے ان سوالوں اور ان کے علاوہ اسی قسم کے کئی مسائل پر زبردست غور و خوض کرتے رہے ہیں اور وہ مُتعدد حیرت افزا نتائج پر پہنچے ہیں۔ تاہم کچھ ایسے حقائق ہیں جن کے بارے میں ہم یقینی بات کر سکتے ہیں۔

اول۔ بائبل مُقدّس واقعی یہ تعلیم دیتی ہے کہ سارے انسان فطرتاً اور فعلاً گنہگار ہیں۔ انسانی والدین سے پیدا ہونے والے ہر فرد کو آدم کا گناہ ورثہ میں ملا اور وہ اپنے ارادہ سے بھی گناہ کرتا ہے۔ دوم۔ ہم جانتے ہیں کہ گناہ کی مزدوری موت ہے۔ ایک تو جسمانی موت ہے، دوسری خُدا سے ابدی جُدائی ہے۔

لیکن کسی فرد کو گناہ کی سزا بھگکنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ خُدا نے بہت بڑی قیمت ادا کی۔ اُس نے اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ گنہگاروں کے عرصی کے طور پر مرے۔ گناہ اور اُس کی مزدوری سے نجات خُداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے سے مُنعت بخشش کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ آدمی کو تین بنیادوں پر مجرم ٹھہرایا جاتا ہے۔ (۱) وہ گناہ آلودہ فطرت رکھتا ہے، (۲) آدم کا گناہ اُس کا گناہ شمار کیا جاتا ہے (۳) اور وہ فعلاً گنہگار ہے۔ لیکن اُس کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ وہ اُس انتظام کو رد کرتا ہے جو خُدا نے اُس کی نجات کے لئے مہیا کیا ہے (یوحنا ۳: ۱۸، ۳۶)۔ لیکن کوئی پوچھ سکتا ہے کہ ”اُن لوگوں کا کیا بنے گا جنہوں نے انجیل کی خوشخبری کبھی سنی ہی نہیں؟“ اس سوال کا بڑی جواب تو باب ۱ میں دیا گیا ہے۔ اس سے آگے ہم یقین رکھ سکتے ہیں کہ دُنیا کا انصاف کرنے والا انصاف کرے گا (پیدائش ۱۸: ۲۵)۔ وہ کبھی بے انصافی نہیں کر سکتا۔ اُس کے فیصلے انصاف اور راست بازی پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض صورت حال ہماری ناقص عقول کے لئے مسائل نظر آتی ہیں لیکن خُدا کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوتی۔ جب آخری مقدمہ سنا یا جا چکے گا اور کمرہ عدالت کے دروازے بند ہو جائیں گے تو کسی کے پاس کوئی قانونی مُنیاد نہیں ہوگی کہ فیصلے کے خلاف اپیل کر سکے۔

۱۳: ۵۔ اب پورکس ثابت کرے گا کہ آدم کے گناہ نے ساری نسل انسانی میں تاثیر کی ہے۔ پہلے تو رسول یہ وضاحت کرتا ہے کہ آدم کے زمانے سے لے کر کوہ سینا پر ”شریعت“ کے دئے جانے کے

زمانے تک گناہ دُنیا میں موجود تھا۔ لیکن اس سارے زمانے میں خُدا کا کوئی واضح قانون (شریعت) موجود نہ تھا۔ آدم کو خُدا سے بالکل واضح زبانی حکم ملا تھا۔ اور کئی صدیوں بعد دس حکم خُدا کی شریعت کا واضح تحریری مکاشفہ تھے۔ لیکن درمیانی عرصے میں انسان کے پاس خُدا کا کوئی قانونی ضابطہ نہیں تھا۔ اس لئے اگرچہ اس عرصے کے دوران میں ”گناہ“ موجود تو تھا لیکن عدولِ حکمی نہیں تھی کیونکہ عدولِ حکمی تو معلومِ حکم کی خلاف ورزی سے ہوتی ہے۔ لیکن ”جہاں شریعت نہیں وہاں گناہ محسوب نہیں ہوتا“۔ یعنی جب تک منع کرنے اور روکنے کے لئے شریعت (حکم) موجود نہ ہو تب تک گناہ ”عدولِ حکمی“ شمار نہیں ہوتا۔

۱۴:۵۔ لیکن جس زمانے کے دوران شریعت موجود نہ تھی ”موت“ مَعْطَل تو نہیں رہی۔ سوائے ایک شخص جنوک کے ”موت“ ساری نسل کو اپنی لپیٹ میں لئے رہی۔ آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ لوگ اس لئے مَرے کہ آدم کی طرح انہوں نے خُدا کے واضح حکم کی نافرمانی کی تھی۔ پھر وہ کیوں مَرے؟ جواب اس بات میں مُصر ہے۔ وہ اس لئے مَرے کہ انہوں نے آدم میں گناہ کیا تھا۔ اگر یہ بات ناواجب لگتی ہے تو یاد رکھیں کہ اس کا نجات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جتنے خُداوند پر ایمان لائے انہوں نے ابدی نجات پائی۔ لیکن جسمانی موت تو وہ بھی مر گئے۔ اور وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے سردار آدم میں گناہ کیا تھا۔ آدم ”آنے والے کا مثیل تھا“ اور آنے والا تھا خُداوند یسوع مسیح۔ اگلی آیات میں پولس ان دو ”سرداروں“ کے موضوع پر مفصل بحث کرے گا۔ لیکن یہ بیان مشابہات کی بنیاد پر نہیں بلکہ تقابل کی بنیاد پر ہوگا۔ وہ ثابت کرے گا کہ آدم کی نسل نے آدم میں کھویا کم اور مسیح میں پایا زیادہ ہے۔

۱۵:۵۔ پہلا تقابل یہ ہے کہ آدم نے ”قصور“ کیا اور مسیح میں ”بخشش“ پیدا ہوئی۔ پہلے آدم کے قصور یا عدولِ حکمی سے ”بہت سے آدمی مر گئے“۔ مراد ہے پوری نسلِ انسانی۔ یہاں موت سے مراد جسمانی اور رُوحانی دونوں موتیں ہیں۔ ”بخشش“۔۔۔ بہت سے آدمیوں پر... اِذْطَا سے نازل ہوئی۔ ”بخشش یہ ہے کہ خُدا کا فضل“ گنہگاروں کی نسل پر اِذْطَا سے ہوا۔ اور یہ ”ایک ہی آدمی یعنی یسوع مسیح کے فضل سے“ ممکن ہوا۔ یہ اُس کا حیرت افزا فضل ہے کہ وہ اپنی بائنی مخلوق کے لئے مٹا۔ اُس کی قربانی کی موت کے وسیلے سے بہتوں کو ابدی زندگی کی نعمت پیش کی جاتی ہے۔

اس آیت میں ”بہت سے“ دو دفعہ استعمال ہوا۔ مگر ان کا تعلق الگ الگ لوگوں سے ہے۔ پہلے ”بہت سے“ میں وہ سب شامل ہیں جو آدم کی عدولِ حکمی یا قصور کے نتیجے میں ”مر گئے“۔ دوسرے ”بہت سے“ سے مراد وہ سب ہیں جو نئی مخلوق بنے اور اُن کا سر (سردار) مسیح ہے۔ ان میں صرف وہی شامل ہیں جن پر خُدا کا فضل ”اِذْطَا سے“ نازل ہوا، یعنی سچے ایمان دار لوگ۔ خُدا کا رحم تو سب پر برستا

ہے لیکن اُس کا فضل صرف اُن کے حصّے میں آتا ہے جو سنجی کا یقین کرتے ہیں۔

۱۶:۵۔ آدم کے گناہ اور مسیح کی بخشش میں ایک اور اہم تقابل بھی پایا جاتا ہے۔ آدم کے ایک گناہ کے سبب سے اٹل غضب نازل ہوا جس کا نتیجہ سزا کا حکم تھا۔ دوسری طرف مسیح کی بخشش نے صرف ایک نہیں بلکہ بہتیرے قصوروں کا معاملہ صاف کر دیا جس کا نتیجہ بریت کا حکم تھا۔ پورس رسول آدم کے گناہ اور مسیح کی بخشش میں جو فرق ہیں اُن کو نمایاں کرتا ہے۔ ایک گناہ نے ہولناک تباہی مچا دی، اور بہت سے گناہوں سے زبردست خلاصی پیدا ہوئی۔ ان دونوں باتوں کے فرق کو بھی واضح کرتا ہے۔ اور آخر میں سزا کے حکم اور راستباز ٹھہرائے جانے کے حکم کے فرق کو بھی واضح کرتا ہے۔

۱۷:۵۔ ایک شخص کے قصور کے سبب سے موت نے ایک بے رحم ظالم کی طرح بادشاہی کی۔ لیکن فضل سے بھرپور راست بازی کی بخشش سے جو کہ بے انتہا فضل سے عطا ہوئی، سارے ایمان دار ایک شخص یعنی یسوع مسیح کے وسیلہ سے ہمیشہ کی زندگی میں ضرور ہی بادشاہی کریں گے۔

یہ کیسا فضل ہے! موت ہم پر کیسی بے رحم بادشاہ کی طرح بادشاہی کر رہی تھی، اس فضل سے ہم کو نہ صرف موت کی اس حکمرانی سے خلاصی ملی ہے بلکہ ہم بادشاہوں کی طرح بادشاہی کرتے ہیں۔ اب اور ابد تک زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کیا ہم اس بات کو واقعی سمجھتے اور اس کی قدر کرتے ہیں؟ کیا ہم آسمان کے شاہی افراد کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں یا کیا ہم دنیا کے گندگی کے ڈھیروں پر ریختے پھرتے ہیں؟

۱۸:۵۔ آدم کے قصور کے سبب سے سب آدمیوں کی سزا کا حکم ہوا۔ لیکن مسیح کے راست بازی کے ... کام کے نتیجے میں سب آدمیوں کو زندگی پانے کے لئے راست باز ٹھہرایا گیا۔ یہ راست بازی کا کام نہ تو سنجی کی زندگی تھی نہ یہ حقیقت کہ اُس نے شریعت کو پورا کیا بلکہ یہ کہ وہ کلوری پر عوصی موت سرا۔ اور اس کام سے زندگی پانے کے لئے راست باز ٹھہرائے جانے کی نعمت پیدا ہوئی اور یہ نعمت سب آدمیوں کو ملی۔

یہاں دو سب استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا تعلق ایک ہی لوگوں سے نہیں ہے۔ پہلے سب کا مطلب ہے وہ سب جو آدم میں ہیں۔ دوسرے سب کا مطلب ہے وہ سب جو مسیح میں ہیں۔ یہ بات گزشتہ آیت کے الفاظ سے بھی واضح ہوتی ہے جہاں اُن آدمیوں کا ذکر ہے جن کو فضل اور راستبازی کی بخشش افراط سے حاصل ہوئی۔ زندگی پانے کے لئے راستباز ٹھہرایا جانا صرف اُن کے لئے ہے جو خداوند پر ایمان لاتے ہیں۔

۱۹:۵۔ خداوند نے ایک حکم دیا تھا مگر آدم نے اُس حکم کی نافرمانی کی۔ جس طرح آدم کی نافرمانی

سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے، اسی طرح ”مسیح کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راست باز ٹھہریں گے۔“  
 جہاں ”بہت سے“ سے مراد وہ سب ہیں جو اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح کی فرمانبرداری اُس کو صلیب تک لے گئی جہاں اُس نے ہمارے گناہ اٹھائے۔

نجاتِ عامہ کے عقیدہ کے حامی لوگ ان آیات سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آخر کار تمام انسان نجات پا جائیں گے۔ لیکن ایسی کوشش کرنا عبث اور لاعاصل ہے۔ کلام کا یہ حصہ دو سرداریوں پر بحث کرتا ہے۔ اور یہ بات بالکل صاف ہے کہ جس طرح آدم کا گناہ اُن سب پر اثر کرتا ہے جو اُس میں ہیں اسی طرح مسیح کا راستبازی کا کام صرف اُن کو فائدہ پہنچاتا ہے جو مسیح میں ہیں۔

۲۰:۵۔ جو کچھ پُرُوس کہہ رہا ہے اُس سے یہودی مُعترض کو سخت دھچکا لگا کیونکہ یہودی سمجھتے ہیں کہ سب کچھ شریعت کے گرد گھومتا ہے۔ اب اس مُعترض کو بتایا جاتا ہے کہ گناہ اور نجات کا مرکز شریعت نہیں بلکہ دو شخصیات ہیں۔ اس صورتِ حال میں یہ مُعترض یہ سوال اٹھاتا ہے کہ پھر شریعت کیوں دی گئی؟ رسولِ جواب دیتا ہے کہ ”بیچ میں شریعت آموجود ہوئی تاکہ قصور زیادہ ہو جائے۔“ شریعت نے گناہ کو شروع نہیں کیا بلکہ نظر کر لیا کہ گناہ خدا کے خلاف ”قصور“ یا ”حکمِ عدولی“ ہے۔ شریعت گناہ سے بچاتی نہیں بلکہ گناہ اور اس کے گھونے پن اور ہولناکی کو ظاہر کرتی ہے۔

لیکن خدا کا فضل انسان کے سارے گناہ سے زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ ”جہاں گناہ زیادہ ہوا وہاں کھوری پر خدا کا فضل اس سے بھی نہایت زیادہ ہوا۔“

۲۱:۵۔ چونکہ اب گناہ کا راج اور نتیجہ سارے انسانوں پر موت وارد کرنا ختم ہو چکا ہے اس لئے فضل... ہمارے خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے ہمیشہ کی زندگی کے لئے راستبازی کے ذریعے بادشاہی کرتا ہے۔ غور کریں کہ فضل ”راستبازی کے ذریعے بادشاہی“ کرتا ہے۔ خدا کی پاکیزگی کے تمام تقاضوں کی تسکین ہو چکی ہے۔ اور شریعت کی مزا (جرمانہ) ادا ہو چکی ہے۔ اس لئے اب خدا اُن سب کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر سکتا ہے جو اپنے ”عوضی“ مسیح کا سہارا لے کر اُس کے پاس آتے ہیں۔

یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ ”خدا نے گناہ کو دُنیا میں کیوں داخل ہونے دیا؟“ مندرجہ بالا آیات میں اس سوال کا جزوی جواب ملتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اگر گناہ دُنیا میں داخل نہ ہوتا تو خدا کو اتنا جلال نہ ملتا اور انسان کو اتنی برکت نہ ملتی جو مسیح کی قربانی کے وسیلے سے ملتی ہے۔ مسیح میں ہماری حیثیت اُس حالت سے کہیں بہتر

لے یہ تعلیم کہ بالآخر سارے انسان نجات پا جائیں گے۔



ہے جو اُس صورت میں ہوتی اگر آدم گناہ میں نہ گرتا۔ اگر آدم گناہ نہ کرتا تو اس زمین پر باغِ عدن میں مُسلسل زندگی کا لطف اٹھاتا رہتا۔ مگر کوئی موقع نہ ہوتا کہ وہ خدا کا مخلصی یافتہ فرزند، خدا کا وارث اور مسیح یسوع کا ہم میرا بن سکتا۔ اُس کو کوئی اُمید نہ ہوتی کہ آسمان میں گھر لے گا، یا مسیح کے مشابہ ہوگا اور ہمیشہ اُس کے ساتھ رہے گا۔ یہ برکات صرف "ہمارے خداوند یسوع مسیح" کے کفارہ کے وسیلے سے ملتی ہیں۔

## ح۔ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے انجیل کا راستہ (باب ۶)

باب ۵ کے اختتام پر پولس نے بیان کیا کہ فضلِ انسان کے تمام گناہوں سے بھی زیادہ بڑا۔ پولس کا یہ بیان ایک اور سوال پیدا کرتا ہے۔ اور یہ سوال ہے بھی بہت اہم۔ "کیا ایمان کے وسیلے فضل سے نجات کی تعلیم گناہ آلودہ زندگی بسر کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی؟"

اس کا جواب واضح انکار کی صورت میں ہے جو باب ۶ تا ۸ پر پھیلا ہوا ہے۔ باب ۶ میں یہ جواب تین کلیدی الفاظ کے گرد گھومتا ہے (۱) جاننا۔ ہم جانتے ہیں (آیات ۳، ۶)۔ (۲) سمجھنا۔ شمار کرنا (آیت ۱۱) اور (۳) حوالہ کرنا (آیت ۱۳)۔

اگر ہم ایمان دار کے مقام (حیثیت) اور اُس کے عملی کردار کے درمیان فرق کو سمجھ لیں تو اس باب میں پولس کے دلائل کو سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ ایماندار کا مقام "مسیح میں اُس کی حیثیت ہے۔ اور عملی کردار سے مُراد وہ اعمال یا کام ہیں جو وہ روزمرہ کی زندگی میں کرتا ہے۔

فضل ہم کو وہ مقام عطا کرتا ہے اور پھر ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ اس کے لائق چال چلیں۔ ہمارا مقام (حیثیت) بالکل کامل ہے کیونکہ ہم مسیح میں ہیں۔ چاہئے کہ ہمارا عملی کردار بھی روز افزوں اس مقام کے مطابق ہوتا جائے۔ یہ کامل طور سے تو اس کے مطابق نہیں ہوگا تا وقتیکہ ہم آسمان میں منجی کو نہ دیکھیں گے لیکن ضرور ہے کہ اس دوران میں ہم زیادہ سے زیادہ اُس کے قد کے پورے اندازہ تک پہنچتے جائیں یعنی مسیح کی مانند بننے جائیں۔

پولس رسول پہلے تو یہ حقیقت بیان کرتا ہے کہ ہم موت اور جی اٹھنے میں مسیح کے مشابہ ہیں۔ پھر نصیحت کرتا ہے کہ ہم اس عظیم سچائی کی روشنی میں زندگی گزاریں۔

۱:۶۔ اب یہودی معترض اپنے خیال میں ایک بہت ہی زور دار دلیل پیش کرتا ہے۔ اگر فضل کی خوشخبری یہ تعلیم دیتی ہے کہ انسان کا گناہ خدا کے زیادہ سے زیادہ فضل کے مظاہرے کا موقع فراہم کرتا ہے تو کیا اس طرح یہ حوصلہ افزائی نہیں ملتی کہ ہم گناہ کرتے رہیں تاکہ فضل زیادہ ہو؟

اس دلیل کی ایک جدید شکل یوں ہوگی ” آپ کہتے ہیں کہ لوگوں کو شریعت کے بغیر ایمان کے وسیلے سے نجات ملتی ہے۔ اگر نجات پانے کے لئے آپ کو صرف ایمان ہی لانا ہے تو آپ جاگنہ میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ اس دلیل کے مطابق پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے فضل کا فی تحریک نہیں ہے۔ ضرور ہے کہ آپ لوگوں کو شریعت کی قیود میں رکھیں۔

اس باب میں اس بنیادی سوال کے چار جواب موجود ہیں کہ ”کیا گناہ کرتے رہیں؟“

۱- آپ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ آپ مسیح کے ساتھ جڑے ہوئے (ایک) ہیں (آیات ۱-۱۱)۔

۲- آپ کو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ فضل نے گناہ کی بالادستی یا گناہ کا اختیار توڑ

دیا ہے (آیات ۱۲-۱۴)۔

۳- آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح گناہ دوبارہ آپ کی زندگی میں آکر آقا بن

جانے گا (آیات ۱۵-۱۹)۔

۴- بہتر ہے کہ آپ ایسا نہ کریں کیونکہ اس کا انجام تباہی ہوگا (آیات ۲۰-۲۳)۔

۲:۶- پولس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ناممکن ہے کہ ہم گناہ کرتے رہیں کیونکہ ہم گناہ کے اعتبار سے مر گئے

ہیں۔ یہ ہماری حیثیت کی سچائی ہے۔ جب مسیح گناہ کے اعتبار سے مر گیا تو وہ ہمارے نمائندہ کی حیثیت میں مٹا۔ وہ صرف ہمارا عوضی ہونے کی حیثیت میں نہیں مٹا۔ یعنی صرف ہماری خاطر یا ہماری ”جگہ“ نہیں مٹا بلکہ ہمارا نمائندہ ہونے کی حیثیت میں بھی مٹا۔ گویا ہم مر گئے۔ اس لئے جب وہ مٹا تو ہم مر گئے۔ وہ گناہ کے سارے سوال کے جواب میں مٹا اور اس مسئلے کا ایک ہی دفعہ ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا۔ وہ سب جو مسیح میں ہیں، خدا ان کو ایسے دیکھتا ہے کہ وہ گناہ کے اعتبار سے مر گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایمان دار بے گناہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ موت میں مسیح کے مشابہ ٹھہرتا ہے اور ان ساری باتوں میں بھی مسیح کے مشابہ ہے جو اس کی موت سے علاقہ رکھتی ہیں۔

۳:۶- پولس کے بیان میں پہلا کلیدی لفظ ”جاننا“ ہے۔ یہاں وہ ثابت کرتا ہے کہ ایمان داروں کے لئے گناہ کرتے رہنا ان کی حیثیت کے خلاف ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ ہینسہ کا موضوع متعارف کراتا ہے۔ لیکن فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے ہینسہ کی بات کر رہا ہے؟ چنانچہ چند وضاحتی الفاظ ضروری ہیں۔

جب کوئی شخص نجات پاتا ہے وہ مسیح یسوع میں شامل ہونے کا ہینسہ لینا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ مسیح کی ”موت“ اور جی اٹھنے میں اس کے مشابہ ٹھہرتا ہے۔ یہ ہینسہ رُوح کے (یا رُوح میں)

پہنسمہ سے بالکل فرق ہے۔ مؤخر الذکر پہنسمہ ایمان دار کو مسیح کے بدن میں شامل کرتا ہے (۱- کرنتھیوں ۱۲: ۱۳)۔ یہ موت میں شامل ہونے کا پہنسمہ نہیں ہے۔ ”مسیح لیسوع میں شامل“ ہونے کے پہنسمہ کا مطلب ہے کہ خدا کے حساب میں ایمان دار مسیح کے ساتھ مر گیا اور اُس کے ساتھ جی اٹھا ہے۔

جب یہاں پُلُس پہنسمہ کی بات کرتا ہے تو دو باتوں کا تصور پیش کرتا ہے یعنی مسیح کے ساتھ روحانی مشابہت اور پانی کے پہنسمہ سے اس کا اظہار کرنا۔ لیکن دلیل آگے بڑھتی ہے تو لگتا ہے کہ پُلُس ایک خاص انداز میں پانی کے پہنسمہ پر زیادہ زور دے رہا ہے کیونکہ وہ اپنے قارئین کو یاد دلاتا ہے کہ مسیح کی موت کی مشابہت کے پہنسمہ میں شامل ہونے کے وسیلے سے وہ کس طرح ”دفن ہوئے“ اور ”پہنسمہ ہوئے“۔

نیا عہد نامہ کسی غیر پہنسمہ یافتہ ایمان دار کی غیر معمولی حالت پر کبھی غور نہیں کرتا۔ وہ فرض کر لیتا ہے کہ جتنے ایمان لاتے ہیں وہ فوراً پہنسمہ لیتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا خداوند ایک سانس میں ایمان اور پہنسمہ کی بات کر سکتا تھا۔ ”جو ایمان لائے اور پہنسمہ لے وہ نجات پائے گا“ (مرقس ۱۶: ۱۶)۔ اگرچہ پہنسمہ نجات کی شرط نہیں ہے، لیکن اس کا ہمیشہ اور غیر متبادل علامہ نشان ضرور ہے۔

۴: ۶۔ پانی کا ”پہنسمہ“ مسیح میں ”پہنسمہ“ کا دیدنی منظر ہے۔ یہ تصویر پیش کرتا ہے کہ ایمان دار موت کے تاریک پانیوں میں (خداوند لیسوع کی شخصیت میں) ڈوب گیا ہے۔ اور پھر تصویر پیش کرتا ہے کہ مسیح میں نیا انسان (نیا مخلوق) جی اٹھا ہے تاکہ نئی زندگی میں چلے۔ ایک مفہوم میں پہنسمہ کے وقت ایمان دار اپنی پرانی انسانیت کے جنازہ میں شریک ہوتا ہے۔ پانی کے اندر جاتے ہوئے وہ کہتا ہے ”آدم کا گناہ آلودہ فرزند ہونے کی حیثیت میں میں جو کچھ بھی تھا وہ صلیب پر مر گیا“ اور پانی سے باہر آتے ہوئے وہ کہتا ہے ”اب میں زندہ نہ رہا بلکہ مسیح مجھ میں زندہ ہے“ (گلٹیوں ۲: ۲۰)۔

اس حوالہ کو اُس وقت تک صحیح طور سے سمجھا نہیں جا سکتا جب تک یہ بات ذہن میں نہ رکھیں کہ ابتدائی پہنسمہ غوطہ سے ہوتا تھا۔

اب رسول یہ بیان کرتا ہے کہ مسیح کی قیامت نے ممکن کر دیا ہے کہ ”ہم نئی زندگی میں چلیں“۔ وہ کہتا ہے کہ ”مسیح باپ کے جلال کے وسیلے سے مردوں میں سے جلا یا گیا“۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ خدا کی ہر کالیبت مثلاً راست بازی، محبت، عدل وغیرہ۔۔۔ مطالبہ کرتی تھی کہ وہ مسیح کو جلائے۔ نجات دہندہ کی ذات کی فضیلت کے پیش نظر یہ بات خدا کی سرشت کے خلاف ہوتی کہ مٹی قبر میں رہے۔ خدا نے اُسے جلا یا۔ اور چونکہ ہم مسیح کی قیامت میں اُس کے مشابہ ہیں اس لئے ضرور ہے کہ ہم نئی زندگی میں چلیں۔ اور چل سکتے ہیں۔

۵:۶۔ جس طرح ہم ”مسیح کی موت کی مشابہت سے اُس کے ساتھ پیوستہ ہو گئے“ ہیں تو یہ بات یقینی ہے کہ اسی طرح اُس کے جی اٹھنے کی مشابہت سے بھی اُس کے ساتھ پیوستہ ہوں گے۔ یہ الفاظ ”موت کی مشابہت“ ایمان دار کے پانی کے نیچے جانے کا بیان کرتے ہیں۔ موت میں مسیح کے ساتھ پیوستہ ہونے کا عمل واقعی تو تقریباً دو ہزار سال پیشتر ہوا تھا۔ لیکن پتسمہ اُس عمل کی ”مشابہت“ ہے جو اُس وقت ہوا تھا۔

ہم پانی میں اتر ہی نہیں جاتے، بلکہ پانی سے نکل کر اُپر بھی آتے ہیں۔ یہ اُس کے جی اٹھنے کی مشابہت ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ آیت کے دوسرے حصے میں ”مشابہت“ کا لفظ اصل متن کا حصہ نہیں ہے۔ مگر مطلب کو واضح کرنے کے لئے اس کا اضافہ ضروری ہے (ترجمہ کرتے ہوئے کبھی کبھی ایسا کرنا بڑا ہے)۔

جس طرح ہم ”مسیح کی موت کی مشابہت“ (پانی میں اتر جانا) سے اُس کے ساتھ پیوستہ ہو گئے“ ہیں، اسی طرح اُس کے جی اٹھنے کی ”مشابہت“ (پانی سے باہر نکال جانا) میں بھی اُس کے ساتھ پیوستہ“ ہیں۔“ ہوں گے“ کے الفاظ صرف مستقبل ہی کو ظاہر نہیں کرتے۔ ہوج کہتا ہے کہ

”ذکرِ اس بات کا نہیں جو ابھی بعد میں ہونی ہے، بلکہ ایک تواتر کا یقین ہے۔ اگر ایک بات ہوتی ہے، تو دوسری یقیناً ہوگی۔“

۶:۶۔ پتسمہ میں ہم اقرار کرتے ہیں کہ ”ہماری پُرانی انسانیت اُس (مسیح) کے ساتھ مصلوب ہو گئی۔“ پُرانی ”انسانیت“ میں وہ سب کچھ شامل ہے جو ہم آدم کے فرزند ہونے کی حیثیت سے تھے۔ شریر، نئی پیدائش سے بے بہرہ، اپنی پُرانی عادت اور حریص خواہشات کے بندے۔ تدریجی کے وقت یعنی ایمان لاتے وقت ہم اپنی ”پُرانی انسانیت“ کو اتار ڈالتے اور نئی انسانیت کو پہن لیتے ہیں۔ بالکل جیسے گندے کپڑوں کی جگہ لے داغ پوشاک پہنی جاتی ہے (کلتیوں ۳: ۹، ۱۰)۔

”پُرانی انسانیت“ کے کلوری پر مصلوب ہونے کا مطلب ہے کہ ”گناہ کا بدن“ اپنی قدرت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ”گناہ کا بدن“ سے مراد گوشت پوست کا بدن نہیں بلکہ وہ گناہ ہے جو ہمارے اندر سکونت کرتا ہے اور جس کو ایک ظالم حاکم کہا گیا ہے جو ہم پر حکمرانی کرتا ہے۔ اب یہ گناہ کا بدن ”بے کار“ ہو گیا۔ یعنی رد یا منسوخ ہو گیا۔ اب وہ کنٹرول کرنے والی قوت کے طور پر کام نہیں کر سکتا۔ آخری جملہ اسی مفہوم کو واضح کرتا ہے کہ ”تا کہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں۔“ ہم پر گناہ کا ظلم دہر توڑ دیا گیا ہے، یعنی ناکارہ کر دیا گیا ہے۔

۷:۶۔ ”کیونکہ جو مڑا وہ گناہ سے بُری ہٹا۔“ مثال کے طور پر کوئی شخص ہے جس کو ایک پولیس

افسر کے قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت ہو چکی ہے۔ جو نہی وہ مر جاتا ہے وہ اس گناہ سے بری (دغوی معنی) -  
راست باز ٹھہرایا گیا، ہو جاتا ہے۔ سزا ادا ہو چکی ہے اور مقدمہ ختم ہو گیا ہے۔

اب ہم مسیح کے ساتھ کلوری کی صلیب پر مر گئے ہیں۔ نہ صرف ہماری سزا ادا ہو چکی ہے بلکہ ہماری  
زندگیوں پر گناہ کا جو پھندا تھا، وہ بھی ٹوٹ گیا ہے۔ اب ہم گناہ کے بے بس اور لاچار غلام نہیں رہے۔  
۸:۶ - "ہم مسیح کے ساتھ موتے"۔ یہ سچائی کا صرف ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ "اُس کے  
ساتھ جینے کے بھی"۔ ہم گناہ کے اعتبار سے مر گئے۔ راست بازی کے اعتبار سے جیتے ہیں۔ ہم پر گناہ کا جو  
اختیار، جو حکومت تھی، وہ پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ ہم ابھی اور اسی جگہ مسیح کی جی اٹھی زندگی میں شریک ہیں  
اور تا ابد شریک رہیں گے۔ اُس کی حمد ہو!

۹:۶ - ہمارے یقین کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ جی اٹھا مسیح دوبارہ نہیں مرنے کا۔ "موت کا  
پھر اُس پر اختیار نہیں ہونے کا"۔ تین دن اور رات تک موت کا اُس پر اختیار رہا، مگر اب وہ اختیار  
ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکا ہے۔ مسیح دوبارہ ہرگز نہیں مر سکتا!

۱۰:۶ - "کیونکہ مسیح جو موتا، گناہ کے اعتبار سے ایک بار موتا"۔ مسیح یسوع گناہ کا تقاضا پورا کرنے کے  
لئے، گناہ کی مزدوری ادا کرنے کے لئے، گناہ کا دعویٰ پورا کرنے کے لئے "موتا"۔ اُس نے کام پورا کیا اور  
حساب کو ایسے پورے طور پر چکا دیا کہ اب کچھ باقی نہ رہا۔ اور "اب جو جیتتا ہے تو خدا کے اعتبار سے  
جیتتا ہے"۔ ایک مفہوم میں تو وہ ہمیشہ خدا کے اعتبار سے جیتتا تھا۔ مگر اب وہ ایک نئے رشتے میں  
خدا کے اعتبار سے جیتتا ہے۔ یہ رشتہ جی اٹھی ہستی کا رشتہ ہے۔ اور ایک نئے حلقے یا علاقے میں جیتتا  
ہے جہاں گناہ کا کبھی گزر نہیں ہو سکتا۔ آگے بڑھنے سے پہلے آئیے ہم پہلی دس آیات پر دوبارہ نظر ڈالیں۔  
اس حوالہ کا عام موضوع ہے "تقدس" یا "مقدس" / پاک ٹھہرایا جانا۔ یہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے  
لئے خدا کا راستہ ہے۔ جہاں تک خدا کے حضور ہمارے مقام (ترتیب/ حیثیت) کا تعلق ہے تو ہم مسیح  
کے ساتھ مر گئے اور اُس کے ساتھ جلائے گئے۔ پتہ ہمیں اس حقیقت کی تصویر پیش کرتا ہے۔ مسیح میں ہماری  
موت سے ہماری وہ تاریخ ختم ہو جاتی ہے جو ہمارے آدم میں ہونے کے باعث ہے۔ ہماری پورانی زندگی  
کے لئے خدا کا حکم موت تھا، اصلاح نہیں تھا۔ جب ہم مسیح میں مر گئے تو یہ حکم پورا ہو گیا، یعنی اس  
پر عمل درآمد ہو گیا۔ اب ہم مسیح میں جی اٹھے ہیں تاکہ نئی زندگی میں چلیں (لفظی ترجمہ - زندگی کے نئے پن  
میں چلیں)۔ ہم پر گناہ کے جبر اور ظلم کا خاتمہ کر دیا گیا ہے کیونکہ گناہ کسی مردہ شخص کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔  
اب ہم آزاد ہیں کہ خدا کے اعتبار سے جیتیں۔

۱۱:۶ - پولکس نے وہ بات بیان کر دی ہے جو ہماری حیثیت (مرتبہ/مقام) کے لحاظ سے درست اور صحیح ہے۔ اب وہ ہماری زندگی میں اس سچائی کے اعلیٰ اور عملی کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ہم کو اپنے آپ کو گناہ کے اعتبار سے مردہ مگر خدا کے اعتبار سے مسیح یسوع میں زندہ سمجھنا ہے یا شتار کرنا ہے۔

یہاں "سمجھو" کا مطلب ہے کہ جو کچھ خدا ہمارے بارے میں کہتا ہے اس کو سچ ماننا اور اس سچائی کی روشنی میں زندگی گزارنا۔ یا اس روشنی کے مطابق چلنا۔

اپنے آپ کو گناہ کے اعتبار سے مردہ" اُس وقت سمجھتے ہیں جب آزمائش کو وہی جواب دیتے ہیں جو ایک مردہ شخص دیتا ہے۔ ایک دن اوسطین سے ایک عورت مخاطب ہوئی۔ وہ اوسطین کی تمبیلی سے پینے اُس کی داشتہ تھی۔ وہ مرزا اور تیزی سے دوسری طرف کو ہویا۔ اُس عورت نے پیچھے سے پکارا "اوسطین یہ میں ہوں، میں ہوں۔" اوسطین نے رفتار تیز کر دی اور گردن گھما کر زور سے کہنے لگا "ہاں میں پہچانتا ہوں۔ لیکن اب میں 'میں' نہیں رہا۔" اُس کا مطلب یہ تھا کہ اب میں "گناہ کے اعتبار سے مردہ" اور خدا کے اعتبار سے زندہ ہوں۔ مردہ شخص کا بد اخلاقی، جھوٹ، فریب، بدگوئی اور کسی دوسرے گناہ سے کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔

اب ہم "خدا کے اعتبار سے مسیح یسوع میں زندہ" ہیں۔ اس کا مطلب ہے اب ہم پاکیزگی پرستش، دعا، خدمت اور کھیل لانے کے لئے بٹائے گئے ہیں۔

۱۲:۶ - ہم نے ۶:۶ میں دیکھا کہ ہماری "پرانی انسانیت" مصلوب ہوئی تاکہ گناہ ایک ظالم اور جاہر حاکم کے طور پر ہم پر اختیار نہ رکھے۔ اس کو بالکل ختم کر دیا گیا تاکہ آگے کو ہم گناہ کے بے بس غلام نہ رہیں۔ جو بات ہماری حیثیت کے اعتبار سے سچ ہے، اب اُس کی بنیاد پر عملی نصیحت پیش کی جاتی ہے کہ ہم گناہ کو اپنے "فانی بدن میں بادشاہی نہ کرنے دیں۔ یعنی اُس کی بُری خواہشات کو نہ مانیں۔ کلوری پر موت کے وسیلے سے گناہ کی بادشاہی کا خاتمہ ہو گیا۔ اب ہم کو عملی طور سے بھی اس بات کو دیکھنا ہے۔ ہمارے تعاون کی ضرورت ہے۔ صرف خدا ہم کو پاک کر سکتا ہے۔ لیکن جب تک ہم بے رضا و رغبت تعاون نہیں کریں گے وہ ہمیں پاک نہیں کر سکتا۔

۱۳:۶ - اب ہم اس باب میں تیسرے کلیدی لفظ پر پہنچتے ہیں اور وہ ہے "پیش کرنا، حوالہ کرنا۔" ہم اپنے اعضا... گناہ کے حوالہ نہ" کیا کریں تاکہ گناہ اُن کو شرارت یا بدی کے ہتھیاروں کے طور پر استعمال نہ کرنے پائے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے اعضا "خدا" کے کنٹرول میں دے دیں تاکہ یہ راست بازی کے لئے استعمال ہوں۔ آخر ہمیں موت سے نکال کر زندگی میں داخل کیا گیا ہے اور جیسا

ہمیں ۶:۴ میں یاد دلایا گیا ہے، ضرور ہے کہ ہم نئی زندگی میں چلیں۔

۱۴:۶۔ اب ایک اور سبب بتایا گیا ہے کہ کیوں ایمان دار پر گناہ کا... اختیار نہیں ہوگا۔ پہلا سبب یہ ہے کہ ہماری پرانی انسانیت مسیح کے ساتھ مصلوب ہو چکی ہے (۶:۶)۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ہم شریعت کے ماتحت نہیں بلکہ فضل کے ماتحت ہیں۔

جو شخص شریعت کے ماتحت ہوتا ہے گناہ کا اس پر ضرور اختیار ہوتا ہے۔ کیوں؟ کیونکہ شریعت اس کو یہ تو بتاتی ہے کہ کیا کرنا ہے لیکن کرنے کی طاقت نہیں دیتی۔ انسان کی بگڑی ہوئی فطرت میں جو خواہشیں سوئی پڑی ہوتی ہیں شریعت ان کو جھنجھوڑتی ہے کہ ممنوعہ کام کریں۔ یہ وہی پرانی کہاوت ہے کہ ممنوعہ مہل میٹھا ہوتا ہے۔

جو شخص فضل کے ماتحت ہے، گناہ کا اس پر اختیار نہیں ہوتا۔ ایمان دار گناہ کے اعتبار سے مردہ ہوتا ہے۔ اس کے پاس پاک رُوح ہوتا ہے جو اس کے اندر سکونت کرتا اور پاک زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ منجی کے لئے اس کی محبت اسے تحریک دیتی ہے۔ وہ سزا کے خوف سے ٹکی نہیں کرتا بلکہ منجی کی محبت کے باعث کرتا ہے۔ "فضل" ہی وہ واحد چیز ہے جو واقعی پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ کوہ سینا نہیں بلکہ کوہ کلوری مقدسین پیدا کرتا ہے۔ ۱۵:۶۔ جو لوگ "فضل" سے خوف کھاتے ہیں وہ اصرار کرتے ہیں کہ فضل گناہ کرنے کا لائسنس دے دیتا ہے۔ پکس۔ اس غلطی کی سرکوبی کر دینا ہے۔ پیلے تو وہ سوال پوچھتا ہے، پھر اس کا جواب دیتا ہے۔ اس کی بحث کا ٹیٹا بابت یہ ہے کہ ہم شریعت سے آزاد تو ہیں لیکن بے شرع یعنی بے لگام نہیں۔ "فضل" کا مطلب ہے خداوند کی خدمت کے لئے آزادی۔ اس کے خلاف گناہ کرنے کی آزادی نہیں۔

۱:۶ میں سوال کیا گیا تھا کہ کیا ہم گناہ کرتے رہیں؟ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا ہم تھوڑا بہت گناہ کریں؟ دونوں صورتوں میں دہشت آمیز جواب ہے کہ ہرگز نہیں! خدا اسی سے ہرگز چشم پوشی نہیں کر سکتا۔

۱۶:۶۔ یہ زندگی کی سیدھی سادی حقیقت ہے کہ جب ہم کسی شخص کو اپنا مالک مان لیتے ہیں اور اس کے ماتحت ہو جاتے ہیں تو ہم اس کے غلام بن جاتے ہیں۔ اس طرح اگر ہم گناہ کی ماتحتی قبول کر لیتے ہیں تو گناہ کے "غلام" بن جاتے ہیں۔ اور اس راہ کے اختتام پر "موت" ہماری منتظر ہوتی ہے۔ دوسری طرف اگر ہم خدا کی تابع داری کرنے پر مکرر دستہ ہوتے ہیں تو نتیجہ پاکیزہ زندگی ہوتا ہے۔ گناہ کے غلام احساسِ جرم، خوف اور خواری کے بندھنوں میں بکھرے رہتے ہیں۔ لیکن خدا کے بندے

آزاد ہوتے ہیں کہ جو کچھ نئی فطرت چاہتی ہے وہ کریں۔ چنانچہ جب آپ آزاد ہو سکتے ہیں تو غلام کیوں کریں؟  
 ۱۷:۶ "خدا کا شکر کرو کہ تم جو کسی وقت گناہ کے غلام تھے، تم نے مسیح کی تعلیم کے اثر کو دیکھنا  
 داری سے قبول کر لیا جب اُس سے رُشد شناس ہوئے۔" پولس زیرِ نظر خط میں روم کے مسیحیوں کو ساری باتوں کی  
 "تعلیم" دیتا ہے۔ وہ "دل سے اُس تعلیم کے فرمانبردار ہو گئے۔" اور یہی شکر گزار کی بات ہے۔

۱۸:۶ صحیح تعلیم صحیح عمل تک لے جاتی ہے۔ روم کے مسیحی "گناہ" سے آزاد ہو کر راست بازی  
 کے غلام ہو گئے۔" وہ اس حقیقت کو پہچان گئے کہ گناہ ہمارا مالک نہیں رہا۔ "گناہ سے آزاد" کا  
 یہ مطلب نہیں کہ اُن کی فطرت گناہ آلودہ نہیں رہی۔ نہ یہ مطلب ہے کہ اب اُن سے بالکل گناہ نہیں  
 ہوتے تھے۔ سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ اب اُن کی زندگی میں گناہ کی قوت اور اختیار کا عمل  
 دخل نہیں رہا۔ اور ان ہی معنوں میں وہ "گناہ سے آزاد" ہیں۔

۱۹:۶-۱۸ آیت میں رسول نے راست بازی کے غلام کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ مگر وہ محسوس  
 کرتا ہے کہ جو راست بازی کی زندگی بسر کرنے میں دراصل وہ کسی بندھن میں نہیں ہوتے۔ "عملی راست بازی  
 غلامی نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ انسانی لحاظ سے بات کریں (تو ایسا کہنا پڑتا ہے)۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ گناہ  
 کے غلام ہوتے ہیں۔ لیکن جن کو میٹا آزاد کرتا ہے وہ واقعی آزاد ہوتے ہیں (کویتا ۸: ۳۴، ۳۵)۔"  
 پولس تشریح کرتا ہے کہ "غلام" اور مالک کی تشبیہ استعمال کرنے میں میں "انسانی طور پر کہتا ہوں۔"  
 یعنی وہ روزمرہ زندگی سے ایک مالوس مثال پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے تارین کی "انسانی کمزوری کے سبب  
 سے" اس انداز میں بات کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ سچائی کو عام الفاظ میں اس لئے بیان کرتا ہے کہ اُن  
 کو ذہنی اور روحانی طور سے سمجھنا مشکل لگتا ہے۔ سچائی کو سمجھانے کے لئے اکثر مثالیں دینی پڑتی ہیں۔

ایمان لانے سے پہلے تارین نے اپنے بدن ہر طرح کی "ناپاکی اور بدکاری کی غلامی" میں دے رکھے  
 تھے۔ اب چاہئے کہ وہ ان بدوں کو راست بازی کی غلامی کے حوالہ کریں "تاکہ اُن کی زندگیاں واقعی پاک ہوں۔"  
 ۲۰:۶ "جب وہ گناہ کے غلام تھے تو صرف ایک ہی آزادی سے واقف تھے یعنی راست بازی کے اعتبار  
 سے آزاد تھے۔" کیسی مایوس کن حالت تھی — ہر بدی سے بندھے جکڑے ہوئے اور ہر نیکی سے  
 "آزاد"!

۲۱:۶ پولس اُن کو (اور ہم کو) پہنچانے کرتا ہے کہ ایک غیر نجات یافتہ زندگی کے پھلوں پر نظر کریں۔  
 اُن سرگرمیوں کے پھل "جن سے اب ایمان دار "شرمندہ" ہیں۔" مارٹس رینز فورڈ نے ان پھلوں کی ایک مختصر  
 فہرست مرتب کی ہے:



۱۔ صلاحیتوں کا غلط استعمال ۲۔ محبت اور اُلفت کو خاک میں ملانا ۳۔ وقت کا ضیاع ۴۔ شرور و سُورج کا غلط استعمال ۵۔ دلی دوستوں سے بدسلوکی ۶۔ اپنے بہترین مفادات کی خلاف ورزی ۷۔ محبت خصوصاً خدا کی محبت کی خلاف ورزی۔

”اُن کا انجام موت ہے۔“ اسے - ٹی - پیٹرکسن لکھتا ہے کہ ”ہر گناہ موت کی طرف مائل ہوتا ہے اور اگر گناہ میں ثابت قدم رہیں تو اپنے کھیل اور نصب العین یعنی موت پر ختم ہوتا ہے۔“

۲۲:۶۔ ایمان لانا انسان کے مقام کو بالکل بدل دیتا ہے۔ اب گناہ مالک نہیں۔ ایمان دار گناہ سے آزاد ہو جاتا ہے اور برضا و رغبت ”خدا کا“ غلام بن جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس وقت پاک زندگی اور سفر کے ”انجام“ پر ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ بے شک ایمان دار کو اس وقت بھی ابدی زندگی حاصل ہے، لیکن یہ آیت اس زندگی کی ”بھر پوری“ کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں جی اٹھا جلالی بدن بھی شامل ہے۔

۲۳:۶۔ رسول اس سارے مضمون کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے واضح تقابلی سلسلے لاتا ہے۔

دو مالک (آقا) ”گناہ اور خدا“

دو طریقے ”مزدوری اور بخشش“

دو انجام ”موت اور ہمیشہ کی زندگی“

غور کریں کہ ہمیشہ کی زندگی ایک شخص میں ہے۔ اور وہ شخص ہے ”ہمارا خداوند مسیح یسوع“۔ جتنے یسوع میں ہیں وہ سب ہمیشہ کی زندگی رکھتے ہیں۔ بس اتنی بات ہے!

## ط۔ ایمان دار کی زندگی میں شریعت کا مقام (باب ۷)

اب پوچھیں ایک ایسے سوال کی پیشین بندی کرتا ہے جو وہ جانتا ہے کہ ضرور اٹھے گا۔ ”ایک سیمی کا شریعت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟“ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شاید پوچھنے کے ذہن میں خصوصی طور پر اُس کے یہودی تائیدین تھے۔ اس لئے کہ شریعت بنی اسرائیل کو دی گئی تھی۔ لیکن ان اصولوں کا اطلاق غیر قوم ایمان داروں پر بھی اسی طرح ہوتا ہے۔ وہ راست باز ٹھہرائے جانے کے بعد بھی اپنے آپ کو شریعت کے ماتحت رکھنا اور اُسے زندگی کا ضابطہ ماننا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہ ہے حماقت۔

باب ۶ میں ہم نے دیکھا تھا کہ موت نے خدا کے فرزند کی زندگی سے گناہ کی فطرت کے بخور و رستم کو ختم کر دیا۔ اسی طرح اب یہاں دیکھیں گے کہ موت اُن پر سے شریعت کا اختیار ختم کر دیتی ہے جو اُس کے ماتحت تھے۔

۱:۷- یہ آیت ۱۴:۶ سے مُتسلک ہوتی ہے۔ "تم شریعت کے ماتحت نہیں بلکہ فضل کے ماتحت ہو۔" تعلق یہ ہے۔ "تم کو جاننا چاہئے کہ تم شریعت کے ماتحت نہیں۔ یا کیا تم اس حقیقت سے ناواقف ہو کہ شریعت کسی انسان پر اسی وقت تک اختیار رکھتی ہے جب تک وہ جیتتا ہے؟ پوکس ان لوگوں سے مخاطب ہے جو شریعت کے بنیادی اصولوں کو جانتے ہیں اور جن کو جاننا چاہئے کہ شریعت کسی مُردہ انسان کو کچھ نہیں کہہ سکتی۔

۲:۷- اس بات کی تشریح کرنے کے لئے پوکس رسول شادی کے بندھن کی مثال دیتا ہے۔ "عورت... شریعت کے موافق اپنے شوہر کی زندگی تک اُس کے بندیں ہے۔ لیکن اگر شوہر مر گیا تو وہ شوہر کی شریعت سے چھوٹ گئی۔"

۳:۷- اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے جیتے جی کسی دوسرے مُردے سے بیاہ کر لیتی ہے تو وہ زنا کی مجرم ہے۔ لیکن اگر شوہر مر جائے تو وہ آزاد ہے کہ دوبارہ بیاہ کرے۔ اب اُس کے فعل میں مُتصور کا سایہ تک نہ ہوگا۔

۴:۷- اس مثال کا اطلاق کرتے ہوئے ہم کو ایک ایک تفصیلی کی لفظی معنوں میں تشریح نہیں کرنی چاہئے کیونکہ نہ خاندان اور نہ بیوی شریعت کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس مثال میں نکتہ یہ ہے کہ جس طرح موت بیاہ کے تعلق کو توڑ دیتی ہے، اُسی طرح مسیح کے ساتھ ایمان دار کی موت اُس پر سے شریعت کے اختیار اور عملداری کو توڑ دیتی ہے۔

غور کریں کہ پوکس یہ نہیں کہتا کہ شریعت مر گئی ہے۔ شریعت ابھی بھی پورے اختیار سے اپنی خدمت سرانجام دیتی ہے، یعنی گناہ کا مجرم ٹھہراتی ہے۔ وہ گناہ کی قابلیت پیدا کرتی ہے۔ اور یاد رکھیں کہ جب پوکس کہتا ہے "ہم" تو اُس کے ذہن میں وہ لوگ ہیں جو مسیح کے پاس آنے سے پہلے یہودی مذہب کے پیرو تھے۔

"ہم" مسیح کے بدن کے وسیلے سے شریعت کے اعتبار سے اس لئے مُردہ بن گئے۔ یہاں "بدن" اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ مسیح موت کے اعتبار سے اپنے "بدن" سے دستبردار ہو گیا تھا۔ اب ہم جی اٹھے مسیح کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ بیاہ کے ایک بند کو موت نے توڑ دیا۔ اب نیا بیاہ ہو رہا ہے۔ اور اب جبکہ ہم "شریعت سے" آزاد ہو گئے ہیں تو خدا کے لئے پھل پیدا کر سکتے ہیں۔

۵:۷- پھل کا یہ ذکر پھل کی اُس قسم کی یاد دلاتا ہے جو ہم اُس وقت پیدا کرتے تھے جب جسمانی تھے۔ لفظ "جسمانی" کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ "بدن میں"۔ بلکہ اس اصطلاح سے ہماری اُس حیثیت کا

بیان ہوتا ہے جو نجات پانے سے پیشتر تھی۔ اُس وقت خُدا کے حضور ہمارا جو مقام تھا اُس کی بنیادِ جسم تھا۔ خُدا کی نظر میں مقبول ہونے کے لئے ہم اس بات پر انحصار کرتے تھے کہ ہم اپنے میں کیا کچھ ہیں یا اپنی اطاعت سے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

ایمان لانے سے پہلے ”گناہ کی رغبتیں جو شریعت کے باعث پیدا ہوتی تھیں“ ہم پر حکمرانی کرتی تھیں۔ یہ نہیں کہ شریعت نے اُن کو پیدا کیا تھا بلکہ شریعت نے اُن کی نشا نہی کی، پھر اُن کو کرنے سے منع کیا۔ اس طرح اُنہیں کرنے کی زبردست خواہش یا رغبت کو تحریک ملتی تھی۔

”ان گناہ کی رغبتوں“ کا اظہار ہمارے جسمانی اعضا سے ہوتا تھا۔ اور جب ہم آزمائشوں سے شکست کھا جاتے تھے تو وہ زیرِ پلا پھیل پیدا ہوتا تھا جس کا نتیجہ ”موت“ ہے۔ ایک اور مقام پر پولس اس پھیل کو جسم کے پھیل کہتا ہے اور بتاتا ہے کہ اب جسم کے کام تو ظاہر ہیں یعنی حرام کاری، ناپاکی، شہوت پرستی، بُت پرستی، جادوگری، عداوتیں، جھگڑا، حسد، غصہ، تفرقے، جدائیاں، بدعتیں، بُغض، نشتر بازی، ناچار رنگ اور اور اِن کی مانند“ (گلتیوں ۵: ۱۹-۲۱)۔

۶: ۷۔ جب ہم ایمان لاتے ہیں تو بہت سی اچھی اچھی باتیں واقع ہوتی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ”ہم شریعت سے... چھوٹ جاتے ہیں۔ یہ ہمارے مسیح کے ساتھ مَر جانے کا نتیجہ ہے۔ چونکہ وہ ہمارے نمائندہ کی حیثیت میں مَوا اِس لئے ہم اُس میں ”مَر گئے“۔ اپنی موت کے وسیلے سے اُس نے ہولناک سزا اٹھائی اور شریعت کے سارے تقاضے پورے کر دیئے۔ اِس لئے ہم ”شریعت سے... چھوٹ گئے... ہیں“ یعنی شریعت سے آزاد ہو گئے ہیں۔ اور اِس کی ناکریر کفرت سے بھی آزاد ہو گئے ہیں۔

ہم اِس لئے آزاد کیے گئے ہیں کہ رُوح کے نئے طور پر نہ کہ لفظوں کے پرانے طور پر خدمت کریں۔ ہماری خدمت خوف سے نہیں بلکہ محبت سے تحریک پاتی ہے۔ یہ علامی کی نہیں آزادی کی خدمت ہے۔ اب سوال یہ نہیں رہا کہ شعائر اور رسوم کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کو بھی پورا کرتے رہیں بلکہ ہم کمالِ توحش کے ساتھ اپنے آپ کو خُدا کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ خُدا کا جلال ہو اور دُوسروں کو برکت ملے۔

۷: ۷۔ ”مندرِ بڑ بالا ساری باتوں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ پولس شریعت پر سخت تفتید کر رہا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ ایمان دار گناہ اور شریعت کے اعتبار سے مَر گئے۔ اِس بات سے یہ تاثر پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید شریعت بُری چیز ہے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں۔

۷: ۷-۱۳ میں پولس بیان کرتا ہے کہ میرے ایمان لانے اور نجات پانے سے پہلے شریعت نے میری زندگی میں کیا اہم کردار ادا کیا۔ وہ زور دے کر بیان کرتا ہے کہ شریعت گناہ نہیں، بلکہ انسان کے

اندہر جو گناہ ہے اُس کو ظاہر کرتی ہے۔ شریعت ہی نے اُس کو اپنے باطن (دل) کی ہولناک برکشتگی سے آگاہ اور قائل کیا۔ جب وہ اپنا مقابلہ دوسرے لوگوں کے ساتھ کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ میں بہت نیک ہوں۔ لیکن جو نہیں خدا کی شریعت کے تقاضے اُس کی سمجھ میں آجاتے ہیں اور شریعت کی مجرم ٹھہرانے کی قوت اثر کرتی ہے، تو اُس کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ میں مجرم ہوں۔

خاص حکم جس نے گناہ کو اُس پر ظاہر کیا وہ دسواں حکم ہے، "تو لاپچ نہ کر"۔ لاپچ دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ پُرس نے زیادہ شرمناک اور باغیانہ گناہ شاید نہ کئے ہوں۔ لیکن اُس کو احساس ہوتا ہے کہ میری سوچوں اور خیالات کی زندگی بگڑی ہوئی اور گناہ آلودہ تھی۔ وہ جان گیا کہ بُرے خیالات بھی ویسے ہی گناہ ہیں جیسے بُرے کام۔ اُس کا دل خراب اور گھنوں نے خیالات سے بھرا ہوا تھا۔ اُس کی ظاہری یا خارجی زندگی مقابلتاً بے داغ تھی لیکن اُس کی باطنی زندگی خوف ناک تھی۔

۸:۷۔ "مگر گناہ نے موقع پا کر حکم کے ذریعہ سے مجھ میں ہر طرح کا لاپچ پیدا کر دیا۔ جب شریعت ہر طرح کے (بُرے) لاپچ سے منع کرتی ہے تو انسان کی بگڑی ہوئی سہرت کی آگ پر تیل کا کام کرتی ہے۔ جڑائی کرنے کی خواہش اوند تیز ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر شریعت کہتی ہے کہ اپنے ذہن میں ناجائز جنسی سرگرمیوں کے مانے مانے نہ بنو۔ شہوانیت کے ہوائی قلعوں میں آباد نہ رہو۔ شریعت کہتی ہے کہ اپنے دل میں گندے، ذلیل اور ایسے خیالات نہ بساؤ جو شہوت پرستی کی ترغیب دیں۔ شریعت ایسی باتوں سے منع تو کرتی ہے لیکن بد قسمتی سے ان پر غالب آنے کی طاقت نہیں دیتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے ماتحت لوگ شہوت پرستی کے ناپاک خوابوں کی دنیا میں پہلے سے بھی زیادہ ملوث ہو جاتے ہیں۔ ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ جب بھی کسی کام سے منع کیا جاتا ہے، بگڑی ہوئی فطرت اُسے کرنے کو

اور زیادہ چمکتی ہے۔ چوری کا پانی میٹھا ہے اور پوشیدگی کی روٹی لذیذ" (امثال ۱۷:۹)۔  
 "کیونکہ شریعت کے بغیر گناہ مُردہ ہے۔" یہ اضافی بات ہے۔ گناہ آلودہ فطرت سوئے ہوئے کتے کی مانند ہے۔ جب شریعت آکر کہتی ہے کہ "مت کر" تو کتے جاگ اٹھتا اور طوفان اٹھا کھڑا کرتا ہے اور ہر ممانعت کو توڑ ڈالتا ہے۔

۹:۷۔ شریعت کی طرف سے مجرم ٹھہرائے جانے سے پیشتر پُرس زندہ تھا۔ یعنی اُس کی گناہ آلودہ فطرت نسبتاً سنوئی تھی اور وہ خوش قسمتی سے اس بات سے ناواقف تھا کہ میرے دل میں بدی کا کتنا گہرا گڑھا موجود ہے۔

"مگر جب حکم آیا۔" یعنی جب حکم نے زبردست قابلیت پیدا کی یا زبردست مجرم ٹھہرایا تو اُس

کی گناہ آلودہ فطرت پورے طور پر بھڑک اٹھی۔ جتنا زیادہ شریعت پر عمل کرنے کی کوشش کرتا اتنا ہی بُری طرح سے ناکام ہوتا تھا۔ جہاں تک اپنے کردار یا اپنی کوشش سے نجات حاصل کرنے کی اُمید کا تعلق ہے وہ ”مُرگیا“۔ وہ اس خیال کے اعتبار سے بھی ”مُرگیا“ کہ میرے باطن میں کوئی نیکی ہے۔ وہ اس خواب کے اعتبار سے بھی ”مُرگیا“ کہ میں شریعت پر عمل کر کے راست باز ٹھہر سکتا ہوں۔

۱۰: ۷۔ اُس نے جان لیا کہ جس حُکم کا منشا زندگی تھا وہی میرے حق میں موت کا باعث بن گیا۔ یعنی وہ زندگی دینے کے بجائے حقیقت میں ”موت“ کا باعث ثابت ہوگا۔ ”جس حُکم کا منشا زندگی تھا۔“ اس کا مطلب کیا ہے؟ غالباً یہاں پوئیس اجارہ ۱۸: ۵ کو یاد کرتا ہے جہاں خدا کہتا ہے ”سو تم میرے آئین اور احکام ماننا جن پر اگر کوئی عمل کرے تو وہ اُن ہی کی بدولت جیتا رہے گا۔ میں خداوند ہوں۔“ یہ ایک مثالی صورت حال تھی۔ شریعت اُن کے لئے زندگی کا وعدہ کرتی ہے جو اُس پر عمل کرے۔ شیر کے پنجرے کے باہر اِنباہ لکھا ہوتا ہے ”سلاخوں سے دور رہیں۔“ اگر عمل کیا جائے تو یہ حُکم زندگی لاتا ہے۔ لیکن جس بچے نے حُکم نہ مانا اور آگے بڑھ کر شیر کو تھپکی دینے کی کوشش کی اُس کے لئے موت لاتا ہے۔

۱۱: ۷۔ پوئیس ایک دفعہ پھر زور دیتا ہے کہ قصور وار شریعت نہیں بلکہ میرے اندر بسنے والے ”گناہ“ نے مجھے بہسکایا کہ وہ کام کروں جس سے شریعت منع کرتی ہے۔ گناہ نے فریب دے کر اُس کو یہ بات سکھائی کہ آہر ممنوعہ پھل اِنباہراتو نہیں، بلکہ یہ تو خوشی لائے گا اور میں بچ بھی جاؤں گا۔ یہ سبھی ایا کہ خدا مجھ سے خوشیاں دُور رکھ رہا ہے جبکہ وہ میرے لئے اچھی ہیں۔ اس طرح گناہ نے اُس کو مار ڈالا یعنی نجات ملنے اور اُس کا حق دار بننے کی ساری اُمیدوں کو مار ڈالا۔

۱۲: ۷۔ ”شریعت پاک ہے اور حُکم بھی پاک اور راست اور اچھا ہے۔“ سوچتے اور غور کرتے وقت ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ شریعت میں کوئی خرابی نہیں۔ شریعت خدا نے دی، اس لئے وہ اُس کے لوگوں پر اُس کی مرضی کے اظہار میں کامل ہے۔ شریعت کی کمزوری دراصل اُس خام مال میں ہے جس سے اُس کو واسطہ ہے۔ یہ اُن لوگوں کو دی گئی جو پہلے ہی گنہگار تھے۔ اُن کو گناہ کی واقفیت دلانے کے لئے شریعت دینے کی ضرورت تھی۔ لیکن اِس سے بڑھ کر اُن کو ایک مُنجی کی ضرورت تھی جو اُن کو گناہ کی سزا اور قدرت سے خلاصی دلاتا۔

۱۳: ۷۔ ”جو چیز اچھی ہے۔“ یہ چیز شریعت ہے جیسا کہ گزشتہ آیت میں صفائی سے بتایا گیا ہے۔ پوئیس یہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا شریعت ”میرے لئے موت ٹھہری؟“ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ شریعت ہے جس نے پوئیس کو (اور ہم سب کو) موت کے مُنہ میں دھکیل دیا؟ بے شک جواب ہے ”ہرگز نہیں۔“ سبب تو گناہ ہے۔ شریعت نے گناہ شروع یا جاری نہیں کیا بلکہ اِس نے گناہ اور اُس کے سارے گھنٹے پن کو ظاہر کیا۔ ”شریعت کے وسیلہ

سے تو گناہ کی پہچان ہی ہوتی ہے“ (۲۰:۳ ب)۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ جب خدا کا پاک حکم کسی بات سے منہ کرتا ہے تو انسان کی گناہ آلودہ فطرت کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟ جواب سب کو معلوم ہے۔ جو بیٹل خواہیدہ خواہش تھی، اب زبردست ولولہ بن جاتی ہے۔ اس طرح حکم کے ذریعہ سے گناہ حد سے زیادہ مکر وہ معلوم ہوتا ہے۔

یوں لگتا ہے کہ جو کچھ پوکس یہاں کہہ رہا ہے اور ۱۰:۷ میں تضاد پایا جاتا ہے۔ وہاں کہتا ہے کہ شریعت موت کا باعث ہوئی، یہاں اس بات سے انکار کرتا ہے کہ شریعت میرے لئے موت کا باعث ہوئی۔ اس کا صل یہ ہے۔ ایک طرف تو شریعت پرانی فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتی، دوسری طرف نہ اس سے گناہ کرا سکتی ہے۔ شریعت صرف گناہ کو ظاہر کر سکتی ہے جس طرح کہ تھرمامیٹر درجہ حرارت کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن شریعت گناہ کو کنٹرول نہیں کر سکتی جس طرح کہ تھرمو سٹیٹ حرارت کو کنٹرول کرتا ہے۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ انسان کی بگڑی ہوئی فطرت جب تکی طور پر وہی کرنا چاہتی ہے جس کی ممانعت ہو۔ چنانچہ وہ شریعت کو استعمال کر کے گنہگار کی زندگی کی شہوتوں کو جگا دیتی ہے، ورنہ وہ خواہیدہ ہوتی ہیں۔ انسان جتنی کوشش کرتا ہے حالت اتنی ہی بدتر ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان ہر امید سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ اس طرح گناہ شریعت کو استعمال کر کے انسان کے اندر ترقی کرنے اور بہتری کی ہر امید کو مار ڈالتا ہے۔ اور انسان کو اپنی پرانی فطرت کی گناہ آلودگی بالکل صاف نظر آنے لگتی ہے جو کہ پہلے اس طرح نظر نہیں آتی تھی۔

۱۳:۷۔ اب تک پوکس اپنی زندگی کا وہ تجربہ بیان کر رہا تھا جس کا تعلق ماضی سے ہے یعنی وہ دردناک بحران جو اُس وقت پیش آیا جب شریعت کی خدمت کے نتیجے میں اُس کو اپنے مجرم یا زبردست گنہگار ہونے کی پہچان ہوئی۔

اب پوکس رسول فعل حال کا استعمال کرتا اور اُس تجربے کا بیان کرتا ہے جو اُس کو نئی پیدائش کے وقت سے ہو رہا ہے۔ یعنی دو فطرتوں کے درمیان کشمکش اور جنگ، اور اپنی طاقت سے اپنے اندر بسنے والے گناہ سے چھٹکارا پانے کا امکان نہ ہونا۔ پوکس تسلیم کرتا ہے کہ شریعت تو روحانی ہے، یعنی پاک ہے۔ اور انسان کے روحانی فائدہ کے لئے اُس کے مناسب حال ہے۔ لیکن وہ محسوس کرتا ہے کہ میں ”جسمانی“ ہوں۔ کیونکہ اُس کو اپنے اندر بسنے والے گناہ کی قدرت پر فتح پانے کا تجربہ نہیں ہو رہا۔ وہ کہتا ہے کہ ”میں... گناہ کے ہاتھ بکا ہوا ہوں“ یعنی میں غلام ہوں اور گناہ میرا مالک ہے۔

۱۵:۷۔ اب رسول اُس ایمان دار کی کوشش اور جدوجہد کا بیان کرتا ہے جو اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ میں موت اور جہی اٹھنے میں مسیح کے ساتھ مشابہت رکھتا ہوں۔ یہ اُس شخص کی دو فطرتوں

میں کشمکش ہے جو پاکیزگی کی تلاش میں کوہ سینا پر چڑھتا ہے یعنی شریعت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ بہری دوسرے  
اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ

”یہ آدمی ذاتی محنت کے بل بوتے پر پاکیزگی حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔ اور  
پوری طاقت سے جدوجہد کر رہا تھا کہ خدا کے ”پاک اور راست اور اچھے“ حکموں (آیت ۱۲)  
کو پورا کرے۔ لیکن اُس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ میں جتنی زیادہ کوشش کرتا ہوں میری حالت  
اتنی ہی بدتر ہو جاتی ہے۔ انسان کی بگڑی ہوئی فطرت کے بس ہی میں نہیں کرگناہ پر  
فتح پائے اور پاکیزگی میں جئے۔“

غور کریں کہ یہاں متکلم اسم ضمیر ”میں“، مجھ، میرے“ نمایاں ہے۔ آیات ۹-۲۵ میں یہ آسمانی ضمیر  
چالیس سے زیادہ دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔ جو لوگ رومیوں ۷ کے تجربہ میں سے گزرتے ہیں وہ اسی  
”میں“ کا شکار رہتے ہیں۔ وہ خدا سے زیادہ دُروں میں ہیں۔ وہ اپنے اندر جھانکتے رہتے ہیں۔ وہ  
اپنے ”میں“ میں فتح تلاش کرتے ہیں، جبکہ ”میں“ کو کبھی فتح حاصل ہونہیں سکتی۔

رکتے انہوں کی بات ہے کہ دورِ جدید کی نفسیاتی مسیحی صلاح کاری یعنی والے کی توجیہ  
”اپنے آپ“ پر مرکوز کرتی ہے۔ اور یوں مسئلے کو حل کرنے کی بجائے اُسے اور مشکل بنا دیتی ہے۔  
لوگوں کو یہ سمجھنے اور جاننے کی ضرورت ہے کہ ہم مسیح کے ساتھ مرگئے اور اُس کے ساتھ جی اُٹھے ہیں تاکہ نئی زندگی میں چلیں۔  
پھر جسم کو ترقی دینے کی بجائے وہ اُس کو یسوع کی قبر میں اتار دیں گے۔

دو فطرتوں کے درمیان جنگ کا بیان کرتے ہوئے پوئیس کہتا ہے کہ ”جو میں کرتا ہوں اُس کو نہیں جانتا۔“  
اُس کی شخصیت بٹی ہوئی ہے۔ وہ خود کو اُن کاموں میں مصروف پاتا ہے جو وہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ جن سے نفرت  
کرتا ہے۔

۱۶:۷ - وہ کام کرنے میں جن کو اُس کی عقل سلیم رد کرتی ہے وہ ”شریعت“ کی طرف داری کرتا ہے۔  
شریعت کو ”خوب“ اور اپنے آپ کو ”برا“ ٹھہراتا ہے۔ اس لئے کہ شریعت بھی اُن باتوں کو بُرا قرار دیتی ہے۔  
چنانچہ وہ دل سے قبول کرتا ہے کہ ”شریعت خوب ہے۔“

۱۷:۷ - اُن باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سبب ”نیا انسان“ نہیں جو مسیح میں ہے، بلکہ وہ بگڑی ہوئی  
اور گناہ آلود فطرت ہے جو انسان کے اندر بسی ہوئی ہے۔ لیکن یہاں احتیاط کی ضرورت ہے۔ ”میں گناہ“ کو  
ذمہ دار ٹھہرا کر خود کو گناہ کرنے سے معذور رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ کرتے ہیں اُس کے ذمہ دار  
ہیں۔ اور لازم ہے کہ ہم اس آیت کو ذمہ داری کسی دوسرے پر ڈالنے کے لئے استعمال نہ کریں۔ پوئیس

یہاں صرف یہ کر رہا ہے کہ اپنے گناہ آلودہ کردار کے سرچشمہ کی نشاندہی کر رہا ہے، اپنے آپ کو معذور نہیں ٹھہرا رہا۔

۱۸:۷۔ پاکیزگی میں اُس وقت تک ترقی نہیں ہو سکتی جب تک ہم وہ بات نہ سیکھ لیں جو پولس نے سیکھی تھی کہ ”مجھ میں یعنی میرے جسم میں کوئی نیکی کیسی ہوئی نہیں۔“ یہاں ”جسم“ کا مطلب ہے وہ بگڑی ہوئی بُری فطرت جو آدم سے ورثہ میں ملی ہے اور ہر ایماندار میں اب تک موجود ہے۔ یہی ہر بُرے فعل کا سرچشمہ ہے جو کہ انسان کرتا ہے۔ اس میں کوئی نیکی، کوئی بھلائی ہے نہیں۔

جب ہم یہ بات جان لیتے ہیں تو ہم پرانی فطرت میں نیکی اور بھلائی تلاش کرنے سے آزاد ہو جاتے ہیں، باز آ جاتے ہیں۔ جب اس میں نیکی یا اچھی بات نہیں ملتی تو مایوس اور ناامید ہونے سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں، اور اپنے آپ سے واسطہ رکھنے سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔ دروں بین (اپنے آپ کو دیکھتے رہنا) میں کوئی فتح نہیں۔ ہم ایک نظر جو اپنے آپ پر ڈالتے ہیں اُس کے مقابله میں دش نظریں سوج پر ڈالنی چاہئیں۔ جسم کی یہ لسی کی تصدیق کرنے کے لئے پولس نہایت افسوس بلکہ ماتم کرتا ہے کہ اگرچہ مجھ میں نیک کام کرنے کی خواہش تو ہے لیکن میرے اندر وہ دسائل نہیں ہیں جن سے اس خواہش کو عمل کا جامہ پہنا سکو۔ مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے لنگر کو کشتی ہی کے اندر ڈال رہا ہے۔

۱۹:۷۔ یوں دونوں فطرتوں کے درمیان کشمکش زور پکڑتی جاتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ جو نیکی میں کرتا چاہتا ہوں اُس کے کرنے میں ناکام رہتا ہوں، اس کی بجائے وہ ”بدی“ کر لیتا ہوں جس سے نفرت کرتا ہوں۔ وہ تضادات کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔

۲۰:۷۔ ہم سلیس زبان میں اس آیت کو یوں بیان کر سکتے ہیں کہ ”پس اگر میں (پرانی فطرت) وہ کرتا ہوں جس کا میں (نئی فطرت) ارادہ نہیں کرتا (کرنا نہیں چاہتا) تو اُس کا کرنے والا میں (شخص) نہ رہا بلکہ گناہ ہے جو مجھ میں (میرے اندر) بسا ہوا ہے۔“ ہم یہ بات پھر سے واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ پولس رسول خود کو معذور نہیں ٹھہرا رہا۔ وہ اپنے رکے کی ذمہ داری سے پلو تہی نہیں کر رہا۔ وہ صرف یہ بیان کر رہا ہے کہ مجھے اپنے اندر بسنے والے گناہ کی قدرت سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوا۔ اور جب میں گناہ کرتا ہوں تو نے انسان کی خواہش سے نہیں کرتا۔

۲۱:۷۔ وہ اپنی زندگی میں ایک اصول یا ”شریعت“ (قانون) کو کام کرتے ہوئے پاتا ہے جو اُس کے سارے اچھے ارادوں اور نیت کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ جب بھی وہ ایسا کام کرنا چاہتا ہے جو درست ہے، تو نتیجے میں گناہ کر لیتا ہے۔



۲۲:۷۔ جہاں تک اُس کی نئی فطرت کا تعلق ہے، وہ ”خدا کی شریعت کو بہت پسند کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ شریعت پاک ہے، کہ شریعت خدا کی مرضی کا اظہار ہے۔ وہ خدا کی مرضی پوری کرنا چاہتا ہے۔“

۲۳:۷۔ لیکن وہ اپنی زندگی میں ایک متضاد اصول کو کارفرما دیکھتا ہے جو اُس کی نئی فطرت کے خلاف زور مارتا ہے اور اُسے اپنے اندر بسنے والے ”گناہ کی... قیدیں“ لے آتا ہے۔ جارج کٹنگ لکھتا ہے کہ ”اگرچہ باطنی انسانیت کے مطابق اُس کو شریعت بہت پسند ہے، مگر شریعت اُس کو کچھ قوت (توفیق) نہیں دیتی۔ دوسرے لفظوں میں وہ اُس کام کو کرنے کی کوشش کر رہا ہے جس کو خدا نے قطعاً ناممکن قرار دیا ہوا ہے، یعنی جسم کو خدا کی پاک شریعت کے تابع کرنا۔ وہ جان لیتا ہے کہ جسم جسمانی باتوں کا خیال کرتا ہے اور خدا کی شریعت، بلکہ خود خدا کا دشمن ہے۔“

۲۴:۷۔ اب پورٹس اپنی مشہور اور پر معنی ”ہائے“ کہتا ہے۔ اُس کو محسوس ہوتا ہے جیسے ایک گتھی مڑتی ہوئی لاش میری پیٹھ پر بندھی ہوئی ہے۔ رسول اِس کو ”موت کا بدن“ کہتا ہے جس سے مراد پُرانی انسانیت مع اپنے سارے بگاڑ اور خرابی کے ہے۔ اپنی کم بختی اور بد حالی میں وہ تسلیم کرتا ہے کہ میں خود کو اِس ناگوار اور کربہ بندھن اور قید سے چھڑانہیں سکتا۔

۲۵:۷۔ اِس آیت کا آغاز بے ساختہ شکر گزاری سے ہوتا ہے۔ اِس شکر گزاری کو دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اول، ”یہی خدا کا شکر کرتا ہوں“ کہ رہائی اور چھٹکارا ہمارے ”خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے“ ہے۔ دوم، پورٹس خداوند یسوع مسیح کے وسیلے سے خدا کا شکر“ کرتا ہے کہ اب میں گزشتہ آیت والا کم بخت آدمی نہیں رہا۔

آیت کا باقی حصہ چھٹکارا حاصل ہونے سے پہلے تک دونوں فطرتوں کی آپس میں لڑائی یا کشمکش کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔ اپنی نئی ”عقل“ یا نئی فطرت سے تو ایمان دار ”خدا کی شریعت کا محکوم“ ہے لیکن جسم (پُرانی فطرت) سے وہ گناہ کی شریعت کا محکوم“ ہے۔ اگلے باب میں چھٹکارے کی راہ کا بیان ہے۔

## ی۔ رُوحُ الْقُدُسِّ، پاک زندگی کے لئے قوت (باب ۸)

پاکیزہ زندگی گزارنے کا موضوع جاری ہے۔ باب ۶ میں پورٹس نے اِس سوال کا جواب دیا تھا کہ ”کیا انجیل کی خوشخبری کا تعلیم (صرف ایمان کے وسیلے سے نجات) گناہ آلودہ زندگی کی اجازت دیتی بلکہ اِس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے؟“ باب ۷ میں اُس نے اِس سوال پر بحث کی کہ کیا انجیل کی خوشخبری مسیحیوں کو کہتی ہے

کہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی خاطر شریعت کی پابندی کریں؟“ زیر نظر باب میں یہ سوال پیش نظر ہے کہ مسیحی کو پاکیزہ زندگی گزارنے کے لئے توفیق کیسے ملتی ہے؟“

ہمیں شروع ہی میں نظر آجاتا ہے کہ باب ۷ میں جو اسمائے ضمیمہ بہت نمایاں تھے، وہ اٹھویں باب میں بڑی حد تک غائب ہو جاتے ہیں۔ اور اب رُوح القدس غالب ہے۔ یہ بات کلام کے اس حصے کو سمجھنے کی بڑی کلید ہے۔ فتح ہم میں نہیں بلکہ رُوح القدس میں ہے جو ہمارے اندر سکونت کرتا ہے۔ اے۔ جے۔ گورڈن رُوح القدس کی طرف سے سات 'مردوں' کا بیان کرتا ہے۔ ۱۔ خدمت میں آزادی (آیت ۲-۲)۔ خدمت کے لئے تقویت (آیت ۱۱)۔ ۲۔ گناہ پر فتح (آیت ۱۳)۔ ۳۔ خدمت میں لڑائی (آیت ۱۴)۔ ۵۔ فرزندیت کی گواہی (آیت ۱۶)۔ ۶۔ خدمت میں معاونت (آیت ۲۶)۔ ۷۔ دُعایں معاونت (آیت ۲۶)۔

۱:۸۔ ناامیدی اور شکست کی وادی سے اب پولس فتح کی لگلا کر ساتھ بندیوں پر چڑھتا ہے "پس اب جو مسیح یسوع میں ہیں ان پر سزا کا حکم نہیں"۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

اول، جہاں تک ہمارے گناہ کا تعلق ہے اب خدا کی طرف سے اس کی "سزا کا حکم نہیں" اس لئے کہ ہم مسیح میں ہیں۔ جب تک ہم اپنے پہلے سرور یعنی آدم میں تھے، تب تک سزا کا حکم تھا۔ لیکن اب ہم مسیح میں ہیں اس لئے سزا کے حکم سے ویسے ہی آزاد ہیں جیسے مسیح ہے۔ چنانچہ ہم یہ جیلخ دے سکتے ہیں کہ پہلے میرے مبارک منجی پر ہاتھ ڈالو۔

اُس کو خدا کی نظروں سے گراؤ۔

ثابت کرو کہ یسوع پر گناہ کا ایک (بھی) دارغ ہے۔

ڈیلیو۔ این۔ ٹامکن

پھر مجھے کہو کہ تو ناپاک ہے۔

دوم، اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اب اپنے آپ کو اُس طرح مجرم اور تصور وار ٹھہرانے کی ضرورت نہیں جس کا بیان پولس نے باب ۷ میں کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم رومیوں باب ۷ کے تجربے سے گزریں، اپنی کوششوں سے شریعت کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ناکام ثابت ہوں، مگر ضروری نہیں کہ ہم وہیں (اُسی مقام پر) رہیں۔ آیت ۲ واضح کرتی ہے کہ اب کیوں "سزا کا حکم نہیں"۔

۲:۸۔ "زندگی کے رُوح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا۔"

یہ دو مخالف شریعتیں یا دو مخالف اصول ہیں۔ رُوح القدس کے اصول کی خاصیت پاکیزہ زندگی کے لئے ایمان داروں کو طاقت (توفیق) دینا ہے۔ اندر بسنے والے گناہ کے اصول کی خاصیت انسان کو نیچے موت کی طرف کھینچنا ہے۔ یہ کششِ ثقل کے اصول کی مانند ہے۔ جب آپ ایک گیند ہو ا میں اچھلتے ہیں

تو وہ نیچے آجاتی ہے۔ کیونکہ جس ہوا کو جگہ سے ہٹاتی ہے اُس سے بھاری ہوتی ہے۔ ایک زندہ پرندہ بھی اُس ہوا سے کوڑی ہوتا ہے جس کو جگہ سے ہٹاتا ہے۔ لیکن جب آپ اُس کو ہوا میں اُچھالتے ہیں تو وہ اُڑ جاتا ہے۔ پرندے میں "زندگی" کا اُصول کششِ ثقل پر غالب آتا ہے۔ چنانچہ رُوح القدس خداوندِ مسیح کی جی اٹھی زندگی فراہم کرتا اور ایمان دار کو "گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر" دیتا ہے۔

۳:۸۔ شریعت کے تقاضے مُقدس ہیں۔ مگر شریعت انسانوں سے ان کو پورا نہیں کرا سکتی۔ لیکن جہاں شریعت ناکام رہی وہاں فضل کامیاب رہا۔ آئیے دیکھتے ہیں کس طرح۔

"شریعت جسم کے سبب سے کمزور" ہونے کے باعث پاکیزہ زندگی پیدا نہ کر سکی۔ مشکل شریعت کی نہیں تھی، بلکہ انسان کی بگڑی ہوئی فطرت کی تھی۔ شریعت نے اُن لوگوں سے کلام کیا جو پیٹے ہی گنہگار تھے، جن میں فرمانبرداری کرنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن خُدا نے مداخلت کی۔ "اُس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلودہ جسم کی صورت میں" بھیجا۔ خود کریں اور یاد رکھیں کہ خداوندِ مسیح گناہ آلودہ جسم میں نہیں بلکہ "گناہ آلودہ جسم کی صورت میں" آیا۔ اُس نے کبھی گناہ نہ کیا (۱۔ پطرس ۲: ۲۲)۔ وہ گناہ سے واقف نہ تھا (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۲۱) اور اُس میں گناہ نہیں تھا (۱۔ یوحنا ۳: ۵)۔ لیکن انسانی صورت میں دُنیا میں آنے سے وہ گناہ آلودہ انسانیت کے مُشاہد ہو گیا۔ مسیح گناہ کی قربانی تھا۔ خُدا نے "جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا"۔ وہ صرف اُن گناہوں کے لئے نہیں مَوا جو ہم کرتے ہیں (۱۔ پطرس ۳: ۱۸) بلکہ ہماری گناہ کی فطرت کے لئے بھی مَوا۔ دوسرے لفظوں میں، وہ اُس کے لئے مَوا جو کچھ ہم ہیں، اور جو کچھ ہم نے کیا ہے۔ اور مسیح کے ایسا کرنے میں خُدا نے "جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا"۔ یہ کبھی نہیں کہا گیا کہ ہماری گناہ کی فطرت کو مُعاف کر دیا گیا ہے۔ اس کو "سزا کا حکم ہے"۔ معافی اُن گناہوں کی ہوئی ہے جو ہم نے کئے ہیں۔

۴: ۸۔ اب "شریعت کا تقاضا ہم میں پورا" ہو چکا ہے "جو جسم کے مطابق نہیں بلکہ رُوح کے مطابق چلتے ہیں"۔ جب ہم اپنی زندگیوں کا کنٹرول رُوح القدس کو دے دیتے ہیں وہ ہمیں خُدا سے محبت کرنے، اور اپنے پڑوسی سے محبت رکھنے کی طاقت اور توفیق دیتا ہے۔ اور آخر شریعت کا تقاضا بھی تو یہی ہے۔

ان پہلی چار آیات میں رسول نے ۵: ۱۷ سے ۷: ۲۵ تک کی دلیلوں کے رشتے جوڑے ہیں۔ ۱۲: ۱۵۔ ۱۶ تک اُس نے آدم اور مسیح سر (سردار) ہونے پر بحث کی تھی۔ ۱: ۸ میں وہ دکھاتا ہے کہ آدم کے مُشاہد ہونے کے باعث ہم کو جو لعنت و رشتہ میں ملی تھی، وہ مسیح کے ساتھ مُشاہد ہونے کے باعث دور ہو گئی ہے۔ ابواب ۶ اور ۷ میں پورس نے ہماری فطرت میں گناہ کے ہولناک مسئلے پر بحث کی ہے۔

اب وہ فاتحانہ اعلان کرتا ہے کہ مسیح یسوع میں زندگی کے روح کی شریعت نے ہم کو گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا ہے۔ باب ۷ میں شریعت کے سارے مضمون پر بات ہوئی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت کے تقاضے وہ زندگی پورے کرتی ہے جو روح القدس کے کنٹرول میں ہو۔

۵:۸ — جو جسمانی ہیں — یعنی جن کی نئی پیدائش نہیں ہوئی وہ جسمانی باتوں کے خیال میں رہتے

ہیں۔ وہ جسم کی ترنگوں (اچانک ابھرنے والی خواہشوں) کے تابع ہوتے ہیں۔ وہ بگڑی ہوئی فطرت کی خواہش پوری کرتے ہیں۔ وہ جسم کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ اور جسم چند سالوں بعد خاک میں مل جائے گا۔

لیکن جو روحانی ہیں — یعنی سچے ایمان دار — وہ جسم اور خون سے بالاتر ہو کر ان چیزوں (باتوں) کے لئے جیتتے ہیں جو ابدی ہیں۔ وہ خدا کے کلام، دعا، عبادت اور مسیحی خدمت میں دل لگائے رکھتے ہیں۔

۶:۱ — جسمانی نیت — یعنی گری ہوئی فطرت کا ذہنی میلان یا رجحان — موت ہے۔

یہ حال کی لطف اندوزی اور مستقبل میں آخری انجام دونوں کے اعتبار سے موت ہے۔ اس میں موت کا احتمال و امکان اتنا ہی ہوتا ہے جتنا زہر کی ایک بہت بڑی خوراک میں ہوتا ہے۔

لیکن روحانی نیت زندگی اور اطمینان ہے۔ خدا کا روح اس زندگی کی ضمانت ہے جو حقیقت میں زندگی ہے۔ جس میں خدا کے ساتھ میل بھلاپ اور خدا کا سکون ہے۔

۷:۸ — جسمانی نیت اس لئے موت ہے کہ خدا کی دشمنی ہے۔ گنہگار خدا کا باغی ہوتا ہے اور اُس

کے خلاف سرگرمیوں میں تیز ہوتا ہے۔ اگر اس کا ثبوت چاہے تو خداوند یسوع کی تعلیب میں واضح ثبوت موجود

ہے۔ جسمانی نیت نہ تو خدا کی شریعت کے تابع ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ وہ خدا کے حکم کے سامنے جھکنا گوارا نہیں

کرتی۔ اپنی مالک آپ رہنا چاہتی ہے۔ اُس کی مرشد ہی ایسی ہے کہ خدا کی شریعت کے تابع ہو ہی نہیں سکتی۔

صرف یہ نہیں کہ خدا کے تابع ہونے کا میلان نہیں رکھتی بلکہ اس کی توفیق اور طاقت سے بھی عاری ہے۔ خدا کے

اعتبار سے جسم مردہ ہے۔

۸:۸ — چنانچہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ جو جسمانی ہیں وہ خدا کو خوش نہیں کر سکتے۔ ذرا دیکھیں! خود

کریں!! غیر نجات یافتہ انسان میں کوئی ایسی بات ہے نہیں جس سے وہ خدا کو خوش کر سکے۔ نہ نیک اعمال،

نہ مذہبی رسومات کی پابندی، نہ قربانی کی کوئی عبادت۔ قطعاً کچھ نہیں۔ پہلے ضرور ہے کہ وہ

خطا کار، قصور وار، گنہگار کی جگہ لے، یعنی تسلیم کرے کہ میں گنہگار ہوں، اور ایمان سے مسیح کو قبول کرے۔

اس کے بعد ہی خدا اُس سے خوش ہوگا۔

۹:۸ - جب کوئی شخص نے مہرے سے پیدا ہوتا ہے تو وہ "جسمانی نہیں" رہتا، بلکہ "روحانی ہو" جاتا ہے۔ اب اُس کی زندگی ایک نئے حلقے میں آجاتی ہے۔ جس طرح مچھلی پانی میں اور انسان ہوا میں جیتا ہے بالکل اسی طرح ایمان دار رُوح القدس میں جیتا ہے۔ نہ صرف وہ رُوح القدس میں جیتا ہے، بلکہ رُوح اُس میں بستا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مسیح کا رُوح اُس میں نہ لے تو وہ مسیح کا نہیں۔ یہاں ایک سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ کیا یہاں "مسیح کا رُوح" اور رُوح القدس ایک ہی ہیں۔ سیاق و سباق کے مطابق ان دونوں کو ایک ہی سمجھنا بالکل موزوں اور مناسب ہے۔

۱۰:۸ - رُوح کی خدمت کے وسیلے سے "مسیح" حقیقتاً ایمان دار "میں" ہوتا ہے۔ یہ خیال بہت حیرت افزا ہے کہ زندگی اور جلال کا خداوند ہمارے جسموں میں سکونت کرتا ہے۔ خصوصاً جب ہم یہ یاد کرتے ہیں کہ ہمارے یہ "جسم گناہ کے سبب سے مُردہ" یعنی موت کے تابع ہیں۔ کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ ابھی تک تو یہ مہرے نہیں جیسا کہ آیت بظاہر کہہ رہی ہے۔ نہیں، لیکن موت کی قوتیں پہلے ہی ان پر کام کر رہی ہیں۔ اور اگر خداوند جلدی نہ آگیا، تو بالآخر یہ جسم مر جائیں گے۔

جسم کے بلقابل "رُوح راست بازی کے سبب سے زندہ ہے"۔ اگرچہ ایک وقت تھا کہ خدا کے اعتبار سے رُوح مُردہ تھی۔ لیکن خداوند یسوع مسیح کے مرنے اور جی اُٹھنے کے راست کام کے وسیلے سے اب زندہ کی گئی ہے۔ اور اس لئے اب بھی کہ خدا کی راستبازی ہمارے نام محسوب کی گئی ہے۔

۱۱:۸ - لیکن اس یاد دہانی سے ہمیں خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے کہ جسم ابھی تک موت کے ماتحت ہے۔ یہ حقیقت کہ پاک "رُوح" ہمارے جسموں میں سکونت کرتا ہے۔ ضمانت ہے کہ جس طرح خدا نے "یسوع کو مُردوں میں سے جلا یا" اسی طرح ہمارے "فانی بدنوں کو بھی... زندہ کرے گا"۔ یہ ہماری مخلصی کا آخری عمل ہوگا۔ یعنی جب ہمارے بدن مُتجی کے جلالی بدن کی طرح جلالی بنا دئے جائیں گے۔

۱۲:۸ - اب جبکہ ہم نے جسم اور رُوح میں واضح فرق دیکھ لیا ہے تو کس نتیجے پر پہنچتے ہیں؟ ہم پر "جسم" کا کچھ "قرض" نہیں ہے جس کے باعث ہم جسم کے محکم کے مطابق زندگی گزاریں۔ پُرانی بُری اور بگڑی ہوئی فطرت فقط ایک بوجھ تھی جس کو ہم اپنے ساتھ گھسیٹتے پھرتے تھے۔ اُس نے ہمیں کبھی رتی بھر فائدہ نہیں پہنچایا۔ اگر مسیح ہمیں نہ بچاتا تو "جسم" ہمیں گھسیٹ کر جہنم میں لے جاتا۔ ہم ایسے دشمن کے

۱۰ بعض علما نے اصل زبان میں pneuma کا مطلب رُوح القدس سمجھا۔ ہمارے خیال کے مطابق اس سے مراد ایمان دار کی رُوح ہے۔

احسان مند کیوں ہوں؟

۸ : ۱۳ - جو جسم کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ ضرور مرے گے۔ وہ نہ صرف جسمانی بلکہ رُوحانی موت بھی مرے گے۔ ”جسم کے مطابق زندگی“ کا مطلب ہے نجات کے بغیر رہنا۔ یہ بات ۸ : ۴ اور ۵ میں بھی واضح کی گئی ہے۔ لیکن پوئیس یہ بات اُن لوگوں کو مخاطب کر کے کیوں کہتا ہے جو پہلے ہی نجات یافتہ تھے؟ کیا اُس کا مطلب ہے کہ بالآخر اُن میں سے کچھ لوگ ہلاک ہو جائیں گے؟ نہیں لیکن پوئیس اپنے خطوط میں اکثر خبردار کرتا ہے، اور انبیاہ اور محاسبہٴ نفس کے لفظ استعمال کرتا ہے کیونکہ اُس کو احساس ہے کہ ہر کلیسیا میں کچھ ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو حقیقت میں نئے سرے سے پیدا نہیں ہوئے۔

آیت کے باقی حصے میں وہی بیان ہے جو سچے ایمان داروں کی خاصیت ہے۔ پاک رُوح کی توفیق سے وہ ”بدن کے کاموں کو نیست و نابود“ کرتے ہیں۔ اُن کو اسی وقت ابدی زندگی حاصل ہے، مگر جب اس دُنیا سے رخصت ہوں گے تو زندگی کی بھرپوری میں داخل ہوں گے۔

۸ : ۱۴ - سچے ایمان داروں کے بیان کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ وہ ”خدا کے رُوح کی ہدایت سے چلتے ہیں“۔ یہاں پوئیس اس بات کی طرف اشارہ نہیں کر رہا کہ نامور مسیحیوں کی زندگی میں خدا کی ہدایت اور رہنمائی کے نمایاں اور شان دار واقعات رُوخا ہوتے ہیں بلکہ جو بات وہ کہہ رہا ہے وہ خدا کے سچے فرزندوں پر صادق آتی ہے کہ وہ ”خدا کے رُوح کی ہدایت سے چلتے ہیں“۔ یہاں سوال یہ نہیں کہ وہ کس قدر یا کس درجے تک رُوح القدس کے تابع فرمان ہوتے ہیں، بلکہ بیان اُس باہمی تعلق کا ہے جو ایمان لانے وقت قائم ہو جاتا ہے۔

فرزندیت کا مطلب ہے خدا کے خاندان میں قبول کیا جانا اور بالغ بیٹوں کے تمام حقوق ورائس حاصل کرنا۔ ایک نئے یا تازہ ایمان لانے والے کو رُوحانی میراث میں داخل ہونے کے لئے کسی معینہ عرصے تک انتظار نہیں کرنا پڑتا بلکہ جو نبی نجات پاتا ہے اُس کو یہ سب کچھ مل جاتا ہے۔ اور اس بات کا اطلاق سارے ایمان داروں پر ہوتا ہے، مرد، عورت، لڑکا، لڑکی کا کچھ امتیاز نہیں۔

۸ : ۱۵ - جو شریعت کے ماتحت ہیں وہ نابالغ بچوں کی مانند ہیں۔ اُن پر یوں حکم چلایا جاتا ہے جیسے وہ نوکر ہوں اور اُن پر سزا کا سایہ منڈلاتا رہتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص نئے سرے سے پیدا ہو جاتا ہے تو وہ نوکر کی حیثیت میں پیدا نہیں ہوتا۔ اُس کو خدا کے گھرانے میں غلام کی حیثیت سے شامل نہیں کیا جاتا بلکہ اُس کو ”پاک ہونے کی رُوح“ مل جاتی ہے۔ یعنی خدا کے خاندان میں اُس کو ایک بالغ بیٹے کا رتبہ دیا جاتا ہے۔ ایک حقیقی رُوحانی جہلت کے تحت وہ خدا کی طرف نظر اٹھاتا اور اُس کو

”ابا، یعنی اے باپ! کہہ کر پکارتا ہے۔ ارامی زبان کے لفظ ”ابا“ میں رشتے کی نہایت قربت اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ (ہماری خوش قسمتی ہے کہ اردو میں بھی لفظ ”ابا“ ارامی زبان ہی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ مترجم)۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بلندی اور عظمت میں لاکھودے، وہ قربت اور اپنائیت میں بھی لاکھودے۔ ”لے پاک ہونے کی رُوح“۔ یہ رُوح القدس کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کیونکہ رُوح القدس ایمان دار کو فرزند ہونے کے مخصوص رُتبے اور شان کا شعور دلاتا ہے۔ یا اس کا مفہوم لے پاک ہونے کا احساس یا رویت ہے جو غلامی کی رُوح کے بالکل الٹ ہوتا ہے۔

رومیوں کے خط میں ”لے پاک“ تین مختلف انداز میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ فرزندیت کے اُس شعور کا بیان کرتا ہے جو رُوح القدس ایمان دار کی زندگی میں پیدا کرتا ہے۔ ۸: ۲۳ میں نظر آگے کی طرف اُس وقت پر لگی ہے جب ایمان دار کا بدن مخلصی پائے گا یعنی جلالی بنا دیا جائے گا۔ اور ۹: ۴ میں نظر ماضی میں اُس وقت پر ہے جب خدا نے اسرائیل کو اپنا بیٹا نامزد کیا تھا (خروج ۴: ۲۲)۔

گلتیوں ۴: ۵ اور افسیوں ۱: ۵ میں اس لفظ کا مطلب ہے ”بیٹے کا مقام دینا“۔ یعنی سارے ایمان داروں کو بالغ بیٹوں کا رتبہ اور فرزندیت کے سارے استحقاق اور فرائض دینے کا عمل۔ ہر ایمان دار خدا کا فرزند ہے۔ اس لئے کہ وہ اُس گھر میں پیدا ہوا ہے جس کا باپ خدا ہے۔ لیکن ہر ایمان دار اس رُوحاطے میں بھی بیٹا ہے کہ یہ ایک خاص رشتہ یا تعلق ہے، جو ان استحقاق کا حامل ہے جو بوخت کی بھینگی تک پہنچنے والے کو حاصل ہوتے ہیں۔

نئے عہد نامہ میں ”لے پاک“ / ”میتنی“ کا سرگز وہ مطلب نہیں جو ہمارے معاشرہ میں مستعمل ہے یعنی دوسرے والدین کے بچے کو گود لینا، اپنا بچہ بنا لینا۔

۱۶: ۸۔ نئے پیدا ہونے والے ایمان دار میں ایک رُوحانی جبلت ہوتی ہے کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ اور رُوح القدس اُسے بتاتا ہے کہ یہ بات درست ہے۔ ”رُوح خود ہماری رُوح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں“۔ ”ہماری رُوح“ یعنی ایمان دار کی رُوح۔ پاک رُوح یہ کام بنیادی طور پر خدا کے کلام کے وسیلے سے کرتا ہے۔ جب ایک مسیحی بائبل مقدس پڑھتا ہے تو رُوح اس سچائی کی تصدیق کرتا ہے کہ چونکہ تو سچائی پر ایمان لایا ہے اس لئے تو خدا کا فرزند ہے۔

لے ۸: ۱۰ کے حاشیہ کو بھی دہن میں رکھئے۔ یہاں رُوح کا متبادل مفہوم انسانی رُوح نہیں بلکہ وہ رویت ہے جو غلامی کا متضاد ہے۔

۱۷:۸۔ خدا کے خاندان کی رکنیت سے وہ استحقاق حاصل ہوتے ہیں کہ انسانی ذہن ان کا اندازہ لگاتے لگاتے چکرانے لگتا ہے۔ خدا کے تمام "فرزند" خدا کے وارث ہیں۔ وارث بالآخر اپنے باپ کی جائیداد میراث میں لیتا ہے۔ اور یہاں بالکل یہی مطلب ہے۔ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب ہمارا ہے۔ ابھی تک یہ ہماری ملکیت میں نہیں آیا۔ ہم اس سے لطف اندوز نہیں ہو رہے۔ مگر مستقبل میں ایسا ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ اور ہم مسیح کے ہم میراث ہیں۔ جب وہ ساری دنیا کی بادشاہی کے تخت کو سنبھالنے کو آئے گا تو ہم مسیح کے ساتھ باپ کی پوری دولت میں شریک ہوں گے۔

جب پولس ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے کہ "بشرطیکہ ہم اُس کے ساتھ دکھ اٹھائیں تاکہ اُس کے ساتھ جلال بھی پائیں" تو وہ دکھوں کو مردانہ وار برداشت کرنے کو نجات کی ایک شرط قرار نہیں دیتا۔ نہ وہ کسی ایسے پیچیدہ اندرونی حلقے ہی کا بیان کر رہا ہے جنہوں نے بڑے بڑے دکھ اور مصیبتیں برداشت کی ہیں بلکہ وہ سارے مسیحیوں کو مسیح کے ساتھ دکھ اٹھانے والوں اور مسیح کے ساتھ جلال پانے والوں کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ بے شک کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مسیح کی خاطر دوسروں کی نسبت زیادہ دکھ اٹھاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ اجر اور جلال میں فرق درجوں کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ لیکن وہ سب جو یسوع کو خداوند اور سچی مانتے ہیں، دنیا ان سب کی مخالف اور دشمن ہو جاتی ہے۔ ان کو دنیا کی ساری ملامت اور شرمندگی برداشت کرنی پڑتی ہے۔

۱۸:۸۔ مگر جب مسیح ہم کو آسمان پر بلائے گا اور آسمان کے لشکروں کے سامنے علانیہ ہم کو اپنا قرار دے گا، تو ہم جانیں گے کہ اُس دنیا کی بڑی سے بڑی شرمندگی جو ہم نے مسیح کی خاطر برداشت کی، وہ اس جلال کے مقابلے میں نہایت حقیر اور معمولی تھی۔ یہاں تک کہ جب مہجی شہیدوں کے سروں پر زیندگی کے تاج سجائے گا تو ان کو اپنی جان کہنی کا درد کانٹے کی جھن معلوم ہوگا۔ ۲۔ کیتھیوں ۱۷:۴ میں پولس اس جہان کے دکھوں کو "دم بھر کی ہلکی سی مصیبت" قرار دیتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ اس کے مقابلے میں "ازحد بھاری اور ابدی جلال" حاصل ہوتا ہے۔ پولس جب بھی آنے والے جلال کا بیان کرتا ہے تو اُس کے الفاظ گہرے مفہوم کے بوجھ تلے خم کھاتے پڑتے نظر آتے ہیں۔ کاش ہم اُس "جلال" کا اندازہ لگا سکتے جو ہمیں ملنے والا ہے تو اُس کی راہ میں آنے والے دکھ ہم کو بالکل ادنیٰ اور بیچ نظر آتے۔

۱۹:۸۔ یہاں پولس ایک زور دار ادبی صنعت استعمال کرتا ہے جسے متشخص کرنا کتے ہیں۔ وہ ساری "مخوفات" کو ایک شخص کی صورت میں پیش کرتا ہے کہ ساری "مخوفات کمال آرزو سے اُس دن کی راہ دیکھتی ہے" جب ساری دنیا پڑتا ہر ہو جائے گا کہ ہم خدا کے بیٹے ہیں۔ اُس وقت ساری دنیا اے "جلال" کے لئے عبرانی لفظ ایک فعل سے مشتق ہے جس کا مطلب "بھاری ہونا" ہے۔



انگشت بندوں رہ جائے گی۔ یہ اُس وقت ہوگا جب خداوند یسوع بادشاہی کرنے کے لئے واپس آئے گا اور ہم اُس کے ساتھ آئیں گے۔

ہم تو پہلے ہی ”خدا کے بیٹے“ ہیں۔ لیکن دنیا نے اس حقیقت کو سمجھتی ہے نہ تسلیم کرتی ہے۔ تو بھی کائنات ایک بہتر زمانے کی راہ دیکھتی ہے۔ اور وہ زمانہ اُس وقت تک نہیں آسکتا جب تک بادشاہ اپنے مقدسوں کے ہمراہ بادشاہی کرنے کو دوبارہ نہ آئے۔ ساری مخلوق پنہوں کے بل کھڑی اُس نظارہ کی منتظر ہے جب خدا کے فرزند اپنی اصل حقیقت میں ظاہر ہوں گے۔

۲۰:۸۔ جب آدم نے گناہ کیا تو اس کا اثر نہ صرف نسل انسانی پر بلکہ ساری ”مخلوقات“ پر ہوا جس میں جان دار اور بے جان ساری چیزیں شامل ہیں۔ زمین لعنتی ہو گئی۔ بھرت سے جنگلی جانور ناگمانی اور شدید موت کا شکار ہوتے ہیں۔ بیماریاں جانوروں، پرندوں، مچھلیوں اور سانپوں، غرض ہر جان دار کو ستاتی ہیں۔ انسان کے گناہ کی لہریں جھٹکوں کی طرح ساری مخلوقات تک جا پہنچی ہیں۔

اس طرح جیسے پوکس کتا ہے ”مخلوقات بطلات کے اختیار میں کر دی گئی“۔ مخلوقات بے نظمی اور شکست خوردگی کا شکار ہے۔ مخلوقات تو اس بات پر راضی اور خوش نہ تھی۔ لیکن یہ خدا کا عدالتی حکم تھا۔ اس لئے کہ انسان کے پیٹے سر (سردار) نے نافرمانی کی تھی۔ اس میں اُمید یہ تھی کہ ”مخلوقات“ فنا کے قبضہ سے چھوٹ جائے گی (آیت ۲۱)۔

۲۱:۸۔ مخلوقات ماضی میں اُن مثالی حالات کی طرف دیکھتی ہے جو عدن میں پائے جاتے تھے۔ پھر اُس تباہی اور بربادی کا جائزہ لیتی ہے جو گناہ کے آدخال ہونے سے ہوئی۔ بے گناہی کی اور مسرت بھری حالت کی طرف واپسی کی اُمید تو ہمیشہ ہی ہری رہی ہے، جب خود ”مخلوقات“ بھی فنا کے قبضہ سے چھوٹ کر اُس سنہری دور کی آزادی سے لطف اندوز ہوگی، جب ہم بحیثیت خدا کے ”فرزند“ جلال میں ظاہر ہوں گے۔

۲۲:۸۔ ہم کراہتی، آپس بھرتی اور سسکیاں لیتی دنیا میں جی رہے ہیں۔ ”ساری مخلوقات ... کراہتی ہے“ اور دردِ زہ جیسی تکلیف میں مبتلا ہے۔ فطرت کی موسیقی مدھم سر میں بج رہی ہے۔ زمین انقلابِ عظیم سے تھر تھرا رہی ہے۔ موت ہر جان دار چیز پر منڈلا رہی ہے۔

۲۳:۸۔ ایمان دار بھی مستثنیٰ نہیں۔ اگرچہ اُن کو رُوح کے پیلے پیلے ملے ہیں اور اُن کو بالآخر چھٹکارے کی ضمانت حاصل ہے، تو بھی وہ جلال کے دن کے لئے کراہتے ہیں۔ پاک رُوح خود پیلے پیلے ہے جس طرح پکے پوٹے اناج کی پہلی مٹھی بعد میں آنے والی پوری فصل کی ضمانت ہوتی ہے، اسی طرح رُوح القدس ضمانت یا بیعانہ ہے کہ پوری میراث ہماری ہوگی۔

رُوحِ اَلْهَدَىٰ ہمارے لئے پاک ہونے یعنی اپنے (ہمارے) بدن کی مخلصی کی خاص ضمانت ہے (افسیوں: ۱۴)۔ ایک مفہوم میں ہم پہلے ہی لے پاک ہیں، جس کا مطلب ہے کہ ہم کو خدا کے خاندان میں بیٹوں کی حیثیت سے جگہ دی گئی ہے۔ لیکن زیادہ کاہل مفہوم میں ہمارے لئے پاک ہونا اُس وقت مکمل ہوگا جب ہم کو بھلائی بدن ملیں گے۔ اسی بات کو بدن کی مخلصی کہا گیا ہے۔ ہماری رُوحوں اور جانوں کو پہلے ہی مخلصی مل چکی ہے۔ اور ہمارے بدنوں کو مسیح کے عظیم فضائی استقبال کے وقت مخلصی ملے گی (۱۔ تھسلونیکیوں: ۴: ۱۳-۱۸)۔

۲۴: ۸۔ ”چنانچہ ہمیں اُمید کے وسیلے سے نجات ملی۔“ نجات کے تمام فائدے ہمیں ایمان لاتے وقت ہی مل گئے۔ شروع ہی سے ہم گناہ، دکھ، بیماری اور موت سے جتنی اور پوری رہائی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ برکات ہیں پہلے ہی مل چکی ہوتیں، تو ہم ان کی اُمید میں نہ ہوتے۔ اُمید صرف اُسی چیز کی ہوتی ہے جو ابھی مستقبل میں ہے۔ ۲۵: ۸۔ ہمیں گناہ کی موجودگی اور اُس کے تمام مضر نتائج سے رہائی کی اُمید ہے۔ یہ اُمید خدا کے وعدے پر مبنی ہے۔ اس لئے ایسی یقین ہے جیسے کہ پوری ہو چکی ہو۔ اس لئے ہم صبر سے اُس کی راہ دیکھتے ہیں۔

۲۶: ۸۔ جس طرح یہ جلالی اُمید ہمیں بھلائے اور قائم رکھے ہوئے ہے اُسی طرح پاک رُوح بھی ہماری کمزوری میں مدد کرتا ہے۔ کئی دفعہ ہم اپنی دُعا تیرے زندگی میں پریشان ہوتے ہیں۔ جس طور سے ہم کو دُعا کرنا چاہئے ہم نہیں جانتے۔ ہماری دُعا بہت دفعہ خود غرضی، نادانی اور تنگ نظری کا شکار ہوتی ہے۔ مگر یہاں بھی رُوح ہماری کمزوری میں مدد کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے اور ایسی آہیں بھر بھر کہ ہماری شفاعت کرتا ہے جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں ہم آہیں نہیں بھرتے بلکہ رُوح آہیں بھرتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی سچ ہے کہ ہم آہیں بھرتے ہیں۔

یہاں ایک بھید ہے۔ ہم اُس نا دیدنی رُوحانی دُنیا میں جھانک رہے ہیں، جہاں ایک عظیم شخص (پاک روح) اور عظیم قوتیں ہماری خاطر سرگرم عمل ہیں۔ اگرچہ ہم ان ساری باتوں کو سمجھ نہیں سکتے لیکن ہمیں اس حقیقت سے بے انتہا حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ کبھی کبھی ایک آہ یا کراہ نہایت رُوحانی دُعا ہوتی ہے۔

۲۷: ۸۔ اگر خدا انسانی دلوں کو پرکھتا ہے تو وہ رُوح کی ... نیت کو بھی سمجھ سکتا ہے۔ خواہ اس نیت کا اظہار صرف ایک آہ/کراہ ہی سے کیوں نہ ہو۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ ہماری خاطر رُوح کی دُعا میں ہمیشہ خدا کی مرضی کے موافق ہوتی ہیں۔ اور چونکہ وہ ہمیشہ خدا کی مرضی کے موافق ہوتی ہیں اس لئے ہمیشہ ہمارے بھلا کے لئے ہوتی ہیں۔ اس سے بہت سی باتوں کی وضاحت ہوتی ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں بیان ہوا ہے۔

۲۸: ۸۔ ”سب چیزیں مل کر خدا سے محبت رکھنے والوں کے لئے بھلائی پیدا کرتی ہیں۔ یعنی اُن کے

لے جو خدا کے ارادہ کے موافق بلائے گئے۔ خدا ہر چیز کو ہماری بھلائی کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ اکثر اوقات ایسا نظر نہیں آتا۔ بعض اوقات ہم کو کسی المیہ، مایوسی یا شکست کا سامنا ہوتا ہے، ہم کسی عزیز سے محروم ہو جاتے ہیں، ہمارا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ ہم سوچنے لگتے ہیں کہ اس سے کیا بھلائی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگلی آیت اسی بات کا جواب دیتی ہے۔ جن باتوں کو بھی خدا ہماری زندگیوں میں آنے کی اجازت دینا ہے وہ اس طرح ترتیب دی گئی ہیں، اور ان کا مقصد یہی ہے کہ ہم اُس کے بیٹے کے ہم شکل بننے جائیں۔ جب ہم اس بات کو سمجھ لیتے ہیں تو ہماری دعاؤں سے مندرجہ بالا سوال نکل جاتا ہے۔ ہماری زندگیوں غیر شخصی قوتوں کے اختیار اور قبضے میں نہیں، مثلاً اتفاق، تقدیر، قسمت وغیرہ، بلکہ ایک عجیب و غریب شخصی خداوند کے ہاتھ میں ہیں جو اتنا مجتہد بھرا ہے کہ ناہرمان نہیں ہو سکتا اور اتنا حکمت والا ہے کہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا۔

۲۹:۸۔ اب پولس خداوند کے اُس شان دار پروگرام کی وسعت کا نقشہ کھینچتا ہے جو بہت سے فرزندوں کو جلال تک پہنچانے کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے خدا ہم کو ازل سے "جاننا تھا"۔ یہ کوئی ذہنی علم نہ تھا۔ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے وہ ہر اُس شخص کو جاننا تھا جو کبھی بھی دُنیا میں پیدا ہونے والا تھا۔ لیکن پولس کہتا ہے، جن کو اُس نے پہلے سے جانا۔ اس جاننے میں صرف وہ لوگ شامل ہیں جن کو اُس نے پہلے سے مقرر کیا کہ اُس کے بیٹے کے ہم شکل ہوں۔ چنانچہ اس جاننے میں ایک مقصد تھا جو کبھی باطل نہیں ہو سکتا تھا۔ اتنا کہنا ہی کافی نہیں ہے کہ خدا اُن کو پہلے سے جانتا تھا، جن کے بارے میں اُسے احساس تھا کہ کسی دن یہ توبہ کریں گے اور ایمان لائیں گے۔ درحقیقت یہ اُس کا پہلے سے جانتا ہی ہے جو بالآخر توبہ اور ایمان کو یقینی بناتا ہے۔

بے دین گنہگار کا تبدیل ہو کر مسیح کے مشابہ ہو جانا فضل کا معجزہ ہے، اور الہی مکاشفہ کی نہایت متحیر کرنے والی حقیقت ہے۔ یہاں ہرگز یہ مکتہ نہیں کہ ہم الہی خصوصیات حاصل کر لیں گے یا ہمارے چہروں کے حد و حال مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہو جائیں گے، بلکہ یہ کہ اخلاقی لحاظ سے اُس کی مانند ہو جائیں گے۔ گناہ سے بالکل آزاد ہوں گے اور اُس کی مانند ہمارے بدن بھی جلالی ہوں گے۔

جلال کے اُس دن مسیح "بہت سے بھائیوں میں پہلو ٹھاٹھ رہے" گا۔ یہاں "پہلو ٹھاٹھ" سے مراد ہے مرتبہ یا عزت میں پہلا۔ وہ برابروں کے درمیان ایک نہیں، بلکہ صرف "ایک ہوگا" جس کو اپنے بھائیوں اور بہنوں کے درمیان عزت کا اعلیٰ ترین مقام حاصل ہوگا۔

۳۰:۸۔ ہر وہ شخص جس کو پہلے سے مقرر کیا گیا اُس کو بلا بھی گیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خوشخبری

کو صرف سنا ہی نہیں بلکہ اُس کو قبول بھی کرتا ہے۔ اس لئے یہ مؤثر بلا ہٹ ہے۔ بلائے تو سب گئے ہیں۔ یہ خدا کی عمومی بلا ہٹ ہے۔ مگر اس کا مثبت جواب صرف پختہ ہی دیتے ہیں۔ یہ ایمان پیدا کرنے والی بلا ہٹ ہے۔ وہ سب جو مثبت جواب دیتے ہیں "راست باز بھی ٹھہرائے" گئے ہیں، یعنی اُن کو خدا کے سامنے کامل راست باز کا درجہ دیا گیا ہے۔ وہ مسیح کے نجات کے کام کے وسیلے سے خدا کی راست بازی سے مُلبس کئے گئے ہیں۔ اس لئے وہ خداوند کی حضور کی لائق ہیں۔

چونکہ "راست باز ٹھہرایا" گیا، اُن سب کو "جلال بھی بخشا" گیا۔ اصل میں تو ہم نے ابھی تک جلال نہیں پایا۔ مگر یہ اتنا یقینی ہے کہ اسے بیان کرنے کے لئے خدا فعل ماضی استعمال کر سکتا ہے۔ ہمیں جلالی حالت کا اتنا یقین ہے گویا کہ وہ مل چکی ہے!

ایمان دار کے ابدی تحفظ کے بارے میں نئے عہد نامہ میں یہ سب سے مضبوط اور زبردست حوالہ ہے۔ اگر خدا نے دس لاکھ افراد کو پہلے سے جانا اور پہلے سے "مقرر کیا" ہے تو اُن میں سے ایک ایک فرد کو "بلا یا" جائے گا، "راست باز ٹھہرایا" جائے گا اور "جلال" بخشا جائے گا۔ ایک بھی پیچھے نہیں رہے گا! (یوحنا: ۶: ۳۷ سے مقابلہ کریں)۔

۳۱:۸۔ یہ مخلصی کی سنہری زنجیر ہے۔ اس کی کڑیاں ایسی مضبوط ہیں کہ ٹوٹ نہیں سکتیں۔ جب ہم ان پر غور کرتے ہیں تو ایک ہی حتمی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اگر خدا ہماری طرف ہے "یعنی اگر اُس نے ہمیں اپنا بنانے کے لئے چُن لیا ہے تو کون ہمارا مخالف ہے؟" یعنی پھر کوئی چیز یا قوت ہمارے خلاف کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر خدا کی قدرتِ کاملہ ہماری خاطر اور ہماری طرف ہو کہ کام کر رہی ہو، تو کون سی قدرت ہے جو اُس کے پروگرام کو ناکام بنا سکتی ہے؟ قطعاً کوئی نہیں۔

۳۲:۸۔ "جس نے اپنے بیٹے ہی کو دریغ نہ کیا، بلکہ ہم سب کی خاطر اُسے حوالہ کر دیا۔" کیا شان دار الفاظ ہیں! کاش ہم ان کی مانوسیت میں سرشار ہو کر ان کے حُسن و خوبصورتی کو کھو نہ دیں۔ کاش ان کی قوت ہمیں ہمیشہ عبادت اور سجدہ کی تحریک دیتی رہے! جب ضرورت تھی کہ کھوٹی ہوئی دُنیا کو بے گناہ عوضی بچائے تو کارنات اور مخلوقات کے عظیم خدا نے اپنے دل کے بہترین خزانے سے بھی دریغ نہ کیا، بلکہ ہماری خاطر اُسے شرمندگی اور موت کے حوالہ کر دیا۔

اس بات سے جو نتیجہ نکلتا ہے، وہ ناقابلِ مزاحمت ہے۔ اگر خدا نے ہم کو سب سے بڑی بخشش دے دی ہے، تو کیا کوئی ایسی چھوٹی بخشش ہے جو نہ دے گا؟ اگر وہ ہماری ترین قیمت ادا کر چکا ہے تو کیا ہلکی قیمت ادا کرنے سے بچکیا ہے گا؟ اگر اُس نے نجات چمچا کرنے میں اتنا تر و تود کیا ہے، تو کیا وہ ہمیں لے یہ آیت جان کیلون کی نجات کا باعث ہوئی تھی۔

یونہی جانے دے گا؟ ” وہ اُس کے ساتھ اور سب چیزیں بھی ہمیں کس طرح نہ سنبھلے گا؟“

۳۳:۸۔ ابھی تک ہم مکرمہ عدالت کے منظر میں ہیں۔ لیکن اب ایک قابل توجہ تبدیلی آگئی ہے۔ راست باز ٹھہرایا گیا گنوگار عدالت کے سامنے حاضر ہے۔ پکار دی جاتی ہے کہ مجرم ٹھہرانے والے آئے آئیں۔ مگر کوئی نہیں! اور ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ اگر خدا نے اپنے برگزیدوں کو راست باز ٹھہرایا ہے تو کون ہے جو مجرم ٹھہرائے گا؟ اگر ہم ہر جواب کے آگے ”کوئی نہیں، کیونکہ...“ کا اضافہ کر دیں تو اس آیت اور اگلی آیت کی دلیل مہبت زیادہ صاف اور واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ آیت یوں پڑھی جائے گی: ”خدا کے برگزیدوں پر کون نالاش کرے گا؟“ کوئی نہیں، کیونکہ ”خدا وہ ہے جو ان کو راست باز ٹھہراتا ہے۔“ اگر ان الفاظ کا اضافہ کریں تو ایسا معلوم ہو گا کہ خدا اپنے برگزیدوں پر نالاش کر رہا ہے یا ان کو مجرم ٹھہرا رہا ہے۔ لیکن اسی بات کا پورے انکار کر رہا ہے۔

۳۴:۸۔ اب ایک اور جیلنج دیا جاتا ہے کہ کوئی ہے جو مجرم ٹھہرائے گا؟ کوئی نہیں، کیونکہ ”مسح“ مُدعا علیہ کی خاطر ”ترکینا“ بلکہ مُردوں میں سے جس بھی اٹھا اور ”خدا کی ذہنی طرف ہے۔“ اور مُدعا علیہ کی شفاعت کرتا ہے۔ ساری عدالت خداوند یسوع کو سونپی گئی ہے۔ اگر وہ مُدعا علیہ کے خلاف حکم نہیں دیتا، بلکہ اُس کی شفاعت کرتا ہے، تو پھر کوئی دُوسرا ہے نہیں جس کے پاس اُسے مجرم ٹھہرانے کی کوئی جائز وجہ ہو۔

۳۵:۸۔ اب ایمان اپنا آخری جیلنج دیتا ہے۔ کیا یہاں کوئی ایسا ہے جو راست باز ٹھہرائے گئے شخص کو ”مسح کی محبت سے جدا کر“ سکتا ہے یا مسیح کی محبت سے خارج کر سکتا ہے؟ ہر مخالف صورت حال کا جائزہ لیا جاتا ہے جو انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں میں جدائی کا باعث بنتی رہی ہے۔ لیکن کوئی نہیں ملتی۔ نہ ”مُصیبت“ کا موصل جو مسلسل کوٹتا چلا جاتا ہے، نہ ”تنگی“ کا عفریت جو جسمانی اور ذہنی اذیت سے ناک میں دم کر دیتا ہے، نہ ”ظلم“ کے وحشیانہ اور بہیمانہ ہتھکنڈے جو اختلاف کرنے والوں کو موت سے ہٹکار کر دیتے ہیں، نہ ”کال“ کا شکنجہ جو کتر کتر کر ڈھانچہ بنا دیتا ہے، نہ ”ننگاپن“ جس میں خروچی اور بے پردگی کی شرمندگی کا سامنا ہوتا ہے، نہ دہشت ناک اور ڈراؤنا ”خطرہ“، نہ بے رحم، سنگدل اور موت کے گھاٹ اتار دینے والی ”نلوار“۔

۳۶:۸۔ ان مندرجہ بالا چیزوں میں سے اگر کوئی بھی ایمان دار کو مسیح کی محبت سے جدا کر سکتی، تو یہ ٹھیک جدائی کب کی ہو چکی ہوتی کیونکہ ایک مسیحی تو جیتے جی موت کے چنگل میں رہتا ہے۔ اور جب زبور نویس کہتا ہے کہ ”ہم تیری خاطر دن بھر جان سے مارے جاتے ہیں۔ ہم تو ذبح ہونے والی بیٹریوں کے برابر گئے گئے“ تو اُس کا مطلب بالکل یہی ہے، کیونکہ مسیح کے مشابہ ہونے کے باعث ہم پر یہ سب

کچھ گزرتا رہتا ہے (زبور ۴۳: ۲۲)۔

۲۷:۸۔ ہم مسیح کی محبت سے جدا کرنے کی بجائے یہ چیزیں اُس کے اُرد قریب لے آتی ہیں اور ہم کو ”فتح“ ہی نہیں بلکہ ”فتح سے بھی بڑھ کر غلبہ حاصل ہوتا ہے“ (لفظی ترجمہ ہم مہا فاتح ہیں)۔ صرف یہ نہیں کہ ہم ان بھینٹک قوتوں پر فتح پاتے ہیں، بلکہ ایسا کرنے میں خدا کے جلال کا باعث، دوسروں کے لئے برکت کا باعث اور اپنے لئے بھلائی کا باعث بنتے ہیں۔ ہم اپنے دشمنوں کو غلام، اور راستے کی رکاوٹوں کو قدم گاہ ترقی بنا لیتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ہماری اپنی قوت سے نہیں ہوتا بلکہ اُس کے وسیلے سے جس نے ہم سے محبت کی۔“  
صرف مسیح کی قدرت ہی کر ڈا ہٹ سے بٹھاس، کمزوری سے طاقت، المیہ سے فتح اور مصیبت سے برکت پیدا کر سکتی ہے۔

۳۸:۸۔ ابھی رسول کی تلاش ختم نہیں ہوئی۔ وہ ساری کائنات کو چھان مارتا ہے تاکہ آیا کوئی ایسی چیز ہو جو ہمیں خدا کی محبت سے جدا کر سکتی ہو۔ وہ ایک ایک کر کے تمام امکانات کو خارج کر دیتا ہے۔

”موت“ اور اُس کی تمام دہشت

”زندگی“ اور اُس کی تمام دلفریبیاں

۳۹:۸۔ ”فرشتے“ علم اور طاقت میں فوق العظمت

”حکومتیں“ ظالم و جابر انسان یا مخالف فرشتے

”حال کی چیزیں“ جو ہمیں پکڑ رہی ہیں۔

”استقبال کی چیزیں“ مستقبل میں بُرائی کا خوف

”قدرتیں“ فوق البشر قوتیں

”بلندی اپنی“ وہ چیزیں جو ”بُعد“ یا خلا سے ملا کر کھتی ہیں۔ ان میں اُسراہی قوتیں بھی شامل

ہیں (یہ لفظ علم نجوم یا جوتش میں استعمال ہوتے ہیں)۔

اور اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ کوئی چیز نہ جائے پُرس رسول ان الفاظ کا

اضافہ کرتا ہے

”نہ کوئی اور مخلوق“

پُرس کی ساری تلاش و جستجو کا حاصل یہ ہے کہ اُسے کوئی چیز نہیں ملتی جو خدا کی جو محبت ہمارے

خداوند مسیح یسوع میں ہے، اُس سے ہم کو جدا کر سکے۔

اس میں تعجب کیسا کہ فتح کے الفاظ شہیدوں کا گیت، اور شہیدوں کی زندگی گزارنے والوں کا نغمہ

رہے ہیں۔

## ۲۔ انتظامی امور۔ انجیل کی خوشخبری اور اسرائیل (آبواب ۹-۱۱)

### ۱۔ اسرائیل کا ماضی (باب ۹)

آبواب ۹-۱۱ میں پُلّس اُس یہودی مُعترض کو جواب دیتا ہے جو کہتا ہے کہ ”اگر غیر قوموں کے لئے بھی نجات کا وعدہ دیا ہے جیسے یہودیوں کے لئے تو کیا اس کا مطلب ہے کہ خُدا نے اپنی زمینی اُمت یعنی یہودیوں سے اپنے وعدے توڑ لئے ہیں؟“ پُلّس کا جواب اسرائیل کے ماضی (باب ۹)، اُن کے حال (باب ۱۱) اور مُستقبل (باب ۱۱) کا احاطہ کرتا ہے۔

خُط کے اِس حصّے میں خُدا کے اِختیارِ مُطلق اور اِنسان کی ذمّہ داری پر زور دیا گیا ہے۔ رومیوں باب ۹ بائبل مُقدّس کے اُن کلیدی حصّوں میں سے ہے جن میں اِس بات پر بحث کی گئی ہے کہ خُدا کو چُناؤ کا اِختیارِ مُطلق حاصل ہے۔ اگلے باب میں سچائی کے دوسرے حصّے یعنی اِنسان کی ذمّہ داری پر اِسی شہود سے بحث کی گئی ہے۔ اِس طرح پوری بحث متوازن ہو جاتی ہے۔

## خُدا کا اِختیارِ مُطلق اور اِنسان کی ذمّہ داری

جب ہم کہتے ہیں کہ خُدا مُطلق العنان فرمانروا ہے تو مطلب ہوتا ہے کہ ساری کامنٹات اور مخلوقات اُس کے قبضہ و اِختیار میں ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور یہ کہتے ہوئے ہم جانتے ہیں کہ چونکہ وہ خُدا ہے اِس لئے وہ کبھی کوئی غلط، بے اِنصاف یا ناراست بات نہیں کرے گا۔ اِس لئے خُدا کو مُطلق العنان کہنے کا مطلب ہے خُدا کو خُدا کی عزّت دینا۔ ہم کو نہ اِس سچائی سے ڈرنا چاہئے نہ اِس کے لئے مُعذرت خواہ ہونا چاہئے۔ یہ ایک جلالی سچائی ہے، جو ہمیں اُس کی پرستش کرنے پر اُبھارتی ہے۔

اپنے اِختیارِ مُطلق کے باعث خُدا نے بعض افراد کو چُن لیا ہے کہ اُس کے ہوں۔ ایک طرف سے بائبل مُقدّس خُدا کے اِس مُطلق العنان چُناؤ کی تعلیم دیتی ہے، دوسری طرف وہ اِنسان کی ذمّہ داری بھی سکھاتی ہے۔ یہ بات بے شک سچ ہے کہ خُدا بعض افراد کو نجات کے لئے چُن لیتا ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اُن افراد کے لئے ضروری ہے کہ اپنی طرف سے نجات کو قبول کریں۔ نجات کا اِلہی پہلو اِن الفاظ میں نظر آتا ہے کہ ”جو کچھ باپ مجھے دیتا ہے میرے پاس آجائے گا“ اور نجات کا اِنسانی پہلو اِن سے اگلے الفاظ

میں نمایاں ہے کہ ”اور جو کوئی میرے پاس آئے گا اُسے میں ہرگز نکال نہ دوں گا“ (یوحنا ۶: ۳۷)۔ ایمان دار ہونے کی حیثیت سے ہم شادمان ہیں اور خوشی مناتے ہیں کہ اُس نے بنائے عالم سے پیشتر ہمیں میں میں چن لیا (انفیوں ۴: ۱)۔ لیکن ہم یہ بھی پکا یقین رکھتے ہیں کہ جو کوئی چاہے اب حیاتِ مُفت لے (مکاشفہ ۲۲: ۱۷)۔ ڈی۔ ایل موڈی نے دونوں سچائیوں کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب ہم نجات کے دروازہ پر پہنچتے ہیں تو اوپر یہ دعوت لکھی ہوئی دیکھتے ہیں ”جو کوئی چاہے، آجائے۔“ جب دروازہ سے اندر داخل ہو جاتے ہیں اور پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں تو اسی دروازہ کے اوپر یہ الفاظ لکھے دکھائی دیتے ہیں ”خدا کے علم سابق کے مطابق برگزیدہ چنئے ہوئے۔“ اس طرح جب انسان نجات کے دروازہ پر آتے ہیں تو انسانی ذمہ داری کی حقیقت کا سامنا ہوتا ہے۔ خدا کے آزادانہ چناؤ کی سچائی اُن کے لئے ہے جو داخل ہو چکے ہیں۔

کس طرح ممکن ہے کہ خدا افراد کو چناؤ کرتا ہے کہ وہ میرے ہوں اور ساتھ ہی ہر جگہ کے سارے لوگوں کو نجات کی حقیقی دعوت بھی دیتا ہے؟ ہم ان دونوں سچائیوں میں کس طرح مفاہمت کر سکتے ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ نہیں کر سکتے۔ انسانی ذہن کے مطابق یہ دونوں سچائیاں ایک دوسرے سے مزاحم ہیں۔ متضاد ہیں۔ لیکن بائبل مقدس دونوں عقیدوں کی تعلیم دیتی ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہم ان کا یقین کریں، اور مطمئن رہیں کہ مشکل ہماری عقل کی ہے، خدا کی نہیں۔

بعض لوگوں نے خدا کے مطلق چناؤ اور انسانی ذمہ داری میں مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کو پیشتر ہی سے علم تھا کہ کون کون منجی پر ایمان لائے گا۔ چنانچہ اُس نے اُن ہی کو نجات کے لئے چن لیا۔ اس کے لئے وہ رومیوں ۸: ۲۹ کو بنیاد بناتے ہیں کہ ”جن کو اُس نے پہلے سے جانا اُن کو پہلے سے مقرر بھی کیا۔“ اور ساتھ ۱۔ پیٹرس ۲: ۱ کو بھی پیش کرتے ہیں کہ ”خدا باپ کے علم سابق کے موافق . . . برگزیدہ ہوئے ہیں۔“ لیکن یہ دلیل اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتی ہے کہ خدا کا علم سابق تعین (یعنی کرنے والا۔ قاطع) ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ پہلے سے جانتا ہے کہ کون منجی کا یقین کرے گا، بلکہ وہ بعض افراد کو اپنی طرف کھینچ کر نتیجے کا پہلے سے تعین بھی کرتا ہے۔

تو بھی خدا کچھ افراد کو نجات پانے کے لئے تو چنتا ہے، مگر کسی کو لعنتی یا ہلاک ہونے کے لئے ہرگز نہیں چنتا۔ لیکن یہ اعتراض اٹھایا جاسکتا ہے کہ اگر خدا بعض کو برکت کے لئے چن لیتا ہے، تو لازماً دوسروں کو ہلاکت کے لئے چنتا ہے۔ یہ بات سچ نہیں ہے۔ ساری نسل انسانی اپنے گناہ کے سبب سے ہلاکت کے فتویٰ کے ماتحت تھی۔ یہ خدا کا کوئی زبردستی کا حکم نہیں تھا۔ اگر خدا ہر ایک کو دوزخ میں جانے دیتا تو لوگوں کو بالکل دبی ملتا جس کے حق دار تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اختیارِ مطلق کے خداوند



کو یہ حق ہے کہ وہ نیچے جھک کر مٹھی بھر ایسے افراد کو چن لے جن پر دوزخ کی سزا کا واجب حکم ہو چکا ہے۔ اور ان کو اپنے بیٹے کی دلہن بنائے؟ بے شک جواب یہی ہے کہ اُس کو حق ہے۔ ساری بحث کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ اگر لوگ جہنم جاتے ہیں تو اپنے گناہ اور بغاوت کے باعث جاتے ہیں۔ اگر لوگوں کو نجات ملی ہے تو خدا کے مطلق چناؤ اور فضل ہی سے ملی ہے۔

جو شخص نجات پا چکا ہے، اُس کے لئے خدا کے اس چناؤ (برگزیدہ کرنے) کا مضمون ایک لامتناہی حیرت کا باعث ہونا چاہئے۔ ایمان دار ادھر ادھر نگاہ دوڑاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ مجھ سے بہتر کردار، بہتر شخصیت اور بہتر مزاج کے لوگ ہیں تو پوچھتا ہے کہ خداوند نے مجھے کیوں چن لیا؟

غیر نجات یافتہ لوگوں کو چناؤ کی اس حقیقت کو اپنی بے اعتقادی کے لئے عذر کی بنیاد نہیں بنانا چاہئے۔ اور ہرگز نہ کہیں میں کیا کر سکتا جب چنا نہیں گیا؟ یہ جاننے کا کہ ہم چنے گئے ہیں صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور خداوند کیسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کریں (۱۔ تھسلینیوں ۱: ۴-۷)۔

ایمان داروں کو خدا کے چناؤ کی حقیقت کو بنیاد بنا کر اپنے تبلیغ اور منادی کے جوش و ولولہ میں کمی نہیں کرنی چاہئے۔ ہم ہرگز نہ کہیں کہ اگر وہ چنے ہوئے ہیں، تو کسی نہ کسی طرح ضرور بچ جائیں گے۔ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ چنے ہوئے کون ہیں۔ ہم کو تو ساری دنیا میں انجیل کی منادی کرنے کا حکم ہے کیونکہ خدا کی نجات کی پیش کش تمام لوگوں کے لئے حقیقی دعوت ہے۔ لوگ اپنے دلوں کی سختی کی وجہ سے انجیل کی خوشخبری کو رد کر دیتے ہیں نہ کہ اس لئے کہ خدا کی طرف سے عالمگیر دعوت مخلصانہ نہیں۔

اس مضمون کے سلسلے میں دو خطرات سے بچنے کی ضرورت ہے۔ اول، سچائی کے صرف ایک پہلو پر نظر رکھنا۔ یعنی خدا کے چناؤ پر ایمان رکھنا اور اس بات کا انکار کرنا کہ نجات کے سلسلے میں انسان کی بھی ذمہ داری ہے۔ دوم، ایک سچائی پر حد سے زیادہ زور دینا اور دوسری کو نظر انداز کرنا۔ پاک کلام کے مطابق درست انداز یہ ہے کہ خدا کے مطلق چناؤ پر ایمان رکھیں اور اُسی پختگی سے انسان کی ذمہ داری پر بھی ایمان رکھیں۔ صرف اسی طرح ان عقائد میں بائبل مقدس کے مطابق توازن رکھا جاسکتا ہے۔

آئیے اب رومیوں باب ۹ کی طرف متوجہ ہوں اور اپنے پیارے رسول کو اس مضمون سے پردے اٹھاتے دیکھیں۔

۹: ۱- پورس اس بات پر زور دیتا ہے کہ نجات یہودیوں اور غیر یہودیوں سب کے لئے ہے۔ اس سلسلے میں جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے پورس ایک خدا، تارکب دین اور زمانہ ساز شخص معلوم ہوتا ہے چنانچہ یہودی قوم کے ساتھ اپنے گہرے تعلق خاطر کے حق میں احتجاج کرتے ہوئے وہ قسم کھا کر اصرار کرتا

ہے کہ میں... پتھ کتا ہوں، جھوٹ نہیں بولتا اور میرا دل بھی رُوح القدس میں گواہی دیتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں بالکل سچ ہے۔

۶:۹۔ رسول جب پہنچتا ہے کہ بنی اسرائیل کو کیسی شان دار بلا پٹ ملی تھی، اور اب انہوں نے مسیح موعود کو رد کرنے میں خدا کو رد کر دیا ہے تو اُس کا "دل" بڑے "غم" اور "مُسلّس دکھ" سے بھر جاتا ہے۔

۳:۹۔ وہ یہاں تک آمادہ ہے کہ اگر اُس کی اپنی نجات ضبط ہو جائے اور وہ خود مسیح سے کٹ جائے لیکن اس طرح اُس کے یہودی بھائیوں کو نجات مل جائے تو وہ مسیح سے جدا ہونے کو تیار ہے۔ یہ پرلے درجے کی خود انکاری اور انسانی جنت کی اعلیٰ ترین سطح کا منظر ہے۔ یہ محنت انسان کو مجبور کرتی ہے کہ اپنے دوستوں کے لئے اپنی جان دے (یوحنا ۱۵: ۱۳)۔ ہم بھی اُس بھاری بوجھ کو محسوس کرتے ہیں جس کا تجربہ ایک تبدیل شدہ یہودی کو اپنے "بھائیوں" اور قرابتوں کی تبدیلی کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ یہ بیان ہمیں اپنی قوم کے لئے موعود کی دعا یاد دلاتا ہے کہ "اب اگر تو ان کا گناہ معاف کر دے تو نیر، درنہ میرا نام اس کتاب میں سے جو تُو نے لکھی ہے مٹا دے" (خروج ۳۲: ۳۲)۔

۴:۹۔ پوکس اپنے لوگوں کے حال زار پر اُسٹو بہاتا ہے تو اُن کے شاندار اعزاز اور استحقاق اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ وہ "اسرائیلی ہیں" یعنی خدا کی قدیم چینی بھئی (برگزیدہ) قوم کے افراد۔ خدا نے اسرائیل قوم کو اپنا بیٹا ہونے کے لئے "لے پاگ" بنایا تھا (خروج ۴: ۲۲) اور اُسے مصر کی غلامی سے چھڑایا تھا (ہوسیع ۱۱: ۱)۔ خدا اسرائیل کا باپ بنا (استثنا ۱۴: ۱) اور افرام اُس کا پہلو ٹھا تھا (یرمیاہ ۳۱: ۹)۔ (یساں افرائیم سے بھی اسرائیلی قوم مراد ہے)۔

شکینہ یا "جنل" کا بادل اُن کے درمیان خدا کی حضور کی علامت تھا جو اُن کی راہنمائی اور محافظت کرتا تھا۔

خدا نے "عہود" غیر قوموں سے نہیں، اسرائیل سے کئے تھے۔ مثال کے طور پر اُس نے اسرائیل ہی سے عہد کیا تھا کہ دریائے مصر سے لے کر اُس بڑے دریا یعنی دریائے فرات تک (بیدائش ۱۵: ۱۸) کا علاقہ اُن کی ملکیت ہوگا۔ اور اسرائیل ہی کے ساتھ وہ نئے عہد کی توثیق کرے گا کہ اسرائیل توبہ کرے گا، ایمان لائے گا، برکت پائے گا اور اُس کو دوام حاصل ہوگا (یرمیاہ ۳۱: ۳۱ - ۴۰)۔

"شریعت" بھی اسرائیل ہی کو دی گئی تھی۔ صرف وہ ہی شریعت کے وصول کرنے والے تھے۔ کوئی دوسرا نہیں تھا۔

خدا کی "عبادت" اور خیمہ اجتماع اور میکیل سے متعلق تفصیلی رسومات اور کمانت بھی اسرائیل ہی

کو دی گئی تھی۔

مؤندرج بالا ”محمود“ کے علاوہ خُدا نے حفاظت، امن میں اور خوشحالی کے ان گنت ”وعدے“ بھی کئے تھے۔  
 ۹: ۵۔ یہودی قوم بجا طور پر دعویٰ کرتی ہے کہ قومی بزرگ یعنی ابراہام، اِصْحٰق، یعقوب اور اُس کے  
 بارہ بیٹے ہمارے ہیں۔ یہ قوم کے اجداد ہیں۔ سب سے بڑا اعزاز بھی اسرائیل ہی کو دیا گیا یعنی جہاں تک  
 انسانی نسل کا تعلق ہے مسیح موعود ایک اسرائیلی ہے جو کہ کائنات کا فرمانروا اور ابد تک خُدا کے محمود ہے۔  
 یہاں منجی کی الوہیت اور بشریت کا بالکل واضح اور حتمی بیان ہے کہ ”جسم کی رو سے... اسرائیلی اور الوہیت  
 کی رو سے... خُدا کے محمود۔“

۹: ۶۔ اب رسول علم الہیات کے ایک سنجیدہ مسئلے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اگر خُدا نے اسرائیل  
 کو اپنی برگزیدہ زمین قُومِ ٹھہرایا اور اُس کے ساتھ وعدے کئے تو کیا وجہ ہے کہ اب اسرائیل کو رد کیا گیا  
 ہے اور غیر قوموں کو بابرکت مقام میں لایا جا رہا ہے؟ پوچھیں زور دیتا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ  
 خُدا اپنے وعدے سے پھر گیا ہے۔ وہ ثابت کرتا ہے کہ خُدا کا چناؤ کا عمل ہمیشہ وعدہ پر مبنی رہا ہے، مصلیٰ  
 نسل پر نہیں۔ کسی شخص کے ”اسرائیلی“ قوم میں پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ وعدوں کا بھی وارث ہے۔  
 ”اسرائیلی“ قوم کے اندر خُدا کا ایک سچا اور ایمان دار بقیہ ہے۔

۹: ۷۔ ابراہام کی نسل ہونے کے سبب سے تو ”سب“ فرزند نہیں ٹھہرتے۔ مثال کے طور پر اسماعیل  
 بھی ابراہام کی نسل سے تھا۔ لیکن وعدہ کی نسل اِصْحٰق سے ہوئی، اسماعیل سے نہیں ہوئی۔ خُدا کا وعدہ یہ  
 تھا کہ ”اِصْحٰق ہی سے تیری نسل کہلائے گی“ (پیدائش ۲۱: ۱۲)۔ جیسا کہ ہم نے ۴: ۱۲ کی تفسیر کرتے ہوئے کہا تھا کہ  
 خُداوند یسوع نے یوحنا ۸: ۳۳-۳۹ میں ایمان نہ لانے والے یہودیوں سے بحث کرتے ہوئے اسی دلچسپ فرق  
 کو ملحوظ رکھا۔ انہوں نے یسوع سے کہا کہ ”ہم تو ابراہام کی نسل سے ہیں“ (آیت ۳۳)۔ یسوع نے اس بات کو تسلیم  
 کیا اور کہا ”میں جانتا ہوں کہ تم ابراہام کی نسل سے ہو“۔ (آیت ۳۷)۔ لیکن جب انہوں نے کہا کہ ”ہمارا باپ تو ابراہام  
 ہے“ تو خُداوند نے جواب دیا کہ ”اگر تم ابراہام کے فرزند ہوتے تو ابراہام کے سے کام کرتے“ (آیت ۳۹)۔ دوسرے  
 لفظوں میں وہ ابراہام کی نسل سے تو تھے لیکن ابراہام کا سا ایمان نہیں رکھتے تھے اس لئے اُس کے روحانی  
 فرزند نہ تھے۔

۹: ۸۔ جسمانی نسل سے ہونا کسی شمار میں نہیں۔ حقیقی اسرائیل ان یہودیوں پر مشتمل ہے جن کو خُدا نے چن  
 لیا اور جن کے ساتھ خاص ”وعدہ“ کیا اور اپنے ”فرزند“ ٹھہرایا۔ اِصْحٰق اور یعقوب کے مَعٰط میں ہیں الٰہی  
 چناؤ کا یہ اصول کار فرما نظر آتا ہے۔

۹:۹ - خُدا نے ابراہام پر ظاہر ہو کر وعدہ کیا کہ میں مقررہ وقت کے مطابق اُوں کا اور سارہ کے بیٹا ہوگا۔ اور یقیناً وہ ”بیٹا“ اِصْحٰق سے۔ وہ حقیقتاً ”وعدہ“ کا فرزند ہے اور اُس کی پیدائش فوق الفطرت ہے۔

۱۰:۹ - الٰہی چناؤ (خُدا اپنے اختیارِ مُطابق کو استعمال کرتے ہوئے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے) کی ایک اور مثال یعقوب ہے۔ بے شک ”اصْحٰق“ اور ”ربیعہ“ والدین تھے لیکن ”ربیعہ“ کے پیٹ میں ایک نہیں بلکہ دو بچے تھے۔

۱۱:۹ - ”ان لڑکوں“ کی پیدائش سے پہلے ہی اِس فیصلے کا اعلان کر دیا گیا کہ ”بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا۔“ چنانچہ اِس اِعلان کی بنیاد نیک اعمال نہیں تھی۔ کیونکہ ابھی کسی ایک بچے نے کوئی فعل نہیں کیا تھا۔ یہ تو سراسر خُدا کے چناؤ کا معاملہ تھا۔ یہ چناؤ سراسر اُس کی آزاد مرضی پر منحصر تھا، چُننے جانے والے کے کردار یا اعمال کا اِس میں کوئی دخل نہ تھا۔ ”خُدا کا ارادہ جو بزرگی پر موقوف ہے۔“ اِس کا مطلب ہے خُدا کا پکا ارادہ کہ میں اپنی عنایات یا نوازشات اپنی آزاد مرضی اور اپنی خوشی کے مطابق تقسیم کروں گا۔

یہ آیت اِس تصور کو بھی غلط ثابت کرتی ہے کہ خُدا کا یعقوب کا چناؤ اُس کے علم سابق پر مبنی تھا کہ یعقوب کیا کرے گا۔ کیونکہ یہاں وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ یہ چناؤ ”اعمال پر مبنی“ نہ تھا۔

۱۲:۹ - خُدا کا فیصلہ تھا کہ ”بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا۔“ عیسو، یعقوب کا خدمت گزار ہوگا۔ یعقوب کو زمینی شان اور اعزاز و استحقاق کے لئے چُن لیا گیا۔ عیسو اِن جڑواں بھائیوں میں پہلوٹھا تھا۔ اور عام حالات میں پہلوٹھا ہونے کا حق، عزت اور اعزازات اُسی کو ملتے، لیکن خُدا کے چناؤ نے اُس کو ایک طرف ہٹا دیا اور یعقوب کو اِن اعزازات کے لئے چُن لیا۔

۱۳:۹ - چناؤ میں خُدا کو اختیارِ مطلق حاصل ہے۔ اِس حقیقت پر مزید زور دینے کے لئے پوکس ملاکی ۳:۲، ۳:۱ کا اقتباس کرتا ہے کہ ”میں نے یعقوب سے تو محبت کی مگر عیسو سے نفرت۔“ یہاں خُدا دو قوموں یعنی اسرائیل اور اِدوم کی بات کر رہا ہے۔ ”یعقوب“ اور ”عیسو“ بالترتیب اُن کے جدِ امجد تھے۔ خُدا نے اسرائیل کو چُن لیا تاکہ اُسی سے مسیح موعود اور مسیح موعود کی بادشاہی کا وعدہ کرے۔ اِدوم کے ساتھ ایسا کوئی وعدہ نہ تھا بلکہ اُس کے پہاڑوں کو ویران کیا اور اُس کی میراث بیابان کے گیدڑوں کو دی (ملاکی ۳:۱ اِس کے ساتھ یرمیاہ ۴۹: ۱۷، ۱۸ اور حزقی ایل ۲۵: ۷-۹ بھی ملاحظہ کریں)۔

اگرچہ یہ بات درست ہے کہ ملاکی ۳:۱، ۲ کے بیان کا تعلق خُدا کے قوموں کے ساتھ سلوک سے ہے، افراد کے ساتھ سلوک سے نہیں، مگر پوکس اِسے اپنی دلیل کی حمایت و تائید کے لئے استعمال کرتا ہے کہ خُدا کو افراد کے چناؤ کا بھی اختیار ملتا ہے۔

”میں نے یعقوب سے تو محبت کی مگر عیسو سے نفرت“۔ ان الفاظ کو خدا کے اُس آزاد فیصلے کی روشنی میں دیکھنا چاہئے جس میں کہا گیا کہ ”بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا“۔ یعقوب کو ترجیح دینے کو محبت کا عمل کہا گیا ہے جبکہ عیسو کو نظر انداز کرنا نسبتاً نفرت کا عمل۔ مراد یہ نہیں کہ خدا عیسو سے انتقامی دشمنی رکھتا تھا بلکہ یہ کہ وہ یعقوب کے مقابلے میں عیسو سے کم محبت رکھتا تھا، جیسا کہ یعقوب کے چناؤ سے نظر آتا ہے۔

کلام کا یہ حصہ دُنیوی برکات کا حوالہ دیتا ہے اُبدی زندگی کا حوالہ نہیں دیتا۔ آدم سے خدا کی نفرت کا یہ مطلب نہیں کہ انفرادی طور پر ادوی نجات نہیں پاسکتے، اور نہ اسرائیل کے ساتھ محبت کا یہ مطلب ہے کہ یہودیوں کو نجات پانے کی ضرورت نہیں۔ (غور کریں کہ عیسو کو بھی کچھ دُنیوی برکات ملی تھیں، جن کی گواہی اُس نے خود دی ہے۔ یہی دلالت ہے ۹:۲۳)۔

۱۴:۹۔ رسول نے پہلے ہی درست اندازہ لگایا تھا کہ الہی چناؤ کے بارے میں میری تعلیم پر ہر طرح کے اعتراض کئے جائیں گے۔ آج تک لوگ خدا پر بے انصاف ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر خدا بعض کو چُن لیتا ہے تو اس طرح لازماً دوسروں کو لعنتی ٹھہراتا ہے۔ وہ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ اگر خدا نے سب کچھ پہلے ہی مقرر کر لیا ہے تو پھر کوئی بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اور لوگوں کو مجرم ٹھہرانے میں خدا بے انصاف ہے۔

پولس پورے زور سے خدا کے ”بے انصاف“ ہونے کے امکان کا انکار کرتا ہے۔ لیکن وہ اُس کے مختار رہنے ہونے کو بھی کسی طرح کم ظاہر کرنے پر آمادہ نہیں۔

۱۵:۹۔ پولس پہلے تو ان الفاظ کا اقتباس کرتا ہے جو خدا نے موسیٰ سے کہے تھے ”جس پر تم کرنا منظور ہے اُس پر تم کروں گا اور جس پر تمس کھانا منظور ہے اُس پر تمس کھاؤں گا“ (دیکھیے خروج ۱۹:۲۳)۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ زمین و آسمان کے خداوند کو ”رحم“ کرنے اور ”ترس“ کھانے کا حق نہیں ہے؟ تمام انسان اپنے گناہ اور بے اعتقادگی کے باعث مجرم ہیں۔ اگر اُن کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو سب کے سب ہلاک ہوں گے۔ سارے لوگوں کو انجیل کی خوشخبری کی دعوت دینے کے علاوہ خدا ان مجرم لوگوں میں سے بعض کو چُن لیتا ہے کہ اُن پر خاص فضل کرے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسروں کو زبردستی مقرر کرتا ہے کہ مجرم رہیں۔ وہ تو پہلے ہی مجرم ہیں کیونکہ زندگی بھر گناہ کرتے ہیں اور انہوں نے خوشخبری کو رد کر دیا ہے۔ جو چُنتے گئے ہیں وہ خدا کے فضل کے لئے اُس کا شکر کریں۔ جو رہ گئے ہیں وہ کسی کو الزام نہیں دے سکتے۔ قصور اُن کا اپنا ہے۔

۱۶:۹- چنانچہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ افراد یا قوموں کا آخری انجام نہ تو ان کے ارادہ پر، نہ ان کی دُور دھوپ پر بلکہ "خدا" کے "رحم" پر منحصر ہے۔

"یہ نہ ارادہ کرنے والے پر منحصر ہے۔" ان الفاظ سے پُلُس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ کوئی شخص اپنی نجات کے عمل میں ملوث نہیں ہوگا۔ انجیل کی خوشخبری کی دعوت کا تعلق براہ راست انسان کے ارادہ سے ہے جیسا کہ مکاشفہ ۲۲: ۱۷ میں کہا گیا ہے "جو کوئی چاہے آپ حیاتِ مُفت لے۔" یسوع نے بھی ایمان نہ لانے والے یہودیوں کو اسی طرح بے نقاب کیا تھا کہ "تم زندگی پانے کے لئے میرے پاس آنا نہیں چاہتے" (یوحنا ۵: ۴)۔ جب پُلُس کہتا ہے کہ "نہ دُور دھوپ کرنے والے پر منحصر ہے" تو وہ اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ ہمیں تنگ دروازہ سے داخل ہونے کی کوشش کرنی چاہئے (یوحنا ۱۳: ۲۴)۔ کچھ نہ کچھ روحانی سرگرمی، دسوزی اور ارادہ ضروری ہے۔ لیکن انسان کا ارادہ اور دُور دھوپ مبنیادی اور فیصلہ کن عناصر نہیں ہیں۔ نجات خداوند کی طرف سے ہے۔ مگر کتاب ہے

"ہمارا ارادہ اور ہماری دُور دھوپ نہ تو ہمیں وہ نجات دلا سکتی ہے جس کی ہمیں

حاجت ہے، نہ نجات کی پُہیا کردہ برکات میں داخل کرا سکتی ہے۔۔۔ اپنے آپ سے

تو ہم نجات پانے کا ارادہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے جدوجہد کرنا تو دُور کی بات ہے۔

انسان کی نجات کے لئے ہر بات کا آغاز خدا سے ہوتا ہے۔"

۱۷:۹- خدا کی آزاد مرضی نہ صرف بعض پر رحم کرنے میں، بلکہ بعض کو سخت کرنے میں بھی نظر آتی ہے۔

اس کی مثال "فرعون" ہے۔

یہاں ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ مصری شہنشاہ پر جہم ہی سے سزا کا حکم ہو چکا تھا۔ جو کچھ ہوا اُس

کی تفصیل یہ ہے۔ اپنی بالغ زندگی میں وہ شریر، ظالم اور انتہائی ضدی اور ہٹ دھرم ثابت ہوا۔ اُس

کو بڑی سنجیدگی سے خبردار کیا گیا۔ مگر وہ اپنے دل کو سخت کرنا گیا۔ خدا اُس کو فوراً ہلاک کر سکتا تھا۔ مگر نہیں

کیا بلکہ اُس کو ہچمائے رکھا تاکہ اُس کے وسیلے سے اپنی "قدرت ظاہر" کرے۔ اور اُس کے وسیلے سے

خدا کا نام تمام دُورے زمین پر مشہور ہو۔"

۱۸:۹- فرعون نے بار بار اپنے دل کو سخت کیا، اور ہر موقع کے بعد خدا نے سزا کے طور پر

اُس کے دل کو اور بھی سخت کر دیا۔ جو دُھوپ برف کو پگھلا دیتی ہے وہی دُھوپ مٹی کو سخت کر دیتی

ہے۔ جو خدا شکستہ دلوں پر رحم کرتا ہے وہی خدا غیر تائب دلوں کو سخت کر دیتا ہے۔ فضل کو رد کرنا

فضل سے محروم کیا جانا ہے۔

خدا کو حق ہے کہ جس پر چاہے ”رحم“ کرے اور جس کو چاہے سخت کر دے۔ لیکن چونکہ وہ خدا ہے اس لئے وہ کبھی بے انصافی سے کام نہیں لیتا۔

۱۹:۹۔ پوکس اصرار کرتا ہے کہ خدا کو حق ہے کہ جو چاہے سو کرے۔ اس سے ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو پھر ”خدا“ کو کسی پر ”عیب“ نہیں لگانا چاہئے کیونکہ کسی نے کبھی بھی کامیابی سے اس کے ارادہ کا مقابلہ نہیں کیا۔ معترض کی نظر میں انسان خدا کی شطرنج پر ایک بے بس ٹہرہ ہے۔ اس کے کچھ بھی کرنے اور کرنے سے اس کی قسمت نہیں بدل سکتی۔

۲۰:۹۔ پہلے تو رسول ہر اس مخلوق کو جھڑکتا ہے جو اپنے خالق پر عیب لگانے کی گستاخی کرتا ہے۔ محدود ”انسان“ جس کو گناہ، جہالت اور کمزوری کے بوجھ نے دبا رکھا ہے، اس کی کیا حیثیت ہے کہ اپنے ”خدا“ کو جواب دے یا اس کے طور طریقوں کی حکمت یا انصاف پر اعتراض کرے۔

۲۱:۹۔ اب پوکس ”کہار“ اور ”مٹی“ کی مثال دے کر خدا کے اختیار مطلق کو درست اور سچا ثابت کرتا ہے۔ ”کہار“ اپنے اڈے پر آتا ہے اور فرش پر بے شکل چکنی مٹی کا ڈھیر دیکھتا ہے۔ وہ اس مٹی کا ایک ٹونڈالے کر چاک پر رکھتا ہے اور ایک خوبصورت ”برتن“ بنا دیتا ہے۔ کیا اس کو ایسا کرنے کا اختیار ہے؟

بے شک ”کہار“ خدا ہے اور ”مٹی“ گنہگار کی کھوٹی ہوئی انسانیت ہے۔ اگر ”کہار“ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا تو سارے کے سارے انسان جہنم میں جھونک دئے جاتے۔ کہار کا اُن کو یوں چھوڑ دینا عدل و انصاف کے عین مطابق ہوتا۔ مگر وہ اپنی آزاد مرضی سے مٹھی بھر گنہگاروں کو چھٹا، اپنے فضل سے اُن کو نجات دیتا، اور اپنے پیٹے کی صورت پر ڈھالتا ہے۔ کیا اس کو ایسا کرنے کا اختیار ہے؟ یاد رکھیں کہ وہ دوسروں کو زبردستی جہنم کا سزاوار نہیں بناتا۔ وہ تو اپنی بے ایمانی اور ہٹ دھرمی کے باعث پہلے ہی سزاوار ہیں۔

خدا کو قطعی ”اختیار“ حاصل ہے کہ کچھ مٹی سے ”ایک برتن عزت کے لئے“ اور کچھ مٹی سے ”دوسرا برتن“ بے عزتی کے لئے“ بنائے۔ اس صورت حال میں کہ سب کے سب نالائق ہیں جس کو جہاں چاہے اپنی برکت عطا کرے، اور جس کو چاہے برکت سے محروم رکھے۔ جہاں ایک بھی اہل اور حق دار نہیں وہاں زیادہ سے زیادہ یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی سے بے انصافی کا سلوک نہ کرے۔

۲۲:۹۔ پوکس ایک تصویر پیش کرتا ہے کہ جیسے عظیم ”کہار“ خدا“ ایک کشمکش میں مبتلا ہے۔ ایک طرف تو وہ ”اپنا غضب ظاہر کرنے“ اور گناہ کی سزا دینے سے ”اپنی قدرت آشکارا کرنے کا ارادہ“ رکھتا ہے۔ دوسری طرف وہ ”غضب کے برتنوں کے ساتھ جو ہلاکت کے لئے تیار ہوئے تھے تھلے سے پیش“

آنا چاہتا ہے۔ دراصل یہ کشمکش خدا کے راست غضب اور رحم بھرنے ”تعمَل“ کے درمیان ہے۔ بحث یہ ہے کہ اگر خدا شریعوں کو فوراً سزا دینے میں راست ٹھہرتا ہے، لیکن اس کی بجائے اُن کے ساتھ انتہائی برداشت اور تحمل سے پیش آتا ہے تو کون اُن پر عیب لگا سکتا ہے؟

ان الفاظ پر خاص غور کریں کہ ”غضب کے برتنوں ... جو ہلاکت کے لئے تیار ہوئے تھے۔“ غضب کے برتن ”وہ (لوگ) ہیں جن کے گناہ اُن کو خدا کے ”غضب“ کے ماتحت لے آئے ہیں۔ اُن کے گناہ، نافرمانی اور بغاوت نے اُن کو ”ہلاکت کے لئے تیار“ کر دیا ہے۔ خدا کے کسی فیصلے نے ایسا نہیں کیا۔

۹: ۲۳۔ اگر خدا چاہے کہ وہ اپنے جلال کی دولت اُن لوگوں پر آشکارا کرے جن پر وہ رحم کرنا چاہتا ہے تو کون اُس پر اعتراض کر سکتا ہے؟ ”رحم کے برتنوں“ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو اُس نے اپنے ابدی جلال کے لئے پہلے سے تیار کیا ہے۔ یہاں سی۔ آر۔ اردمین کا تبصرہ بہت موزوں اور معاون معلوم ہوتا ہے کہ

”خدا اپنے اختیارِ مطلق کو اُن لوگوں کو مجرم ٹھہرانے کے لئے کبھی بروئے کار نہیں لانا جن کو نجات ملنی چاہئے بلکہ اس کا نتیجہ ہمیشہ اُن لوگوں کی نجات ہوا ہے جن کو ہلاک ہونا چاہئے تھا۔“

خدا غضب کے برتنوں کو ہلاکت کے لئے کبھی تیار نہیں کرتا۔ البتہ ”جلال کے لئے ”رحم کے برتن“ ضرور تیار کرتا ہے۔

۹: ۲۴۔ پوکس ”رحم کے برتنوں“ کی پہچان کرتا ہے۔ یہ وہ ایمان دار مسیحی ہیں جن کو خدا نے یہودیوں اور غیر قوم دونوں سے ”بلا یا“۔ یہ امر آگے ہونے والی باتوں کی بنیاد ٹھہرا۔ یعنی ایک بقیہ کے علاوہ ساری اسرائیلی قوم کو برطرف کر دینا اور غیر قوموں کو عزت و استحقاق کی جگہ دینے کے لئے بلانا۔

۹: ۲۵۔ غیر قوموں کی بلا ہٹ سے یہودیوں کو حیرت زدہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اس بات کے ثبوت میں پوکس رسول ہوسیع کی کتاب سے دو آیات پیش کرتا ہے۔ پہلی آیت ہوسیع ۲: ۲۳ ہے جو میری اُمت نہ تھی، اُسے میں اپنی اُمت کہوں گا اور جو پیاری نہ تھی اُسے پیاری کہوں گا۔ اصل میں ہوسیع کے یہ الفاظ غیر قوموں کے لئے نہیں بلکہ اسرائیل کے لئے تھے۔ یہ اُس وقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جب اسرائیل خدا کی اُمت کی حیثیت سے بحال اور پیارا ہوگا۔ لیکن یہاں رومیوں کے خط میں پوکس ان کا اطلاق غیر قوموں کی بلا ہٹ پر کرتا ہے۔ پوکس کو ایسی زبردست تبدیلی کرنے کا کیا حق ہے؟ جواب



یہ ہے کہ پہلے موقع پر یہ الفاظ رُوح القدس کی تحریک اور الہام سے لکھے گئے تھے۔ اور رُوح القدس کو پورا حق ہے کہ ان کی نئے برے سے تشریح کرے اور نئے انداز میں ان کا اطلاق کرے۔

۲۶:۹ - دوسری آیت ہوسیع ۱۰:۱ ہے۔ "اور ایسا ہوگا کہ جس جگہ اُن سے کہا گیا تھا کہ تم میری امت

نہیں ہو، اسی جگہ وہ زندہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔" ایک دفعہ پھر پُرانے عہد نامہ کے سیاق و سباق میں یہ آیت غیر قوموں کا بیان نہیں کر رہی بلکہ یہ کہ مستقبل میں اسرائیل بحال ہوگا اور خدا کی نظر میں مقبول ہوگا۔ لیکن پُوکس اس کا اطلاق اس حقیقت پر کرتا ہے کہ خدا غیر قوموں کو اپنے بیٹے تسلیم کرتا ہے۔ یہ ایک اور مثال ہے کہ جب رُوح القدس پُرانے عہد نامہ سے آیات نئے عہد نامہ میں اقتباس کرتا ہے تو اُس کو حق ہے کہ جیسے چاہے اُن کا اطلاق کرے۔

۲۷:۹ - آیت ۲۷ تا ۲۹ میں ایک بقیہ کے علاوہ پورے اسرائیل کے روکے جانے پر بحث ہے۔

"یسعیاہ نے پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل میں سے صرف "تھوڑے" ہی سے "بچیں گے" حالانکہ ساری قوم کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا (یسعیاہ ۱۰: ۲۲)۔

۲۸:۹ - یسعیاہ (۴۳: ۱۰) کہتا ہے کہ "خداوند اپنے کلام کو تمام اور منقطع کر کے اُس کے مطابق زمین

پر عمل کرے گا۔" نبی نے فلسطین پر بائبل کی یلغار اور اس کے نتیجے میں اسرائیل کی جلا وطنی کی نبوت کی تھی۔ "عمل" خدا کی عدالت اور غضب کا عمل تھا۔ ان الفاظ کا حوالہ دے کر پُوکس کہہ رہا ہے کہ ماضی میں جو کچھ بنی اسرائیل پر واقع ہوا، وہی کچھ آج بھی ہو سکتا ہے۔

۲۹:۹ - "چنانچہ یسعیاہ نے پہلے بھی (پہلے کی ایک نبوت میں) کہا ہے کہ اگر ربّ الافواج ہماری کچھ

نسل باقی نہ رکھتا تو ہم" یعنی بنی اسرائیل "سدوم کی مانند اور عمورہ کے برابر ہو جاتے" یعنی نیست و نابود ہو جاتے۔

۳۰:۹ - پُوکس پوچھتا ہے کہ جہاں تک کلیسیا کے موجودہ دور کا تعلق ہے، مذہبِ بڑا ساری بخت کا

نتیجہ کیا ہے؟ پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ "غیر قوموں نے"۔۔۔ راست بازی حاصل کی۔۔۔ جو ایمان سے ہے۔ غیر قوموں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ "راست بازی کی تلاش نہ کرتی تھیں" بلکہ شرارت اور گناہ کی دلدادہ تھیں۔ لیکن اب خداوند یسوع مسیح پر ایمان کے باعث انہوں نے "راست بازی حاصل کی"۔۔۔ ہے۔ بے شک سارے

غیر قوم افراد تو نہیں بلکہ صرف وہی راست باز ٹھہرائے گئے ہیں جو مسیح پر ایمان لائے ہیں۔

۳۱:۹ - دوسری طرف "بنی اسرائیل" شریعت کی بنیاد پر راست بازی تلاش کرتے تھے۔ ان کو

کبھی ایسی شریعت نہ مل سکی جس کے وسیلے سے وہ "راست بازی" حاصل کر سکتے۔

۳۲:۹ - اس کا سبب صاف ظاہر ہے۔ انہوں نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ راست بازی مسیح پر ایمان سے ہے بلکہ ہٹ دھرمی سے شخصی اہلیت یعنی "اعمال سے اُس کی تلاش" میں لگے رہے۔ "انہوں نے ٹھوکر کھانے کے پتھر سے ٹھوکر کھائی" خداوند یسوع مسیح اُن کے لئے ٹھوکر کھانے کا پتھر ثابت ہوا۔

۳۳:۹ - یہ بعینہ وہی بات ہے جو خداوند نے یسعیاہ کی معرفت پہلے سے بیان کر دی تھی۔ مسیح موجود کی روشنی میں آمد کا دوہرا اثر ہوگا۔ کچھ لوگوں کے لئے تو وہ "ٹھیس لگنے کا پتھر اور ٹھوکر کھانے کی چٹان" ثابت ہوگا (یسعیاہ ۸: ۱۴)۔ دوسرے اُس پر "ایمان" لائیں گے اور "شرمندہ نہ" ہوں گے۔ اُن کو کوئی ٹھوکر نہ لگے گی، نہ یا بوسی ہوگی (یسعیاہ ۲۸: ۱۶)۔

## ب۔ اسرائیل کا حال (باب ۱۰)

۱:۱۰ - پوکس کی تعلیم ایمان نہ لانے والے یہودیوں کے لئے نہایت ناگوار تھی۔ وہ اُس کو اسرائیل کا دشمن اور غدار سمجھتے تھے۔ لیکن یہاں وہ اپنے مسیحی "بھائیوں" کو جن کو وہ خط لکھ رہا ہے، یقین دلانا ہے کہ جس بات سے مجھے سب سے زیادہ خوشی ہوگی اور جس کے لئے میں دعا مانگتا ہوں یہ ہے کہ بنی اسرائیل "نجات پائیں"۔

۲:۱۰ - وہ اُن کو بے خدا اور بے دین جان کر چھوڑ نہیں دیتا۔ اُن کو مجرم نہیں ٹھہراتا بلکہ اُن کے حق میں گواہی دیتا ہے کہ "وہ خدا کے بارے میں غیرت... رکھتے ہیں"۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ یہودیت کی رسومات اور شعائر پر پوری احتیاط سے عمل کرتے تھے، اور اُس کے خلاف کسی عقیدہ اور تعلیم کو برداشت نہیں کرتے تھے۔ لیکن "غیرت" ہی کافی نہیں۔ اس کے ساتھ سچائی کو بھی شامل ہونا چاہئے، ورنہ غیرت فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچائے گی۔

۳:۱۰ - اسی بات میں وہ ناکام ہوئے۔ "وہ خدا کی راست بازی سے ناواقف" تھے یعنی اس حقیقت سے کہ خدا اعمال کے نہیں بلکہ ایمان کے اصول پر راست بازی محسوب کرتا ہے۔ وہ شریعت کی پابندی کے وسیلے سے "اپنی راست بازی قائم کرنے کی کوشش" میں رہے۔ وہ اپنی کوششوں سے، اپنے نیک اعمال سے خدا کو پسند آنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ ہٹ دھرمی سے خدا کے اس منصوبے کے تابع ہونے سے انکار کرتے رہے کہ اُن بے دین گنہگاروں کو راست بازی ٹھہرایا جائے جو اُس کے بیٹے پر ایمان لاتے ہیں۔

۴:۱۰ - اگر وہ "مسیح" پر ایمان لے آتے تو اُن کی سمجھ میں آجاتا کہ "راست بازی کے لئے

مسیح شریعت کا انجام ہے۔ شریعت کا مقصد گناہ کو ظاہر کرنا اور حکمِ عدولی کرنے والوں کو مجرم ٹھہرانا ہے۔ شریعت کبھی راست بازی نہیں دے سکتی۔ شریعت توڑنے کی سزا موت ہے۔ اپنی موت میں مسیح نے شریعت کو توڑنے کی سزا ادا کر دی۔ جب کوئی گنہگار خداوند یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کر لیتا ہے، تو شریعت کا اُس پر کچھ دعویٰ باقی نہیں رہتا۔ اپنے عوضی کی موت میں وہ شریعت کے اعتبار سے مر گیا۔ اب اُس کو نہ شریعت سے کچھ واسطہ رہا نہ شریعت کے وسیلے سے راست بازی حاصل کرنے سے۔

۵:۱۰۔ پُرانے عہد نامہ کے کَظفوں میں ہم کو شریعت کی باتوں اور ایمان کی باتوں میں فرق صاف سنائی دے رہا ہے۔ مثال کے طور پر اجابہ ۵:۱۸ میں ”موسیٰ نے یہ لکھا ہے کہ جو شخص اُس راست بازی پر عمل کرتا ہے جو شریعت سے ہے وہ اُسی کی وجہ سے زندہ رہے گا۔“ زور اُس کے اعمال اُس کی کامیابی پر ہے۔

بلاشبہ یہ بیان ایک ایسا اُمیڈیل (مثالی حالت) پیش کرتا ہے جس پر کوئی گناہ آلودہ شخص پورا نہیں اُتر سکتا۔ اس ساری بات کا مطلب و مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت پر دائمی اور مکمل عمل کرے تو اُس پر موت کی سزا کا حکم نہیں ہوگا۔ لیکن شریعت تو ان لوگوں کو دی گئی جو پہلے ہی گنہگار تھے اور جن پر سزا کا حکم ہو چکا تھا۔ اگر وہ اُس دن کے بعد سے شریعت پر کامل عمل کر لیں سکتے۔ پھر بھی کسوت ہی رہتے کیونکہ خدا ماضی کے گناہوں کی (سزا کی) ادائیگی کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ یہ اُمید کہ انسان شریعت کے وسیلے سے راست بازی حاصل کر سکتا ہے کبھی پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ اس اُمید کی ناکامی تو شروع ہی سے مقرر تھی۔

۶:۱۰۔ ایمان کی زبان شریعت کی زبان سے بالکل فرق ہے۔ اس حقیقت کو دیکھانے کے لئے پُلُس پہلے استنہ ۳۰: ۱۲، ۱۳ کا حوالہ دیتا ہے جہاں یوں لکھا ہے کہ

”وہ آسمان پر تو ہے نہیں کہ تو کہے کہ آسمان پر کون ہماری خاطر چڑھے اور اُس کو ہمارے پاس لا کر سنائے تاکہ ہم اُس پر عمل کریں۔ اور نہ وہ سمندر پار ہے کہ تو کہے کہ سمندر پار کون ہماری خاطر جائے اور اُس کو ہمارے پاس لا کر سنائے تاکہ ہم اُس پر عمل کریں۔“

دلچسپ بات یہ ہے کہ استنہ کے پس منظر میں یہ آیات ایمان اور فضل کی خوشخبری کے بارے میں نہیں ہیں۔ یہ شریعت کے بارے میں بات کر رہی ہیں اور خاص طور پر اِس حکم کے بارے میں کہ تو... اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی طرف پھرے“ (استنہ ۳۰: ۱۰-ب)۔ خدا کہہ

رہتا ہے کہ شریعتِ مذکورہ ہے، نہ چھپی ہوئی اور نہ ناقابلِ رسائی۔ انسان کو اُس تک پہنچنے کے لئے نہ تو "آسمان" پر چڑھنے کی ضرورت ہے نہ سمندر پار جانے کی۔ یہ بالکل قریب ہے اور منتظر ہے کہ اُس کی تعمیل کی جائے۔

لیکن پُلّس ان الفاظ کو لے کر ان کا اطلاقِ فضل کی خوشخبری پر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایمان کی زبان کسی سے نہیں کہتی کہ "آسمان پر" چڑھ کر "مسیح" کو "آنا" لا۔ ایک تو ایسا کرنا قطعی ناممکن ہوگا۔ دوسرے یہ بالکل غیر ضروری ہے کیونکہ مسیح اپنے تجسم میں زمین پر آچکا ہے۔

۷:۱۰۔ استثناء ۱۳:۱۰ کا اقتباس کرتے ہوئے پُلّس رسول "سمندر پار کون ہماری خاطر جائے" کو بدل کر کہتا ہے "گہراؤں میں کون اترے گا؟" نکتہ یہ ہے کہ فضل کی خوشخبری کسی سے نہیں کہتی کہ قبر میں اتر کر "مسیح" کو مردوں میں سے جلا کر اُپر لاؤ۔ یہ ناممکن بات ہے، اور غیر ضروری بھی۔ کیونکہ مسیح پہلے ہی مردوں میں سے جی اُٹھا ہے۔ دیکھیں کہ ۷:۱۰ میں مسیح کے بارے میں وہ دو عقیدے ہیں جن کو قبول کرنا کسی بھی ہوئی کے لئے بہت مشکل ہے یعنی مسیح کا تجسم اور اُس کی قیامت۔ لیکن اگر وہ نجات پانا چاہے تو ان کو قبول کرنا ضروری ہے۔ ۱۰:۱۰ میں بھی ہم ان دو عقیدوں کو دوبارہ دیکھیں گے۔

۸:۱۰۔ اگر فضل کی خوشخبری انسانوں کو وہ کام کرنے کو نہیں کہتی جو ان کے لئے ناممکن ہے یا وہ کام کرنے کو نہیں کہتی جو خداوند نے پہلے ہی کر دیا ہے تو پھر کیا کہتی ہے؟

پُلّس پھر استثناء باب ۳۰ سے ایک آیت کو مناسب حال کر کے استعمال کرتا ہے کہ انجیل "نزدیک" قابلِ رسائی، قابلِ فہم اور آسانی سے قابلِ حصول ہے۔ اس کو روزمرہ گفتگو (تیرے منہ... میں) میں بیان کیا جاسکتا ہے اور آسانی سے سمجھا (تیرے دل میں ہے) جاسکتا ہے (استثناء ۱۴:۳۰)۔ یہ ایمان سے نجات کی خوشخبری ہے جس کی منادی پُلّس اور دوسرے رسول کرتے تھے۔

۹:۱۰۔ ساری بات کا خلاصہ یہ ہے: ضرور ہے کہ پہلے آپ تجسم کی سچائی کو قبول کریں کہ میت لحم کی پترنی کا نفا پتر زندگی اور جلال کا خداوند ہے۔۔ کہ نئے عہد نامہ کا "ییسوع" پرانے عہد نامہ کا "خداوند" (سواہ) ہے۔

دوسرے، ضرور ہے کہ آپ اُس کی قیامت اور اس کے سارے مضمرات پر ایمان لائیں۔ "خدا نے اُسے مردوں میں سے جلايا"۔ یہ حقیقت ثبوت ہے کہ مسیح نے ہماری نجات کے لئے درکار کام پورا کر دیا ہے، اور کہ خدا اس کام سے مطمئن ہے (یعنی خدا کے سارے تقاضے پورے ہو گئے ہیں)۔ "دل سے ایمان" لانے کا مطلب ہے اپنی ذہنی، جذباتی اور خواہش کے سارے قواء کے ساتھ اس بات کا یقین کرنا۔

چنانچہ ”تو اپنی زبان سے یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار کرے اور اپنے دل سے ایمان لائے کہ خدا نے اُسے مُردوں میں جلائی۔“ یہ خداوند یسوع کے کام اور اُس کی ذات کو ذاتی طور پر اپنا لینے کا عمل ہے۔ یہ ہے نجات بخش ایمان۔

اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کیا کوئی شخص یسوع کو خداوند تسلیم کئے بغیر اُسے منجی مان کر نجات پاسکتا ہے؟ ”بائبل مقدس اُس شخص کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتی جو کہتا ہے کہ ”میں یسوع کو اپنا نجات دہندہ مانتا ہوں۔ لیکن اُس کو اپنے سب کچھ کا مالک نہیں بنا سکتا۔“ دوسری طرف جو لوگ نجات کی ایک شرط یہ قرار دیتے ہیں کہ یسوع کو پوری طرح اپنی زندگی کا مالک مان کر اُس کے تابع ہو جائیں (سب کچھ اُس کے سپرد کر دیں)، اُن کو ایک مسئلے کا سامنا ہوتا ہے۔ اُس کو کس حد تک خداوند تسلیم کرنا ہوگا؟ شاید ہی کوئی منجی ہوگا جو دعویٰ کرے کہ میں نے اپنے آپ کو سونی صد اُس کے تابع کر دیا ہے۔ جب ہم فضل کی خوشخبری پیش کرتے ہیں تو اس بات پر قائم رہنا چاہئے کہ ”ایمان راست باز ٹھہرائے جانے کی واحد شرط ہے“، لیکن ہمیں گنہگاروں اور مقدسین کو بھی مسلسل یہ یاد دلانا چاہئے کہ یسوع مسیح خداوند ہے اور اُسے خداوند تسلیم کرنا ضروری ہے۔

۱۰:۱۰۔ مزید تشریح کے لئے پولوس لکھتا ہے کہ ”راست بازی کے لئے ایمان لانا دل سے ہوتا ہے۔“ یہ صرف ذہنی رضامندی نہیں بلکہ پورے باطنی وجود سے، سچے دل سے قبولیت ہے۔ جب کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو فوری طور پر راست باز ٹھہرتا ہے۔ ”اور نجات کے لئے اقرار مُند سے کیا جاتا ہے“، یعنی ایمان دار اُس نجات کا جو اُسے مل چکی ہے علانیہ اقرار کرتا ہے۔ اقرار نجات کی ایک شرط نہیں ہے بلکہ جو کچھ بٹھا ہے اُس کا ناگزیر خادجی اظہار ہے۔ جب کوئی شخص کسی چیز پر واقعی ایمان لکھتا ہے تو وہ دوسروں کو اُس میں شریک کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص حقیقت میں نئے سرے سے پیدل ہوتا ہے تو وہ اتنی اچھی بات کو راز نہیں رکھ سکتا۔ وہ مسیح کا اقرار کرتا ہے۔

خداوند توقع کرتا ہے کہ جب کوئی شخص نجات پاتا ہے تو وہ اس کا علانیہ اقرار کرے گا۔ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں۔ چنانچہ کیلی کہتا ہے ”اگر زبان سے مسیح کے خداوند ہونے کا اقرار نہیں کیا جاتا تو ہمیں نجات کے بارے میں تسلی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہمارے خداوند نے فرمایا کہ جو ایمان لائے اور پتہ سمہ لے وہ نجات پائے گا۔“ اور بڑی تیسرہ کہتا ہے کہ

”راست بازی کے لئے ایمان لانے والا دل، اور نجات کا اقرار کرنے والی

زبان، دو چیزیں نہیں، بلکہ ایک ہی چیز کے دو پہلو ہیں۔“

سوال پیدا ہوتا ہے ۹:۱۰ میں اقرار پہلے اور ایمان بعد میں آتا ہے اور ۱۰:۱۰ میں پہلے

ایمان اور بعد میں اقرار ہے، ایسا کیوں ہے؟ جواب تلاش کرنا مشکل نہیں۔ آیت ۹ میں زور تجسّم اور قیامت پر ہے۔ اور ان عقائد کا بیان ان کی تاریخی ترتیب کے مطابق ہوا ہے۔ تجسّم پہلے آتا ہے۔ لیون خداوند ہے۔ اس کے بعد قیامت — خدا نے اُسے مُردوں میں سے جلایا۔ آیت ۱۰ میں زور گنہگار کی نجات کے واقعات کی ترتیب پر ہے۔ پہلے وہ ایمان لانا ہے، پھر اپنی نجات کا علانیہ اقرار کرتا ہے۔

۱۱:۱۰۔ ”جو کوئی اُس پر ایمان لائے گا وہ شرمندہ نہ ہوگا۔“ پُلّس رسول اپنی دلیل کی تائید کے لئے

یسعیاہ ۲۸: ۱۶ سے یہ اقتباس پیش کرتا ہے۔ مسیح کے علانیہ اقرار سے شرمندگی کا خوف پیدا ہو سکتا ہے۔ مگر حقیقت اس کے الٹ ہے۔ ہم ”زمین پر“ اُس کا اقرار کرتے ہیں، نتیجے میں وہ آسمان پر ہمارا اقرار کرتا ہے۔ یہ ہماری وہ امید ہے جس میں کبھی بالوسی نہ ہوگی۔

”جو کوئی“ کے الفاظ اگلی بات کے لئے کڑی کام دیتے ہیں، یعنی خدا کی شان دار اور جلالی نجات یہودیوں اور غیر قوموں سب کے لئے ہے۔

۱۲:۱۰۔ رومیوں ۳: ۲۳ میں ہم نے دیکھا تھا کہ جہاں تک نجات کی ضرورت کی بات ہے یہودی اور غیر یہودی

میں کوئی فرق نہیں کیونکہ سب گنہگار ہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں تک نجات کے دستیاب ہونے کا تعلق ہے تو پھر بھی کچھ فرق نہیں۔ خداوند کوئی ایسا خدا نہیں جو کسی کے لئے مخصوص ہو۔ وہ سب کا خداوند ہے۔ ”اور اپنے سب دعا کرنے والوں کے لئے“ رحم کرنے میں ”فیاض“ ہے۔

۱۳:۱۰۔ رسول یوایل ۲: ۳۲ کے اقتباس سے ثابت کرتا ہے کہ فضل کی خوشخبری عالمگیر ہے۔ نجات

کی راہ کے بارے میں اس سے سادہ بیان ممکن ہی نہیں کہ ”جو کوئی خداوند کا نام لے گا نجات پائے گا۔“ پاک کلام میں ”خداوند کا نام“ خود ”خداوند“ ہے۔

۱۴:۱۰۔ لیکن اس قسم کی خوشخبری عالمگیر منادی کی توقع رکھتی ہے۔ اُس نجات کا کیا فائدہ جو یہودیوں

اور غیر قوموں سب کے لئے ہے مگر انہوں نے اُس کو یا اُس کے بارے میں کبھی سنا تک نہیں؟ یہی بات مسیحی بشارت کے دل کی دھڑکن ہے! یہاں تین کیونکر“ کا ایک سلسلہ ہے جن سے رسول اُن اقدام کو پیش کرتا ہے جو یہودیوں اور غیر قوموں تک نجات کو پہنچاتے ہیں۔ وہ ”کیونکر دعا کریں“

ایمان کیونکر لائیں... کیونکر سنیں۔“ اگر ہم ان اقدام کی ترتیب کو الٹ دیں تو شاید سارے عمل کو سمجھنا

آسان ہو جائے:

خدا اپنے خادموں کو بھیجتا ہے۔

وہ نجات کی خوشخبری کی منادی کرتے ہیں۔

گنہگار خدا کی دعوت سُننے ہیں۔

سننے والوں میں سے کچھ خداوند سے دعا کرتے ہیں۔

جو دعا کرتے ہیں وہ نجات پاتے ہیں۔

مندرجہ بالا دلیل کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اگر خدا کسی کام کی تکمیل کا ارادہ کرتا ہے تو اس مقصد کو حاصل کرنے کے وسائل اور ذرائع بھی مہیا کرتا ہے۔ اور جیسا ہم نے پہلے کہا یہ مسیحی مشنری تحریک کی بنیاد ہے۔ پولس یہاں اس بات کو جائز ثابت کرتا ہے کہ وہ غیر قوموں میں انجیل کی منادی کرتا ہے جسے ایمان نہ لانے والے یہودی ناقابلِ معافی سمجھتے تھے۔

۱۵:۱۰۔ خدا وہ ہستی ہے جو بھیجتا ہے۔ اور ہم ہیں جو بھیجے گئے ہیں۔ ہم اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں؟ کیا ہمارے ”قدم“ خوشنما ہیں؟ جیسا کہ یسعیاہ کہتا ہے ”کیا ہی خوشنما ہیں ان کے قدم جو اچھی چیزوں کی خوشخبری دیتے ہیں۔“ (یسعیاہ ۵۲:۷)۔ ”وہ خوشنما پاؤں“ کو ”اس“ یعنی مسیح موعود سے منسوب کرتا ہے۔ مگر یہاں رومیوں ۱۵:۱۰ میں ”اس“ کو ”ان“ میں بدلا گیا ہے۔ وہ تقریباً ۲۰۰۰ سال پہلے ”خوشنما قدموں“ کے ساتھ آیا۔ اب یہ ہمارا اعزاز اور ذمہ داری ہے کہ ”خوشنما قدموں“ کے ساتھ کھوٹی ہوئی اور مرقی ہوئی دنیا کے پاس جائیں۔

۱۶:۱۰۔ ”لیکن“ پولس کا ہر روز کا غم یہ ہے کہ اسرائیلی قوم میں سے ”سب نے اس خوشخبری پر کان نہ دھرا“۔ یسعیاہ نے یہی بات کہی تھی جب اُس نے نبوت کی تھی کہ ”اے خداوند! ہمارے پیغام کا کس نے یقین کیا؟“ (یسعیاہ ۵۳:۱۰)۔ یہ سوال یہ جواب مانگتا ہے کہ ”تھوڑے ہی لوگوں نے“۔ جب مسیح موعود کی پہلی آمد کی خبر کا اعلان کیا گیا، تو نبوت سے لوگوں نے سنی ان سنی کر دی۔

۱۷:۱۰۔ یسعیاہ کی کتاب کے اس اقتباس میں پولس توجہ دلاتا ہے کہ جس ایمان کا ذکر نبی کرتا ہے وہ اُس پیغام سے پیدا ہوتا ہے جو سنا گیا۔ اور یہ پیغام اُس ”کلام“ سے آتا ہے جو مسیح موعود کے بارے میں ہے۔ چنانچہ وہ یہ نتیجہ بیان کرتا ہے کہ ”ایمان سُننے سے پیدا ہوتا ہے، اور سُننا مسیح کے کلام سے“۔ لوگوں میں ایمان اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ خداوند یسوع مسیح کے بارے میں ہماری منادی سُننے ہیں اور ہماری یہ منادی بلاشبہ ”خدا“ کے تحریری ”کلام“ پر مبنی ہوتی ہے۔

لیکن کانوں سے سُن لینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ ضرور ہے کہ انسان کھلے دل اور دماغ سے سُننے اور راضی ہو کہ اُس کو خدا کی سچائی دکھائی جائے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے، تو دیکھے گا کہ کلام میں سچائی کی گونج

ہے۔ اور سچائی اپنی توثیق خود کرتی ہے، پھر وہ اُس کا یقین کرے گا۔ البتہ یہ بات صاف ہونی چاہئے کہ جس "سُننے" کی بات کی گئی ہے وہ صرف کانوں کا کام نہیں بلکہ مطلب ہے کسی بھی ذریعے سے کلام کا پہنچنا۔

۱۸:۱۰۔ چنانچہ مسئلہ کیا ہے؟ کیا یہودیوں اور غیر قوموں دونوں نے خوشخبری کی منادی کو نہیں "سُننا"؟

ہاں، سُننا۔ پُرس یہ ثابت کرنے کے لئے کہ انہوں نے خوشخبری کو "سُننا" ہے زبور ۱۹: ۴ کے الفاظ پیش کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے "بے شک سُننا۔"

"اُن کی آواز تمام رُوءے زمین پر

اور اُن کی باتیں دُنیا کی انتہا تک پہنچیں۔"

لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ زبور ۱۹ کے یہ الفاظ فضل کی خوشخبری کے بارے میں نہیں تھے بلکہ خدا کے جلال کے حق میں سورج، چاند اور ستاروں کی عالمگیر گواہی کا بیان کرتے ہیں۔ لیکن جیسا ہم نے کہا پُرس اُن کو اُدھار لے کر یہ دلیل دیتا ہے کہ یہ الفاظ میرے زمانے میں ساری دُنیا میں خوشخبری کی منادی پر بھی صادق آتے ہیں۔ خدا کے رُوح کی تحریک سے رسول اکثر پُرانے عہد نامہ کے حوالے لے کر اُن کو بالکل نئے طریقے سے استعمال کرتا ہے۔ جس رُوح نے پہلے پہل یہ لفظ دئے تھے، بے شک اُس کو اختیار ہے کہ اُن کا نئے انداز سے اطلاق کرے۔

۱۹:۱۰۔ غیر قوموں کو بُلا یا گیا۔ یہودیوں کی اکثریت نے خوشخبری کو رد کر دیا۔ اس بات پر اسرائیل

کو حیرت نہیں ہونی چاہئے تھی۔ اُن کے اپنے صحائف نے پیشتر سے بتا دیا تھا کہ یہ بات وقوع پذیر ہوگی۔ مثال کے طور پر خدا نے خبردار کر دیا تھا کہ "میں اُن سے تم کو غیرت دلاؤں گا جو قوم ہی نہیں (یعنی غیر قوموں سے)۔ ایک نادان (بت پرست) قوم سے تم (اسرائیل) کو غصہ دلاؤں گا" (استثنا ۲۱: ۳۲)۔

۲۰:۱۰۔ یسعیاہ بڑا "دلیر" ہو کر خداوند کی یہ بات پیش کرتا ہے کہ اگرچہ غیر قومیں مجھے ڈھونڈ نہیں

رہی تھیں تو بھی انہوں نے "مجھے پالیا"۔ اور جنہوں نے مجھ سے نہیں پوچھا اُن پر میں ظاہر ہو گیا (یسعیاہ

۱: ۶۵)۔ مجموعی طور پر دیکھا جائے تو غیر قومیں خدا کو نہیں ڈھونڈتی تھیں۔ وہ اپنے بت پرستی کے

مذہب سے مطمئن تھیں۔ لیکن جب خوشخبر، تم، تو اُن میں سے بہتیرے رُجوع لائے۔ اگر مفاہد کیا جائے

تو یہودیوں کی نسبت غیر قوموں نے خوشخبری پر زیادہ توجہ دی۔

۲۱:۱۰۔ غیر قومیں، جوق در جوق یہوداہ کے پاس آئیں۔ اس تصویر کے پس منظر میں یسعیاہ یہ منظر

پیش کرتا ہے کہ خداوند اسرائیل کے لئے "ہاتھ بڑھائے" سارا دن کھڑا رہا لیکن اُسے کیا ملا۔

ہٹ دھری، نافرمانی اور انکار۔



## ج۔ اسرائیل کا مستقبل

(باب ۱۱)

۱۰:۱۱۔ اسرائیل کے مستقبل کے بارے میں کیا خیال ہے ؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدانے اسرائیل کو چھوڑ دیا ہے اور اب کلیسیا خدا کا اسرائیل ہے۔ اور اسرائیل کے ساتھ کئے گئے تمام وعدوں کا اطلاق اب کلیسیا پر ہوتا ہے۔ کیا یہ بات درست ہے ؟ رومیوں باب ۱۱ اس نظریہ کی پُر زور تردید کرتا ہے۔

پولس کا افسانہ جی سوال یہ ہے کہ ”کیا خدانے اپنی اُمت کو رد کر دیا؟“ پولس کا مطلب ہے کہ کیا پورے طور پر رد کر دیا ہے ؟ یعنی کیا ایک ایک اسرائیلی کو رد کر دیا گیا ہے ؟ ”ہرگز نہیں“ نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ خدانے ”اپنی اُمت کو رد کر دیا ہے“ جیسا کہ ۱۵:۱۱ میں صاف بیان ہوا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ”سبھیوں کو رد کر دیا ہے۔“ پولس خود ثبوت ہے کہ رد کیا جانا مکمل نہیں۔ آخر وہ خود ”اسرائیلی ما ابراہام کی نسل اور بنیامین کے قبیلہ میں سے“ تھا۔ اُس کے یہودی ہونے کی اسناد بالکل درست تھیں۔

۲:۱۱۔ چنانچہ ہم کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس آیت کا پہلا حصہ کیا کہہ رہا ہے کہ ”خدانے اپنی اُمت کو“ پورے طور پر ”رد نہیں کیا جسے اُس نے پہلے سے جانا۔“ یہ صورت حال ویسی ہی ہے جیسی ”ایلیاہ کے زمانہ میں تھی۔ قوم کے ایک بہت بڑے حصے نے خداسے پھر کر بتوں کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ حالت اس قدر گہرے گئی تھی کہ ایلیاہ نے قوم کے حق میں دعا مانگنے کی بجائے اُس کے خلاف دعا مانگی تھی۔

۳:۱۱۔ ایلیاہ نے خدانے (یہوداہ) کو یاد دلایا کہ قوم نے نبیوں کو قتل کیا اور یوں اُن کی آواز خاموش کر دی۔ اُنہوں نے خدا کی ”قربانگاہوں کو دھسا دیا۔“ ایلیاہ کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ صرف وہی خدا کے حق میں واحد و فادار آواز رہ گیا ہے اور اُس کی جان کو بھی سخت خطرہ ہے۔

۱۱:۳۔ لیکن حالات ایسے تاریک اور مایوس کُن نہ تھے جیسے ایلیاہ کو نظر آتے تھے۔ خدانے اُس پر واضح کیا کہ ”میں نے اپنے لئے سات ہزار آدمی بچا رکھے ہیں جنہوں نے بعل کے آگے گھٹنے نہیں ٹیکے۔“ یہ سات ہزار افراد قوم کے ساتھ نہیں تھے، بلکہ بعل کی پرستش کرنے سے ثابت قدمی سے انکار کرتے رہے۔

۵:۱۱۔ چنانچہ جو بات ایلیاہ کے زمانہ میں سچ تھی وہ آج بھی سچ ہے۔ خدا اپنے آپ کو بے گواہ نہیں چھوڑتا۔ وہ ایک و فادار ”بقیہ“ ہمیشہ رکھتا ہے۔ اس بقیہ پر اُس کا خاص ”فضل“ ہوتا ہے۔

۶:۱۱۔ خدا اُس بقیہ کو اُن کے ”اعمال“ کی بنیاد پر نہیں چُننا بلکہ اپنی محبت کی آزاد مرضی اور ”فضل“ سے چُننا ہے۔ یہ دو اُصول یعنی ”فضل“ اور ”اعمال“ ایک دوسرے کو خارج کرتے ہیں۔ بخشش کمانی نہیں جاسکتی۔ جو چیز مُفت ہے وہ خریدی نہیں جاسکتی۔ جو چیز حق کے بغیر دے جاتی ہے، ہم اُس کے حق دار لے سکتے ہیں۔ یہ بات بُت انوس نامک ہے کہ بُت سے لوگ جو اسرائیل کے برکات کے دعویدار بنتے ہیں، وہ بڑے اطمینان سے لعنتوں کو اُن ہی کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

نہیں ہو سکتے۔ خوش قسمتی سے خدا کا انتخاب ”اعمال“ پر نہیں بلکہ ”فضل“ پر مبنی ہے۔ ورنہ کوئی بھی کبھی برکزیہ نہ ہو پاتا۔

۷:۱۱۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ اسرائیل راست بازی حاصل کرنے میں اس لئے ناکام رہا کہ اپنی کوشش سے تلاش کرتا رہا۔ اور مسیح کے مکمل کے ہوئے کام کے وسیلے سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کی۔ خدا کا چُننا ہوا (برگزیدہ) بقیہ راست بازی حاصل کرنے میں اس لئے کامیاب رہا کہ خداوند یسوع پر ایمان کے وسیلے سے حاصل کی۔ قوم نے وہ نقصان اٹھایا جسے مُنصفانہ اندھا پن کھنا چاہیے (یعنی قوم اس لئے اندھی رہی کہ اسی لائق تھی۔ انصاف کا تقاضا ہی تھا)۔ قوم نے مسیح موعود کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے قبول کرنے کا میلان اور صلاحیت کم ہو گئی۔

۸:۱۱۔ پُرانے عہد نامہ نے نبوت کی تھی کہ بعینہ میں کچھ ہوگا (یسعیاہ ۲۹: ۱۰؛ ایشینا ۲۹: ۴)۔ ”خدا“ نے اُن کو ”سنت طبعیت“ دی جس میں وہ روحانی حقیقتوں کا احساس کو بیٹھے۔ چونکہ اُنہوں نے خداوند یسوع کو بطور مسیح موعود اور مُنجی دیکھنے سے انکار کر دیا اس لئے اُن کی دیکھنے کی صلاحیت جاتی رہی۔ چونکہ اُنہوں نے خدا کی التماس کی آواز کو سننا گوارا نہ کیا اس لئے اُن پر روحانی برہ پن آپڑا۔ اور یہ خوفناک سزا آج کے دن تک جاری ہے۔

۹:۱۱۔ ”داد“ کو بھی پیشتر سے معلوم ہو گیا تھا کہ اسرائیل پر خدا کا یہ غضب ہوگا۔ زبور ۶۹: ۲۲، ۲۳ میں وہ بیان کرتا ہے کہ رو دیکھا گیا مُنجی خدا کو پکار کر کہتا ہے کہ ”اُن کا دسترخوان اُن کے لئے جال اور پھندا“ بنا دے۔ ”دسترخوان“ سے یہاں مراد وہ تمام برکات اور اعزازات اور استحقاق ہیں جو مسیح کے وسیلے سے پہنچتے ہیں۔ جس چیز کو برکت ہونا چاہئے تھا وہ لعنت بن گئی۔

۱۰:۱۱۔ زبور کے اسی حصے میں دکھ اٹھانے والا مُنجی خدا سے یہ فریاد بھی کرتا ہے کہ ”اُن کی آنکھوں پر تاریکی آجائے“ اور اُن کے بدن یوں جھک جائیں (گر بڑے ہو جائیں) جیسے سخت محنت اور بڑھاپے سے ہو جاتے ہیں (یا اُن کا کریں مسلسل کا پتہ نہیں)۔

۱۱:۱۱۔ اب پوئس ایک اور سوال اٹھاتا ہے کہ کیا اُنہوں نے ایسی ٹھوکر کھائی کہ گر پڑیں؟ کیا اُنہوں نے ایسی ٹھوکر کھائی اور ایسے گر پڑے کہ پھر کبھی بحال نہ ہوں گے؟ رسول اِس بات کی سمجھتی سے تردید کرتا ہے۔ خدا کے مقصد میں بحالی ہے۔ اُس کا مقصد ہے کہ مگرنے کے نتیجہ میں ”غیر قوموں کو نجات“ دے اور اِس

لئے لغوی ترجمہ ”بے ہوشی کی رُوح“۔ یعنی بے حسی کا عالم۔

طرح اسرائیل کو "غیرت آئے۔" اس "غیرت" کا مقصد یہ ہے کہ بالآخر اسرائیل خدا کے پاس واپس آئے۔  
 پُلُؤس اسرائیل کی "لغزش" یعنی گرنے کا انکار نہیں کرتا بلکہ وہ اس آیت میں اس کا اقرار کرتا ہے۔ "اُن  
 کی لغزش سے غیر قوموں کو نجات ملی۔" اور اگلی آیت میں بھی اقرار ہے کہ "اُن کی لغزش دُنیا کے لئے دُلت  
 کا باعث" ہے۔ لیکن وہ اس تصور کی تردید پورے شد و مد سے کرتا ہے کہ خدا نے اسرائیل کو ہمیشہ  
 کے لئے نازک کر دیا ہے۔

۱۲:۱۱ - اسرائیل نے فضل کی خوشخبری کو رد کر دیا، اس کے نتیجے میں قوم کو ایک طرف کر دیا گیا اور  
 خوشخبری "غیر قوموں" تک پہنچی۔ اس مفہوم میں اسرائیل کی "لغزش" "غیر قوموں کے لئے دُلت کا باعث"  
 ہوئی اور اسرائیل کا نقصان غیر قوموں کا نفع ثابت پڑا۔

لیکن اگر یہ بات سچ ہے تو اسرائیل کی بحالی ساری دُنیا کے لئے کس قدر زیادہ دُلت کا باعث  
 ہوگی! جب بڑی مُصیبت کے احتمال کے قریب بنی اسرائیل خداوند کی طرف پھریں گے تو وہ ساری قوموں  
 کے لئے برکت کا وسیلہ بنیں گے۔

۱۳: ۱۱ - اب رسول "غیر قوموں" سے مخاطب ہوتا ہے (۱۱: ۱۳-۱۴)۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ  
 وہ روم میں غیر قوم مسیحیوں سے مخاطب ہے۔ لیکن اس پیرے کا سیاق و سباق فرق سامعیوں کا تقاضا  
 کرتا ہے، یعنی مجموعی طور پر غیر قومیں۔ اگر تاریخی بات ذہن نشین رکھنے کہ پُلُؤس اسرائیل کے بارے میں بحیثیت  
 قوم اور "غیر قوموں" کے بارے میں عمومی طور سے بات کر رہا ہے تو کلام کے اس حصے کو سمجھنے میں بہت آسانی  
 رہے گی۔ وہ خدا کی کلیسیا کی بات نہیں کر رہا۔ ورنہ ہمارے سامنے کینیا کے ترک کے جانے کا امکان  
 آجائے گا (۱۱: ۲۲)، اور یہ بات پاک کلام کے خلاف ہے۔

چونکہ پُلُؤس "غیر قوموں کا رسول" تھا اس لئے نہایت فطری بات تھی کہ اُن سے سیدھی سیدھی  
 اور صاف صاف بات کرنا۔ ایسے کرنے میں وہ صرف اپنی "خُدت" کی ذمہ داری پوری کر رہا تھا۔  
 ۱۴: ۱۱ - پُلُؤس ہر طرح سے کوشش کرتا ہے کہ "اپنے قوم دلاؤں کو غیرت دلا کر اُن میں سے بعض کو نجات"  
 دلائے۔ وہ جانتا تھا اور ہم بھی جانتے ہیں کہ وہ خود کسی کو نجات نہیں دے سکتا تھا۔ اسی لئے لفظ "دلاؤں"  
 استعمال کرتا ہے یعنی اُن کو نجات تک پہنچانے کا وسیلہ بنوں۔

۱۵: ۱۱ - اس آیت میں ۱۲: ۱۱ کی دلیل کو دوسرے لفظوں میں دہرایا گیا ہے۔ جب اسرائیل کو جو خدا کی  
 برگزیدہ قوم تھی ہر طرف کر دیا گیا، تو غیر قوموں کو خدا کے سامنے اعزاز کا مقام مل گیا۔ استعاراً تو لفظ سے اُن کا  
 خدا سے میل ہو گیا۔ مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی کے دوران جب اسرائیل بحال ہو گا تو یہ گویا مردوں میں سے

”جی اٹھنے کے برابر ہوگا۔“

اس بات کو یونانہ کے تجربے سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ یونانہ اسرائیلی قوم کا مشیل ہے۔ جب طوفان کے دوران یونانہ کو جہاز سے باہر پھینک دیا گیا تو نتیجے میں جہاز میں سوار غیر قوموں کی نجات ہو گئی۔ لیکن جب یونانہ بحال ہو گیا اور اُس نے نیتوہ میں منادی کی تو نتیجے میں غیر قوموں سے بھرے شہر کو نجات ملی۔ اسی طرح خدا کی طرف سے بنی اسرائیل کو عارضی طور پر رد کرنے کے نتیجے میں خوشخبری (موجودہ دور میں) نسبتاً تھوڑے غیر قوم افراد نے قبول کی۔ مگر جب بنی اسرائیل بحال ہوں گے تو غیر قومیں جو حق درجہ خدا کی بادشاہی میں داخل ہوں گی۔

۱۶: ۱۱۔ یہاں پوسٹس دو استعارے استعمال کرتا ہے۔ پہلے استعارے کا تعلق ”پہلے پیڑے“ سے ہے۔ دوسرے استعارے کا تعلق ”جرط“ اور ”ڈالیوں“ سے ہے۔ ”پہلا پیڑا“ آٹے کی نمائندگی کرتا ہے (اسی طرح پہلے پھل پوری پوری فصل کی نمائندگی کرتے ہیں)۔ گنتی ۱۵: ۱۹-۲۱ میں ہم پڑھتے ہیں کہ آٹے کا ایک پیڑا خداوند کے لئے اٹھانے کی قربانی کے طور پر چڑھانا ہوتا تھا۔ اس میں دلیل یہ ہے کہ اگر ایک پیڑا خدا کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو سارا گوندھا ہوا آٹا بھی پاک ہے۔

اسی طرح ”پہلے پھل“ خدا کی نذر کے جاتے تھے۔ اس نذر کا اطلاق یوں ہوتا ہے کہ ابراہام پہلا پھل ہے۔ وہ اِنہی مفہوم میں ”پاک“ تھا کہ اُسے خدا کے لئے مخصوص کیا گیا۔ اگر یہ بات اُس کے بارے میں سچ ہے تو اُس کی چینی جوئی نسل کے بارے میں بھی سچ ہے۔ اُن کو خدا کے سامنے خارجی اعزاز کے مرتبہ کے لئے الگ کیا گیا ہے۔ (یاد رہے کہ مقدس کرنا کا مطلب مخصوص یا الگ کرنا ہے)۔

دوسرا استعارہ ”جرط“ اور ”ڈالیوں“ کا ہے۔ اگر ”جرط“ مقدس کی گئی ہے تو ڈالیاں بھی ایسی ہی ہیں۔ ابراہام اس مفہوم میں ”جرط“ ہے کہ وہ پہلا تھا جس کو خدا نے الگ کیا کہ ایک نیا معاشرہ بنائے جو دوسری قوم سے الگ اور متمیز ہو۔ اگر ابراہام پاک ہے تو اُس کی نسل کے وہ لوگ بھی پاک ہیں جو برگزیدہ سلسلے سے ہیں۔

۱۷: ۱۱۔ رسول ”جرط“ اور ”ڈالیوں“ کے استعارہ کو جاری رکھتا ہے۔ ”بعض ڈالیاں توڑی گئیں۔“ یہ اسرائیل کے بارے میں ہے۔ ان افراد کا استعارہ ہے جو ایمان نہ لائے۔ چونکہ انہوں نے مسیح موعود کو رد کیا تو ان کو اعزاز کے مقام سے ہٹا دیا گیا۔ لیکن صرف ”بعض ڈالیاں توڑی گئیں۔“ یعنی اپنی جگہ سے ہٹا دی گئیں۔ قوم کے ایک بقیہ نے جن میں پوسٹس خود بھی شامل ہے، خداوند کو قبول کیا۔

”جنگلی زیتون“ سے مراد غیر قوم افراد ہیں۔ وہ ”زیتون“ میں پیوند ہوئے۔ اس طرح غیر قومیں ”زیتون“ کی روغن دار جرط میں شریک ہوئیں۔ غیر قومیں اعزاز کے اُس مقام میں شریک ہیں جو اصل میں بنی اسرائیل

کو دیا گیا تھا، اور اسرائیل کا ایمان لانے والا بقیہ ابھی تک اُس مقام پر قائم ہے۔

اس مثال میں یہ دیکھنا اہم ہے کہ ”زیتون کے درخت“ کا بڑا سنا اسرائیل نہیں ہے بلکہ وہ سلسلہ نسب ہے جس کو مقبولیت اور اعزاز کا مقام حاصل ہے جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اگر اسرائیل کو تباہ کرنا چاہئے تو یہ بے ڈھنگی سی تصویر سامنے آتی ہے کہ اسرائیل کو اسرائیل سے توڑا گیا اور دوبارہ اسرائیل میں پیوند کیا گیا۔

یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ ”جنگلی زیتون“ کی ڈالی کیسیا نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر غیر قسمیں ہیں۔ درنہ یہ امکان سامنے آتا ہے کہ سچے ایمان دار خدا کی مقبولیت سے الگ کر لئے (توڑے) جائیں جبکہ

پوکس پہلے ہی ثابت کر چکا ہے کہ یہ بات ناممکن ہے (رومیوں ۸: ۳۸، ۳۹)۔

ہم نے اوپر کہا ہے کہ ”تتا“ سے مراد نسل کا ”برگزیدہ سلسلہ“ ہے جو صدیوں سے چلا آ رہا ہے۔ اس ”برگزیدہ سلسلہ“ سے کیا مراد ہے؟ خدا نے بعض لوگوں کو الگ کر لینے کا فیصلہ کیا کہ ان کو اُس کی قربت کا خاص مقام حاصل ہو۔ وہ باقی ساری دنیا سے الگ ہوں، ان کو خاص مراعات حاصل ہوں۔ ان کو آج کی زبان میں ”چھیتی قوم کا درجہ“ حاصل ہو۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں خدا کا گویا ایک خاص اندرونی حلقہ ہو۔

اس ”برگزیدہ سلسلہ“ میں سب سے پہلے اسرائیلی قوم کو رکھا گیا۔ وہ خدا کے قدیم، چنے ہوئے زمینی لوگ تھے۔ لیکن چونکہ انہوں نے مسیح موعود کو رد کیا، اس لئے ”بعض ڈالیاں توڑی گئیں“۔ اس طرح ان کا ”چھیتا پٹا“ ہونے کا درجہ جاتا رہا غیر قوموں کو ”زیتون کے درخت میں پیوند“ کیا گیا اور وہ ایمان لانے والے یہودیوں کے ساتھ ”روغن دار جڑ“ میں شریک ہو گئے۔ ”جڑ“ ابراہام کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے یہ ”برگزیدہ سلسلہ“ شروع ہوا تھا ”روغن“ سے مراد ”زیتون کے درخت کی پھل آوری ہے“۔ یعنی ”زیتون کی بھاری فصل اور ان سے حاصل شدہ تیل“۔ یہاں ”روغن“ سے مراد وہ مراعات اور اعزازات ہیں جو ”زیتون کے درخت کے ساتھ ایک ہو جانے سے حاصل ہوئیں“۔

۱۸: ۱۱۔ لیکن غیر قوموں کو یہودیوں کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ ہم تم سے اچھے ہیں۔ ان کو ”فخر نہیں کرنا چاہئے کہ ہم برتر ہیں“۔ اس قسم کا فخر اس حقیقت کو نظر انداز کر دینا ہے کہ ”برگزیدہ سلسلہ“ ان سے شروع نہیں ہوا تھا بلکہ ان کو اعزاز کا جو درجہ حاصل ہوا ہے وہ ”برگزیدہ سلسلہ“ کی وجہ سے ہوا ہے۔

۱۹: ۱۱۔ پوکس پہلے ہی سمجھ لیتا ہے کہ وہ فرضی غیر قوم شخص جس کے ساتھ وہ گفتگو کر رہا ہے، کہے

گا کہ ”یہودی ڈالیاں اس لئے توڑی گئیں کہ میں“ اور دوسری غیر قوم ڈالیاں ”پیوند ہو جائیں“۔

۲۰: ۱۱۔ رسول تسلیم کرتا ہے کہ یہ بیان کسی حد تک درست ہے۔ یہودی ڈالیاں واقعی ”توڑی گئیں“

اور غیر قومیں پیوند ہوئیں۔ لیکن اس کی وجہ یہودیوں کی ”بے ایمانی“ تھی، نہ یہ کہ غیر قوموں کو خدا کے سامنے کوئی خاص حق حاصل تھا۔ وہ اس لئے پیوند ہوئیں کہ ”ایمان“ پر قائم تھیں۔ تو ایمان کے سبب سے قائم ہے۔“

بادی النظر میں لگتا ہے کہ پوکس یہ بات حقیقی ایمان داروں کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ یہی مطلب ہو۔ غیر قومیں ”ایمان کے سبب“ سے صرف اس طرح قائم ہوئیں کہ انہوں نے یہودیوں سے نسبتاً زیادہ ایمان دکھایا۔ یسوع نے ایک غیر قوم صوبیدار سے کہا تھا کہ ”میں نے ایسا ایمان اسرائیل میں بھی نہیں پایا“ (لوقا ۷: ۹) اور بعد میں پوکس نے روم کے یہودیوں سے کہا کہ پوکس تم کو معلوم ہو کہ خدا کی اس نجات کا پیغام غیر قوموں کے پاس بھیجا گیا ہے اور وہ اُسے سن بھی لیں گی“ (اعمال ۲۸: ۲۸)۔ غور کریں کہ ”وہ اُسے سن بھی لیں گی“ بحیثیت قوم آج وہ خوشخبری کو اسرائیل کی نسبت زیادہ قبول کرتی ہیں۔ یہاں ”قائم ہے“ ”گرنے“ کے متضاد کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اسرائیل اپنے اعزاز کے مقام سے گر گیا تھا۔ غیر قومیں اُس جگہ پیوند کی گئی ہیں۔

لیکن جو قائم ہے وہ خردار رہے کہ گرنے جائے۔ غیر قوموں کو فخر سے بھولنا نہیں چاہئے بلکہ ”خوف“ کرنا چاہئے۔

۲۱: ۱۱۔ ”جب خدا... اصلی ڈالیوں“ کو کاٹ ڈالنے سے نہ بچکایا، بلکہ اُن کو برگزیدہ سلسلہ“ الگ کر دیا تو یہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ اسی قسم کے حالات میں وہ جنگلی زیتون کی ڈالیوں کو چھوڑ دے گا۔

۲۲: ۱۱۔ زیتون کے اس درخت کی تمثیل میں ہمیں خدا کی سیرت کے دو متضاد پہلو نظر آتے ہیں۔

اُس کی ”مہربانی“ اور اُس کی ”سختی“۔ اُس کی ”سختی“ اس میں ظاہر ہوتی ہے کہ اسرائیل کو جہنمی قوم کے درجے سے ہٹا دیا۔ اُس کی ”مہربانی“ اس میں ظاہر ہوتی ہے کہ فضل کی خوشخبری کو غیر قوموں کے سامنے پیش کیا (دیکھیے اعمال ۱۳: ۴۶؛ ۱۸: ۶)۔ لیکن اس ”مہربانی“ کو اپنا حق نہیں سمجھ لینا چاہئے۔ غیر قوموں کو بھی ”کاٹ ڈالا“ جاسکتا ہے۔ اپنی زمینی خدمت کے دوران ”منجی“ نے غیر قوموں کو خوشخبری قبول کرنے میں ”مقابلہ“ کشادہ دل پایا تھا۔ اور اگر وہ اپنی اس کشادہ دلی کو قائم نہیں رکھیں گی تو ”کاٹ ڈالی جائیں گی“ (متی ۸: ۱۰، لوقا ۷: ۹)۔

یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ پوکس نہ تو کلیسیا کی بات کر رہا ہے نہ فرداً فرداً ایمان داروں کی بلکہ وہ غیر قوموں کی مجموعی طور پر بات کر رہا ہے۔ مسیح کے بدن کو سر سے کوئی چیز کبھی جدا نہیں کر سکتی، اور نہ ایمان دار کو خدا کی محبت سے جدا کر سکتی ہے۔ لیکن غیر قوم لوگوں کو ان موجودہ اعزاز کی جگہ سے ہٹایا جاسکتا ہے۔

۲۳: ۱۱۔ اور ضروری نہیں کہ اسرائیل کا یہ کاٹا جانا حتمی ہو۔ اگر وہ اپنی قومی ”بے ایمانی“ کو ترک کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا اُن کو اپنی اعزاز کی جگہ پر دوبارہ بحال نہ کر دے۔ خدا کے لئے ایسا کرنا

ناممکن نہیں۔

۱۱: ۲۴۔ دراصل ان کو اعزاز کے مقام پر بحال کرنا خدا کے لئے مقابلاً کم شدید عمل ہوگا جبکہ غیر قوموں کو اس جگہ لگانے کا عمل شدید تر تھا۔ خدا کی مقبولیت کے درخت میں اسرائیل ”اصل ڈالیاں“ تھیں، غیر قوم ڈالیاں تو جنگلی زیتون کے درخت سے اُٹی تھیں۔ ”جنگلی زیتون کی ڈالی کو“ اچھے زیتون میں پیوند کرنا غیر فطری پیوند ہے۔ یا جیسا پُلُوس کو تاپے ”اصل کے برخلاف“ ہے۔ اصل ڈالیوں کو اصل اور ”اچھے زیتون میں پیوند کرنا فطری عمل ہے۔

۱۱: ۲۵۔ اب پُلُوس دکھاتا ہے کہ مستقبل میں اسرائیل کی بحالی صرف ایک امکان ہی نہیں، بلکہ یقینی حقیقت ہے۔ جس بات سے پُلُوس اب پردہ اٹھاتا ہے وہ ایک ”بھید“ ہے۔ ایسی سچائی جس کا ابھی تک علم نہ تھا، ایک سچائی جس کو انسانی عقل بغیر مدد کے جان نہیں سکتی۔ اب اس سچائی کو ظاہر کیا گیا ہے۔ پُلُوس اس بھید کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ غیر قوم ایمان دار اپنے آپ کو عقل مند نہ سمجھیں اور یہودیوں کو کم تر نہ گردائیں۔ یہ بھید یوں ہے :

”اسرائیل کا ایک حصہ سخت ہو گیا ہے۔ اس سختی یا اندھ پن نے ساری قوم پر نہیں صرف کچھ حصے پر اثر کیا ہے۔

یہ اندھاپن، یہ سخت ہونا عارضی ہے۔ یہ صرف اُس وقت تک رہے گا جب تک غیر قومیں پوری پوری داخل نہ ہوں۔“ اس سے مراد وہ زمانہ ہے جب آخری رکن کلیسیا میں شامل ہو چکے گا، اور مسیح کا مکمل شدہ بدن آسمانی وطن میں جانے کے لئے ہوا میں اٹھایا جائے گا۔ ”غیر قوموں کے پورے پورے داخل ہونے اور“ غیر قوموں کی میعاد“ (توما ۲۱: ۲۴) میں فرق ہے۔ دونوں الگ الگ ہیں۔ ”غیر قوموں کا پورا پورا داخل ہونا فضائی استقبال کے ساتھ ہوگا، جبکہ ”غیر قوموں کی میعاد“ سے وہ سالہ عرصہ مراد ہے جس میں غیر قومیں یہودیوں پر غالب اور حاوی رہیں گی۔ اس کا آغاز بائبل کی اسیری سے ہوا (۲۔ تواریخ ۳۶: ۱-۲۱) اور خاتمہ اُس وقت ہوگا جب مسیح بادشاہی کرنے کے لئے زمین پر واپس آئے گا۔

۱۱: ۲۶۔ اسرائیل کا یہ اندھاپن فضائی استقبال کے وقت ختم ہو جائے گا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسرائیل کی ساری قوم اُسی وقت ایک دم نجات پائے گی۔ یہودی بڑی مصیبت کے سارے عرصے کے دوران ایمان لاتے رہیں گے، لیکن سالہ برگزیدہ بقیہ اُس وقت تک بچایا نہیں جائے گا جب تک مسیح زمین پر واپس نہ آجائے اور بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند تسلیم نہ کیا جائے گا۔

”تمام اسرائیل نجات پائے گا۔ اس سے پولس کا مطلب ہے ایمان لانے والا ”تمام اسرائیل“۔ قوم کا ایمان نہ لانے والا حصہ مسیح کی دوسری آمد کے موقع پر ہلاک کیا جائے گا (زکریا ۱۳: ۸)۔ بادشاہی میں داخل ہونے کے لئے صرف وہی بچیں گے جو کہیں گے ”مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے“۔

جب یسعیاہ نے کہا کہ ”چھڑانے والا صیغوں سے نکلے گا اور بے دینی کو یعقوب سے دفع کرے گا“ (یسعیاہ ۵۹: ۲۰) تو وہ اسی بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ غور کریں کہ یہ مسیح کا بیت لحم میں آنا نہیں بلکہ اُس کا ”صیغوں“ میں آنا ہے۔ یعنی اُس کی دوسری آمد۔

۲۷: ۱۱۔ یسعیاہ ۲۷: ۹ اور یرمیاہ ۳۱: ۳۳، ۳۴ میں بھی اسی وقت کا حوالہ ہے، جب خدا نے ”عمد“ کی شرائط کے ساتھ اُن کے گناہوں کو دور کرے گا۔

۲۸: ۱۱۔ ہم اسرائیل کی موجودہ حیثیت کو مختصراً بیان کرنے کے لئے پہلے یوں کہہ سکتے ہیں کہ ”انجیل کے اعتبار سے تو وہ تمہاری خاطر دشمن ہیں“۔ ”دشمن“ اس مفہوم میں ہیں کہ اُن کو برطرف کیا گیا ہے، ایک طرف کر دیا گیا ہے۔ خدا کی مقبولیت سے محروم کیا گیا ہے تاکہ خوشخبری غیر قوموں تک پہنچ سکے۔

مگر یہ صرف آدھی تصویر ہے کیونکہ ”برگزیڈنگ کے اعتبار سے باپ دادا کی خاطر پیارے ہیں“۔ باپ دادا کون؟ بلاشبہ ابراہام، اسحاق اور یعقوب۔

۲۹: ۱۱۔ اُن کے ابھی تک ”پیارے“ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی نعمتیں اور بلاؤں ”کبھی منسوخ نہیں ہوتا۔ خدا اپنی نعمتیں کبھی واپس نہیں لیتا۔ جب ایک دفعہ وہ غیر مشروط وعدہ کر لیتا ہے تو وہ اُس سے ہرگز پھرتا نہیں۔ اُس نے اسرائیل کو وہ خاص استحقاق دے جن کی فہرست ۹: ۴، ۵ میں درج ہے۔ اُس نے اسرائیل کو اپنی زمین اُمت ہونے کے لئے بُلایا (یسعیاہ ۴۸: ۱۲)، اُن کو دوسری قوموں سے الگ کیا۔ کوئی چیز اُس کے ارادوں کو بدل نہیں سکتی۔

۳۰: ۱۱۔ ایک وقت تھا کہ غیر قومیں بے ترتیب اور نافرمان تھیں۔ لیکن جب اسرائیل نے مسیح موجود اور نجات کی خوشخبری کی تحقیر کی، تو خدا ”رحم“ کے ساتھ غیر قوموں پر متوجہ ہو گا۔

۳۱: ۱۱۔ کچھ اس سے جلتا جلتا واقعات کا ایک سلسلہ مستقبل میں رونما ہو گا۔ اسرائیل کی نافرمانی کے بعد ”رحم“ ہو گا، جب غیر قوموں پر ”رحم“ ہونے کے باعث اُن کو غیرت آئے گی۔ بعض لوگ تعلیم دیتے ہیں کہ غیر قومیں یہودیوں پر رحم کریں گی تو وہ بحال ہوں گے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا نہیں۔ اسرائیل کی سماجی خداوند یسوع کی دوسری آمد کے باعث ہوگی (ملاحظہ کریں، ۲۶: ۲۷)۔

۳۲: ۱۱۔ پہلی نظر میں اس آیت سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے یہودیوں اور غیر قوموں دونوں



کو جبراً بے ایمانی میں گرفتار ہونے دیا اور وہ اس کے بارے میں قطعاً کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر یہاں خیال یہ نہیں ہے۔ بے ایمانی تو اُن کا اپنا عمل تھا۔ آیت یہ کہہ رہی ہے کہ خدا نے دیکھا کہ یہودی اور غیر توہین دونوں نافرمان ہیں، تو اُس نے اُن دونوں کو اسی حالت میں گرفتار رہنے دیا، تاکہ اُن کے لئے خدا کی شرائط قبول کئے بغیر نکلنے کا کوئی اور راستہ نہ ہو۔

اس "نافرمانی" نے موقع فراہم کر دیا کہ خدا یہودیوں اور غیر توہینوں "سب پر رحم فرمائے"۔ یہاں عالمگیر نجات (ہر ایک انسان کے نجات پانے) کا کوئی تصور نہیں۔ خدا نے غیر توہینوں پر "رحم" فرمایا ہے اور ابھی یہودیوں پر بھی "رحم" فرمائے گا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر ایک نجات پائے گا۔ یہاں "رحم" توئی خطوط پر دکھایا جا رہا ہے۔ جارج ویلمز کہتا ہے :

"خدا نے یہودی اور غیر یہودی سب کو آزمایا، اور دونوں ہی آزمائش میں ناکام ثابت ہوئے۔ چنانچہ اُس نے اُن کو بے ایمانی میں گرفتار کر دیا، کیونکہ ظاہر اور ثابت ہو گیا تھا کہ یہ ناپاہل ہیں، اور خدا کی نظر میں مقبول ٹھہرنے کا ہر دعویٰ اور ہر سچی کھوپڑی ہے۔ وہ اپنے فضل کی بے قیاس دولت کے مطابق اُن سب پر رحم کر سکتا ہے۔"

۱۱:۳۳۔ یہ اختتامی حمدِ خدا پرور سے خط اور خدا کے اُن سارے عجائبات کا جائزہ لیتی ہے جن پر سے اب تک پردہ اٹھایا جا چکا ہے۔ پورس نے نجات کے اُس تعجب خیز منصوبے کی وضاحت کر دی ہے جس سے خدا بے دین گنہگاروں کو نجات دے سکتا اور پھر بھی عادل رہ سکتا ہے۔ اُس نے دکھا دیا ہے کہ مسیح کے کام سے خدا کو زیادہ جلال اور انسانوں کو زیادہ برکت ملی بمقابلہ اُس نقصان کے جو آدم کے گناہ سے ہوا تھا۔ اُس نے واضح کر دیا ہے کہ فضل وہ پاکیزہ زندگی پیدا کرتا ہے جو شریعت کبھی نہ کر سکتی تھی۔ اُس نے علم سابق سے لے کر آخر کو جلال دینے تک خدا کے ارادے کے اُس سلسلے کا بیان کر دیا ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا۔ اُس نے خدا کی طرف سے چٹاؤ کا عقیدہ اور اُس کے ہمسر انسانی ذمہ داری کا عقیدہ کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اور اسرائیل اور دوسری قوموں کے ساتھ خدا کے انتظامی سلوک میں انصاف اور ہم آہنگی کی وضاحت کر دی ہے۔ اب اس سے زیادہ موزوں اور مناسب بات کیا ہو سکتی ہے کہ حمد و ستائش کا نغمہ چھیڑا جائے۔

"واہ! خدا کی دولت اور حکمت اور علم کیا ہی عمیق ہے!"

خدا کی "دولت"! وہ رحم، محبت، فضل، وفاداری، قدرت اور بھلائی میں دولت مند ہے۔ خدا کی "حکمت"! اُس کی حکمت لامحدود دریافت سے باہر، بے مثل اور ناقابل شکست ہے۔

خدا کا علم! خدا عالم کُل ہے۔ وہ ماضی، حال اور مستقبل کی ہر بات، ہر امکانی بات، ہر امر واقعی، تمام واقعات، تمام مخلوقات کو جانتا ہے۔

”اُس کے فیصلہ کس قدر ادراک سے پرے ہیں! وہ اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ فانی ذہن اُن کو سمجھ نہیں سکتے۔ اُس کی ”راہیں“ جس سے وہ تخلیق، تاریخ، مخلصی اور رزق کو ترتیب دیتا ہے ہماری محدود سمجھ سے پرے ہیں۔“

۱۱: ۳۴۔ کوئی مخلوق ”خداوند کی عقل“ کو جان نہیں سکتا تا وقتیکہ وہ خود ظاہر نہ کرے۔ پھر بھی دھندلی سی نظر آئے گی جیسے ہم آئینہ دیکھتے ہیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۳: ۱۲)۔ کوئی اہل نہیں کہ خدا کو صلاح دے۔ اُس کو ہماری صلاح کی ضرورت نہیں، اور نہ ہماری صلاح سے کوئی فائدہ ہوگا (دیکھیے یسعیاہ ۴۰: ۱۳)۔  
۱۱: ۳۵۔ نہ کبھی کسی نے خدا کو احسان مند کیا ہے (دیکھیے یلوب ۴۱: ۱۱)۔ ہماری طرف سے کون سا ایسا انعام یا تحفہ ہے جو اُس ازلی وابدی کو ہمارا احسان مند بنا سکے؟

۱۱: ۳۶۔ وہ قادر مطلق جامع بالذات ہے۔ وہ ہر نیکی کا سرچشمہ ہے۔ وہ کائنات کو قائم رکھنے اور کنٹرول کرنے والی قوتِ عاملہ ہے۔ اور وہ غرضِ اولیٰ ہے، جس کے لئے سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں۔ ہر چیز کا مقصد اُس کی جلال دینا ہے۔  
”اُس کی تعجیدِ ابد تک ہوتی رہے۔ آمین!“

## ۳۔ فرائض — فضل کی خوشخبری کے مطابق زندگی گزارنا

(الباب ۱۲-۱۶)

رومیوں کے خط کا باقی حصہ اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ جو فضل سے راست باز ٹھہرائے گئے ہیں، اُن کی روزمرہ زندگی کا اندازہ کیسا ہونا چاہئے؟ پورس ہمارے مختلف فرائض کا بیان کرتا ہے۔ مثلاً دوسرے ایمان داروں کے ساتھ تعلق، معاشرے میں ہماری ذمہ داریاں، دشمنوں کے ساتھ رویہ، حکومت کے ساتھ تعلق، اور اپنے کمزور بھائیوں کے سلسلے میں ہمارے فرائض۔

### ۱۔ شخصی پاکیزگی (۱۲: ۱-۲)

۱۱: ۱۲۔ الباب ۱-۱۱ میں خدا کی رحمتوں کا بیان ہوا ہے۔ ”خدا کی رحمتوں“ پر سنجیدگی سے غور کریں تو صرف ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ چاہئے کہ ہم اپنے بدن ایسی قربانی ہونے کے لئے مندر کریں

جو زمرہ اور پاک اور خدا کو پسندیدہ ہو۔ ”بدن“ سے مراد ہمارے تمام اعضاء، بلکہ ہماری پوری زندگی ہے۔

سب کچھ وقف کر دینا ہی ”معقول عبادت“ ہے۔ یہ ”معقول عبادت“ ان معنوں میں ہے کہ اگر خدا کے بیٹے نے میرے لئے جان دی ہے تو اُس کے لئے میں جو کم سے کم کر سکتا ہوں یہ ہے کہ اُس کی خاطر جیوں۔ پھر میں اُس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہوں۔  
یہ الفاظ عظیم برطانوی اٹھلیٹ سسی۔ ٹی۔ سٹڈ کے ہیں۔ آنرک وارٹ کے عظیم گریٹ کے الفاظ بھی یہی بات کہتے ہیں:

کُل دُنیا گم ہو میرے پاس      اِس پیار کے سانس سے ناچیز  
الٹی پیار اپنا لے خاص      دل، جان اور میرے سب عزیز

(سیالکوٹ کنوینشن گیت کی کتاب - ص ۱۱۵)

”معقول عبادت“ کا ترجمہ ”روحانی عبادت“ بھی ہو سکتا ہے۔ ہم ایمان دار اور کامل ہیں۔ ہم خدا کے حضور جانوروں کی قربانیاں لے کر نہیں آتے، بلکہ روحانی قربانیاں یعنی وہ زندگیاں جو اُس کے سپرد کر دی گئی ہیں لے کر آتے ہیں۔ ہم اپنی خدمت (رومیوں ۱۵: ۱۶)، حمد (عبرانیوں ۱۳: ۱۵) اور ہر طرح کی ملکیت (عبرانیوں ۱۳: ۱۶) بھی اُس کی نذر کرتے ہیں۔

۲: ۱۲۔ پائرس ہم کو تاکید کرتا ہے کہ ”اِس جہان کے ہم شکل نہ ہو“۔ فلپس اِس خیال کو یوں بیان کرتا ہے کہ ”دُنیا کو موقوف نہ دو کہ تمہیں دبا کر اپنے سانچے میں ڈھال لے۔“ جب ہم خدا کی بادشاہی کا رخ کرتے ہیں تو ضرور ہے کہ دُنیوی طرز فکر اور دُنیوی طرز زندگی کو خیر یاد کہہ دیں۔

”جہان“ (لفظی معنی زمانہ) کا جہاں مطلب ہے ’معاشرہ‘ یا وہ نظام جو انسان نے تشکیل اور ترتیب دیا ہے تاکہ اِس میں خدا کے بغیر خوش رہے۔ یہ وہ بادشاہی ہے جو خدا کی مخالف اور دشمن ہے۔ اِس جہان کا خدا اور سردار شیطان ہے (۲۔ کرنتھیوں ۴: ۴؛ یوحنا ۱۲: ۳۱؛ ۱۴: ۳۰؛ ۱۶: ۱۱)۔ وہ سب جو مسیح یسوع پر ایمان نہیں لاتے اُس کی رعایا ہیں۔ وہ آنکھوں کی خواہش اور جسم کی خواہش اور زندگی کی شخصی (۱۔ یوحنا ۲: ۱۶) سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے اور اپنے قبضہ میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ دُنیا کا سب کچھ الگ ہے، اِس کی سیاست، فنون، موسیقی، مذہب، تفریحات، انداز فکر اور طرز زندگی، سب کچھ اِس کا اپنا ہے۔ اور دُنیا کو شش کرتی ہے کہ سب میری تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کے مطابق ڈھل جائیں۔ وہ مسیح اور اُس کے پیروؤں سے تو اُس کے

سانچے میں ڈھلنے کو تیار نہیں عداوت رکھتی ہے۔

یسح ہمیں "اس جہان" سے چھڑانے کے لئے مٹوا۔ دُنیا ہمارے اعتبار سے مصلوب ہوئی اور ہم دُنیا کے اعتبار سے مصلوب ہوئے۔ اگر ایمان دار دُنیا سے محبت رکھیں تو یہ خداوند سے قطعی بے وفائی ہوگی۔ جو کوئی دُنیا سے محبت رکھتا ہے، وہ خدا کا دشمن ہے۔

جس طرح یسح دُنیا کا نہیں اسی طرح ایمان دار دُنیا کے نہیں۔ البتہ اُن کو دُنیا میں بھیجا گیا ہے کہ گواہی دیں کہ اُس کے کام برسے ہیں۔ اور کہ اُن سب کے لئے نجات دستیاب ہے جو خداوند یسوع یسح پر ایمان لاتے ہیں۔ ہمیں صرف دُنیا سے الگ ہی نہیں رہنا، بلکہ عقل نئی ہو جانے سے اپنی صورت بھی بدلتے جانا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم اُس انداز سے سوچیں جیسے خدا سوچتا ہے۔ اور خدا کے سوچنے کا انداز بائبل مقدس میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم اپنی زندگیوں میں خدا کی براہ راست لاپتہائی کا تجربہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اُس کی مرضی "ناخوش گوار اور سخت نہیں بلکہ نیک اور پسندیدہ اور کارل ہے۔"

پتھانچے خدا کی مرضی معلوم کرنے کی تین کلیدیں ہیں: اول، نذر شدہ بدن۔ دوم، مخصوص شدہ زندگی۔ سوم، تبدیل شدہ عقل۔

## ب۔ رُو حانی نعمتوں کے ذریعے سے خدمت کرنا (۱۲: ۳-۸)

۱۲: ۳۔ پُلُوس کو خداوند یسوع کا رسول ہونے کی "توفیق" ملی تھی۔ یہاں وہ اسی "توفیق" کے مطابق بات کرتا ہے۔ اب وہ مختلف قسم کی سیدھی اور ٹیٹھی سوچوں سے بچنے لگا۔

پہلے وہ کہتا ہے کہ انجیل میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے کسی کی حوصلہ افزائی ہو کہ احساس برتری رکھے۔ وہ ناکید کرتا ہے کہ ہم اپنی نعمتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے حلیم اور فروتن رہیں۔ ہمیں اپنی اہمیت کے بارے میں بڑی رائے نہیں رکھنی چاہئے۔ نہ ہم دوسروں سے جلیں اور حسد کریں بلکہ ہم کو احساس اور شعور ہونا چاہئے کہ ہر شخص کی کتاب ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو اپنے خداوند کے لئے کوئی نہ کوئی اہم کام کرنا ہے۔ خدا نے ہر ایک کو "بدن میں" ایک خاص مقام دے رکھا ہے۔ ہمیں اپنے اپنے مقام سے خوش ہونا چاہئے، اور جو قوت خدا سے ملی ہے اُس کے مطابق اپنی نعمتوں کو کام میں لانا چاہئے۔

۱۲: ۴۔ انسانی بدن میں بہت سے اعضاء ہوتے ہیں۔ لیکن ہر عضو کا کام الگ الگ اور بے مثال

ہے۔ بدن کی صحت اور بہبود کا انحصار ہر ایک عضو کے صحیح اور موڈوں کام کرنے پر ہے۔

۱۲: ۵۔ یہی حال "یسح کے بدن" کا ہے۔ اس میں اتحاد (ایک بدن) اور متنوع (بہت سے)

اور باہمی انحصار (ایس میں ایک دوسرے کے اعضاء) ہے۔ ہم کو جو نعمتیں بھی ملی ہیں وہ خود غرضانہ استعمال یا دکھارے کے لئے نہیں بلکہ ”بدن“ کی ترقی اور بہبود کے لئے ہیں۔ کوئی نعمت بھی نہ خود کفیل ہے نہ غیر ضروری۔ جب ہم یہ بات سمجھ لیتے ہیں تو ہماری سوچ (اعتدال) (۲:۱۲) ہوتا ہے۔

۶:۱۲۔ اب پوکس بعض ”نعمتوں“ کو استعمال کرنے کے لئے ہدایات دیتا ہے۔ اس فہرست میں ساری ”نعمتیں“ شامل نہیں ہیں۔ یہ فہرست ایمائی ہے جامع و مانع نہیں۔

جو ترفیق... ہم کو دی گئی اس کے موافق ہماری نعمتیں بھی ”طرح طرح“ کی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں خدا مختلف لوگوں کو مختلف ”نعمتیں“ عطا کرتا ہے۔ اور ان نعمتوں کو استعمال کرنے کے لئے قوت یا لیاقت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ہماری ذمہ داری ہے کہ خدا کی عطا کردہ ان لیاقتوں کو اچھے مختاروں کی طرح استعمال کریں۔

جن کو ”نبوت“ کی نعمت ملی ہو، چاہے کہ وہ ایمان کے اندازہ کے موافق نبوت کریں۔ نبی خدا کی جگہ بولنے والا (نمائندہ) ہوتا ہے۔ وہ خدا کے کلام کا اعلان کرتا ہے۔ وہ پیشین گوئی بھی کر سکتا ہے لیکن پیشین گوئی نبوت کا لازمی عنصر نہیں ہے۔ ہوج رکھتا ہے کہ ابتدائی کیسیا میں وہ لوگ نبی کہلاتے تھے جو براہ راست خدا کے رُوح کے زیر اثر بولتے اور خدا کا وہ پیغام دیتے تھے جو حالت کے مطابق عقیدہ کی سچائیوں سے، موجودہ اخلاقی تقاضے سے اور آنے والے واقعات سے مناسبت رکھتا ہو۔ ان کی خدمت ہمارے لئے نئے عہد نامہ میں محفوظ کر دی گئی ہے۔ چونکہ ایمان مقدسوں کو ایک ہی بار سونپ دیا گیا ہے (ملاحظہ کریں یہوداہ ۳) اس لئے اب مجملہ مسیحی عقیدہ میں کسی الہام یا نبوت سے کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آج نبی وہ شخص ہے جو بائبل مقدس میں ظاہر کی گئی خدا کی مرضی کا اعلان کرتا ہے۔ سٹرونگ کہتا ہے

”آج کی ساری نبوت فقط مسیح کے پیغام کی دوبارہ نشر و اشاعت ہے، اسی

سچائی کا اعلان اور تفسیر ہے جو پاک نوشتوں میں ظاہر کر دی گئی ہے۔“

ہم میں سے جنہوں کو ”نبوت“ کی نعمت ملی ہے، چاہے کہ وہ سب اپنے ایمان کے اندازہ کے موافق نبوت کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے قاعدہ اور معیار کے مطابق — یعنی پاک نوشتوں میں پائے جانے والے مسیحی ایمان کے عقائد کے مطابق — یا اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے ایمان کے تناسب سے ”یعنی جس قدر ایمان خدا نے نبوت کرنے والے کو دیا ہے۔“

۷:۱۲۔ ”خدمت“ بہت وسیع لفظ ہے۔ مطلب ہے خداوند کی خدمت۔ اس میں

(آج کل کے مفہوم کے مطابق) خادم دین کا منصب، فرائض یا کام شامل نہیں۔ جس شخص کو خدمت کی نعمت ملتی ہے وہ خادم کا دل رکھتا ہے۔ وہ خدمت کرنے کے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے اور کسی ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

”معلم“ وہ شخص ہوتا ہے جو خدا کے کلام کی وضاحت کرنے کے قابل ہو، اور وہ وضاحت سُننے والوں کے دلوں کو لگے۔ ہمیں کوئی بھی نعمت ملی ہو، ہمیں پورے دل سے اُس کے لئے وقف ہو جانا چاہئے۔

۸:۱۲۔ نصیحت ”وہ نعمت ہے جس سے مُقتدسین کو ہر قسم کی بُرائی کی مزاحمت کرنے اور پاکیزگی اور خدمت میں مسرع کے لئے نئی کامیابی حاصل کرنے پر اکسایا جاتا ہے۔

”خیرات“۔ یہ ایک الہی صفت ہے، جو انسان میں دوسروں کی ضروریات کو جان لینے اور پھر اُن کی مدد کرنے کا رجحان اور میلان پیدا کرتی ہے۔ ”خیرات بانٹنے والا سخاوت سے بانٹے۔“

”پیشوائی“ کی نعمت بلاشبہ مقامی کلیسیا کے بزرگوں (ایڈٹروں اور ڈیکنوں) کے کام سے تعلق رکھتی ہے۔ ایڈٹر ایک نائب چوپان ہوتا ہے جس کا کام گائے کے آگے آگے چلانا ہے۔ اُس کو یہ خدمت بڑی توجہ اور ”سرگرمی“ سے ادا کرنی چاہئے۔

”رحم“ کرنا ایک فوق الفطرت صلاحیت ہے۔ یہ مصیبت زدوں کی مدد کرنے کی صلاحیت ہے۔ رحمن کے پاس یہ نعمت ہے چاہئے کہ وہ اسے ”خوشی سے“ بروئے کار لائیں بلاشبہ ہم سب کو رحم کرنا چاہئے اور خوشی سے کرنا چاہئے۔

ایک دفعہ ایک مسیحی خاتون نے کہا ”جیب میری ماں بوڑھی ہو گئی، اور ضرورت ہوئی کہ کوئی اُس کی دیکھ بھال کرے تو میں نے اور میرے خاوند نے اُس کو دعوت دی کہ ہمارے ہاں آجائے۔ میں اُس کے آرام کے لئے سب کچھ کرتی تھی، اُس کے لئے کھانا پکاتی، اُس کے کپڑے دھوتی، کاریں اُسے میرا کرنے لے جاتی اور ساری ضروریات کا خیال رکھتی تھی۔ اپنے تحت الشعور میں مجھے اس بات سے نفرت تھی کیونکہ ہمارے روزمرہ کے معمولات میں خلل آگیا تھا۔ اندر سے میں ناراض تھی۔ کبھی کبھی میری ماں مجھے کہتی اب تم مسکراتی نہیں ہو؟ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں رحم کرتی تھی، لیکن خوشی سے نہیں کرتی تھی۔“

## ج۔ معاشرے کے ساتھ تعلق (۱۲: ۹-۲۱)

۹: ۱۲۔ اس کے بعد پورس اُن خصوصیات کی تفصیل دیتا ہے جن کو ہر ایمان دار کو اپنے کردار میں اپنا کر دوسرے مسیحیوں اور بے ایمان لوگوں کے ساتھ میل جول میں بروئے کار لانا چاہئے۔

”محبت بے ریا ہو۔“ اسے کوئی نقاب نہیں پہننا چاہئے بلکہ بے ساختہ اور مخلص ہو۔ ہر قسم کی بناوٹ سے خالی ہو۔

ہمیں ہر قسم کی ”بدی سے نفرت“ کرنی اور ہر قسم کی ”نیکی سے پلٹ“ رہنا چاہئے۔ اس منظر میں ”بدی“ سے غالباً وہ تمام رویے اور اعمال مراد ہیں جن میں محبت کا فقدان ہوتا ہے اور نفرت اور کینہ دہری پائی جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں ”نیکی“ سے مراد فوق الفطرت محبت کا ہر اظہار ہے۔

۱۰:۱۲۔ جو لوگ ایمان کے گھرنے کے ہیں ان کے ساتھ ہمارے تعلق میں محبت اور یگانگت ہونی چاہئے۔ سرد مہری اور بے پروائی نہیں ہونی چاہئے۔ قبولیت کا انداز رسمی نہیں ہونا چاہئے۔

ہمیں اپنی نہیں بلکہ دوسروں کی عزت افزائی سے خوش ہونا چاہئے۔ ایک دفعہ خدا کا ایک پیارا خادم ایک میزنگ سے پیٹے چند سر کردہ لوگوں کے ساتھ بغلی کرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کئی ایک افراد سٹیج پر پہنچ گئے۔ پھر اس کی باری آئی۔ وہ دروازے میں نمودار ہوا تو تعریف و تحسین کے ساتھ تالیوں کا شور بلند ہوا۔ وہ بھی جلدی سے ایک طرف کھڑا ہو کر تالیاں بجانے لگا تاکہ اس تعریف و تحسین میں حصہ دار نہ بنے جو اس کے خیال میں دوسروں کے لئے تھی۔

۱۱:۱۲۔ مافظ نے اس آیت کا بہت خوبصورت ترجمہ کیا ہے ”اپنے جوش کو ماند نہ پڑنے دو۔ روحانی چمک برقرار رکھو۔ خداوند کی خدمت کرتے رہو۔“ یہاں ہمیں یرمیاہ ۴۸:۱۰ کے الفاظ یاد آتے ہیں۔ ”جو خداوند کا کام بے پروائی سے کرتا ہے... ملعون ہو۔“

۱۲:۱۲۔ ہمارے موجودہ حالات کیسے بھی ہوں ہمیں اپنی ”امید میں خوش“ رہنا چاہئے۔ امید کیا ہے؟ ہمارے منجی کی دوسری آمد، ہمارے بدن کی مخلصی اور جلالا ابدی جلال۔ رسول نصیحت کرتا ہے کہ ”مہیبت میں صابر“ رہو۔ یہاں اُسے دلیری اور حوصلے سے برداشت کرتے رہو۔ ایسی برداشت ساری باتوں پر غالب آتی ہے، اور مہیبت اور خوراک کو خوشی اور جلال میں ڈھال دیتی ہے۔ نیز ہمیں ”دعا کرنے میں مشغول“ رہنا چاہئے تاکہ کام ہو اور فتوحات حاصل ہوں۔ ”دعا“ ہماری زندگیوں میں قوت اور دلوں میں تسلی و اطمینان لاتی ہے۔ جب ہم خداوند یسوع کے نام میں دعا مانگتے ہیں تو ہمیں ہمہ گیر قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب دعا مانگنے سے گریز یا غفلت کرتے ہیں تو اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

۱۲:۱۳۔ حاجت مند ”مقدسین“ تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔ بے روزگار، بیماری کے اخراجات سے بڈھال، غیر معروف جگہوں میں خدمت کرنے والے بھولے، بسنے، شہزادی اور بیشر، عمر رسیدہ بزرگ شہری جن کے وسائل ختم ہو چکے ہیں، یہ سب ہماری توجہ کے مستحق ہیں۔ مسیح کے بدن میں حقیقی زندگی

بسر کرنے کا مطلب ہے، حاجت مندوں کو اپنے وسائل اور برکات میں شریک کرنا۔

ضرورت مند سے بستریا کھانے سے کبھی دریغ نہ کرو۔ ”مسافر پروری“ کا وصف تو ختم ہی ہوتا جا رہا ہے۔ مسافر مسیحوں کو قبول نہ کرنے کے لئے عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ہمارا گھر چھوٹا ہے، ہمارے اپارٹمنٹ میں اتنی گنجائش نہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ خدا کے فرزندوں کی مہمان نوازی کرنا، خود خداوند کی مہمان نوازی کرنا ہے۔ ہمارا گھر بیت عنیاہ کے اُس گھر کی مانند ہونا چاہئے جہاں لیسوع کو جلا بہت پسند تھا۔

۱۴:۱۲۔ ہماری بلا ہٹ ہے کہ اپنے رستے والوں سے وہ سلوک نہ کریں جو وہ ہم سے روار کھنے ہیں، بلکہ اُن سے مہربانی سے پیش آئیں اور اُن کے لئے ”برکت چاہیں“۔ بدسلوکی اور آزار کا بدلہ مہربانی اور نیک سلوک سے دینے کے لئے پاکیزہ مزاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ طبعی رد عمل تو گالیاں دینے، لعنت کرنے اور بدلہ لینے پر اُکساتا ہے۔

۱۵:۱۲۔ ”ہم دردی“ وہ صلاحیت ہے جس سے انسان دوسروں کے احساسات اور جذبات میں شریک ہوتا ہے۔ ہمارا رجحان تو یہ ہوتا ہے کہ دوسرے خوش ہوں تو ہم جلتے ہیں، وہ غمگین ہوں، ماتم کر رہے ہوں تو لباس سے یوں گزر جاتے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہم جنسوں کی خوشیوں اور غموں میں برابر کے شریک ہوں۔

۱۶:۱۲۔ ”آپس میں ایک دل رہو“۔ مراد یہ نہیں کہ غیر ضروری باتوں میں بھی اتفاق رائے رکھیں۔ یہاں ذہنی یکسانیت کی بجائے زیادہ مفہوم تعلقات میں ہم آہنگی ہے۔

ظاہر داری سے ہر نعمت پر بچنا چاہئے۔ اور جس طرح ہم اہل ثروت اور بلند مرتبت لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسی طرح اُن لوگوں کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے جن کو ”ادنیٰ“ اور کم تر سمجھا جاتا ہے۔ ایک مشہور مسیحی آیا تو جس کلیسیا میں اُسے پیغام دینا تھا، وہاں کے جمیدہ جمیدہ اور سرکردہ ممبران نے ہوائی اڈے پر جا کر اُس کا استقبال کیا۔ بڑی سی شان دار کار میں اُسے ایک نہایت عمدہ ہوٹل میں پہنچایا۔ اُس نے پوچھا ”باہر سے آنے والے مبشرین کا مہمان داری اکثر کون کرتا ہے؟“ انہوں نے بتایا کہ ایک ٹھمر سیدہ جوڑا ہے جو قریب ہی ایک سادہ سے گھر میں رہتا ہے۔ ”میں بھی وہیں ٹھہرنا پسند کروں گا“ اُس مبشر نے کہا۔

رسول خبردار کرتا ہے کہ ایمان دار اپنے آپ کو عقل مند نہ سمجھے۔ ہمیں یہ شعور ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اوپر سے نہ ملی ہو۔ اس طرح ہم خود بینی سے بچے رہ



سکتے ہیں۔

۱۷:۱۲۔ ”بدی کے عوض... بدی“ کرنا دنیا کا عام دستور ہے۔ لوگ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہیں۔ لیکن مخلصی یافتہ زندگیوں میں انتقام لینے سے خوشی نہیں ہونی چاہئے بلکہ اُن کو بدسلوکی اور ناروا برتاؤ کا جواب ”اچھی باتوں“ یعنی خوش اخلاقی اور نیک سلوک سے دینا چاہئے۔ انہیں ہر قسم کے حالات میں یہی رویہ رکھنا چاہئے۔ ”تدبیر کرو“ میں یہ مفہوم ہے کہ شعوری طور پر کوشش اور بندوبست کرو۔

۱۸:۱۲۔ مسیحیوں کو بلاوجہ اشتعال انگیز اور جھگڑاؤ نہیں ہونا چاہئے۔ غصے اور تہر اور لڑائی سے خدا کی راست بازی کی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ ضرور ہے کہ ہم ”میل ملاپ“ کو پسند کریں، میل ملاپ پیدا کریں اور میل ملاپ رکھیں۔ جب ہم کسی کو ناراض کرتے ہیں، یا کوئی دوسرا ہمیں ناراض کرتا ہے تو چاہئے کہ جب تک میل ملاپ نہ ہو جائے ہم چین آرام سے نہ بیٹھیں۔

۱۹:۱۲۔ جب ہم پر زیادتی ہوتی ہے تو بدلہ لینے کی خواہش کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ ”غضب کو موقع دو“ کا مطلب ہے کہ سارا معاملہ خدا پر چھوڑ دو، اور مزاحمت نہ کرو۔ صلح پسندی کی روح کو کام کرنے دو۔ آیت کا دوسرا حصہ اس تشریح کی حمایت کرتا ہے کہ ”مجھے ہٹ جاؤ اور خدا کے غضب“ کو کام کرنے کا موقع دو۔ ”انتقام لینا“ خدا کا حق منصبی ہے۔ ہمیں اُس کے حق میں ہرگز مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ وہ موزوں وقت پر مناسب طور پر بدلہ دے گا۔ لیتسکی لکھتا ہے:

”غلط کام کرنے والوں کی سزا کا مسئلہ خدا نے عرصہ بڑھائے کر دیا تھا۔ اُن میں سے ایک بھی نہیں بچے گا۔ ہر منٹ میں پورا پورا انصاف کیا جائے گا، اور پورے طور پر کیا جائے گا۔ اگر ہم مداخلت کرتے ہیں تو انتہائی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔“

۲۰:۱۲۔ مسیحیت عدم مزاحمت سے بہت آگے بڑھ کر عملی نیک خواہی تک پہنچتی ہے۔ مسیحیت اپنے دشمنوں کو تشدد سے ختم نہیں کر دیتی بلکہ محبت سے جیت لیتی ہے۔ ”دشمن ٹھوکرا ہو“ تو اُس کو کھانا کھلاتی ہے۔ پیاسا ہو تو اُس کو پانی پلاتی ہے۔ اس طرح دشمن کے سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر لگاتی ہے۔ اگر ”آگ کے انگاروں“ کا سلوک ظالمانہ معلوم ہوتا ہے تو وجہ یہ ہے کہ اس محاورہ کو درست طور پر سمجھا نہیں جاتا۔ کسی شخص کے سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر لگانے کا مطلب ہے کہ اُس کے ساتھ غیر رسمی اور غیر متوقع طور پر نیکی اور مہربانی کا سلوک کر کے اُسے شرمسار کرنا، ایسا کہ وہ سر نہ اٹھاسکے۔

۲۱:۱۲- ڈاربی اس آیت کے پچھلے حصے کی تشریح یوں کرتا ہے کہ اگر میری بد مزاجی آپ کو غصہ دلاتی ہے تو آپ بدی سے مغلوب ہو گئے ہیں۔

عظیم حبشی سائنسدان جارج واشنگٹن کارور نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ”میں کسی شخص کو کبھی ہوتے نہیں دوں گا کہ وہ میرے دل میں اپنے لئے لعنہ نفرت پیدا کر کے میری زندگی برباد کر دے۔ وہ ایمان دار تھا۔ اس لئے اس بات پر آمادہ نہیں تھا کہ بدی اسے مغلوب کر لے۔

”بلکہ نیکی کے ذریعہ سے بدی پر غالب آؤ۔“ مسیحی تعلیم کی خصوصیت ہے کہ صرف ممانعت پر نہیں رگ جاتی بلکہ مثبت پہلو کی نصیحت بھی کرتی ہے۔ ”نیکی“ کے ذریعہ سے ”بدی پر غالب“ آسکتے ہیں۔ نیکی وہ ہتھیار ہے جس کو ہر وقت استعمال کرتے رہنا چاہئے۔

سائنس کو لنگن سے زہرناک نفرت تھی۔ وہ کہتا تھا کہ گوریلے کی تلاش میں افریقہ جانا حماقت ہے کیونکہ اصلی گوریلا تو یہاں سپرنگ فیلڈ، الائنس میں موجود ہے۔ لنگن ایسی باتوں کو ہنس کر ٹال دیتا تھا۔ بعد میں لنگن نے سائنس کو وزیر جنگ کے عہدہ پر مامور کر دیا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ وہ اس عہدہ کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ جب لنگن کو گولی سے اڑا دیا گیا تو سائنس نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا، کہ لنگن عظیم ترین لیڈر تھا۔ محبت فتح مند رہی!

## د۔ حکومت کے ساتھ تعلق (۱:۱۳-۷)

۱:۱۳- جو لوگ ایمان کے وسیلے سے راست باز ٹھہرائے گئے ہیں، ان پر فرض ہے کہ انسانی حکومت کے تابع دار رہیں۔ اصل میں تو یہ فرض سب پر عائد ہوتا ہے۔ لیکن رسول یہاں خاص ایمان داروں سے مخاطب ہے۔ خدا نے طوفان نوح کے بعد انسانی حکومت قائم کی اور فرمایا کہ ”جو آدمی کا خون کرے، اُس کا خون آدمی سے ہوگا“ (پیدائش ۹:۶)۔ اس فرمان سے انسانوں کو اختیار مل گیا کہ وہ خودداری معاملات کا انصاف کریں اور قصور واروں کو سزا دیں۔

ضرور ہے کہ ہر منظم معاشرے میں حاکم ہوں اور ان حاکموں کی تابع داری کی جائے، ورنہ لا قانونیت پھیل جائے گی، اور لا قانونیت میں انسان زیادہ دیر تک قائم اور زندہ نہیں رہ سکتے۔ حکومت نہ ہونے سے کسی نہ کسی قسم کی حکومت ہونا بہتر ہے۔ اس لئے خدا نے انسانی حکومت قائم کی ہے۔ اُس کی مرضی کے بغیر کوئی حکومت نہ وجود میں آسکتی ہے نہ قائم رہ سکتی ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ بھی انسانی حکمران کرتے ہیں، خدا اُس کی منظوری دے دیتا ہے۔ یقیناً وہ

رشت خوری، ظلم و تشدد، دہشت گردی وغیرہ کو کبھی پسند نہیں کرتا! لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ جو حکومتیں وجود ہیں وہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔“

ایمان دار جمہوریت، آئینی شہنشاہیت بلکہ کلیئر آمرانہ حکومت میں بھی فتح مند زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی دنیوی حکومت ان لوگوں سے بہتر نہیں ہوتی جو اس کو تشکیل دیتے ہیں۔ اسی لئے کوئی بھی حکومت کامل نہیں ہے۔ واحد مثالی حکومت وہ فیض بخش شہنشاہیت ہے جس کا شہنشاہ خداوند یسوع مسیح ہے۔ یہ بات، خاص طور سے یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حکومت کی تابع فرمانی کے بارے میں یہ سطور اُس زمانے میں لکھی گئیں جب بد نام زمانہ نیرو شہنشاہ وقت تھا۔ یہ زمانہ مسیحیوں کے لئے نہایت تاریک دور تھا۔ نیرو نے اُن پر روم کو آگ لگانے (جو غالباً اُس نے خود ہی لگائی تھی) اور آدھا شہر تباہ ویرا یاد کر دینے کا الزام لگایا۔ اُس نے بہت سے ایمان داروں کو سچا، اُن کو تارکول جیسے ایک مائع میں ڈبو کر ترکیب، کھیلوں کے ساتھ باندھا اور زندہ جلایا۔ یہ انسانی مشعلیں اُس کی وحشیانہ تفریح کے جشن کو روشن کرنے کے کام آئیں۔ دوسروں کو اُس نے جانوروں کی کھالوں میں بسوا کر خودخوار کتوں کے آگے پھینکوا دیا۔ ان کتوں نے اُن کی بوٹی بوٹی نوج ڈالی۔

۲:۱۳۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ قائم ہے کہ جو شخص حکومت کی نافرمانی کرتا یا اُس کے خلاف بغاوت کرتا ہے وہ خدا کی جس نے حکومت قائم کی ہے، نافرمانی کرتا اور خدا کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ جو کوئی بھی جائز حکومت کے مخالف ہیں وہ سزا پائیں گے“ کیونکہ وہ سزا کے لائق ہیں۔

البتہ ایک استثنائی صورت حال بھی ہے۔ اگر حکومت گناہ کرے یا مسیح کے ساتھ وفا داری کے سلسلے میں مفاہمت کرنے کا حکم دیتی ہے تو مسیحی حکومت کی نافرمانی کرے گا (اعمال ۵: ۲۹)۔ کسی حکومت کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی بھی شخص کے دل اور ضمیر پر پابندی لگائے۔ چنانچہ ایسے مواقع آتے ہیں کہ مسیحی کو خدا کے حکم کی فرمانبرداری میں انسان کے غیض و غضب کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے مواقع پر اُس کو تیار رہنا چاہیے کہ بغیر بڑبڑائے، بے چوں و چرا اپنے ایمان کی قیمت ادا کرے۔ لیکن کسی بھی صورت میں کسی مسیحی کو حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کرنا چاہیے، نہ حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے کسی کا ساتھ دینے کی اجازت ہے۔

۳:۱۳۔ عام اصول تو یہ ہے کہ جو شخص بھی نیکی کرتا ہے اُس کو حاکموں سے ڈرنے اور خوف کھانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہوتی۔ حاکم کا خوف اُن کو ہوتا ہے جو قانون شکنی کرتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص بھی چالان، بھرمالوں، حاکموں کے سامنے پیشی اور قیدیا دیگر سزاؤں سے آزاد اور بے خوف رہنا چاہتا ہے، چاہئے کہ وہ قانون پسند اور فرمانبردار شہری کی زندگی بسر کرے۔ اسی صورت

میں حاکم اُس سے ناراض نہیں بلکہ خوش ہوں گے۔

۱۳:۲- حاکم کوئی بھی ہو مثلاً صدر، گورنر، میئر یا جج وہ "خدا کا خادم" ہوتا ہے۔ یعنی وہ خُداوند کا نمائندہ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر خُدا کو نہ جانتا ہو، تو بھی قانونی اور منصبی لحاظ سے خُداوند کا نمائندہ ہے۔ ایسی لے داؤد و شریب بادشاہ ساؤل کے حق میں بار بار کہتا تھا کہ وہ خُدا کا مسموح ہے (۱- سموئیل ۲۳: ۶، ۱۰، ۱۱، ۱۶، ۲۳)۔ ساؤل نے داؤد کو جان سے مار ڈالنے کی بار بار کوشش کی، لیکن داؤد نے نہ کبھی خُدا بادشاہ کو نہ ریہنچایا، نہ اپنے آدمیوں کو ایسا کرنے کی اجازت دی۔ کیوں؟ کیونکہ ساؤل رشا تھا اور اس لحاظ سے خُدا کا مقرر کردہ تھا۔

خُدا کے خادم ہونے کے باعث حاکموں کا فرض ہے کہ لوگوں کی "بہتری" کا خیال کریں۔ عوام کا تحفظ، امن و امان، عام فلاح و بہبود ان کے فرائض منصبی میں شامل ہیں۔ اگر کوئی شخص قانون شکنی کرتا ہے تو اسے یاد دہانا چاہئے کہ اُسے اس کی قیمت بھی ادا کرنا ہے، کیونکہ حکومت اُس پر مقدمہ چلانے اور اُسے سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ تلوار بے فائدہ لے لے ہوئے نہیں۔ ان الفاظ میں نہایت زور دار طریقے سے بیان کیا گیا ہے کہ اُن کو طاقت اور اختیار خُدا کی طرف سے تفویض ہوا ہے۔

"تلوار" دَصل قوت و اختیار کی کوئی بے ضرر علامت ہی نہیں ہے، شاہی عصا بھی یہ کام بخوبی انجام دیتا ہے، بلکہ "تلوار" حکمران کی حتمی، قطعی اور اساسی قوت یعنی سزائے موت دینے کی نمائندہ ہے۔ لہذا یہ کہنے سے بات نہیں بنتی کہ سزائے موت صرف پُرانے عہد نامہ کے دور کے لئے تھی، نئے عہد نامہ کے دور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یہاں نئے عہد نامہ میں یہ بیان درج ہے جس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی سنگین جرم کرتا ہے تو حکومت کو اسے سزائے موت دینے کا اختیار ہے۔ کئی لوگ اس کے خلاف دلیل دیتے ہوئے خروج ۲۰: ۱۳ کو پیش کرتے ہیں کہ "تو خون نہ کرنا"۔ لیکن اس حکم کا تعلق قتل عمد سے ہے۔ اور سزائے موت قتل عمد نہیں ہے۔ اصل عبرانی لفظ کے مطابق ترجمہ "تو قتل عمد نہ کرنا" ہوتا چاہئے۔ پُرانے عہد نامہ میں بعض سنگین جرائم کے لئے سزائے موت کا خصوصی حکم دیا گیا تھا۔

رسول دوبارہ یاد کرتا ہے کہ حاکم "خُدا کا خادم" ہے۔ لیکن اس دفعہ اس پر بھی توجہ دلاتا ہے کہ اُس کے غضب کے واثق بدکار کو سزا دیتا ہے۔ "اُس کے غضب" پر غور کریں۔ مراد یہ ہے کہ حاکم ہماری "بہتری" کے لئے "خُدا کا خادم" ہونے کے ساتھ ساتھ اس لحاظ سے بھی "خُدا کا خادم" ہے کہ قانون شکنی کرنے والوں کو (خُدا کے غضب کے موافق) سزا دیتا ہے۔

۱۳:۵- اس کا مطلب ہے کہ ہمیں دُور و جوارات کی بنا پر حکومت کی تابع داری کرنی چاہئے۔

اول، سزا کا خوف - دوم، دل یا ضمیر کو مطمئن رکھنے کے لئے۔

۶:۱۳ - ہمارا فرض صرف حکومت کی تابع داری یا فرماں برداری کرنا ہی نہیں بلکہ خراج یا محصول ادا کر کے حکومت کی مالی امداد کرنا بھی ہے۔ آج کی زبان میں ٹیکس ادا کرنا بھی ہمارا سمجھی فرض ہے۔ ہمارا قائدہ اسی میں ہے کہ ایسے معاشرے میں رہیں جہاں قانون اور نظم و نسق کی بالادستی ہو۔ تحفظ کے لئے پولیس اور انتظامی امور کے لئے دوسرے شعبے ہوں۔ اس لئے ہمیں اخراجات میں اپنا حصہ ادا کرنے پر راضی ہونا چاہئے۔ حکومت کے افسران اپنی صلاحیتیں اور وقت خرچ کرتے ہیں تاکہ ایک مستحکم معاشرہ قائم رکھنے میں خدا کی مرضی کو پورا کریں۔ ان کا حق ہے کہ معاشرہ ان کی کفالت کرے۔

۷:۱۳ - یہ حقیقت ہے کہ ایمان دار آسمان کے شہری ہیں (فلیپیوں ۳: ۲۰)۔ لیکن وہ انسانی حکومت میں اپنی ذمہ داریوں سے چھوٹ نہیں سکتے۔ ضرور ہے کہ ان کی آمدنی، جائیداد وغیرہ پر جتنے بھی ٹیکس عائد ہوتے ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ ادا کریں۔ اگر مال تجارت ایک ملک سے دوسرے ملک میں آتا جاتا ہے تو اس پر کسٹم ڈیوٹی ادا کریں۔ قانون نافذ کرنے والے اہل کاروں کی عزت کرتے ہوئے ان سے ڈریں، اور تمام سرکاری افسران کی ان کے منصب کی بنا پر "عزت" و احترام کریں (ممکن ہے کہ ان کی شخصی زندگی کا احترام کرنا محال ہو)۔ اس سلسلے میں مسیحوں کو ایسی گفتگو میں کبھی شریک نہیں ہونا چاہئے جس میں صدر یا وزیرِ اعظم وغیرہ کے خلاف یا ان کے کسرشان باتیں کی جائیں۔ جب کوئی سیاسی مہم زوروں پر ہو، اس وقت بھی مسیحوں کو پوری احتیاط کرنی چاہئے۔ صدر مملکت کے خلاف کوئی بات کریں نہ کسی ایسی گفتگو میں شامل ہوں۔ اپنی قوم کے سردار کو بڑا نہ کہہ (اعمال ۲۳: ۵)۔

## ۵۔ مستقبل کے ساتھ تعلق

(۱۳: ۸-۱۴)

۸: ۱۳ - اس آیت کے پہلے حصے کا بنیادی مطلب یہ ہے کہ اپنے بل وقت پر ادا کرو۔ اس آیت میں کسی قسم کا قرض لینے سے ممانعت نہیں کی گئی۔ ہمارے معاشرے میں بعض قسم کے قرض ناگزیر ہیں، ان کے بغیر گزارنا ناممکن ہے۔ ہمیں ہر چھینے ٹیلیفون، بجلی، پانی وغیرہ کے بل ادا کرنا ہوتے ہیں۔ بعض قسم کے قرض ایسے ہیں کہ ان کے بغیر کاروبار چل ہی نہیں سکتا۔ یہاں تنبیہ یہ ہے کہ کوئی ادائیگی باقی نہیں رہنی چاہئے۔

کچھ اصول ہیں جو اس سلسلے میں ہماری راہنمائی کرتے ہیں۔ غیر ضروری چیزوں کے لئے کبھی قرض نہ لیں۔ جب ادا کرنے کی امید نہ ہو، تو قرض نہ اٹھائیں۔ ہمیں قسطوں پر خریداری سے بچنا

چاہئے۔ اس لئے کہ اس میں بھاری سُور بھی ادا کرنا پڑتا ہے۔ مختصر یہ کہ مالی معاملات میں ذمہ داری کا ثبوت دینا چاہئے۔ اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائیں۔ اعتدال کی زندگی اپنائیں۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ قرض لینے والا قرض دینے والے کا نوکر (ہوتا) ہے“ (امثال ۲۲: ۷)۔

ایک قرض ہے جو کبھی ادا نہیں ہو سکتا، اور وہ ہے ”محبت“ کا قرض۔ رومیوں کے خط میں ”محبت“ کے لئے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ہے ’اگاپے‘ (agape) (صرف ۱۰: ۱۲ میں مختلف لفظ استعمال ہوا ہے)۔ اس سے مراد ہے گہری، بے لوث، فوق البشر اُلفت اور چاہت جو ایک انسان دوسرے کے لئے رکھتا ہے۔ اس ”محبت“ کا تعلق دوسری ہی دُنیا سے ہے، اور جس سے محبت کی جائے اُس شخص کی کسی خوبی یا لیاقت سے تحریک نہیں پاتی بلکہ اُس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ یہ ہر دوسری قسم کی محبت سے بالکل فرق ہوتی ہے کیونکہ صرف قابل محبت افراد تک نہیں، بلکہ دشمنوں تک بھی پہنچتی ہے۔

اس محبت کا اظہار دینے، اور عموماً اپنی طرف سے بہت کچھ قربان کرنے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ خُدا نے دُنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ مسیح نے کلیسیا سے محبت رکھی اور اپنے آپ کو اُس کی خاطر دے دیا (قربان کر دیا)۔

یہ بنیادی طور پر جذبات کا نہیں بلکہ ارادے کا معاملہ ہے۔ ہمیں ”محبت“ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حکم دینے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایسی بات ہے جو ہم ارادہ کر سکتے ہیں۔ اگر یہ کوئی ایسا جذبہ ہوتا جس پر ہمارا اختیار نہ ہوتا تو ہم ذمہ دار نہ ٹھہرتے۔ لیکن اس سے یہ انکار کرنا بھی مطلوب نہیں کہ اس میں جذبات ملوث نہیں ہوتے۔

کوئی غیر ایمان دار یہ الہی محبت نہیں دیکھا سکتا، بلکہ ایمان دار کے لئے بھی اپنی طاقت سے یہ محبت دیکھنا ممکن نہیں۔ یہ محبت صرف اندر سکونت رکھنے والے رُوحِ القُدس کی قُدرت سے کی جاسکتی ہے۔

زمین پر اس محبت (اگاپے) کا کامل ظہور خُداوندِ مسیح کی ذات میں ہوا۔

خُدا کے ساتھ ہماری محبت اُس کے حکموں پر عمل کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔

”کیونکہ جو دوسرے سے محبت رکھتا ہے اُس نے شریعت پر پورا عمل کیا۔“ یاکم سے کم

شریعت کے اُس حصے پر پورا عمل کیا جو اپنے ہم جنس انسانوں کے ساتھ محبت رکھنے کی تلقین کرتا

ہے۔

۹: ۱۳۔ پولس رسول وہ ”حکم“ چُن لیتا ہے جو اپنے ہم جنس انسان کے خلاف غیر محبتی

سلوک کرنے سے منع کرتے ہیں۔ یہ حکم ”زنا، خوی، پجوری، لاپنج“ وغیرہ کرنے کے خلاف ہیں۔ محبت کسی دوسرے کے بران کا استحصال نہیں کرتی، بد اخلاقی نہیں کرتی، محبت کسی دوسرے کی جان کا استحصال نہیں کرتی۔ محبت کسی دوسرے کی چیزیں ”پجوری“ نہیں کرتی۔ محبت دوسروں کو انصاف سے محروم نہیں رکھتی۔ محبت تو دوسرے کی چیزوں کے لئے غلط خواہشیں تک نہیں کرتی جبکہ ”لاپنج“ کرتا ہے۔

”ان کے سوا اور جو کوئی حکم ہو۔“ پورس ایک اور حکم کا ذکر کر سکتا تھا اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کر۔ ان سب کا خلاصہ اس بات میں آجاتا ہے کہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھو۔ اُس سے اسی محبت، لحاظ دار اور مہربانی سے پیش آجیسے اپنے ساتھ کرتا ہے۔

۱۰:۱۳۔ ”محبت“ کبھی کسی سے ”بدی نہیں کرتی۔“ اُس کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ پورے ذوق و شوق سے دوسروں کی بھلائی اور عزت کی خواہاں ہوتی ہے۔

۱۱:۱۳۔ باب کے بقیہ حصے میں روحانی پوجی اور اخلاقی پاکیزگی کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ ”وقت“ تھوڑا ہے، نفس کا زمانہ ختم ہونے والا ہے۔ وقت کی کمی کا تقاضا ہے کہ کاپی کو خیر باد کہا جائے۔ اب ہماری نجات نزدیک ہے۔“ نجات دہندہ آ رہا ہے کہ ہمیں باپ کے گھر لے جائے۔

۱۲:۱۳۔ موجودہ دور گناہ کی ”رات“ کی مانند ہے، جو تقریباً گزر چکی ہے۔ ایمان داروں کے لئے جلال کا ”دن نکھنے والا ہے۔“ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں دنیا داری کے گندے کپڑے اتار پھینکنے چاہئیں، یعنی ہر وہ بات ”ترک“ کر دیں جس کا تعلق نا استگی اور بُرائی سے ہے۔ اور ”روشنی کے ہتھیار باندھ لیں۔“ اس کا مطلب ہے پاکیزہ زندگی کا حفاظتی غلاف۔ ان ہتھیاروں کا بیان (انیسویں: ۶) ۱۴-۱۸ میں پایا جاتا ہے۔ یہ حقیقی مسیحی کردار کے عناصر کا بیان کرتے ہیں۔

۱۳:۱۳۔ غور کریں کہ یہاں زور ہمارے عملی مسیحی چال چلن پر ہے۔ ہم ”دن“ کے فرزند ہیں اس لئے ہمیں روشنی کے فرزندوں کی طرح چلنا چاہئے۔ ایک مسیحی کا شیطانی محضوں، شراب نوشی کے ہنگاموں، شہوانی لذتوں، ناچ رنگ کے تماشوں بلکہ جھگڑے اور حسد سے کیا کام؟ ایک مسیحی کو ان سے بالکل دور رہنا چاہئے۔

۱۴:۱۳۔ ہمارے لئے بہترین حکمتِ عملی یہ ہے۔ اول، ”یسوع مسیح کو پین لو۔“ مطلب یہ ہے کہ پورے طور سے اُس کے طرز زندگی کو اپنائیں۔ اُس کی طرح زندگی بسر کریں۔ وہ ہمارا نمونہ اور راہنما ہو۔ دوم، ”جسم کی خواہشوں کے لئے تدبیریں نہ کرو۔“ ”جسم“ سے مراد پرانی، گناہ آلودہ فطرت ہے جو مسلسل پیکارتی رہتی ہے کہ میرے نخرے اٹھاؤ، مجھے آرام و آسائش، عیش و عشرت، شہوت پرستی،

کھوکھلی تفریحات، دنیوی خوشیاں، مادہ پرستی اور کھیل تماشے ہمایا کرو۔ ہم ”جسم کی خواہشوں کے لئے تدبیریں“ اُسی وقت کرتے ہیں جب ایسی چیزیں خریدتے ہیں جو آزمائشوں سے علاوہ رکھتی ہیں، جب گناہ میں گرنے کے لئے آسانیاں پیدا کر لیتے ہیں، جب رُوحانیت پر جسمانیت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم کو جسم کا ذرا سا سخرہ بھی نہیں اٹھانا چاہئے۔ ہمیں جسم کو اپنی موج منانے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔

اگوستین نہایت ذہین مگر شہوانی انسان تھا۔ خدا اپنے کلام کے اسی حصے کو استعمال کر کے اُسے مسیح کے قدموں میں لے آیا اور اُسے پاکیزگی پر مائل کیا۔ وہ آیت ۱۴ پر پہنچتا تو اُس نے خود کو خدا کے سپرد کر دیا۔ اب تاریخ اُس کو ”مقدس“ اگوستین کے نام سے یاد کرتی ہے۔

## ۹۔ دیگر ایمان داروں کے ساتھ تعلق (۱۳: ۱۵ - ۱۴: ۱)

۱۴: ۱۔ رومیوں ۱۳: ۱۵ - ۱۴: ۱ میں اُن اہم اصولوں کا تذکرہ ہے جو خدا کے لوگوں کی اُن باتوں میں راہنمائی کرتے ہیں جو اہمیت کے اعتبار سے ثانوی درجہ رکھتی ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جن سے کئی دفعہ ایمان داروں میں جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں حالانکہ ہم دیکھیں گے کہ یہ جھگڑے بالکل غیر ضروری ہوتے ہیں۔

”کمزور ایمان والا“ مسیحی وہ ہے جو ثانوی اہمیت کے معاملات میں بے بنیاد خدشات اور شکوک رکھتا ہے۔ زیر نظر سیاق و سباق میں یہ اکثر وہ یہودی تھے جو ایمان تو لے آئے تھے لیکن حرام (جو یہودی طریقہ سے تیار۔ ذبح وغیرہ۔ نہ کئے گئے ہوں) کھانوں اور سبست (ہفتہ/سنیچر) کو کام کرنے وغیرہ کے بارے میں شک رکھتے تھے۔ پہلا اصول یہ ہے کہ کمزور ایمان والے مسیحی کو مقامی شراکت میں شامل کیا جائے۔ لیکن اس خیال سے نہیں کہ اُس کے شکوک و شبہات کے بارے میں اُس سے بحث اور ”سکرا“ کریں گے۔ غیر ضروری باتوں پر اتفاق کے بغیر بھی مسیحی خوش باش زندگی گزار سکتے ہیں۔

۱۴: ۲۔ جو ایمان دار پُوری مسیحی آزادی کا لطف اٹھاتا ہے، وہ نئے عہد نامہ کی تعلیمات پر مبنی ایمان رکھتا ہے کہ ”ہر چیز کا کھانا رُوحا ہے“۔ ساری چیزیں خدا کے کلام اور دُعا سے پاک ہو جاتی ہیں (۱۔ تیمتھیس ۳: ۴، ۵)۔ کمزور ایمان والا ایمان دار کئی قسم کے کھانوں کے بارے میں خدشات رکھتا ہے۔

۱۴: ۳۔ چنانچہ دوسرا اصول یہ ہے کہ باہمی برداشت اور صبر ہونا چاہئے۔ پُختہ مسیحی کو اپنے کمزور بھائی کو ”حقیر“ نہیں جانا چاہئے۔ نہ کمزور بھائی کو دوسرے پر ”الزام“ لگانا چاہئے کہ بعض قسم کے کھانوں سے گنہگار ہو گیا ہے کیونکہ خدا نے اُس کو قبول کر لیا ہے“ یعنی اپنے گھرانے کا فرد مان لیا ہے۔

۱۴: ۴۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ ہر ایمان دار خداوند کا ”لوکر“ ہے۔ اس لئے ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ



کسی پر یوں الزام لگائیں جیسے ہم ”مالک“ ہیں۔ ہر شخص اپنے ”مالک“ ہی کے سامنے مقبول یا ناقبول ٹھہرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم کسی دوسرے کو سرد مہری اور حقارت سے دیکھیں اور یقین کرنے لگیں کہ ان معاملات کے بارے میں اپنے نظریات سے وہ اپنے ایمان کا جواز غرق کر لے گا۔ لیکن یہ رویہ غلط ہے۔ ”خداوند“ ہی دونوں کو قائم رکھے گا۔ اُس کی قدرت اُن کو قائم رکھنے کے لئے کافی ہے۔ دونوں سے مراد ہے ایک سب کچھ کھانے والا اور دوسرا بعض کھانوں سے پرہیز کرنے والا۔

۵:۱۳۔ بعض یہودی نژاد مسیحی اب بھی سبت کو ماننا ضروری سمجھتے تھے اور اس روز کوئی کام کرنا روا نہیں سمجھتے تھے۔ ان معنوں میں وہ ”ایک دن کو دوسرے سے افضل“ جانتے تھے۔

دوسرے ایمان دار ان یہودی خدشات میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ وہ ”سب دنوں کو برابر“ جانتے تھے۔ یہ نہیں کہچھ دن تو دنیوی اور غیر مذہبی ہیں اور ایک دن مقدس ہے۔ اُن کے نزدیک سارے دن مقدس تھے۔

لیکن ”خداوند کے دن“ کے بارے میں یعنی ہفتہ کے پہلے دن کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا یہ مسیحیوں کی زندگیوں میں خاص مقام نہیں رکھتا؟ نئے عہد نامہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خداوند کے سردوں میں سے جی اٹھنے کا دن ہے (نوتا ۲۳: ۱۰-۹)۔ اگلے دو آواروں کو خداوند مسیح اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوتا رہا (یوحنا ۲۰: ۱۹-۲۴)۔ روح القدس پینتکست کے دن نازل ہوا تھا۔ اور یہ بھی ہفتہ کا پہلا دن تھا۔ پینتکست پہلے پھولوں کی عید کے سات آواروں کے بعد ہوتا تھا (اجبار ۲۳: ۱۵، ۱۶؛ اعمال ۱: ۲) اور یہ مسیح کی قیامت کی علامت ہے (۱ کرنتھیوں ۱۵: ۲۰-۲۳)۔ شاگرد روٹی توڑنے کے لئے ہفتہ کے پہلے دن جمع ہوا کرتے تھے (اعمال ۲۰: ۷)۔ پولس نے کرنتھیوں کو ہدایت کی تھی کہ ہفتہ کے پہلے دن خیرات جمع کیا کریں۔ چنانچہ آوار کا دن نئے عہد نامہ میں بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ لیکن یہ سبت کی طرح ”فرائض“ کا دن نہیں بلکہ اعزاز کا دن تھا۔ ہم عام دنوں کے کاروبار اور مصروفیات سے آزاد ہو کر اس دن کو اپنے خداوند کی عبادت اور خدمت کا دن مناسکتے ہیں۔

نئے عہد نامہ میں مسیحیوں کو کہیں بھی سبت کا دن منانے کو نہیں کہا گیا۔ تو بھی ہم سات میں سے ایک دن کے اصول کو اچھ دن کام کرنے کے بعد ایک دن آرام کرنے کے اصول کو مانتے ہیں۔ اس موضوع پر کسی کا کچھ بھی نقطہ نظر ہو، اصول یہ ہے ”ہر ایک اپنے دل میں پورا اعتقاد رکھے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے اصول کا اطلاق صرف اُن معاملات پر ہوتا ہے جو اخلاقی نوعیت کے نہ ہوں۔ جب ایمان کے بنیادی عقائد کی بات ہو تو انفرادی رائے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن

جہاں معاملہ اخلاقِ فروعیت کا نہ ہو وہاں مختلف نظریات رکھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن اُن کی باہمی رفاقت ایک دوسرے کو ٹھیس پہنچانے کا باعث نہیں ہونی چاہئے۔

۶:۱۴۔ ”جو کسی دن کو مانتا ہے۔“ یہ وہ یہودی ایمان دار ہے جو اب بھی سبت (ہفتہ/سنیچر) کے دن کام کرنا روا نہیں سمجھتا۔ وہ سبت کے ماننے کو نجات کا ذریعہ یا نجات کو قائم رکھنے کا وسیلہ تو نہیں مانتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح سے ”خداوند“ خوش ہوگا۔ اسی طرح ”جو کسی دن کو نہیں مانتا“ وہ بھی مسیح کی تعظیم کے لئے نہیں مانتا۔ یہ باتیں ایمان کا پور نہیں، فقط سایہ ہیں (کلیسیوں ۲: ۱۶، ۱۷)۔ جو شخص آزادی کے ساتھ وہ کھانے کھاتا ہے جو یہودی دستور کے مطابق تیار نہیں کئے گئے، وہ بھی سر جھکا کر ”خدا کا شکر کرتا ہے۔“ اسی طرح وہ ایمان دار بھی جو اپنے کمزور ایمان کے باعث ایسے کھانوں سے پرہیز کرتا ہے ”خدا کا شکر کرتا ہے۔“ دونوں ہی خدا سے برکت مانگتے ہیں۔

دونوں صورتوں میں ”خدا“ کی تعظیم اور شکر ہوتا ہے۔ تو اس معاملے کو جھکڑے اور نزاع کا موقع

کیوں بنایا جائے؟

۷:۱۴۔ مسیح کی خداوندیت کا ایمان دار کی زندگی کے ہر پہلو میں دخل ہوتا ہے۔ ہم اپنے لئے نہیں بلکہ خداوند کے لئے جیتتے ہیں۔ اور ہم اپنے لئے نہیں بلکہ خداوند کے لئے مرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں وہ دوسروں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مگر یہاں یہ خیال پیش نہیں کیا گیا۔ پولوس اس مسئلے پر زور دے رہا ہے کہ خداوند کے لوگوں کی زندگیوں کا مرکز محور اور مقصد خداوند ہی ہونا چاہئے۔

۸:۱۴۔ ہم زندگی میں جو کچھ بھی کرتے ہیں، اُس پر مسیح کی نظر ہوتی ہے اور اُس کی منظوری کے لئے سب کچھ کرنا چاہئے۔ ہر بات کو اس طرح پرکھیں کہ یہ خداوند کو کیسی لگتی ہے۔ ہم تو موت میں بھی خداوند کے جلال کے متمنی ہوتے ہیں کیونکہ ہم اُس کے پاس رہنے کو چلے جاتے ہیں۔ زندگی ہو یا موت ہم ہر حال میں اُسی کے ہیں۔

۹:۱۴۔ ”مسیح اِس لئے مٹا اور زندہ ہوا“ کہ ہمارا ”خداوند ہو۔“ اور ہم بہ رضا و رغبت اُس کی رعیت بنیں اور اپنے شکر گزار دلوں سے خوشی کے ساتھ اُس کے دفا دار اور جاں نثار بنیں۔ اُس کی خداوندیت ہماری موت میں بھی جاری رہتی ہے، جب ہمارے بدن قبروں میں اور ہماری جانیں اور رُوہیں اُس کی حضوری میں ہوتی ہیں۔

۱۰:۱۴۔ چونکہ یہ ساری باتیں مسیح ہیں، اِس لئے بے حد احتیاط اور پرہیز کرنے والے یہودی

مسیحی کا دوسرے ”بھائی“ پر الزام لگانا حماقت ہے کہ یہ یہودی دنوں کو نہیں مانتا اور کھانے پینے میں یہودی رواج اور ضابطوں کی پابندی نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر مضبوط ایمان والا بھائی کمزور ”بھائی کو حقیر جانتا ہے“ تو غلطی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو ”خدا کے تختِ عدالت کے آگے کھڑے“ ہونا ہے۔ ہمارے بارے میں آخری فیصلہ واپس ہوگا۔

یہ عدالت ایمان دار کے گناہوں کی نہیں، کاموں کی ہوگی (۱- کرنتھیوں ۱۱:۳-۱۵)۔ یہ جائزہ لینے اور اجر دینے کا موقع ہوگا۔ اس کو غیر قوموں کی عدالت (متی ۲۵: ۳۱-۴۶) کے ساتھ گہم نہ کریں۔ اور نہ بڑے سفید تخت کی عدالت (مکاشفہ ۲۰: ۱۱-۱۵) کے ساتھ بلائیں۔ موثر الذکر سارے شریر (یعنی غیر ایمان دار) مردوں کی عدالت ہے۔

۱۱:۱۴۔ ہمارا مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے حاضر ہونا بالکل یقینی ہے۔ اس کی تائید و تصدیق یسعیاہ ۴۵: ۲۳ سے بھی ہوتی ہے جہاں یہود وہ خود تائب ادا کرتا ہے کہ ”ہر ایک گھٹنا میرے آگے ملے گا“ اور میرے اختیارِ مطلق کو تسلیم کرے گا۔

۱۲:۱۴۔ چنانچہ یہ بات بالکل صاف اور سچ ہے کہ ”ہم میں سے ہر ایک خدا کو اپنا حساب دے گا۔“ غور کریں ”اپنا حساب“ کسی دوسرے بھائی کا نہیں۔ ہم بہت زیادہ ایک دوسرے کا حساب کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ ہمیں نہ تو اس کا اختیار ہے، اور نہ ہمیں اکثر باتوں کا صحیح علم ہوتا ہے۔

۱۳:۱۴۔ چاہئے کہ ان معاملوں میں جو اخلاقی نوعیت کے نہ ہوں ہم ساتھی مسیحیوں پر الزام نہ لگائیں بلکہ پختہ ارادہ اور فیصلہ کر لیں کہ ہم کبھی کوئی ایسی بات یا حرکت نہیں کریں گے جو کسی بھائی کی روحانی ترقی میں ممانع ہو۔ ان غیر ضروری باتوں میں سے کوئی بھی اتنی اہم نہیں کہ جس کے باعث ہم کسی بھائی کو ٹھوکر کھلائیں، یا اُس کے ”گرنے کا باعث“ ہوں۔

۱۴:۱۴۔ پولوس جانتا تھا اور ہم بھی جانتے ہیں کہ اب کھانے کی کوئی چیز رسمی طور پر ”حرام“ یا ناپاک نہیں جیسی کہ اُس یہودی کے لئے ہوتی ہے جو شریعت کے ماتحت زندگی گزارتا ہے۔ جو کچھ ہم کھاتے ہیں وہ خدا کے کلام اور دعا سے پاک ہو جاتا ہے (۱- تیمتھیس ۴: ۵)۔ وہ خدا کے کلام سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے کہ بائبل مقدس واضح طور پر اُس کو اچھا قرار دیتی

لے ہم جانتے ہیں کہ عدالتِ مسیح کو کرنی ہے، کیونکہ باپ نے عدالت کا سارا کام مسیح کے سپرد کر دیا ہے۔ یوحنا ۵: ۲۲۔

ہے۔ اور دُعا سے اس لئے پاک ہو جاتا ہے کہ خُدا اُس پر اپنے جلال کے لئے اور ہمارے بدنوں کی قوت کے لئے برکت دیتا ہے تاکہ اُس کی خدمت کے لئے استعمال ہو۔ لیکن اگر کوئی کمزور ایمان والا بھائی کسی کھانے کو روکا نہیں سمجھتا تو اُس کے لئے یہ کھانا جائز نہیں کیونکہ اس طرح اپنے خُدا کے دئے ہوئے ضمیر کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

جب پولس کہتا ہے کہ کوئی چیز بذاتہ حرام نہیں تو ہمیں جان رکھنا چاہئے کہ وہ صرف اُن چیزوں کی بات کر رہا ہے جو اخلاقی نوعیت کی نہ ہوں۔ دُنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جو ناپاک ہیں مثلاً فحش لٹریچر، گندے مذاق، غیر اخلاقی فلمیں اور ہر طرح کی حرام کاری اور بد اخلاقی۔ پولس کے بیان کو اس کے سیاق و سباق میں سمجھنا چاہئے۔ جن کھانوں کو موسیٰ کی شریعت نے حرام قرار دیا ہے اُن کے کھانے سے کوئی عیسوی رسمی طور پر ناپاک نہیں ٹھہرتا۔

۱۵:۱۳۔ جب میں کسی کمزور ایمان والے بھائی کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا ہوں تو کیا مجھے اصرار کرنا چاہئے کہ جھینگا چھلی، یا سوڑ کا گوشت کھاؤں گا جبکہ مجھے علم ہے کہ یہ بھائی ان کو حرام سمجھتا ہے؟ اگر ایسا کرتا ہوں تو محبت کے قاعدہ پر نہیں چلتا کیونکہ محبت اپنا نہیں، دُوسروں کا خیال کرتی ہے۔ کسی بھائی کی بھلائی اور ترقی کے لئے محبت اپنے جائز حقوق سے بھی ہاتھ اٹھا لیتی ہے۔ کوئی کھانا اتنا اہم نہیں جتنا اُس بھائی کی روحانی ترقی جس کے واسطے مسیح مُوا۔ لیکن ایسے معاملات میں اگر میں خود غرضی سے اپنے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹتا رہوں تو اپنے بھائی کی زندگی میں ناقابل تلافی نقصان کا موجب بن جاؤں گا۔ اس لئے یاد رکھنا چاہئے کہ اُس بھائی کی رُوح کی مخلصی کے لئے کتنی بھاری قیمت ادا کی گئی ہے۔ برہہ کا قیمتی خون بہایا گیا ہے۔

۱۶:۱۳۔ چنانچہ اُسول یہ ٹھہرا کہ ہم موقع پیدا نہ ہونے دیں کہ ان غیر اہم باتوں کے باعث کوئی ہم پر عدم محبت کا الزام لگا سکے۔ یہ تو وال کے ایک کھانے کے عوض اپنی نیک نامی قربان کرنے والی بات ہوگی۔

۱۷:۱۳۔ اصل اہمیت تو خُدا کی بادشاہی کو ہے۔ کھانے پینے کے ضابطے اہم نہیں بلکہ روحانی حقیقتیں اہم ہیں۔ خُدا کی بادشاہی وہ علاقہ ہے جہاں خُدا کو اعلیٰ ترین حاکم مانا جاتا ہے۔ وسیع تر مفہوم میں اس میں وہ بھی شامل ہیں جو خُدا کے ساتھ وفاداری کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں صرف وہی شامل ہیں جو نئے سرے سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہاں خُدا

کی بادشاہی“ کا یہی مطلب ہے۔

اس بادشاہی کی رعیت کھانے پینے کی دُھن میں نہیں رہتی، خوش خوراک کے پیچھے نہیں بھاگتی، نہ پینے پلانے پر متوجہ ہوتی ہے۔ اُن کی زندگی کی خصوصیات عملی ”راست بازی“، ”میل ملاپ“ اور ”خوشی“ ہے جو ”روح القدس“ پر موقوف ہے۔

۱۸:۱۴۔ یہ بات اہم نہیں کہ کوئی شخص کیا کھاتا ہے یا کیا نہیں کھاتا۔ خدا کی نظر میں مقبولیت اور انسانوں کی نظر میں عزت و توقیر کا انحصار پاکیزہ زندگی پر ہے۔ جو لوگ اپنی زندگیوں میں راست بازی، صلح اور میل ملاپ اور خوشی کو اولیت دیتے ہیں، وہی ”مسیح کی خدمت“ کرتے ہیں کیونکہ وہ اُس کی تعلیمات پر کاربند ہوتے ہیں۔

۱۹:۱۴۔ اس طرح ایک اور اصول سامنے آتا ہے۔ غیر اہم اور غیر ضروری باتوں پر جھگڑنے کی بجائے ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ مسیحی رفاقت میں ہم آہنگی اور ”میل ملاپ“ قائم ہے۔ اپنے حقوق پر اڑ کر دوسروں کو ٹھوکر کھلانے کی بجائے ہمیں دوسروں کے ایمان کو بڑھانے اور اُن کی رُوحوانی ترقی کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

۲۰:۱۴۔ ”خدا“ اپنے ہر ایک فرزند کی زندگی میں ”کام“ کر رہا ہے۔ یہ سوچنا ہی ہولناک بات ہے کہ ہم ”کھانے“ پینے اور دنوں جیسی ثانوی باتوں کے باعث ایک کمزور ایمان والے ”بھائی“ کی زندگی میں اس کام کو روک رہے ہیں۔ خدا کے فرزند کے لئے اب ساری چیزیں پاک اور حلال ہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز کھانے سے کسی بھائی کو ٹھوکر لگتی ہے یا اُسے رنج پہنچاتا ہے تو وہ چیز کھانا جائز نہیں ہوگا۔

۲۱:۱۴۔ کسی ”بھائی“ کو ٹھوکر کھلانے یا اُس کے رُوحوانی تنزل کا باعث بننے سے یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ ہم ”ن گوشت“ کھائیں، ”ن مے“ پیئیں۔ ”ن اور کچھ ایسا“ کام کریں۔ اپنے جائز حقوق سے دستبردار ہونا اپنے کمزور ایمان والے ”بھائی“ کی نگہداشت اور ترقی کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

۲۲:۱۴۔ میں ہر قسم کا کھانا کھانے میں مکمل آزادی محسوس کر سکتا ہوں کیونکہ جانتا ہوں کہ خدا نے حمایت کیا ہے کہ شکر گزاری کے ساتھ کھایا جائے۔ لیکن جو کمزور ہیں اُن کے سامنے مجھے بے ضرورت اس آزادی کی نمائش نہیں کرنی چاہئے۔ علیحدگی میں اس آزادی کو استعمال کرنا تو درست ہے کیونکہ اس طرح کسی کو رنج پہنچنے کا احتمال نہیں ہوتا۔

مسیحی آزادی سے مستفید اور معظوظ ہونا بالکل جائز اور مناسب ہے تاکہ بے ضرورت خدشات و شبہات میں بندھے نہ رہیں۔ لیکن دوسروں کو رنج پہنچانا اور بعد میں اپنے آپ کو الزام دیتے رہنا کسی طرح بھی مناسب اور مفید نہیں۔ جو شخص دوسرے کو ٹھوکر کھلانے سے بچتا ہے وہ "مبارک" ہے۔

۲۳:۱۴۔ جہاں تک کمزور بھائی کا تعلق ہے، اُس کے لئے کوئی ایسی چیز کھانا مناسب نہیں جس کے بارے میں اُس کو شک و شبہ ہو، یا جس کو وہ خود ناجائز سمجھتا ہو۔ اُس کا کھانا اعتقاد کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اور اپنے ضمیر (دل) کے خلاف چلنا "گناہ" ہے۔

یہ درست ہے کہ انسان کا ضمیر (دل) بے خطا رہتا نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ اس کی خدا کے کلام سے تربیت کی جائے۔ لیکن پوکس نے یہ اصول اور قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ انسان کو اپنے ضمیر کی پیروی کرنی چاہئے۔ خواہ وہ کمزور ہی کیوں نہ ہو، ورنہ اخلاقی شخصیت ختم ہو جائے گی۔

۱۵:۱۔ اس باب کی پہلی پندرہ آیات میں گزشتہ مضمون جاری ہے جس میں اُن امور پر بحث کی گئی ہے جو اخلاقی نوعیت کے نہیں۔ ابتدائی کلیسیا میں دو قسم کے ایمان دار تھے۔ ایک جو یہودیت سے آئے تھے، دوسرے بُت پرستی کے مانع سے۔ اُن کے درمیان کچھ تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔ پوکس اُن دونوں طبقوں سے التماس کرتا ہے کہ میل ملاپ قائم رکھیں۔

"زور آوروں"۔ (جو اخلاقی لحاظ سے غیر جانبدار باتوں میں مکمل آزادی محسوس کرتے ہیں) کو چاہئے کہ خود غرضی سے اپنے حقوق منوانے کی کوشش نہ کریں۔ "اپنی خوشی" سے دستبردار ہو جائیں اور ناقوتوں کی کمزوریوں کی رعایت کریں۔ اُن کے ساتھ مہربانی اور رواداری سے پیش آئیں۔ اُن کے شکوک و شبہات کا لحاظ رکھیں۔

۲:۱۵۔ یہاں یہ اصول دیا گیا ہے۔ "اپنی خوشی کے لئے مت جوئے۔ اس طرح سے جوئے کہ پروسا" کی "بہتری" ہو اور اُسے خوشی حاصل ہو۔ اُس کی تعمیر ہو۔ مسیحی رویہ یہی ہے۔

۳:۱۵۔ مسیح نے ہم کو نمونہ دیا ہے۔ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے آسمانی باپ کو خوش کرنے کے لئے جیتتا تھا۔ اُس نے کہا "تیرے لعن طعن کرنے والوں کے لعن طعن مجھ پر آپڑے" (زبور ۶۹: ۹)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو خدا کی عزت و تعظیم کا اتنا خیال تھا کہ جب انسان خدا کی بے عزتی کرتے تو وہ اس کو اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔

۴:۱۵۔ زبور سے اس اقتباس سے ہمیں یاد دلایا گیا ہے کہ پرنے عہد نامہ کے صحائف

”ہماری تعلیم کے لیے“ لکھے گئے تھے۔ وہ براہِ راست تو ہمارے نام نہیں لکھے گئے تھے، مگر ان میں ہمارے لئے نہایت انمول سبق موجود ہیں۔ جب ہم کو مسائل، کشمکش، ہُصیبیتوں اور مشکلات کا سامنا ہوتا ہے تو یہ صحائف ہمیں سکھاتے ہیں کہ ثابت قدم رہیں۔ وہ ہمیں ”تسلی“ دیتے ہیں۔ اس طرح ہم طوفانی لہروں میں ڈوب جانے کی بجائے ”امید“ کے وسیلے سے قائم رہتے ہیں کہ خداوند ہمیں کامیاب کرے گا۔

۵:۱۵۔ یہ خیال پولس کو اس ”امید“ کے اظہار کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ ”خدا جو ثابت قدمی اور تسلی دیتا ہے وہ تو انا اور کوزر، غیر قوم اور یہودی مسیحی، سب کو توفیق دے گا کہ ”مسیح یسوع“ کے نمونے اور تعلیم کے مطابق ”یک دل ہو کر زندگی گزاریں۔“

۶:۱۵۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ مقدسین ”ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی تعجید کرنے میں متحد اور یک دل ہوں گے۔ کیسی شان دار تصویر ہے! نجات یافتہ یہودی اور نجات یافتہ غیر قوم ”یک زبان“ ہو کر خداوند کی حمد اور عبادت کریں گے!

رومیوں کے خط میں ”منہ“ یا ”زبان“ کا ذکر چھ دفعہ آتا ہے۔ ”یہ نجات یافتہ انسان“ کی زندگی کی تبدیلی پیش کرتا ہے۔ شروع میں اس کا ”منہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا تھا“ (۱۴:۳)۔ پھر اس کا ”منہ بند“ کیا گیا اور اس کو قصور وار (مجرم) کی حیثیت سے منصف یعنی خدا کے سامنے کھڑا کیا گیا (۱۹:۳)۔ اس کے بعد وہ ”زبان سے یسوع کے خداوند ہونے کا اقرار“ کرتا ہے (۹:۱۰) اور آخر میں یہاں وہ زبان سے بڑی سرگرمی کے ساتھ خداوند کی حمد اور تعجید کرتا ہے (۶:۱۵)۔

۷:۱۵۔ اس ساری بحث سے ایک اور اصول سامنے آتا ہے۔ ثانوی باتوں کے سلسلے میں جو بھی اختلافات ہوں ان کے باوجود ”جس طرح مسیح نے... تم کو اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے، اسی طرح تم بھی ایک دوسرے کو شامل کرو۔“ یہ مقامی جماعت میں شامل ہونے کی اصل بنیاد ہے۔ ہم کسی کو فرقہ کے ساتھ الحاق، روحانی پختگی، یا سماجی مرتبے کی بنیاد پر شامل نہیں کرتے۔ ہمیں چاہئے کہ ان کو ”شامل کریں“ جن کو مسیح نے اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے تاکہ ”خدا کے جلال“ کو ترقی ہو۔

۸:۱۵۔ اگلی چھ آیات میں پولس رسول اپنے قارئین کو یاد دلاتا ہے کہ یسوع مسیح کی خدمت میں یہودی اور غیر قومیں دونوں شامل ہیں۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمارے دل بھی اتنے بڑے

ہونے چاہئیں کہ دونوں کو شامل کریں۔ بے شک مسیح "مختونوں" یعنی یہودی قوم کا خادم بنا۔ خدانے بار بار وعدہ کیا تھا کہ میں اسرائیل کے پاس مسیح موعود کو بھیجوں گا۔ اور مسیح کی آمد سے ان وعدوں کی توثیق ہوگی۔

۹:۱۵۔ لیکن مسیح "غیر قوموں" کے لئے بھی برکات لاتا ہے۔ خدانے انتظام کیا کہ غیر قومیں بھی خوشخبری سنیں اور جو لوگ ایمان لائیں وہ رحم کے سبب سے خدا کی حمد کریں۔ یہودی ایمان داروں کو اس بات پر حیرت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ ان کے اپنے صحائف میں بیشتر سے بار بار بتایا گیا ہے کہ ایسا ہوگا۔ مثال کے طور پر زبور ۱۸:۴۹ میں داؤد اُس دن کا پہلے سے ذکر کرتا ہے جب مسیح موعود غیر قوم ایمان داروں کے ہجوم میں خدا کے نام کے گیت گائے گا۔

۱۰:۱۵۔ استثناء ۳۲:۳۳ میں غیر قوموں کی یہ تصویر پیش کی گئی ہے کہ وہ نجات کی برکت میں اُس کی امت یعنی اسرائیل کے ساتھ خوشی کریں گی۔

۱۱:۱۵۔ زبور ۱۱۷:۱ میں ہم اسرائیل کو پکارتے ہوئے سنتے ہیں کہ "اے سب غیر قومو! خداوند کی حمد کرو اور مسیح موعود کی ہزار سالہ بادشاہی کے دوران غیر قومیں اُس کی حمد کریں گی۔"

۱۲:۱۵۔ نیز یسعیاہ (۱۰:۱) اپنی گواہی پیش کرتا ہے کہ مسیح موعود کی حکومت میں "غیر قومیں" شامل کی جائیں گی۔ یہاں خاص نکتہ یہ ہے کہ "غیر قومیں" مسیح موعود کے اعزازات اور اُس کی خوشخبری میں شریک (حصہ دار) ہوں گی۔

خداوند یسوع "یسی کی بڑے" ، اس مفہوم میں کہ وہ یسی کا خالق ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ یسی میں سے نکلا ہے (اگرچہ یہ بھی سچ ہے)۔ مکاشفہ ۲۲:۱۶ میں یسوع اپنے بارے میں کہتا ہے کہ میں "داؤد کی اصل و نسل" ہوں۔ اپنی اہمیت میں وہ داؤد کا خالق ہے اور اپنی بشریت میں وہ داؤد کی نسل ہے۔

۱۳:۱۵۔ پولس اس حصے کا اختتام پر فضل دعا کے ساتھ کرتا ہے کہ "خدا جو فضل سے اچھی امید عطا کرتا ہے وہ مقدسوں کو ساری خوشی اور اطمینان سے معمور کرے۔" اس لئے کہ ان کا ایمان اُس پر ہے۔ شاید یہاں وہ خاص کہ غیر قوم ایمان داروں کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ لیکن یہ دعا سبھی کے لئے موزوں ہے۔ اور یہ بات بالکل درست ہے کہ جن لوگوں کی رُوح القدس کی قدرت سے ... امید زیادہ ہوتی جاتی ہے ان کے پاس غیر ضروری باتوں پر جھگڑنے کا وقت کہاں ہوتا ہے۔ ہماری مشترکہ امید مسیحی زندگی میں یکانگت اور اتحاد پیدا



کرنے کی زبردست قوت ہے۔

## ۱۴:۱۵-۱۵:۱۵ پولس کے منصوبے

۱۴:۱۵- باب ۱۵ کے بقیہ حصے میں پولس رومیوں کو خط لکھنے کی وجہ بیان کرتا اور اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ مجھے اُن کے پاس جا کر اُن سے ملاقات کرنے کا موقع ملے۔ اگرچہ پولس کی روم کے مسیحیوں سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اُس کی نصیحتوں کو قبول کریں گے۔ اس یقین کی بنیاد اس بات پر ہے کہ پولس نے اُن کی نیکی کے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا ہے۔ علاوہ ازیں اُس کو اُن کی سچی معرفت کا بھی یقین ہے۔ یہ باتیں اُن کو اہل کرتی ہیں کہ دوسروں کو بھی نصیحت کر سکتے ہیں۔

۱۵:۱۵- پولس کو اُن کی رُوحوانی ترقی کے بارے میں اعتماد اور یقین ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ خود پولس اُن کے لئے اجنبی ہے۔ تو بھی وہ اُن کو یاد دلانے میں تامل نہیں کرتا کہ اُن کے استحقاق اور ذمہ داریاں کیا ہیں۔ وہ اس لئے بڑی صفائی سے لکھ رہا ہے کہ خدا نے اُس کو توفیق دی ہے۔ یعنی اُس پر یہ فضل ہوا ہے کہ رسول مقرر ہوا۔

۱۶:۱۵- خدا نے پولس کو ایک طرح سے "غیر قوموں کے لئے مسیح یسوع" کا خادم یا کامن مقرر کیا تھا۔ وہ "خدا کی خوشخبری کی خدمت" کو کہانت کا کام سمجھتا تھا جس میں وہ نجات یافتہ "غیر قوموں" کو ایسی نذر کے طور پر خدا کے حضور پیش کرتا ہے جو مقبول ہے۔ اس لئے کہ "روح القدس" نے نئی پیدائش کے وسیلے سے اُن کو خدا کے لئے "مقدس" بنایا تھا۔ جی۔ کیمبل مورگن یوں کہتا ہے:

"یہ ہماری بشارتی اور پاسبانی خدمت پر کیسی چمکدار روشنی ڈالتا ہے۔ خوشخبری کی منادی سے جیتی جانے والی ہر ایک روح نہ صرف حفاظت اور برکت کی جگہ میں لائی جاتی ہے بلکہ وہ خدا کے لئے ایک نذر بھی ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسا ہدیہ ہوتی ہے جس سے خدا کو تسکین ملتی ہے۔ وہ ایسی قربانی ہوتی ہے جو خدا تلاش کر رہا ہے، جو اُس کے دل پسند ہوتی ہے۔ ہر روح جس کو بڑی فکر مندی اور صبر کے ساتھ مسیح کی باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے اور جسے اس طرح اُس کے مشابہ بنا دیا جاتا ہے، ایسی روح ہوتی ہے جس سے خدا خوش اور سرور ہوتا ہے۔ اس لئے ہم صرف

انسانوں کی نجات کے لئے محنت نہیں کرتے، بلکہ خدا کے دل کو تسکین پہنچانے کے لئے کرتے ہیں۔ یہی ہماری خدمت کی سب سے زبردست ترغیب یا تحریک ہوتی ہے۔

۱۷:۱۵۔ اگر پولوس فخر کرتا ہے تو اپنی ذات پر نہیں بلکہ ”مسیح یسوع“ پر کرتا ہے۔ اور نہ وہ اپنی کامیابیوں پر فخر کرتا ہے، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ ”خدا“ ہی نے اُس کے وسیلے سے پورا کیا ہے۔ خدا کا کوئی بھی حلیم اور فروتنی خادِم کبھی نامناسب طور پر فخر نہیں کرتا، بلکہ اُسے اس حقیقت کا احساس رہتا ہے کہ خدا اپنے ارادے پورے کرنے کے لئے مجھے استعمال کر رہا ہے۔ فخر کرنے کی ہر آزمائش اس احساس سے ماند پڑ جاتی ہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں سوائے جو کچھ خدا نے دیا ہے، اور میں مسیح کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا سوائے اُس کے جو رُوح القدس کی توفیق سے ہو۔

۱۸:۱۵۔ پولوس اُن کاموں کا تذکرہ کرنے کی ”جڑت“ نہیں کرتا جو مسیح نے دوسروں کی خدمت کے وسیلے سے رکھے ہیں۔ وہ صرف اتنی بات تک محدود رہتا ہے کہ خداوند نے مجھے کس طرح استعمال کیا ہے کہ ”غیر قوموں“ کو مسیح کے ”تالبع کرنے کے لئے“ جیت لوں۔ یہ کام اُس (پولوس) کے ”قول اور فعل“ سے سرانجام پایا ہے، یعنی جو پیغام اُس نے سنایا اور جو معجزے اُس کی معرفت رونما ہوئے۔

۱۹:۱۵۔ خداوند نے پولوس رسول کے پیغام کی تصدیق معجزوں کے وسیلے سے کی۔ ان معجزوں نے روحانی سبق سکھائے۔ علاوہ انہیں خدا اُرُوح کی قوت کے مختلف ظہوروں سے بھی پولوس کے پیغام اور منادی کی تصدیق کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پولوس نے ”یروشلیم سے لے کر چاروں طرف اُرُوم تک مسیح کی خوشخبری کی پوری پوری منادی کی“ (اُرُوم مکدنیہ کے شمال میں بچیہ اڈریا تک پر واقع تھا)۔ یہاں پولوس کی خدمت کی تاریخی ترتیب نہیں بلکہ جغرافیائی وسعت بیان کی گئی ہے۔

۲۰:۱۵۔ اس علاقے میں جاتے ہوئے پولوس کا مقصد یہ تھا کہ ”جہاں مسیح کا نام نہیں لیا گیا وہاں خوشخبری سنائیں“۔ بنیادی طور پر اُس کے سامعین وہ غیر قوم لوگ ہوتے تھے جنہوں نے مسیح کے بارے میں پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ اس طرح وہ کسی دوسرے کی بنیاد پر عمارت نہیں اٹھاتا تھا۔ پولوس کا نمونہ نئے علاقوں میں کام کرنے والے خادموں کو اسی عمل کی پیروی کرنے کا پابند نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر بعض خادموں کی بلا ہٹ یہی ہوتی ہے کہ جب نئی کلیسیا میں قائم ہو جائیں تو جا کر اُن میں منادی کریں۔

۲۱:۱۵ - غیر قوموں کے درمیان بنیاد رکھنے کا کام یسعیہ (۱۵: ۵۲) کی نبوت کی تکمیل تھا کہ جن کو (غیر قوموں) اُس کی خبر نہیں پہنچی وہ دیکھیں گے اور جنہوں نے نہیں سنا وہ سمجھیں گے۔ یعنی غیر قومیں خوشخبری کو سنیں گی، سمجھیں گی اور مثبت جواب دیں گی۔

۱۵: ۲۲، ۲۳ - پولس کو ہر دم یہی خواہش ہوتی تھی کہ نئی زمین میں ہل چلائے۔ وہ اس کام میں اتنا مصروف رہا کہ روم نہ جاسکا۔ لیکن اب اُس علاقے میں جس کا ذکر ۱۹: ۱۵ میں ہوا ہے، بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ دیگر خادم اس بنیاد پر عمارت اٹھا سکتے تھے۔ اس لئے پولس کو فرصت تھی کہ روم جانے کی اپنی دیرینہ آرزو پوری کر سکے۔

۱۵: ۲۴ - اُس کا منصوبہ تھا کہ "اسفانیہ" (سپین) جاتے ہوئے راستے میں روم میں سکے۔ البتہ وہ زیادہ دیر تک رکنے کا ارادہ نہیں کر رہا تھا۔ تاہم رفاقت رکھنے کی خواہش "رسی قدر" پوری ہو جائے گی۔ پولس کو یہ بھی یقین ہے کہ "سپین" تک سفر مکمل کرنے میں روم کے مسیحی اُس کی مدد کریں گے۔

۱۵: ۲۵ - لیکن فی الحال وہ "یروشلیم" کو جا رہا ہے تاکہ جو چندے غیر قوم کلیسیاؤں نے یہودیہ کے "مقدسوں کی خدمت کرنے کے لئے" جمع کئے تھے، وہ ان کو پہنچا دے۔ یہ وہی خیرات اور چندے ہیں جن کا ذکر ہم ۱- کورنٹیوں ۱۶: ۱ اور ۲- کورنٹیوں باب ۸ اور ۹ میں پڑھتے ہیں۔

۱۵: ۲۶-۲۷ - "مکدونیہ اور اٹلیہ" کے ایمان داروں نے کمال خوشی سے "غریب" مسیحیوں کی تنگ دستی میں مدد کرنے کے لئے چندہ جمع کیا تھا۔ دینے والوں نے پوری رضامندی سے دیا تھا۔ اور بقول پولس ان کے لئے دینا مناسب بھی تھا کیونکہ ان تک فضل کی خوشخبری یہودی ایمان داروں کی وساطت سے پہنچی تھی۔ اس لحاظ سے وہ یہودیہ کے ایمان داروں کے "فرض دار" تھے۔ اس لئے یہ توقع کرنا بالکل بجا تھا کہ وہ ان بھائیوں کو اپنی "مادی چیزوں" میں شریک کریں۔

۱۵: ۲۸، ۲۹ - پولس کہتا ہے کہ جیسے ہی میں اپنا یہ فرض "پورا" کروں گا یعنی وعدہ کے مطابق چندہ وہاں پہنچا دوں گا تو روم کے مسیحیوں کو مل کر آگے "اسفانیہ" (سپین) جاؤں گا۔ اُس کو پورا اعتماد ہے کہ "جب تمہارے پاس آؤں گا تو مسیح کی کامل برکت لے کر آؤں گا۔" جب بھی خدا کے کلام کی منادی رُوح القدس کی قوت میں کی جاتی ہے تو مسیح ہمیشہ ایسی برکت

اندھلتا ہے۔

۳۰:۱۵۔ اس حصے کے اختتام پر پوکس اپنے لئے دعا کی پُر جوش اپیل کرتا ہے۔ یہ اپیل اس بنیاد پر کرتا ہے کہ وہ ”خداوند یسوع مسیح“ کے ساتھ بیوستہ ہیں اور پاک ”روح کی محبت“ سے سرشار ہیں۔ وہ درخواست کرتا ہے کہ ”میرے ساتھ مل کر جانفشانی کرو۔“ لینسکی کہتا ہے ”یہ ایسی دعاؤں کے لئے پیکار ہے جس میں انسان اپنا پورا دل و جان اور روح ایسے لگا دیتا ہے جیسے کھیل کے میدان میں مقابلہ کرنے والے کھلاڑی لگاتے ہیں۔“

۳۱:۱۵۔ یہاں دعا کی چھ مخصوص درخواستیں ہیں۔ اول، پوکس اس دعا کی درخواست کرتا ہے کہ میں ”یہودیہ کے“ ان جنونی افراد سے ”بچا رہوں“ جو فضل کی خوشخبری کے دیوانہ دار مخالف ہیں، جیسے کہ وہ خود بھی کبھی تھا۔

دوم، وہ چاہتا ہے کہ روم کے ایمان دار دعا مانگیں کہ یہودی ”مقدسین“ خوشی کے ساتھ اس خیرات کو قبول کریں کیونکہ غیر قوم ایمان داروں کے سلسلے میں ابھی تک شدید تعصبات موجود تھے، بلکہ ان کے خلاف بھی جو غیر قوموں میں منادی کرتے تھے۔ پھر یہ خدشہ تو ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ لوگ اس تصور سے رنجیدہ ہو جاتے ہیں، برا مان جاتے ہیں کہ ہم ”کو خیرات“ دی جا رہی ہے۔

۳۲:۱۵۔ سوم، تیسری درخواست یہ ہے کہ خداوند روم کے اس دورہ کو ”خوشی“ کا موقع بنا دے۔ ”خدا کی مرضی سے“ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ پوکس کی آرزو تھی کہ ہر بات خدا کی ہدایت اور مرضی کے مطابق ہو۔

چہام، آخری درخواست یہ ہے کہ روم کا دورہ خود اس کے لئے ”آرام“ پانے کا موقع فراہم کرے۔ پوکس کی خدمت بے حد ہنگامہ خیز اور تھکا دینے والی تھی۔ اسے تازہ دم ہونے کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

۳۳:۱۵۔ پوکس اس باب کو دعا کے ساتھ ختم کرتا ہے کہ ”خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے تم سب کے ساتھ رہے۔ آمین۔“ باب ۱۵ میں خدا کو یہ نام دئے گئے (۱) صبر اور تسلی کا چشمہ (آیت ۵)۔ (۲) امید کا چشمہ (آیت ۱۳) اور (۳) اطمینان کا چشمہ (زیر نظر آیت)۔ خدا ہر اچھی چیز کا سرچشمہ ہے۔ ہر اچھی چیز جس کی گنہگار کو اس دنیا میں اور آنے والے جہان میں ضرورت ہے، اس کا منبع خدا ہے۔ ”آمین۔“

## ح۔ دیگر ایمان داروں کی قدر دانی اور سلام (باب ۱۶)

پہلی نظر میں یہ احتمالی باب غیر دلچسپ ناموں کی فہرست معلوم ہوتا ہے جو اب ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ لیکن اگر غور سے دیکھیں تو یہ نظر انداز شدہ باب ایمان دار کے لئے برکت سے قیمتی سبق پیش کرتا ہے۔

۱:۱۶۔ ”قیے“ کا تعارف ”کنخزئیہ کی کلیسیا کی خادمہ“ کے طور پر کرایا گیا ہے۔ ہمیں یہ خیال کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی خاص مذہبی نظام (کی رکن تھی، یا کسی خاص عہدہ پر فائز تھی۔ لیکن جو بہن بھی مقامی جماعت میں کسی تعلق کے ساتھ خدمت کرتی تھی۔ وہ خادمہ یعنی ڈیکنس ہو سکتی ہے۔

۲:۱۶۔ ابتدائی مسیحی جب ایک کلیسیا سے سفر کر کے دوسری کلیسیا کے پاس جاتے تھے تو تعارفی خط ساتھ لے جاتے تھے۔ یہ اگلی کلیسیا کے لئے عزت افزائی ہوتی تھی اور ملاقاتی کو سہولت دیتی تھی۔

چنانچہ رسول یہاں یقیے کا تعارف کرانا اور درخواست کرتا ہے کہ اُسے خداوند میں ایسے قبول کیا جائے جیسے ہم ایمان ”مقدموں کو چاہئے“۔ مزید درخواست کرتا ہے کہ ہر طرح سے اُس کی مدد کی جائے۔ اُس کی تعریف اور سفارش اس بنیاد پر ہے کہ وہ بھی بہنوں کی مددگار رہی ہے بلکہ میری (پولس کی) بھی۔ غالباً یہ بہن مبشروں اور کنخزئیہ کے دوسرے ایمان داروں کی ان تھک خدمت میں لگی رہتی تھی۔

۳:۱۶۔ اس کے بعد پولس ”پرسکھ اور گولہ“ کو سلام بھیجتا ہے۔ یہ دونوں بھی مسیح یسوع میں اُس کے جانباز ”ہم خدمت“ تھے۔ ایسے جوڑوں کے لئے خدا کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے جو مسیح کے کام میں قربانی کی نوح میں بے لوث خدمت کرتے ہیں۔

۴:۱۶۔ ایک موقع پر تو پرسکھ اور گولہ نے پولس کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ کیسا دلیرانہ اور بے جگری کا موقع ہوگا، جس کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ مگر رسول اُن کا ممنون احسان ہے۔ اور اسی طرح ”غیر قوموں کی سب کلیسیا میں بھی اُن کی شکر گزار ہیں۔ یہ

اے اگر خواتین کے لئے خصوصی عہدہ مراد ہوتا تو diakonos (خادمہ۔ ڈیکن) کی ٹونٹ صورت استعمال کی جاتی۔

وہ کلیسیائی میں جن میں پولس خدمت کرتا تھا۔

۵:۱۶۔ اور اُس کلیسیا سے بھی سلام کہو جو اُن کے گھر میں ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایمان داروں کی ایک جماعت اُن کے گھر میں جمع ہو کر تھی۔ گرجوں کی عمارتیں دوسری صدی کے اواخر تک وجود میں نہ آئی تھیں۔ اس سے پہلے جب پرِسکہ اور اِکولہ کنستنس میں قیام پذیر تھے تو وہاں بھی اُن کے گھر میں ایک کلیسیا تھی۔

”اپستلس“ کا مطلب ہے ”قابلِ تحسین“۔ بلاشبہ اخیرہ کا یہ پہلا نوٹریڈ اسم باسْمی تھا۔ پولس اُس کو ”میرے پیارے“ کہہ کر یاد کرتا ہے۔

۶:۱۶۔ اس باب میں عورتوں کے نام خاصے نمایاں ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کلیسیا میں بہت مفید اور سرگرم کارکن تھیں (آیات ۱۲، ۱۳، ۱۴ وغیرہ)۔ ”مریم“ دن رات محنت کرتی تھی۔

۷:۱۶۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ”اندرنیکیس اور پونیاس“ کب پولس رسول کے ساتھ قید ہوئے تھے۔ ”رشتہ دار کا مطلب واضح نہیں ہے کہ وہ واقعی پولس کے رشتہ دار تھے یا اُس کا مطلب ہے کہ میرے ”ساتھی یہودی“۔ ”رسولوں میں نامور“ کا مطلب بھی واضح نہیں ہے، یعنی رسول اُن کی عزت و احترام کرتے تھے یا وہ خود ”نامور“ رسول تھے۔ لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وہ پولس سے ”پیلے“ ایمان لائے تھے۔

۸:۱۶۔ اب ہماری ملامت ”امپلیطس“ سے ہوتی ہے جو خداوند میں پولس کا ”پیارا“ ہے۔ ہم اُن سب لوگوں کے نام صرف اس لئے سن رہے ہیں کہ اُن کا تعلق کلوری سے تھا۔ اگر ہم میں سے کسی میں کوئی قابلِ تعریف بات ہے تو یہی ہے کہ ہم مسیح کی صلیب سے تعلق رکھتے ہیں۔

۹:۱۶۔ ”آربانس“ کو رسول ”ہم خدمت“ کا لقب دینا ہے اور ”استنص“ کو ”میرے پیارے“ کہتا ہے۔ ردیوں باب ۱۶ مسیح کے تحت عدالت کی ایک نہایت چھوٹی سی تصویر معلوم ہوتا ہے جہاں مسیح کے ساتھ وفاداری کے ہر عمل کی تعریف ہوگی۔

۱۰:۱۶۔ ”اپتیس“ نے کسی آزمائش میں شان دار کامیابی حاصل کی تھی، اور اُس پر ”مسیح میں مقبول“ ہونے کی مہر لگی تھی۔

پولس ”آرستوبولس“ کے گھر والوں کو سلام بھیجتا ہے۔ یہ شخص ہیروڈیس اعظم کا پوتا

تھا۔ ”گھروالوں“ سے مراد غالباً اُس کے مسیحی غلام ہیں۔

۱۱:۱۶۔ ”ہیروڈیون“ بھی غالباً ایک غلام تھا۔ وہ پُلُوس کا ہم وطن ”رشتہ دار“ تھا۔

شاید وہ اربنتوس کے گھر میں واحد یہودی غلام تھا۔

”برکٹس“ کے کچھ غلام بھی ایمان دار تھے۔ پُلُوس اُن کو بھی یاد کر کے سلام بھیجتا

ہے جو لوگ معاشرتی لحاظ سے پچھلے درجہ پر ہوں، وہ مسیحیت کی خاص الخاص برکات سے

خارج نہیں۔ ناموں کی اس فہرست میں غلاموں کی فہرست ہمیں یاد دلاتی ہے کہ مسیح میں سارے

معاشرتی اور سماجی امتیازات مٹ جاتے ہیں، اس لئے کہ ہم سب مسیح میں ایک ہیں۔

۱۲:۱۶۔ ”تروقیہ اور تروفوس“۔ ان ناموں کے مطلب بالترتیب ”نازک/نفیس اور فراوانی/

لذیذ شے“ ہیں۔ لیکن وہ خداوند کی خدمت پہلے دل سے کرتی تھیں۔ ”پیاری پرسس“ بھی اُن

خاتون کارکنوں میں سے تھی جن کی مقامی کلیسیا میں بڑی ضرورت ہوتی ہے، لیکن جن کی قدر اُن

کی وفات کے بعد ہی ہوتی ہے۔

۱۳:۱۶۔ ”رُوفس“۔ ممکن ہے یہ اُس شمعون کا بیٹا ہو جس نے یسوع کی صلیب اٹھائی

تھی (متی ۲۷:۳۲)۔ یہ خداوند میں برگزیدہ ہے۔ نہ صرف اپنی نجات کے باعث بلکہ اپنے مسیحی کردار

کے باعث بھی وہ ”برگزیدہ“ مقدس تھا۔ رُوفس کی ماں ”پولس“ سے مادرانہ شفقت سے پیش

آئی تھی۔ اسی لئے وہ کمال محبت سے اُسے ”میری ماں“ کہتا ہے۔

۱۴:۱۶، ۱۵۔ ”اسٹیکرس اور فلگون اور ہرمیس اور پترباس اور ہرماس“۔ غالباً یہ سب گھریلو

کلیسیا میں سرگرم ارکان تھے۔ یہ کلیسیا ویسی ہی ہوگی جیسی پرسس اور اولہ کے گھر میں تھی (۱۶:۳، ۵)۔

”فلکس اور یولہ اور نیرئوس اور اُس کی بہن اور اُلپس“۔ یہ سب ایک اور گھریلو کلیسیا میں جوش و خروش

کے ساتھ جھڑپتے ہوں گے۔

۱۶:۱۶۔ ”پاک بوسہ“۔ اُس زمانے میں مقدسوں میں پیار اور الفت کے ساتھ ملنے اور سلام کرنے

کا یہ طریقہ رائج تھا۔ آج بھی بعض ممالک میں یہی رواج ہے۔ اس کو ”پاک بوسہ“ کا نام اس لئے

دیا گیا ہے کہ کسی قسم کی ناشائستگی کا احتمال نہ رہے۔ ہماری معاشرت میں ”بوسہ“ کی جگہ بغل گیر

ہونے نے لے لی ہے۔

پُلُوس یہ خط اخیر سے لکھ رہا ہے۔ وہاں ”کلیسیا میں“ بھی روم کی کلیسیا کو سلام بھیجتی ہیں۔

۱۷:۱۶۔ پُلُوس رسول خط ختم کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہے کہ اُن کو جھوٹے استادوں

کے بارے میں خبردار اور متنبہ کر دے۔ ایسے جھوٹے اور بے دین لوگ چھپکے سے کلیسیاؤں میں گھس آتے ہیں۔ مسیحیوں کو ان سے خبردار رہنا چاہئے جو اپنے گرد پارٹیاں جمع کر لیتے ہیں، اور غافل لوگوں کے ایمان کا جنازہ نکال دیتے ہیں۔ پوکس روم کے مسیحیوں کو چوکس کرتا ہے کہ ان کو تازہ لیا کرو۔ اور ان سے کنارہ کیا کرو۔ تازے کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تعلیم اس تعلیم کے برخلاف ہوتی ہے جو کہ مسیحیوں نے شروع سے اور کلام پاک کے مطابق پائی ہے۔

۱۸:۱۶۔ یہ جھوٹے استاد ہمارے خداوند مسیح کے فرمانبردار نہیں ہوتے بلکہ اپنے پریٹ کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کے غلام ہوتے ہیں اور اپنی چکنی چھٹری باتوں سے سادہ دلوں کو بہکاتے ہیں۔

۱۹:۱۶۔ پوکس رسول اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ اس کے قارئین کی فرمانبرداری ... مشورہ ہو گئی ہے۔ یعنی سب جانتے ہیں کہ وہ خداوند کے فرمانبردار ہیں، تو بھی پوکس چاہتا ہے کہ وہ اس لائق ہوں کہ درست تعلیم اور نیکی کو پہچان سکیں۔ اور بدی سے دور رہیں۔ ۲۰:۱۶۔ اس طرح خدا جو اطمینان کا چشمہ ہے ان کو شیطان پر بہت جلد فتح دے گا۔ رسول کی دعائے برکت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مقدسین کے لئے ہر وہ چیز مانگتا ہے جس کی ان کو جلال کی طرف سفر میں ضرورت ہو۔

۲۱:۱۶۔ ہم تمہیں کو جاننے پہچانتے ہیں۔ وہ ایمان میں پوکس کا فرزند اور وفادار ہم خدمت ہے۔ لیکن ہم لوکس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، سوائے اس بات کے کہ پوکس کی طرح اس کے والدین بھی یہودی تھے۔ ہو سکتا ہے یاسون سے ہماری پہلے بھی ملاقات ہوئی ہو (اعمال ۱۷:۵)، اور سو سپٹرس کو بھی پہچانتے ہوں (اعمال ۲۰:۲)۔ یہ دونوں بھی یہودی تھے۔

۲۲:۱۶۔ تریس وہ شخص ہے جس نے پوکس کے لئے یہ خط لکھا۔ تریس قارئین کو اپنی طرف سے بھی سلام لکھتا ہے۔

۲۳:۱۶۔ نئے عہد نامہ سے کم از کم چار اشخاص ہیں جن کا نام گیس ہے۔ یہ گیس غالباً وہی ہے جس کا ذکر ۱ کرنتھیوں ۱۴:۱ میں آیا ہے۔ وہ اپنی مہمان نوازی کے لئے مشورہ تھا۔ وہ نہ صرف پوکس بلکہ تمام ضرورت مند مسیحیوں کی دلجوئی سے مہمان نوازی کرتا تھا۔ اراستس کرنتھس شہر کا خزانچی تھا۔ لیکن کیا یہ وہی شخص ہے جس کا ذکر اعمال ۱۹:۲۲



ادر/کریا ۲- تیمتھیس ۴: ۲۰ میں آیا ہے ؟ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ”کوارٹس“ کا ذکر صرف ”بھائی“ کہہ کر کیا گیا ہے۔ لیکن آخر یہ بھی کوئی کم اعزاز نہیں! بہت بڑی عزت ہے!

۱۶: ۲۴۔ ”ہمارے خداوند یسوع مسیح کا فضل تم سب کے ساتھ ہو۔“ یہ پُلُس کا مخصوص

اختتامی کلمہ برکت ہے۔ یہ آیت ۲۰ ب والا کلمہ ہے۔ یہاں ”سب“ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ بہت سے مسودات میں یہ رومیوں کے خط کی آخری آیت ہے اور آیات ۲۵-۲۶ میں درج

حصہ خدا باب ۱۴ کے بعد آتی ہے۔ نسخہ سکندریہ میں آیت ۲۰ حذف ہے۔ کلمہ برکت اور خدا دونوں ہی خط کو ختم کرنے کے بہترین طریقے ہیں۔ اور دونوں ”آمین“ کے ساتھ ختم ہوتے ہیں۔

۱۶: ۲۵۔ خط کا اختتام حصہ خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں خدا کو پکارا گیا ہے کہ وہ

اپنے لوگوں کو یسوع مسیح کی منادی میں مضبوط کر سکتا ہے، یعنی قائم رکھ سکتا ہے۔ پُلُس اس کو ”سیری خوشخبری“ کہتا ہے۔ بے شک نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ مگر اُسے ”غیر قوموں

کا رسول“ ہونے کی حیثیت سے یہ خوشخبری سونپی گئی تھی، جبکہ مثال کے طور پر پُلُس یہودیوں میں منادی کرتا تھا۔ ”یسوع مسیح“ کے بارے میں یہ پیغام ایک ”بھید“ ہے جس کا مکاشفہ ہوا

ہے، حالانکہ یہ بھید ازل سے پوشیدہ رہا۔ نئے عہد نامہ میں ”بھید“ وہ حقیقت ہے جس کا پہلے کبھی انکشاف نہیں ہوا، اور انسانی عقل اس بھید کو کبھی ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اب اس حقیقت کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔

۱۶: ۲۶۔ جس خاص بھید کا یہاں ذکر ہے، اس سے مراد یہ حقیقت ہے کہ ایمان لانے

والے یہودی اور ایمان لانے والے غیر یہودی ہم میراث ہیں۔ مسیح کے بدن کے یکساں شریک ہیں،

یعنی ”یسوع مسیح میں غیر قومیں خوشخبری کے وسیلہ سے میراث میں شریک اور بدن میں شامل اور وعدوں میں داخل ہیں“ (افیسوں ۳: ۶)۔

یہ بھید اب ”نبیوں کی کتابوں کے ذریعہ سے سب قوموں کو بتایا گیا ہے۔ یہاں مراد

پرانے عہد نامہ کے نہیں بلکہ نئے عہد نامہ کے دور کے ”نبیوں“ سے ہے۔ پرانے عہد نامہ کے صحائف میں اس کا علم نہیں تھا بلکہ نئے عہد نامہ کے ”نبیوں کی کتابوں کے ذریعہ سے“ منکشف

ہوا ہے (دیکھئے افسیوں ۲: ۲۰؛ ۳: ۵)۔

یہ انجیل کا پیغام ہے جس کے بارے میں ”خدا“ نے ”حکم“ دیا ہے کہ ”سب قوموں کو“

بتایا جائے تاکہ لوگ ”ایمان کے تابع ہو جائیں“ اور نجات پائیں۔

۱۶:۲۷: خالص حکمت کا سرچشمہ اور ظہور صرف "واحد...خدا" ہے۔ اور جلال اور

"تمجید" ہمارے درمیانی "یسوع مسیح کے وسیلہ سے ابد تک" اسی (خدا) کی ہے۔

چنانچہ پوکس کا شاندار خطِ اختتام کو پہنچتا ہے۔ ہم اس کے لئے خداوند کے کس

قدر احسان مند ہیں! اس کے بغیر ہم کیسے بے مایہ ہوتے — "آئین"





تفسیر الکتاب عام ایمان داروں کے لئے تحریر کی گئی ہے جس  
میں سادگی سے پاک کلام کے گہرے بھیدوں سے پردہ اٹھایا  
گیا ہے۔ اس پیش کش میں نئے عہد نامے کی نہایت احتیاط  
کے ساتھ آیت بہ آیت تشریح کی گئی ہے۔ سادگی اور سلاست  
کے باوجود کلام مقدس کے متنازع مسائل سے پہلو تہی نہیں کی  
گئی، بلکہ مصنف نے ان پر بھی تبصرہ کیا ہے اور اپنی رائے کے  
ساتھ ساتھ دیگر مفسرین کے خیالات بھی درج کئے ہیں۔  
علم الہیات کے ضمن میں مصنف نے اعتدال پسندی کا دامن نہیں  
چھوڑا جو اس کتاب کی ایک اور خوبی ہے۔ چنانچہ یہ تفسیر بآہل مقدس  
کے باضابطہ شخصی مطالعہ کے لئے از حد مفید ثابت ہوگی۔